OCTOBER 2008

ماہنامہ

کرن

عید مبارک

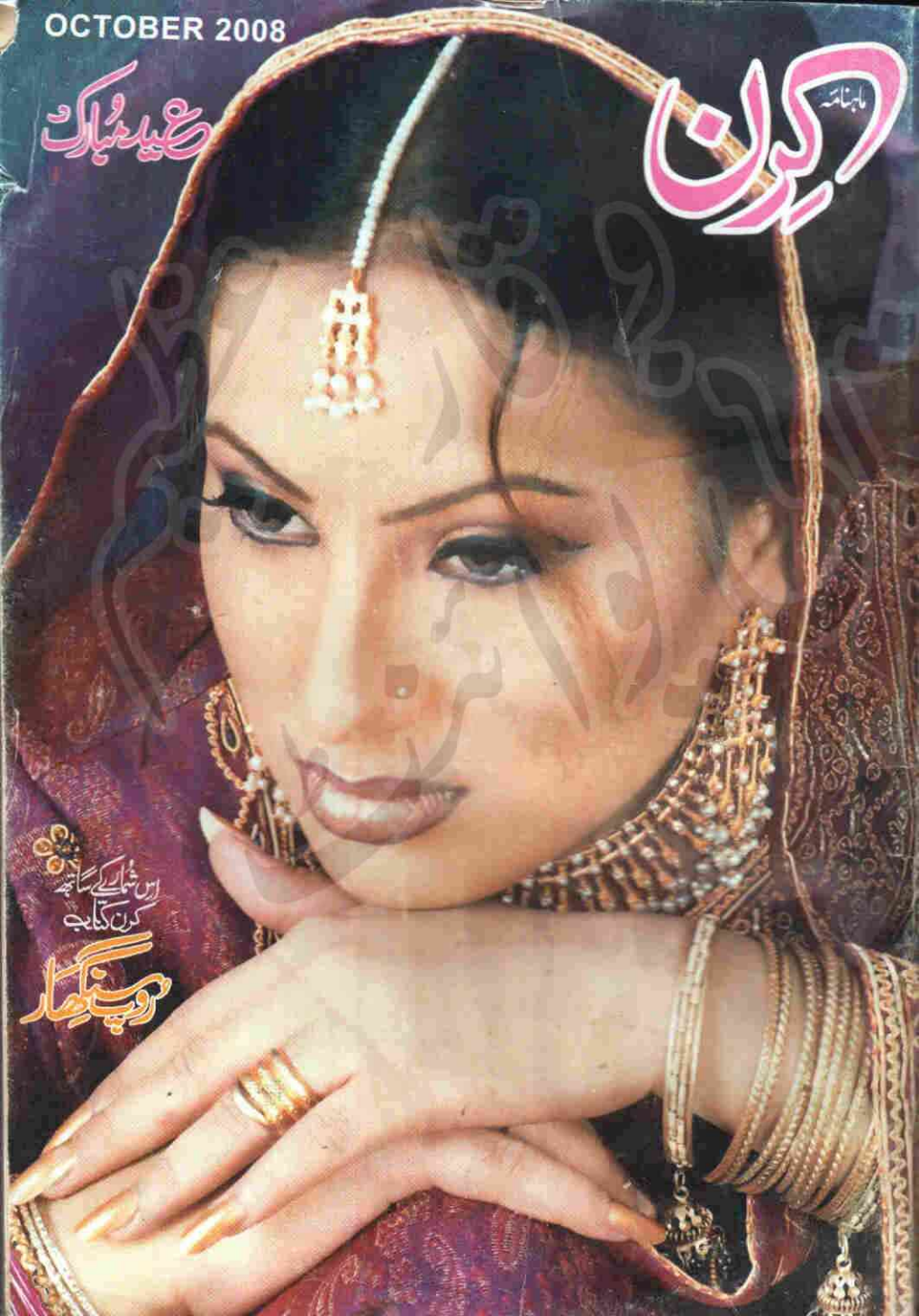

اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ
روپ سنگھار

حمد — مسرور کیفی 11

نعت — ریاض سہروردی 11

بیادِ محمود بابر فیصل

کاش اور جیتے رہتے — محمود شام 13

بابر — انشاجی 12

انٹرویو

میری پہلی روزہ کشائی — شاہین رشید 30

دو کا پہاڑہ — مدیحہ افتخار 26

پیا کا گھر — وجیہہ شامل خان 20

سبرین سبحانی — شاہین رشید 15

ماں جی — صدف جاوید 264

افسانے

جسے چاہیے — ثروت نذیر 50

ہنس کے کہو عید مبارک — سعدیہ رئیس 87

ارمان — شائستہ ثمرین 132

ناول

بساطِ دل — آمنہ ریاض 34

خوابِ خواہش زندگی — رابعہ رزاق 188

مکمل ناول

کتنی حسین ہے زندگی — ریا سید علی 102

محبت یوں نہیں اچھی — آمنہ رشید سندھو 156

حادثے ہی زندگی ہیں — فوزیہ یاسمین 206

ناولٹ

تحفہ — رخسانہ نگار 64

اترا ہے وہ ساحل پر — لبنیٰ جدون 138

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

اکتوبر 2008

جلد 31 شمارہ 7

قیمت 40 روپے

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو — شعاع عمیر 266

یادوں کے دریچے سے — بشریٰ محمود 270

مجھے یہ شعر پسند ہے — شگفتہ سلیمان 273

مسکراتی کرنیں — ریحانہ علی احمد 280

نہلے پہ دہلا — ذوالقرنین 284

حسن و صحت — ادارہ 278

دسترخوان — خالدہ جیلانی 275

نامے میرے نام — مدیرہ کرن 286

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 500 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 3500 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 4500 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37 اردو بازار کراچی

پبلشر و ایڈیٹر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام اشاعت: بی/91، بلاک۔ 'W'، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

Phone: 2721777, 2726617, 021-2022494 Fax: 2766872

منیرہ

اداریہ

اکتوبر کا شمارہ آپ کے سامنے ہے۔
عید پورے ماہ کی عبادت و ریاضت کے بعد مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام اور خوشیوں بھرا تحفہ ہے۔ عید سعید ہمارے احتساب کا بھی دن ہے کہ رمضان المبارک میں ہم نے کیا کیا؟ کون سی کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوئیں اور ہم ان کوتاہیوں کا کفارہ کیسے ادا کر سکتے ہیں۔
عید کی خوشیوں میں ان لوگوں کا بھی خیال رکھیں جو زندگی کی آسائشات اور ضروریات سے محروم ہیں۔ اپنے وقت اور سرمائے کو لہو و لعب میں خرچ کر دینا کسی مسلمان کا شعار نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی کام کرتے وقت اللہ کے حکم کو ضرور پیش نظر رکھیں احکامِ الٰہی کی اطاعت و فرماں برداری زندگی کے کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی و معاشرتی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دُعا ہے عید کی خوشگوار ساعتیں آپ کے لیے اَن گنت خوشیوں اور حقیقی مسرتوں کا پیغام لے کر آئیں (آمین)
ادارہ کرن کی جانب سے آپ سب کو دلی عید مبارک۔

محمود بابر فیصل (ذوالقرنین) کی برسی،

کچھ لوگ دُنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن اپنے پیچھے اتنی خوشگوار یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ اگر انہیں بھولنا بھی چاہے تو بھی انہیں بھلانا ممکن نہیں ہوتا۔ محمود بابر فیصل ایسی ہی دلکش اور سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں دوسروں کو تسخیر کرنے کا ہنر آتا تھا۔ انہیں ہم سے بچھڑے ہوئے کتنے ہی ماہ و سال گزر گئے۔ مگر وہ آج بھی ہمارے درمیان ہماری یادوں میں زندہ ہیں۔
25۔ اکتوبر کو محمود بابر فیصل کی برسی ہے۔ تمام قارئین بہنوں، احباب اور دوستوں سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- بیادِ محمود بابر فیصل،
- "میری پہلی روزہ کشائی"، معروف فنکاروں سے دلچسپ سروے،
- اداکارہ "سبین سبحانی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "پیا کا گھر پیارا لگے" میں وجیہہ شامل خان سے ان کے گھر کی باتیں،
- "مدیحہ افتخار" دوکے پہاڑے کے ساتھ،
- بساطِ دل، آمنہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "خوابِ خواہش اور زندگی"، رابعہ رزاق کا سلسلے وار ناول،
- "حادثے ہی زندگی ہیں"، فوزیہ یاسین کا مکمل ناول،
- "کتنی حسین ہے زندگی"، ریما علی سید کا مکمل ناول،
- "محبت یوں نہیں اچھی" آمنہ رشید سندھو کا مکمل ناول،
- "خمہ"، رخسانہ نگار عدنان کا دلچسپ ناولٹ،
- "اُترا ہے وہ ساحل پر"، لبنیٰ جدون کا ناولٹ،
- ثروت نذیر، سعدیہ رئیس، اور شائستہ ثمرین کے افسانے،

اور مستقل سلسلے،

مفت،
کرن کتاب "روپ سنگھار، عید اور شادی بیاہ کی تیاریاں" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

حمدِ باری تعالیٰ

حمدِ ربِ جلیل کیا کہیے
جو بھی کہیے وہ سب بجا کہیے

حمد کا حق ادا نہیں ہوتا
لفظ کتنے خوش نما کہیے

وہ علم و خبیر ہے تو پھر
حال کہیے نہ ماجرا کہیے

نعمتوں سے نوازتا اُس کا
یاد آتا ہے بارہا کہیے

مالک و خالق حقیقی کو
دو جہانوں کا آسرا کہیے

اور کیا کیا ہمیں نہ بخشے گا
جس نے بخشا ہے مصطفیٰ کہیے

ہم سے مسرور یہ کہاں ممکن
حرف اُس کی صفات کا کہیے

مسرور کیفی

نعت رسولِ مقبولؐ

یارب تیرے محبوب کا جلوہ نظر آئے
اس نورِ مجسمؐ کا سراپا نظر آئے

اے کاش کبھی ایسا بھی ہو خواب میں میرے
ہوں جس کی غلامی میں وہ آقا نظر آئے

روشن رہیں آنکھیں یہ میری بعد فنا بھی
گر وقت نزع وہ شہہ والا نظر آئے

تا حشر میری قبر میں ہو جائے اُجالا
مرقد میں جو ان کا رُخِ زیبا نظر آئے

جس در کا بنایا ہے گدا مجھ کو الٰہی
اس در پہ کبھی کاش یہ منگتا نظر آئے

کس آنکھ نے دیکھی ہے مثال اُن کے کرم کی
سرکارؐ تو کونین میں یکتا نظر آئے

کعبہ اے ریاض اس کو بنا لوں گا میں دل کا
گر نقشِ قدم مجھ کو نبیؐ کا نظر آئے

ریاض الدین سہروردی

بابر

اک لڑکا ہے دوست ہمارا
سُننا اس کا حال

ابّا کا گھر جالندھر ہے
امّی کا بھوپال

چمچہ، بوتل، چوسنی اُس کی
امریکہ کا مال

کُرتا، ٹوپی، جوتا، موزے
سب میڈان بنگال

ایک نجومی بتلاتا ہے
دیکھ کے ہاتھ کا حال

پڑھنے کو یہ جا کے رہے گا
لندن میں چھ سال

ملکوں ملکوں سیر کرے گا
چین، عرب، نیپال

مری میں اس کی کوٹھی ہوگی
دلّی میں سسرال

کابل کی پہنے گا چپّل
سری نگر کی شال

اک لڑکا ہے دوست ہمارا
سُننا اس کا حال

شاعر ہیں سب جھوٹ کے پُتلے
کیا کیا کریں کمال

دل سے باتیں جوڑ کے لکھ دیں
دیکھو ایک مثال

انشا نے یہ شعر کہے ہیں
کر کے محض خیال

ابھی تو تین مہینے کا ہے
بابر، ماں کا لال!

محمود بابر فیصل، انشاجی کے چہیتے بھتیجے تھے۔ وہ تین ماہ کے تھے جب انشاجی نے ان کے لیے یہ نظم لکھی تھی۔ یہ نظم انشاجی کے بچوں کے لیے نظموں کے مجموعے "بلّو کا بستہ" میں شامل ہے۔

کاش اور جیتے رہتے

محمود شام

مجھے وہ آنکھیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ جن میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک ستارہ سا ہمیشہ چمکتا اور جھانکتا محسوس ہوتا تھا۔

عینک کے پیچھے سے بھی۔ عینک کے بغیر بھی۔ ایک تجسس کی، جستجو کی۔ بہت کچھ جاننے کی چمک۔

جانے کس چیز کا تجسس، کس حقیقت کی جستجو کون سے حقائق جاننے کی دھن تھی۔

اپنے جرائد میں ان کی مستقل تحریروں کے بانکپن اور شگفتگی نے انہیں اپنے لاکھوں قارئین میں پہلے ہی بہت مقبول کر رکھا تھا۔ اس عمر میں بلکہ کم عمری میں اتنی مقبولیت کی آرزو ہم میں سے ہر لکھنے والے کو ہوتی ہے۔ یہ مقبولیت حوصلہ بھی بڑھاتی ہے۔ بعض شخصیتوں میں رعونت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن بابر میں رعونت نہیں بلکہ انکسار پیدا ہوتا تھا۔ لیکن یہ مقبولیت اتنی کم عمری میں حاصل ہو جائے تو اس کا ایک خطرناک پہلو بھی ہوتا ہے کہ یہ عمر کم کر دیتی ہے۔ انگریزی کے مشہور اور مقبول شاعر جان کیٹس بھی کم عمری میں مقبول ہوئے کم عمری میں چل بسے۔

محمود بابر فیصل بھی ہم سے ایسی عمر میں جدا ہوئے جو مرنے کی نہیں جینے کی عمر ہوتی ہے۔ انہوں نے اگرچہ کم عمری میں بہت سی منزلیں پالی تھیں لیکن ابھی بہت سی منزلیں ان کے قدم چومنے کے لیے بے تاب تھیں۔

محمود ریاض میرے دوست بھی ہیں اور کرم فرما بھی یہ رشتہ ہمارا انشاجی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور انشاجی سے ہمارا تعلق خاطر لاہور سے شروع ہوتا ہے۔ میں ہفت روزہ "قندیل" سے وابستہ تھا۔ ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ قندیل کے ایڈیٹر شیر محمد اختر مرحوم اپنے زمانے کے نفسیات کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ ان سے انشاجی کی بہت یاری تھی۔ میرا تعارف بھی انہیں دنوں میں ہوا۔ ہماری نسل انشاجی کو پڑھ کر ہی جوان ہوئی۔ نثر بھی اور ان کی شاعری دونوں ہی اس وقت کے نوجوانوں کو بہت متاثر کرتی تھیں۔ میں لاہور سے ہفت روزہ "اخبار جہاں" جوائن کرنے کے لیے ۱۹۶۷ء میں کراچی آیا تو انشاجی سے نیاز مندی، قربت اور رفاقت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اخبار جہاں کے مستقل کرم فرما تھے۔ ان کا کالم مقبول ترین کالم تھا۔ اس سلسلے میں اکثر ملاقاتیں رہنے لگیں۔

پھر محمود ریاض صاحب سے بھی تعارف ہوا قربت اگرچہ نہیں ہوئی۔ خواتین ڈائجسٹ اور اس خاندان کے دوسرے جرائد کا آغاز ہوتا رہا۔ ہماری خوشیوں

میں اضافہ ہوتا رہا کہ پبلشنگ کے میدان میں نئے عزائم کے ساتھ لوگ اتر رہے تھے۔ یہ مقبول عام جرائد تھے۔ قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ملک کے حالات سیاسی طور پر بگڑنے لگے۔ انشاجی کی صحت کے بارے میں خطرناک خبریں آنے لگیں۔ پھر انشاجی ہم سے جدا ہو گئے۔ عمر کی نقدی ختم ہو گئی۔ ہم سب روئے۔ پاپوش نگر کے قبرستان میں ایک قبر کی مٹی میں ہمارے آنسو بھی جذب ہوئے۔ وہ دن بہت ہی ظالم تھے۔ ان دنوں دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ سورج کی آنکھ بہت دہکنے لگی تھی۔ انشاجی ہمیں چھوڑ گئے۔ آمریت کے تاریک سائے ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔

"معیار" ہمارا ہفت روزہ بھی مارشل لا کے عتاب کا شکار ہو گیا۔

اداسیوں کے اس موسم میں محمود ریاض صاحب نے کئی بار پیشکش کی کہ میں ان کے لیے کچھ لکھوں۔ کچھ ان کے لیے کام کروں۔ انہی دنوں بابر صاحب سے ملاقات ہونے لگی۔

پھر بابر اے پی این ایس کے پلیٹ فارم پر سرگرم ہوئے۔ تو ہماری زیادہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔ مجھے یہ نوجوان ایک سراپا تجسس نظر آتا تھا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔

ماہنامہ صحافت کی تنگناؤں سے نکل کر ہفت روزہ صحافت کی ندیوں میں تیرنا چاہتا تھا۔ روزنامہ صحافت کے دریاؤں میں اپنی جولانی طبع کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی روزنامہ نکال کر شوق پورا کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ پہلے تمام ابتدائی مراحل طے کرے۔ رپورٹنگ کرے۔ کرائم کی رپورٹ دے۔ ڈیسک پر بیٹھ کر خبروں کا ترجمہ کرے۔ پھر وہ اپنا اخبار نکالے۔ جب 'جنگ' میں خصوصی نمائندے کی حیثیت سے سیاسی رپورٹنگ کرتا تھا تو وہ اکثر آجاتے اور پاس بیٹھے دیکھتے رہتے کہ رپورٹر حضرات کیا کر رہے ہیں۔ ٹیلی فون پر کیسے خبریں لیتے ہیں۔ پھر انہیں کیسے لکھتے ہیں۔ زبان و بیان کی باریکیوں پر بات کرتے۔ خبروں کے ذرائع پر کیسے اعتماد قائم کیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت یہ یقین ہو جاتا تھا کہ خواتین ڈائجسٹ کے گروپ آف پبلی کیشنز سے کبھی نہ کبھی ایک اچھا اور وقیع روزنامہ ضرور نکلے گا۔ روزنامہ تو نکلا لیکن بابر کی عمر نے وفا نہ کی اور گلشن ریاض کا ایک پھول وقت سے بہت پہلے مرجھا گیا۔ ہم ایک بار پھر روئے تھے اور ایک اور قبر میں ہمارے آنسو جذب ہو گئے تھے۔ عمر ہم لوگوں کے جانے کی تھی۔ چلے گئے محمود بابر فیصل اس جانے اور آنے پر ہم میں سے کسی کا اختیار نہیں۔

☼ ☼

اداکارہ سبین ہسبانی سے ملاقات

شاہین رشید

کسی بھی ڈرامے کا اگر ڈائریکٹر اچھا ہو تو وہ کمزور کہانی کو بھی جاندار بنا دیتا ہے اور اگر کہانی بھی جاندار ہو تو ڈائریکٹر کی صلاحیتیں کھل کر سامنے آتی ہیں پھر وہ فنکاروں سے اس انداز میں کام لیتا ہے کہ ہر فنکار کہانی میں نگینے کی طرح فٹ نظر آرہا ہوتا ہے۔

"میری ادھوری محبت" ایک نجی چینل کا ایک مقبول سیریل جس کی رائٹر "نور الہدیٰ شاہ" اور ڈائریکٹر یاسر نواز ہیں اس ڈرامے میں ہمایوں سعید اور سبین ہسبانی "مرکزی رول کر رہے ہیں اور اتنا اچھا کر رہے ہیں کہ جواب نہیں۔

ہم نے کرن کی قارئین کے لیے اس ماہ سبین ہسبانی سے کچھ گفتگو کی ہے۔

★ "کیسی ہیں سبین؟"

❊ "مت پوچھیں کیسی ہوں کیونکہ میں عقل داڑھ نکلوا کے آئی ہوں اور اب سارا منہ سن ہو رہا ہے انجکشن کا اثر بھی جا رہا ہے تو درد بھی شروع ہو گیا ہے۔"

★ "او..... ہو عقل داڑھ تو نہیں نکلواتے کیونکہ سنا ہے عقل بھی ساتھ نکل جاتی ہے؟"

❊ "قہقہہ ایک تو مجھے درد ہے اس پر آپ مجھے ہنسا رہی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ یا تو آپ عقل رکھ لیں یا پھر داڑھ رکھ لیں۔ درد اتنا تھا کہ سوچا کوئی بات نہیں عقل نکل جائے مگر اس داڑھ سے تو نجات مل جائے۔ اصل میں داڑھ کی پوزیشن ٹیڑھی تھی جس سے کافی درد ہوتا تھا۔ اس لیے نکلوانی ضروری تھی۔"

★ "اچھا یہ بتائیں کہ کبھی خواتین ڈائجسٹ اور اس ادارے سے.....؟"

❊ "بالکل..... پڑھے ہیں اس ادارے سے نکلنے والے میگزین آپ جس کے لیے چاہیں میرا انٹرویو کر لیں۔"

★ "بہت شکریہ کہ اتنی مصروفیت میں آپ نے ٹائم دیا۔ یہ بتائیں کہ ڈرامہ "میری ادھوری محبت" میں آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟"

❊ "میرا انتخاب بہت آسانی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ اس کردار کے لیے کافی لڑکیوں کے آڈیشن ہوئے۔ میں بھی ان میں شامل تھی اور جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے میرا انتخاب کافی سوچ بچار کے بعد ہوا اور اس انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آج سے تقریباً" دو سال پہلے میں نے نجی چینل سے ایک ٹیلی فلم "ایک اور سیتا" کی تھی اسے فصیح باری خان نے لکھا تھا اور مظہر معین کی ڈائریکشن تھی اس میں میں نے سیتا کا رول کیا تھا جو کہ ایک ہندو لڑکی تھی اس کردار کو اور میری پرفارمنس کو بہت پسند کیا گیا تھا اور وہ کردار مجھ پر بہت ہٹ گیا تھا اور ٹیلی فلم پسند بھی بہت کی گئی تھی تو

شاید میرا یہ کردار سب کی نظر میں تھا اس لیے میرا انتخاب کیا گیا۔

"میری ادھوری محبت" کے لیے شاید سب کا خیال تھا کہ یہ ہندو لڑکی بہت اچھی لگے گی اور شاید ڈائریکٹر کی نظر میں میں اچھی پرفارمر بھی ہوں۔ اس لیے میرا انتخاب کیا گیا۔"

★ "اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپ بہت اچھی پرفارمر ہیں۔ لیکن یہ بتائیں کہ آپ دوسری مرتبہ ایک ہندو لڑکی کا کردار کر رہی ہیں۔ تو کیسا لگ رہا ہے آپ خود کو اس روپ میں دیکھ کر؟"

❁ ہنستے ہوئے "کبھی کبھی لگتا ہے کہ سچ مچ کی ہندو بن گئی ہوں کیونکہ "ایک اور سیتا" کے بعد جب میں نے اپنے ڈراموں کا جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے زیادہ تر ہندو لڑکی کے رول کیے ہیں۔"

★ "کیوں؟"

❁ "شاید اس لیے کہ "ایک اور سیتا" کے بعد تو جیسے ہندو لڑکی کے کردار کے لیے مجھ پر مہر لگ گئی تھی کہ جب بھی کردار آفر ہوتا تھا وہ ہندو لڑکی کا ہی ہوتا تھا اور کچھ کردار مجھے کرنے بھی پڑ گئے۔ کبھی کبھی لگتا ہے کہ (اللہ مجھے معاف کرے) کہ جیسے میں سچ مچ ہندو بن گئی ہوں۔"

★ "ظاہر ہے کہ جب اتنی کثرت سے ہندو لڑکی کے کردار کریں گی تو خود تو کیا لوگ بھی آپ کو ہندو ہی سمجھنے لگیں گے۔"

❁ "سمجھنے کیا لگیں گے لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ہندو ہوں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں ایک سندھی لڑکی ہوں اور جہاں میں رہتی تھی وہاں زیادہ تر ہندو ہی رہتے تھے اور ہم میں اور ہندوؤں میں سوائے مذہب کے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمارا رنگ روپ، ہمارا اسٹائل، رہن سہن تقریباً ایک جیسا ہے تو اس وجہ سے میں دیکھنے میں ہندو لگتی بھی ہوں۔ تو بس لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں سچ مچ ہی ہندو ہوں۔"

★ "کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آیا جس سے لوگوں نے آپ کو غیر مسلم ہی سمجھا ہو؟"

❁ "ڈرامہ "ایک اور سیتا" میں پجاری کی بیوی نے مجھے اس وقت بہت ڈانٹا جب میں اس سے پوچھتی تھی کہ اب کیا کرنا ہے؟ کیسے کرنا ہے تو اس نے مجھے ڈانٹ کے کہا کیوں تم "مندر" نہیں آتیں؟ تو میں نے اس سے کہا کہ میں "ہندو" نہیں ہوں۔ وہ خود بھی دھوکہ کھا گئی۔"

★ "آپ بتا رہی ہیں کہ آپ ایسے علاقے میں رہیں جہاں زیادہ تر لوگ ہندو تھے تو یہ بتائیں کہ کس علاقے میں رہیں؟"

❁ "میں ۱۰ ستمبر کو حیدر آباد کے گاؤں "تھارو شاہ" میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی تو جہاں ہم رہتے تھے وہاں زیادہ تر ہندو تھے اور اسی گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر نویں جماعت سے لے کر گریجویشن تک تعلیم حیدر آباد میں حاصل کی۔"

★ "گاؤں کی پڑھائی اچھی تھی؟"

❁ "تھارو شاہ" میں جہاں ہمارا اسکول تھا وہ انگریزوں کے زمانے کا اسکول تھا اور اس ایریا میں وہ پہلا اسکول تھا اور وہیں ہماری دو، تین نسلوں نے تعلیم حاصل کی تو اس وقت وہ اسکول بہت اچھا تھا مگر اب تو بہت برا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پھر اور بھی پرائیویٹ اسکول بن گئے جو کہ انگلش میڈیم تھے۔"

★ "بہن بھائیوں نے بھی وہیں تعلیم حاصل کی؟"

❁ "ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میں دوسرے نمبر پر ہوں اور سب نے اسی اسکول سے تعلیم حاصل کی۔"

★ "ٹی وی پہ آپ کی آمد کیسے ہوئی اور کیا بچپن سے شوق تھا اس فیلڈ میں آنے کا اگرچہ یہ سوال پرانا ہے پر پوچھنا ضروری ہے؟"

❁ "ہاں ضرور پوچھیں یہ آپ کے انٹرویو کا ایک حصہ ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے بچپن سے ہی شوق تھا اور میں ٹی وی ڈرامے بہت شوق سے دیکھتی تھی اور پھر اسی طرح ڈائیلاگ بولنے کی کوشش کرتی تھی۔ ٹی وی پہ آمد اس طرح ہوئی کہ جب میں آٹھویں یا

شاید نویں کلاس میں تھی تو مجھے آفر ہوئی "روشن تارا" پروگرام کی کمپیئرنگ کی، یہ سندھی میں بچوں کا پروگرام تھا۔ میں حیدر آباد میں رہتی تھی تو حیدر آباد سے کراچی آنا میرے لیے مشکل تھا لہٰذا دو تین پروگرام کے بعد میں نے اس پروگرام کو چھوڑ دیا۔ پھر جب ہم کراچی میں شفٹ ہوئے تو ایک سندھی چینل سے کمپیئرنگ کی پیشکش ہوئی اور میرا پہلا ڈرامہ بھی اسی چینل سے ہوا۔ جس کا نام "بالی" تھا اور یہ سندھی سیریل بہت ہی مقبول ہوا تھا اس میں میں نے "بالی" کا رول کیا تھا اور بس اس کے بعد سلسلہ چل پڑا۔"

★ "سندھی میں "بالی" کیا اور اردو میں؟"

❁ "اردو کا پہلا ڈرامہ "ماسوری" تھا جو کہ زیبا بختیار کی پروڈکشن تھی اور زیبا نے میرا ڈرامہ "بالی" دیکھ کر ہی مجھے "ماسوری" میں کام کرنے کی پیشکش کی تھی اور اس ڈرامے میں جو میرا کردار تھا اس کے لیے مجھے "لکس ایوارڈ" کے لیے بھی منتخب کیا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ مجھے ایوارڈ نہیں ملا اور اس ڈرامے میں کام کر کے میں نے بہت کچھ سیکھا۔"

★ "عموماً" ہمارے یہاں فنکار نسل در نسل چلے آ رہے ہیں۔ تو آپ کا بھی اس فیلڈ میں کوئی تھا یا آپ اپنے خاندان میں پہلی فرد ہیں؟"

❁ "میرا اس فیلڈ میں کوئی بھی نہیں تھا اور جس فیملی سے میرا تعلق ہے اس فیملی نے تو اب کہیں جا کر اس فیلڈ کو تھوڑا بہت مانا ہے کہ یہ بھی ایک کام ہے اور اب ابھی کچھ لوگ مجھ سے ناراض ہیں کہ میں اس فیلڈ میں کیوں آئی اصل میں اس فیلڈ میں آنے کا شوق امی کو دیکھ کر ہوا میری امی گانا بہت اچھا گاتی ہیں۔ اور گانے کے معاملے میں کریزی ہیں تو جب ہم حیدر آباد سے کراچی میں آئے تو امی نے پی ٹی وی پہ ایسے ہی شوقیہ ایک دو گانے گائے اور سندھی میں گائے تھے امی کا نام "ماریہ بلوچ" ہے تو امی کو ٹی وی اسکرین پہ دیکھ کر اتنا اچھا لگا کہ میں نے تو سوچ ہی لیا کہ میں اس فیلڈ میں ضرور جاؤں گی۔"

★ "اور آپ آئیں اور کامیابیاں آپ کا مقدر بنیں؟"

❁ "بالکل، لیکن پہچان میری "ایک اور سیتا" اور اب "میری ادھوری محبت" سے بنی۔ حالانکہ ڈرامہ سیریل "ماسوری" میں میرا کردار بہت اچھا تھا۔"

★ "اس فیلڈ میں ان رہنے کے لیے کن باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

❁ "کوشش تو بہت کرتی ہوں کہ اپنے آپ کو ان رکھنے کے لیے اور اسمارٹ رہنے کے لیے صبح صبح اٹھوں اور ایکسرسائز کروں۔ مگر کیا کروں کہ مجھے اپنی نیند پہ قابو نہیں ہے صبح صبح اٹھنا میرے لیے محال ہے۔"

★ "اب تک آپ نے کافی مقبول لوگوں کے ساتھ کام کیا ہے۔ مگر پھر بھی کس کے ساتھ کام کرنے کو دل چاہتا ہے اور اس کا خوب صورت ہونا بھی ضروری ہے؟"

❁ "میری خواہش ہے کہ میں انڈین فنکار "عامر خان" کے ساتھ کام کروں۔ اگرچہ وہ بہت خوب صورت نہیں ہے مگر نہ جانے کیوں ان کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔"

★ "آپ نے ہمیشہ سنجیدہ رول کیے آپ کی گفتگو بھی بہت دھیمی ہے۔ کیا اصل زندگی میں بھی سنجیدہ ہیں؟"

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
درد کی منزل
رضیہ جمیل
قیمت ۔۔۔ -/180 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

❁ "ہاں میں عام زندگی میں سنجیدہ ہوں۔ مگر بہت زیادہ بھی نہیں۔ ویسے میں بہت کم بولنے والوں میں سے ہوں اور شور تو میں بالکل پسند نہیں کرتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں گھر میں ہوں تو تھوڑی خاموشی ہونی چاہیے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب گھر میں ماشاء اللہ سے سب موجود ہوتے ہیں تو لگتا ہے کہ جیسے سب ایک ساتھ بول رہے ہیں اس پر ٹی وی بھی لگا ہو تو بس..... پھر میں کہتی ہوں کہ بھئی یا تو آپ سب بولو یا پھر ٹی وی کو بولنے دو۔"

★ "فضول خرچ ہیں؟"

❁ "اپنے لیے نہیں اپنے گھر والوں کے لیے فضول خرچ ہوں اور دل چاہتا ہے کہ سب کے لیے دل کھول کر خرچ کروں۔"

★ "آپ بتا رہی ہیں کہ شور سے گھبراہٹ ہوتی ہے اور آپ منع بھی کرتی ہیں۔ جب آپ کی کوئی نہیں سنتا تو؟"

❁ "تو یقین مانیے کہ بہت غصہ آتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ چیزیں توڑوں اور ایک آدھ مرتبہ توڑی بھی ہیں۔ مگر اب تھوڑا کنٹرول کر لیا ہے۔"

★ "آپ کو شور و غل پسند نہیں تو پھر گھر میں آئے مہمان بھی اچھے نہیں لگتے ہوں گے؟"

❁ "نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ مہمان اچھے لگتے ہیں مگر وہ مہمان جن سے میری اچھی گپ شپ ہو۔ اگر وہ مہمان آجائیں جن سے میری کیمسٹری نہ ملتی ہو تو پھر میں بور ہو جاتی ہوں۔"

★ "ماشاء اللہ آپ اتنا کما لیتی ہیں اور یقول آپ کے کہ گھر والوں پہ خرچ کرنا آپ کو اچھا لگتا ہے۔ آپ اپنے لیے عموماً کیا خریدتی ہیں؟"

❁ "مجھے پرفیومز کا شوق ہے اور میں زیادہ تر اپنے لیے پرفیومز ہی خریدتی ہوں۔ اپنے لیے اور کوئی فضول خرچی نہیں کرتی۔"

★ "شوبز کی فیلڈ اگر دلچسپ ہے تو تھوڑی تکلیف دہ بھی ہے۔ اکثر فنکاروں کو مار بھی کھانی پڑتی ہے۔ آپ کے ساتھ ایسا کچھ ہوا؟"

❁ "ہاں ہاں بالکل ایسا ہوا مار تو نہیں کھائی البتہ تھپڑ ضرور کھائے ہیں۔ سب سے پہلا تھپڑ "ایک اور سیتا" میں نبیل نے مارا تھا اور بہت ٹھیک ٹھاک مارا تھا۔ ذرا ٹیکنک سے مارا تھا۔ مجھے زیادہ درد نہیں ہوا مگر ناظرین کو لگا کہ جیسے بہت زور سے مارا ہے اسی طرح "میری ادھوری محبت" میں میری اماں کا رول کرنے والی فنکارہ حنا دلپذیر نے تھپڑ مارا۔ یہ تھپڑ مجھے لگا تھا اچھا خاصا۔"

★ "میری ادھوری محبت" میں آپ کا رول بہت زیادہ رومانٹک ہے۔ آپ کو مشکل تو نہیں ہو رہی سب کے سامنے پرفارم کرتے ہوئے؟"

❁ "نہیں کوئی مشکل نہیں ہو رہی۔ کیونکہ اس "سوپ" سے پہلے بھی میں رومانٹک رول کر چکی ہوں اور جھجک شرم اس لیے نہیں آتی کہ اس وقت میں سبرین نہیں ہوتی بلکہ ڈرامے کا ایک کردار ہوتی ہوں۔"

★ "فلم میں کام کرنے کا ارادہ ہے؟"

❁ "ہاں ارادہ تو ہے مگر کمرشلز فلموں میں نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ میں آرٹ فلموں میں کام کروں بشرطیکہ کوئی اچھی آفر آجائے تو..... باقی یہ تھمکوں والی فلموں میں تو کام نہیں کروں گی کیونکہ میرا خیال ہے کہ میں بڑی ہو گئی ہوں۔"

★ "ماڈلنگ کی..... اور فلمیں دیکھتی ہیں؟"

❁ "نہیں ماڈلنگ نہیں کی کوئی بہت اچھی آفر بھی نہیں آئی۔ آئی تو شاید کر بھی لوں اور جہاں تک فلموں کی بات ہے تو میں انڈین آرٹ موویز کی دیوانی ہوں۔ اس لیے چاہوں گی کہ آرٹ موویز میں کام کروں۔"

★ "روشن تارا" میں کس کے توسط سے آئیں؟"

❁ "میں ایک دن حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن گئی تو وہاں میری ملاقات "حمید ہالیپوٹہ" سے ہوئی انہوں نے مجھے "روشن تارا" کی کمپئرنگ کی پیشکش کی جسے میں نے فوری طور پر قبول کیا اور یوں اس فیلڈ میں سفر کا آغاز ہوا۔"

★ "آپ سندھی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اردو اچھی ہونے کی کیا وجہ ہے؟"

❁ "میری اردو اچھی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے مطالعہ کا شوق ہے۔ پھر میری دوست بھی اردو بہت اچھی بولتی تھیں تو ان کی صحبت میں رہ کر میری اردو بھی اچھی ہو گئی۔"

★ "اپنے ڈرامے خود دیکھتی ہیں؟"

❁ "بالکل دیکھتی ہوں اور نقص بہت نکالتی ہوں۔ بہت تنقیدی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔"

★ "کیا تنقیدی نگاہ ہوتی ہے؟"

❁ "میں اپنی اداکاری اور اپنی ڈریسنگ میں بہت خامیاں نکالتی ہوں اور پھر اگلے ڈرامے میں ان کو بہتر کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ ڈائیلاگ ڈیلیوری کا خاص نوٹس لیتی ہوں کہ کس طرح بولے ہیں اور کس طرح بولنے چاہیے تھے۔"

★ "یاسر نواز کیسے ڈائریکٹر ہیں؟"

❁ "بہت اچھا..... بہت ہی اچھا ڈائریکٹر ہے۔ ماشاء اللہ اسے فنکاروں سے کام لینے کا ہنر آتا ہے۔ مجھے بہت اچھا لگا اس کے ساتھ کام کر کے۔"

★ "آپ کا انڈر پروڈکشن کتنا کام ہے؟"

❁ "صرف یہی سوپ ہے اور کچھ نہیں اور آپ پوچھیں گی کہ اور کیوں نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں سوچ رہی ہوں کہ اس کو مکمل کرنے کے بعد کوئی نیا کام سائن کروں۔"

★ "ایسا کیوں سوچ رہی ہیں۔ کیونکہ لوگ تو بیک وقت کئی ڈراموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں؟"

❁ "آفرز تو بہت آتی ہیں لیکن کوئی کردار ابھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جس کو کرنے کے لیے میں ہامی بھروں کوئی اچھا کردار آفر ہوا تو میں ضرور کروں گی ورنہ اچھے کردار کا انتظار کروں گی۔"

★ "کس کردار کا انتظار ہے؟"

❁ "ایک کردار جس کو کرنے کی مجھے حسرت ہے وہ "تھر کی لڑکی" کا کردار بہت ہی کوئی خوب صورت کہانی جو "تھر کی لڑکی" پر لکھی گئی ہو۔"

★ "انڈیا سے بھی آفر آئی اور کیا خیال ہے انڈیا جا کر کام کرنا چاہیے؟"

❁ "ایک آفر آئی تھی۔ اس کے بعد دوبارہ رابطہ نہیں ہوا اگر ہوا تو دیکھوں گی کہ کیا کردار ہے کتنا پاور فل ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر اچھی آفر آئے تو ضرور کام کرنا چاہیے۔ چاہے بالی ووڈ سے آفر آئے یا ہالی ووڈ سے۔"

★ "اب ہمارے ڈراموں میں بہت گلیمر آگیا ہے اور لباس کے معاملے میں بہت زیادہ فیشن آگیا ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

❁ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لباس کردار کی ڈیمانڈ کے مطابق ہی پہننے چاہئیں تاکہ حقیقت کا رنگ سامنے آئے۔ اور میں بھی کردار کی ڈیمانڈ پوری کرتی ہوں۔"

★ "تقریبات میں جانا پسند ہے؟"

❁ "نہیں بالکل نہیں کام کے بعد مجھے گھر میں رہنا اچھا لگتا ہے۔"

★ "گھر کے کاموں سے لگاؤ ہے؟"

❁ "بہت زیادہ مجھے اچھا لگتا ہے گھر کا کام کرنا۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے سبرین سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پیا کا گھر پیارا لگے

وجیہہ شامل خان

شاہین رشید

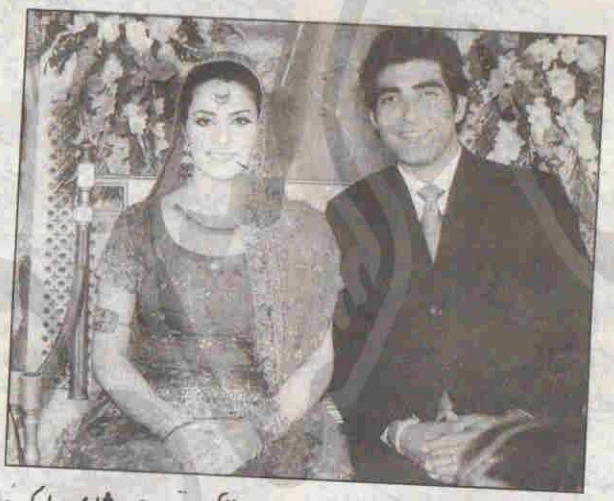

شادی ارینج ہو یا لو دونوں صورتوں میں اسے "جوا" کہا جاتا ہے اور حقیقت بھی کچھ یہی ہے۔ برسوں کی محبت شادی کے بعد اختتام پذیر ہو جاتی ہے اور کبھی ارینج میرج چند سال کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں ہی صورتوں میں شادی کامیاب ہو جاتی ہے۔

خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے انسان کے اپنے عمل کا بھی بڑا ہاتھ ہوتا ہے..... شامل خان شوبز کا ایک معروف نام ہے۔ حال ہی میں ان کی شادی ہوئی ہے اور وہ بھی ارینج۔ جبکہ عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ خیر شامل خان اپنے عمل سے اپنی ازدواجی زندگی کو کس طرح خوشگوار بناتے ہیں یہ تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی پتا چلے گا ابھی تو ان سے یہ پوچھنا ہے کہ شادی کے بعد ان کے دن رات کیسے گزر رہے ہیں۔ پہلے بات کریں گے ان کی دولہن وجیہہ سے۔

★ "کیسی ہیں وجیہہ شادی مبارک ہو؟"

* "بہت شکریہ۔"

★ "انٹرویو کے آغاز میں تو ہم چاہیں گے کہ آپ اپنا پورا نام بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟"

* "میرا پورا نام "وجیہہ حنا شامل خان" ہے اور شادی کو چھ مہینے ہونے والے ہیں 29 مارچ 2008 کو ہماری شادی ہوئی۔"

★ "کیسی لگ رہی ہے یہ نئی زندگی اور یہ زندگی زیادہ اچھی ہے یا جو آپ گزار کر آئیں وہ زندگی زیادہ اچھی تھی؟"

* "بہت اچھی لگ رہی ہے ماشاء اللہ سے اور دونوں زندگیوں کا اپنا ہی مزا ہے جب تک شادی نہیں ہوتی میکے کی لائف کا مزا ہے اور شادی کے بعد اس لائف کا بھی اپنا لطف ہے۔ زندگی تو ہے ہی خوب

صورت تحفہ جو اللہ نے ہمیں دیا ہے اسے ہر حالت میں انجوائے کرنا چاہیے۔ میں نے تو ماں باپ کے گھر رہ کر بھی زندگی کو انجوائے کیا اور اب اس زندگی کو بھی انجوائے کر رہی ہوں۔"

★ "اپنی فیملی کے بارے میں بتائیے؟"

* "ہمارا تعلق لاہور سے ہے لیکن ہماری فیملی پٹھان ہے ہمارے بڑوں کا تعلق کابل (افغانستان) اور ایران سے ہے اور ہم پانچ بہن بھائی ہیں یعنی ہم تین بہنیں ہیں اور دو بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے اور میں نے بی ایس سی کیا ہے ہوم اکنامکس میں اور بی ایڈ کی طالبہ ہوں۔"

★ "اتنا پڑھ لکھ کر کچھ جاب کرنے کا ارادہ ہے یا گھر داری کریں گی؟"

* "پڑھنا لکھنا تو بہت ضروری ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جاب کرنا ضروری نہیں اور شادی کے بعد تو گھر داری ہی بہتر ہے اس وقت تک جب تک کوئی مجبوری نہ ہو۔ اللہ کا بڑا کرم ہے اس لیے جاب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

★ "آپ کی ارینج میرج ہے یہ بتائیے کہ شامل خان سے ملاقات کب، کہاں ہوئی اور ان کا رشتہ آنا آپ کو کیسا لگا تھا؟"

* "ہماری شادی فیملی فرینڈ نے کروائی تھی اور ان کا رشتہ آنا بہت اچھا لگا تھا اور مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنے مشہور بندے سے میری شادی ہو رہی ہے۔ پھر جب یقین آیا تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔"

★ "آپ جب ان کے ساتھ شاپنگ پہ جاتی ہیں تو لوگ انہیں پہچانتے ہوں گے آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے؟"

* "بہت اچھا لگتا ہے بہت خوشی ہوتی ہے۔ کہ سب ان سے کتنا پیار کرتے ہیں۔"

★ "یہ فیلڈ بھی تو خطرناک ہے اور نہ جانے کن کن

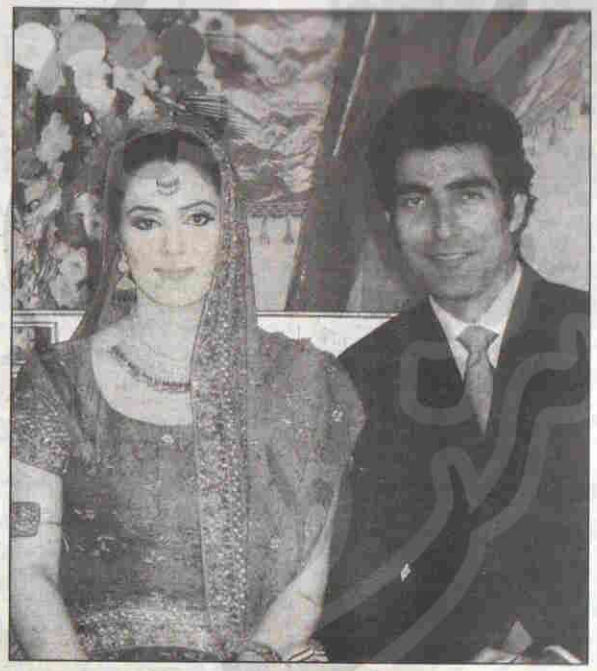

ہیو ئنز کے ساتھ آتے ہیں۔ تو آپ کو ڈر نہیں لگتا کیا؟

* "نہیں بالکل ڈر نہیں لگتا۔ انسان کو اچھا ہونا چاہیے۔ فیلڈ تو کوئی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ انسان کو ایک دوسرے پر اعتبار اور بھروسہ ہونا چاہیے تو ہیو ئنز کیا چیز ہیں۔"

★ "اسلام میں بھی تو چار شادیوں کی اجازت ہے؟"

* "آپ نے لگتا ہے دوسری شادی کروا کے چھوڑنی ہے۔ بے شک اجازت تو ہے پر اللہ ایسی نوبت نہ لائے۔"

★ "ہاں جی..... اللہ ایسی نوبت نہ لائے۔ یہ بتایئے کہ شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور فیلڈ سے تو کافی لوگ آئے ہوں گے؟"

* "ہاں جی۔ شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی مگر فیلڈ سے زیادہ لوگ نہیں آئے تھے بس مخصوص لوگوں کو ہی بلایا تھا البتہ ولیمے کے دن کچھ زیادہ لوگ آئے تھے۔ فیملی فنکشن تھا اس لیے باہر کے لوگوں کو کم ہی بلایا تھا۔"

★ "شادی کی بہت سی رسمیں ہوتی ہیں۔ کن رسموں کو انجوائے کیا؟"

* "میں نے شادی کی ساری رسمیں انجوائے کیں، کیونکہ شادی ایک ہی مرتبہ ہونی ہوتی ہے اگر اس موقع پر منہ بسور کر بیٹھے رہیں گے تو پھر انجوائے کیسے کریں گے۔"

★ "میکا چھوڑتے وقت کیا تاثرات تھے؟"

* "بس..... وہی جو ہر لڑکی کے تاثرات ہوتے ہیں کہ پیا کے گھر جانا ہے، بابل کا گھر چھوڑ کر اور جو سوچیں ہوتی ہیں کہ کیا ہوگا، کیسے ہوگا۔"

★ "میاں کے دل میں گھر کرنے کے لیے میاں کی خدمت کرنی چاہیے یا ان کے گھر والوں کی؟"

* "دونوں کی کرنی چاہئیں میاں کی بھی اور ان کے گھر والوں کی، کیونکہ سب قابل احترام ہوتے ہیں۔"

★ "شامل خان کی کتنی فیملی ہے اور کیا آپ جوائنٹ فیملی میں رہتی ہیں؟"

* "شامل کی فیملی میں والدین، سات بہن بھائی اور بھابھی ہیں اور جوائنٹ فیملی نہیں ہے۔ میرے سسرال والے سب اسلام آباد میں رہتے ہیں اور ہم دونوں لاہور میں رہتے ہیں اگر جوائنٹ فیملی میں رہنا پڑتا تو مجھے کوئی مسئلہ نہ ہوتا بلکہ اچھا لگتا۔"

★ "اپنا دلہن کا روپ دیکھ کر کیسا لگا تھا؟ اور یہ بور کے لڈو ہیں۔ انہیں کھانا چاہیے یا نہیں؟"

* "بہت زیادہ خوشی بھی ہوئی تھی، اپنا روپ اچھا بھی لگا تھا اور قدرت نے روپ بھی دیا سب نے تعریف کی کہ دلہن اچھی لگ رہی ہے اور ان بور کے لڈو کو ضرور کھانا چاہیے اور یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اس کو بعد میں پچھتانا پڑے۔"

★ "آپ نے شادی کے بعد گھر اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق پایا؟"

* "مجھے اپنے میکے اور سسرال کے ماحول میں بالکل کوئی فرق نہیں لگا، جیسے اپنے گھر کا ماحول تھا ویسا ہی ان کے گھر کے ماحول کو بھی پایا۔ مجھے زیادہ وقت نہیں لگا ایڈجسٹمنٹ میں۔"

★ "میاں بیوی کا رشتہ احترام کا بھی ہے اور بے تکلفی کا بھی۔ اکثر بیویاں بے تکلفی میں تم اور تو سے اپنے شوہر کو مخاطب کرتی ہیں۔ آپ کس لہجے میں بات کرتی ہیں؟"

* "میں تو انہیں چاہے یہ اکیلے ہوں یا کوئی ساتھ ہو آپ سے ہی مخاطب کرتی ہوں۔ لڑکیاں کہتی ہیں کہ عزت دل میں ہوتی ہے بے شک ایسا ہے لیکن میں شوہر کے ساتھ بے تکلفی کو پسند نہیں کرتی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا نام لے کر مخاطب کرتے ہیں۔"

★ "آپ دونوں مزاجاً" کیسے ہیں؟"

* "یہ تو ماشاء اللہ مزاج کے بہت اچھے ہیں یہ اور بات ہے کہ کوئی چیز ناپسند ہو تو انہیں غصہ آتا ہے لیکن ویسے یہ بہت ٹھنڈے مزاج کے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ کوئی بری عادت بھی نہیں ہے۔ اور جہاں تک میرے مزاج کی بات ہے تو میں ٹھنڈی تو ہوں لیکن

جب غصہ آتا ہے تو بہت زیادہ آتا ہے اور غصہ تو ہر انسان میں ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہم دونوں میں ابھی تک کسی بھی بات پر لڑائی نہیں ہوئی ہے۔"

★ "اچھی اور خوشحال زندگی گزارنے کے لیے پیسہ ہونا ضروری ہے کیا؟"

* "اچھی زندگی کے لیے پیسہ ضروری ہے لیکن بہت زیادہ بھی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہو کہ آرام سے گزارا ہو جائے کسی سے مانگنا نہ پڑے اور ہر خواہش بھی پوری ہو جائے۔"

★ "فضول خرچی کرنا..... آپ کیا شامل؟"

* "کوئی بھی نہیں میں تو بالکل بھی نہیں ہوں اور کیوں کریں فضول خرچی ایک بندہ اتنی محنت کر کے کمائے اور اس کی کمائی کو فضولیات میں خرچ کر دیں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ فضول خرچی کی نہ میں قائل ہوں نہ یہ قائل ہیں۔"

★ "لڑکیوں کو تو بننے سنورنے اور جیولری کا بہت شوق ہوتا ہے کیا آپ کو نہیں ہے؟"

* "مجھے بھی شوق ہے بننے سنورنے کا لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر وقت ہی خریداری کی جائے یا ڈیمانڈ کی جائے کہ یہ لے دیں، وہ لے دیں۔ اتنا کچھ سسرال سے اور میکے سے مل چکا ہوتا ہے کہ اگر کافی عرصہ شاپنگ نہ بھی کریں تو گزارا ہو جاتا ہے۔"

★ "سسرال میں سب سے اچھا رشتہ کون سا لگا؟"

* "سسرال میں سب ہی رشتے بہت اچھے ہیں۔ ہر رشتے کی اپنی ہی پہچان اور محبت ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ میرے سسرال والے سب ہی بہت اچھے ہیں۔"

★ "آپ شامل خان کو بنی بنی اچھی لگتی ہیں یا سادگی میں یا یہ کہ ان کی کیا ڈیمانڈ ہوتی ہے آپ کے لیے؟"

* "میں انہیں صاف ستھری زیادہ اچھی لگتی ہوں اور جب موقعہ ہو تو بندہ سجتا سنورتا بھی اچھا لگتا ہے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ انسان گھر میں پاگلوں کی طرح سج سنور کے بیٹھ جائے۔"

★ "ان کے ساتھ کس قسم کی تقریبات میں جاتی ہیں؟"

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بدحواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور تماشے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

* "ہر قسم کی تقریبات میں جاتی ہوں۔ خواہ وہ خاندانی ہوں یا شوبز کی۔"

★ "شادی کے فائدے ہیں یا نقصانات ہیں؟"

* "اگر انسان یہ سوچ کر شادی کرے کہ پتہ نہیں اس کے فائدے ہوں گے یا نقصانات تو پھر تو وہ شادی ہی نہ کرے۔ شادی کے بعد ہی فائدے اور نقصانات کا علم ہوتا ہے۔"

★ "امور خانہ داری سے کتنا لگاؤ ہے خود پکاتی ہیں یا کک ہے؟"

* "امور خانہ داری سے بہت لگاؤ ہے اور کھانا میں خود ہی پکاتی ہوں اور شامل کو تو بھنڈیاں بہت پسند ہیں ویسے ان میں نخرہ ذرا بھی نہیں ہے۔ ہر چیز بہت شوق سے بغیر کسی نخرے کے کھا لیتے ہیں۔ مجھے اس معاملے میں کوئی پرابلم نہیں ہوتی جو پکاتی ہوں خوشی کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔"

★ "روایتی بیویوں کی طرح کیا آپ ان کے سارے کام خود کرتی ہیں۔ جیسے کپڑے استری کرنا، جوتے پالش کرنا وغیرہ وغیرہ یا نوکر کرتے ہیں؟"

* "میں ان کے سارے کام خود کرتی ہوں اور مجھے اچھا بھی لگتا ہے ان کے کام کرنا۔ گھر میں نوکر ہیں مگر ان کے کام نوکروں سے نہیں کرواتی میں خود ہی کرتی ہوں۔"

★ "تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے؟"

* "یہ کہتے ہیں کہ مجھے آپ کے تحفوں سے زیادہ آپ کی مسکراہٹ اچھی لگتی ہے آپ ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہیں اس لیے آپ ہنستی رہا کریں۔"

★ "ہنی مون کہاں منایا؟ ملک کے اندر یا باہر اور ہنی مون منانا کیوں ضروری ہے؟"

* "ابھی تک ان کے ساتھ ملک سے باہر نہیں گئی۔ ہنی مون تو ملک میں ہی منایا اور مری اور بھوربن گئے تھے۔ اپنا ملک بھی بہت خوب صورت ہے اور ہنی مون منانا کیوں ضروری ہے تو اس کا جواب ہے کہ ہنی مون منانے سے آپ کو فوری طور پر ٹائم مل جاتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کا، پہچاننے کا، ایک دوسرے کو انڈر اسٹینڈ کرنے کا، ایک دوسرے کے قریب آنے کا۔"

★ "آٹھ دس دنوں میں یا زیادہ سے زیادہ پندرہ دنوں میں نیا جوڑا ایک دوسرے کو جان لیتا ہے؟"

* "جانتے تو نہیں ہیں لیکن کچھ کچھ پہچان تو کر لیتے ہیں ایک دوسرے کو کچھ کچھ سمجھ تو لیتے ہیں۔ جاننا تو انسان پوری زندگی نہیں ہے۔"

★ "منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟"

* "انہوں نے بہت ہی خوب صورت "اللہ" کا گولڈ کا لاکٹ دیا تھا اور چین دی تھی۔"

★ "آپ کے اپنی ساس سے تعلقات کیسے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ساس بہو سے کبھی ماں کا درجہ نہیں لے سکتی۔ ایسا ہے؟"

* (ہنستے ہوئے) "ساس سے تعلقات بہت اچھے ہیں اور ساری بات سمجھنے والی ہوتی ہے اگر ایک لڑکی اپنی ساس کو ساس سمجھے گی تو وہ اس کو ہمیشہ ساس ہی لگے گی اور اگر ماں سمجھے گی تو ماں لگے گی۔ میں تو ماں سمجھتی ہوں اس لیے وہ مجھے ماں ہی لگتی ہیں۔"

★ "اور آپ سے اس سلسلے کا آخری سوال کہ شامل خان نے گھونگھٹ اٹھا کر سب سے پہلا جملہ کیا بولا تھا؟"

* (قہقہہ) "گھونگھٹ تو تھا ہی نہیں البتہ کمرے میں آ کر پہلا جملہ یہ بولا تھا کہ آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں ماشاءاللہ..... اور اس وقت مجھے جو خوشی ہوئی تھی وہ بتا نہیں سکتی۔"

★ "اور اب کچھ باتیں شامل خان سے۔"

★ "شامل خان صاحب آپ کی بیگم سے تو گپ شپ ہو گئی۔ اب آپ بتائیں کہ آپ نے اپنی بیگم کو پہلی مرتبہ کہاں دیکھا تھا اور آپ کو ان کی کیا بات پسند آئی تھی کہ آپ نے ان کے لیے رشتہ بھیجا؟"

* "سچی بات بتاؤں کہ میں نے تو وجیہہ کو منگنی کے دن ہی دیکھا تھا۔"

★ "اچھا..... مگر کیوں؟"

* "میرے والدین انہیں دیکھ کر آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ لڑکی پسند آئی ہے تم بھی دیکھ لو۔

تو میں نے کہا کہ جی میں نے کیا دیکھنی ہے اگر آپ کو پسند ہے تو رشتہ لے جائیں اور بات پکی کر لیں۔"

★ "آپ شوبز سے وابستہ ہیں اور اس فیلڈ میں آپ نے بہت خوب صورت لڑکیاں دیکھی ہوئی ہیں۔ آپ کا دل نہیں چاہا کہ جو آپ کی شریک سفر بننے جا رہی ہے۔ اس کو بھی ایک نظر دیکھ لیں؟"

* "میرے لیے میرے والدین کی بہت اہمیت ہے۔ میرے گھر والوں کی بہت اہمیت ہے۔ ان کی خوشی میرے لیے بہت اہم ہے اپنی خوشی تو اپنے تک رہتی ہے لیکن یہ ایک ایسی خوشی تھی جو ان سے وابستہ تھی اس لیے میں نے اپنے والدین کو کہا کہ آپ میرے لیے لڑکی پسند کریں جو آپ کی پسند ہو گی وہ میری پسند ہو گی۔"

★ "منگنی کتنا عرصہ رہی اور جب منگنی کے دن دیکھا تو کیا تاثرات تھے آپ کے؟"

* "منگنی ہماری دو ڈھائی مہینے رہی اور جب میں نے انہیں منگنی کے دن دیکھا تو مجھے بہت اچھی لگیں اور مجھے اپنے والدین کی پسند پر فخر ہے۔"

★ "مزاجاً" کیسی ہیں وجیہہ؟"

* "ان کا اسٹار کینسر ہے اور اس ستارے کے لوگ جیسے ہوتے ہیں یہ بھی ویسی ہی ہیں۔ میری امی کا اسٹار بھی کینسر ہے۔ لہٰذا ان کا مزاج بھی میری امی کی طرح ہی ہے۔ یعنی اچھے مزاج کی ہیں۔"

★ "ساس اور بہو کا ایک ہی اسٹار ہے آپس میں اختلاف تو نہیں ہوتا؟"

* "نہیں اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کینسر واٹر سائن ہے اس طرح Pisces بھی واٹر سائن ہے تو جو اسٹار واٹر سائن ہوتے ہیں ان کی آپس میں بنتی ہے۔ سائن اگر فائر ہو تو پھر آپس میں نہیں بنتی کیونکہ آگ اور پانی کا کوئی ملاپ نہیں ہے اور ویسے بھی میری امی ذرا مختلف مزاج کی ہیں لہٰذا اختلاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

★ "وجیہہ کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

* "ابھی تک تو ساری عادتیں اچھی ہیں (قہقہہ) بری کوئی ہو گی تو ضرور بتاؤں گا۔"

★ "ابھی تو سب کچھ اچھا ہی لگ رہا ہو گا کیونکہ وجیہہ بتا رہی ہیں کہ آپ دونوں کے درمیان ابھی تک کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہوا؟"

* "جی ہاں ٹھیک کہا بیگم نے اور ویسے بھی میں لڑائی جھگڑے سے ذرا پرہیز ہی کرتا ہوں خواہ گھر ہو یا گھر سے باہر۔ مجھے لڑائی جھگڑے سے بہت کوفت ہوتی ہے اور گھر تو ہوتا ہی سکون کے لیے ہے۔ اس لیے گھر میں تو بالکل بھی نہیں جھگڑنا چاہیے۔"

★ "عموماً" داماد کی سسرال والوں سے بنتی نہیں ہے۔ آپ نے سسرال کو کیسا پایا؟"

* "میں نے سسرال کو بہت اچھا پایا اور سسرال والوں سے میری تو خوب بنتی ہے۔ سالے، سالیوں سے خوب گپ شپ رہتی ہے۔"

★ "کبھی آپ کی بیگم نے آپ سے کہا کہ آپ اس فیلڈ میں نہ رہیں مجھے ڈر لگتا ہے؟ کیونکہ اس فیلڈ میں کافی اسکینڈلز بنتے ہیں؟"

* "جب منگنی ہوئی تھی تو سسرال والے بڑے سوال پوچھتے تھے۔ کیوں ہے، کیسے ہے، کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ سمجھ گئے کہ یہ ان کا کام ہے۔"

★ "اور یہ آخری سوال کہ لڑکے اور لڑکی کی شادی کی عمر کیا ہونی چاہیے؟"

* "لڑکی تو اٹھارہ سال سے اوپر ہو جائے تو اسے شادی کر لینی چاہیے۔ البتہ لڑکے اس وقت شادی کریں۔ جب وہ اسٹیبلش ہو جائیں اور جب تک لڑکا ذہنی طور پر میچور نہ ہو شادی کے لیے تیار نہ ہو تو اس کی شادی نہیں ہونی چاہیے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

☼ ☼

دو کا پہاڑہ

مدیحہ رفتخار

شاہین رشید

1 "کوئی دو نام جن کے لیے آپ کی خواہش ہے کہ کاش یہ میرے ہوتے؟"

* "مشعل، منال۔"

2 "دو لکی نمبر؟"

* "میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتی۔"

3 "دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"

* "ضد اور دوسروں پر اعتماد کرنا۔"

4 "دو جھوٹ جن کو بول کر اپنی جان بچائی ہو؟"

* "نہیں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب بولتی ہوں سچ ہی بولتی ہوں اور چھوٹے موٹے جھوٹ تو بندہ بول ہی دیتا ہے۔ مگر ایسے جھوٹ نہیں بولے کہ جان بچائی ہو۔ ہاں اسکول کے زمانے میں اسکول جانے کو دل نہیں چاہتا تھا تو پھر پیٹ کے درد کا بہانہ بناتی تھی۔ بخار کا بہانہ یا کہیں اور درد کا ذکر کر دیتی تھی اور شوٹنگ کے لیے جو جھوٹ بولتی ہوں وہ پکڑے جاتے ہیں۔"

5 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر آپ کو برا لگتا ہے؟"

* "میرے کردار کے بارے میں کوئی بات کرے، کوئی شک کرے اور دوسری بات یہ کہ میری اداکاری پر کوئی تنقید کرے بلاوجہ کی تو مجھے برا لگتا ہے۔"

6 "کوئی دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"

* "میری کالج فرینڈ آمنہ اور شوبز کے دو لوگ ہیں اگر دونوں کے نام لیتی ہوں تو پھر آپ کا دو کا پہاڑا تین کا پہاڑا ہو جائے گا۔ مگر خیر "عمران عباس" اور "کنور نفیس"۔"

7 "موبائل فون کے دو فائدے یا دو نقصانات کیا ہیں؟"

* "ایک تو یہ فائدہ ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں دوسروں سے رابطہ کر سکتے ہیں اور پی سی او جانے اور کالنگ کارڈ کے عذاب نہیں رہے اب، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایمرجنسی میں بہت کام آتا ہے اور نقصانات یہ ہیں کہ آج کل لڑکیاں اور لڑکے اس کو غلط استعمال کر رہے ہیں غلط قسم کی ویڈیوز بنا لیتے ہیں۔ آوازیں ریکارڈ کر لیتے ہیں اور پھر بلیک میل کرتے ہیں۔"

8 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتی ہیں؟"

* "شب برات اور رمضان المبارک۔"

9 "اپنے بارے میں دو باتیں بتائیں جو ابھی تک کسی کو نہیں معلوم؟"

* "میں تو کھلی کتاب کی طرح ہوں۔ میرے بارے میں سب باتیں سب کو پتہ ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کے بارے میں کوئی انکشاف والی بات ہو۔"

10 "دن کے چار پہر میں کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

* "صبح کا وقت مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور اس کے بعد شام کا۔"

11 "دو کھانے جن کو کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

* "بھنڈی اور آلو کی بھجیا۔"

12 "دو چیزیں جو آپ لینا چاہتی ہیں؟"

* "چھوٹی تھی تو اپنی بہن کی کاسمیٹکس چوری کر لیتی تھی تو انہوں نے ان چیزوں کو لاک کر کے رکھنا شروع کر دیا۔ اب میرے پاس خود اتنی کاسمیٹکس ہے کہ چوری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے اب

کچھ نہیں چوری کرنا چاہتی۔"

13 "دو رشتے جو آپ کو پسند ہیں؟"

* "والدین بہنوں اور دوستوں کا۔"

14 "زندگی کے دو خوب صورت دن؟"

* "پہلا وہ دن جب میں نے اپنا پہلا ڈرامہ پارٹیشن اک سفر" سائن کیا تھا اور دوسرا دن ابھی آیا نہیں اس کا انتظار ہے۔"

15 "دو فلمیں جو آپ نے بار بار دیکھی ہوں؟"

* "کچھ کچھ ہوتا ہے اور کبھی خوشی کبھی غم۔"

16 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

* "موبائل اور پیسے۔"

17 "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

* "تمہاری سوچ ہوگی اور دوست۔"

18 "دو پسندیدہ صحافی؟"

* "اتنا آئیڈیا نہیں ہے۔ کسی کو قریب سے آزمایا نہیں ہے۔"

19 "سات دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

* "جمعہ اور ہفتہ ویک اینڈ شروع ہو جاتا ہے۔"

20 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

* "اپنا بیڈ روم اور ڈرائنگ روم۔"

21 "گھر کے دو کام جو آپ کو پسند نہیں؟"

* "کوکنگ کرنا اور گھر کی صفائی ستھرائی کرنا۔"

22 "موبائل فون کے دو پسندیدہ ماڈل؟"

* "آئی میڈ اور Nokia 6500۔"

23 "دو پسندیدہ میٹنگ پوائنٹ؟"

* "میریٹ اور یو اینڈ می کیفے۔"

24 "دو قوانین جن کو نافذ کر کے ملک کو سنوارا جا سکتا ہے؟"

* "اتنا مشکل سوال..... غریبوں کے لیے کوئی قانون بنا دیا جائے تاکہ یہ سڑکوں پہ کھڑے ہو کر بھیک نہ مانگا کریں..... اور سیاست دانوں کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی قانون نافذ ہو جائے تو ملک سدھر سکتا ہے۔"

25 "دو ایسے افراد جن پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکنے کو دل چاہتا ہے؟"

* "ہیں ایسی شخصیات جن کی وجہ سے ملک میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ انڈے ٹماٹر سے بھی زیادہ کوئی بری چیز ہو تو وہ پھینکنی چاہیے۔"

26 "کن دو ممالک کی ترقی نے متاثر کیا؟"

* "انڈیا، ملائیشیا اور چائینا۔"

27 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

* "بلیک اور پنک۔"

28 "اپنے ملک کی دو تفریح گاہیں جو آپ کو پسند ہوں؟"

* "ناران، کاغان اور کالام۔"

29 "سال کے چار موسموں میں کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

* "بہار کا اور گرمیاں، لان کے بڑے اچھے کپڑے پہننے کو ملتے ہیں۔"

30 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ باتیں؟"

* "ایک تو ان کے اندر "میں" بہت ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ سنجیدہ نہیں ہوتے مخلص نہیں ہوتے۔"

31 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے پہلے کرتی ہیں؟"

* "ٹوتھ برش کرتی ہوں اور پھر ناشتا کرتی ہوں۔"

32 "زندگی کے دو بہترین یا دو بدترین سال؟"

* "2003 میرے لیے بہت برا سال تھا۔ کچھ فیملی پرابلمز کی وجہ سے اس کے بعد 2004 بہت اچھا تھا پھر 2005 برا تھا اور 2005 میں بھی کچھ فیملی پرابلمز تھے اس کے بعد سے اللہ کا شکر ہے کہ سارے سال اچھے بلکہ بہترین گزر رہے ہیں۔"

33 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا؟"

* "میرے ابو، میرا دوست لیکن میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی۔"

34 "آپ کے نزدیک دنیا کے خوب صورت ترین مرد کون ہیں؟"

* "میرے ابو اور دوسرا میری زندگی میں آیا نہیں جو آئے گا وہی خوب صورت ہو گا۔"

35 "والدین کی دو نصیحتیں جو گرہ سے باندھ لی ہوں؟"

* "کسی کے ساتھ بدتمیزی سے پیش نہیں آنا اور دوسری یہ کہ اپنی عزت کروانا سیکھو۔"

36 "کوئی دو پیش گوئیاں جو آپ کے بارے میں سچ ثابت ہوئی ہوں؟"

* "ایک تو یہ کہ تم شوبز میں آؤ گی اور دوسری یہ کہ تم اس فیلڈ میں ترقی بھی کرو گی اور یہ دونوں باتیں سچ ثابت ہوئی ہیں۔"

37 "کوئی دو دوست جن کو آپ بھول نہیں سکیں؟"

* "قہقہہ..... ہاں دو فرینڈز ہیں میری زندگی میں۔ لیکن میں ان کے نام نہیں لکھوا سکتی۔"

38 "کن دو باتوں سے پرہیز کرتی ہیں؟"

* "لڑائی جھگڑے سے اور کسی کی برائی یعنی گوسپ کرنا مجھے پسند نہیں۔"

39 "دو مہنگے ترین تحفے جو آپ نے کسی کو یا کسی نے آپ کو دیے ہوں؟"

* "میرے والدین نے ہمیشہ کافی مہنگے تحفے دیے جبکہ ایک دوست نے مجھے پرفیوم کا تحفہ دیا تھا۔"

40 "کوئی دو خواہشات جو والدین نے پوری نہ کی ہوں؟"

* "نہیں ایسی کوئی خواہش نہیں..... والدین تو اپنے بچوں کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔"

41 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"

* سرگوشی میں..... "نہیں پڑھتی۔"

42 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"

* "کپڑے اور جوتے اور گھر کے لیے کوئی بھی چیز۔"

43 "دو مشروب جو آپ کے لیے آب حیات سے کم نہیں؟"

* "پانی اور جوسز۔"

44 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"

* "عاطف اسلم اور احمد جہاں زیب۔"

45 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتی ہیں؟"

* "مہندی اور رخصتی۔"

46 "خاندان کی دو ایسی شخصیات جن سے آپ اپنا ہر مسئلہ شیئر کرتی ہیں؟"

* "امی، ابو اور بہنیں۔"

47 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

* "تنقید اور جھوٹ۔"

48 "کن دو باتوں سے ڈر لگتا ہے؟"

* "موت سے اور شادی کے بعد کی لائف سے کہ پتہ نہیں کیا ہو گا۔"

49 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

* "کوئی خیال نہیں رکھتی۔ پر ایسا نہیں کہ جو دیکھا پہن لیا۔ کوشش کرتی ہوں کہ ایسا لباس پہنوں جو مجھ پر اچھا لگے اور دوسروں کو بھی اچھا لگے۔"

50 "معروف شخصیت بننے کے بعد کون سے دو مسائل درپیش ہوئے؟"

* "اسکینڈلز کے مسائل ہی درپیش ہوئے۔ بہت سارے لوگوں کے ساتھ میرے اسکینڈلز بنا دیے گئے جن میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔"

51 "معروف شخصیت بننے کے بعد کون سی دو تبدیلیاں آپ میں آئیں؟"

* "اپنی شخصیت سمجھ میں آ گئی اور لوگوں سے ڈیل کرنے کا طریقہ آ گیا۔"

52 "شادی شدہ زندگی کی دو خوبیاں یا خامیاں آپ کی نظر میں؟"

* "خوبیاں یہ کہ سپورٹ ہوتی ہے، پیار ہوتا ہے اور آپ ذہنی طور پر ریلیکس ہو جاتے ہیں۔ اور خامیاں یہ کہ اگر شوہر آپ کو انڈر اسٹینڈ نہ کر سکے تو پھر چھوٹے موٹے مسائل شروع ہو جاتے ہیں اس سے بہت ڈر لگتا ہے مجھے۔"

53 "غیر شادی شدہ زندگی کی دو خامیاں یا خوبیاں؟"

* "خوبیاں یہ کہ آپ آزاد ہوتے ہیں اور خود اپنی مرضی سے جی سکتے ہیں۔ کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔"

54 "گھر کے کس فرد سے کوئی دو شکایتیں ہیں؟"

* "مجھے اپنے دو بہنوئیوں سے شکایتیں ہیں لیکن وہ شکایتیں میں بتا نہیں سکتی۔"

55 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرنے کو دل چاہتا ہے؟"

* "وہ دو افراد جو میری زندگی سے جا چکے ہیں۔ اب ان کے بارے میں کیا بتاؤں آپ کو۔"

56 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

* "چھپکلی اور لال بیگ۔"

57 "مردوں کے دو نخرے جو برداشت نہیں ہوتے؟"

* "ان کے تو نخرے ہی نخرے ہوتے ہیں ایک یا دو کیا بتاؤں۔"

58 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

* "پنڈی کلب" اور "منال" یہ اسلام آباد میں ہے۔"

59 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے آپ ہمیشہ شاپنگ کرتی ہیں؟"

* "پاک ٹاور کراچی، الشیخ شاپنگ مال پنڈی۔"

60 "دو میگزین یا اخبار جو شوق سے پڑھتی ہیں؟"

* "نہیں پڑھتی جس میں انٹرویو آ جائے وہ پڑھ لیتی ہوں۔"

61 "دو تبدیلیاں جو اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"

* "میچور ہونا چاہتی ہوں۔ اپنی پاور اسٹرونگ کرنا چاہتی ہوں۔"

62 "دو چیزیں جو آپ کے بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

* "پرفیوم اور پیسے۔"

63 "کھانے کی ٹیبل پہ کون سی دو چیزیں نہ ہوں تو غصہ آتا ہے؟"

* "میں بہت قناعت پسند ہوں۔ جو ملتا ہے کھا لیتی ہوں۔ کبھی فرمائش نہیں کی۔"

میری پہلی روزہ کشائی

شاہین رشید

زندگی میں کچھ واقعات ایسے بھی پیش آتے ہیں جو ہمیشہ یاد رہ جاتے ہیں باشعور ہونے کے بعد اگر کچھ واقعات پیش آئیں اور وہ یاد بھی رہ جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ لیکن بچپن کی باتیں یاد رہ جائیں یہ بڑی اور انہونی بات ہوتی ہے انسان بچپن کی شرارتیں، بچپن کی تکالیف اور..... اور بچپن کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں یاد رکھتا ہے اور پہلا روزہ تو اس کی بہت بڑی خوشی ہوتی ہے لہٰذا بچہ اپنے بچپن میں رکھا گیا پہلا روزہ کبھی نہیں بھولتا۔

پہلا روزہ تو اس لیے بھی یاد رہ جاتا ہے کہ بچے سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں مگر بھوک پیاس ان سے برداشت نہیں ہوتی ایسے میں بڑوں کا چھوٹوں کے ساتھ حد سے زیادہ شفقت سے پیش آنا۔ انہیں پیار کرنا ان کی ہر فرمائش کو پورا کرنا، تحفے ملنا اور انواع و اقسام کے کھانے پکنا سب کچھ یاد رہ جاتا ہے۔

رمضان المبارک کی مناسبت سے ہم نے بھی سوچا کہ کیوں نہ معروف شخصیات سے پوچھیں کہ ان کی روزہ کشائی کب اور کس عمر میں ہوئی تھی۔ آیئے دیکھیں کہ کس کو اپنی روزہ کشائی یاد ہے۔

جواد احمد

مجھے اپنی پہلی روزہ کشائی اچھی طرح یاد ہے اس وقت میں دس سال کا تھا جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا۔ اگرچہ میرے لیے یہ ایک مشکل کام تھا لیکن گھر میں والدین نے اس کی اتنی زیادہ فضیلت بتائی تھی کہ میں نے بہت شوق سے روزہ رکھا۔ گھر کے بڑوں نے سارا دن میری خوب حفاظت کی کہ کہیں میں روزہ توڑ نہ دوں شام کو افطار کے وقت میری پسند کی چیزیں بنائی گئیں اور مجھے ڈھیر سارے تحفے بھی ملے۔

محمد قوی خان

ہمارے یہاں ہمیشہ سے ہی رمضان المبارک کی آمد اور پھر رمضان کے روزوں کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا اور گھر کے بڑے بہت اہتمام کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ اپنے بڑوں کو دیکھ کر مجھے بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوا اور جب میں پانچ سال کا تھا تو میری روزہ کشائی ہوئی۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے پہلا روزہ رکھا تو گھر والے بہت خوش تھے اور وہ بار بار مجھے پیار کرتے اور بہادر کہتے تھے۔ اتنی کم عمری میں روزہ رکھنے کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے بچپن سے ہی روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔

پہلی روزہ کشائی میں سب نے مجھے تحفے دیے اور بہت مزیدار پکوان پکائے۔

نجم شیراز

میں نے پہلا روزہ نو سال کی عمر میں رکھا اور مجھے یاد ہے کہ آدھا دن تو میرا ٹھیک گزرا مگر اس کے بعد پیاس سے برا حال ہو گیا اور میرا جی چاہا کہ میں چپکے سے پانی پی لوں۔ لیکن میری حفاظت اس قدر کی جا رہی تھی کہ موقعہ نہ ملا پھر والدہ محترمہ نے بھی روزے کی فضیلت کے بارے میں اتنا کچھ بتایا ہوا تھا کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ پھر جب حد سے زیادہ پیاس نے ستایا تو میرے والد مجھے اپنے آفس لے گئے اور وہاں ٹھنڈی ٹھنڈی بوتل (کولڈ ڈرنک) میرے سامنے رکھ دی کہ پی لو، جی تو چاہا کہ پی لوں مگر وہی بات کہ روزہ توڑنے سے کتنا گناہ ملتا

ہے یاد آ گئی تو میں نے کہا کہ نہیں میں روزہ نہیں توڑوں گا۔ میری اس بات کی سب نے بہت تعریف کی اور افطار کے وقت بہت خاطر مدارات کی گئی۔

عمیر لغاری

والدین نے تو میری روزہ کشائی پانچ سال کی عمر میں کی تھی جو کہ مجھے یاد نہیں۔ ہاں جب میں سات سال کا ہوا اور سب کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو میرا بھی دل چاہا کہ میں روزہ رکھوں تو اس لحاظ سے میں اپنا پہلا روزہ سات سال کی عمر میں رکھے گئے روزے کو کہوں گا۔ بڑے اہتمام کے ساتھ میں نے سحری کی اور صبح

اسکول چلا گیا۔ اسکول سے آ کر مجھے احساس ہی نہیں رہا کہ میرا روزہ ہے اور میں فریج سے سیب نکال کر کھانے ہی والا تھا کہ امی نے دیکھ لیا اور فوراً "میرے ہاتھ سے سیب لے کر کہا "یہ کیا کر رہے ہو تمہارا تو روزہ ہے" پھر تو امی نے سارا دن میری حفاظت کی حالانکہ میں نے جان بوجھ کر سیب نہیں نکالا تھا..... شام کو امی ابو نے میرے لیے افطاری کا خوب اہتمام کیا۔ قریبی رشتے داروں کو بھی بلا لیا اور انہوں نے مجھے ہار پہنائے اور تحفے بھی دیے۔

فضیلہ قیصر

میں تو جی جب چھٹی یا ساتویں میں تھی تو میں نے پہلا روزہ رکھا تھا اور روزہ رکھنے کے لیے مجھے کسی نے فورس نہیں کیا تھا بلکہ میرا اپنا ہی دل چاہا کہ میں روزہ

رکھوں تو میں نے روزہ رکھا گھر کی لاڈلی بیٹی تھی اس لیے کسی نے فورس نہیں کیا کہ روزہ رکھوں والدین کا یہی خیال تھا کہ کہیں روزہ رکھنے سے اس کی طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ اس لیے سارا دن میری امی میرے ناز نخرے اٹھاتی رہیں جبکہ میرا تو دوپہر تک بھوک سے برا حال ہو گیا تھا۔ امی نے میرے لیے نیا جوڑا لیا اور شام کے وقت ڈھیر ساری افطاری بنائی۔ چونکہ اپنے ہوش و حواس میں میں نے روزہ رکھا تھا اس لیے مجھے اپنی پہلی روزہ کشائی خوب اچھی طرح یاد ہے۔

عینی (گلوکارہ)

دس سال کی عمر میں میری پہلی روزہ کشائی ہوئی تھی۔ اور اتنی کم عمری میں روزہ اس لیے رکھا کہ میں بچپن سے ہی اپنے ممی پاپا کو روزے رکھتے ہوئے دیکھ رہی تھی پھر مجھ سے بڑے بہن بھائی بھی بڑی باقاعدگی سے روزے رکھتے تھے تو میں نے بھی ضد کی کہ میں نے روزہ رکھنا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ سحری میں میں خوشی خوشی اٹھی اور خوب ڈٹ کر سحری کھائی۔ سارا دن میرا بہت اچھا گزرا اور افطار کا شدت سے انتظار کیا تاکہ میں اچھی اچھی چیز کھا سکوں..... اور پہلے روزہ کی وجہ سے میری جو آؤ بھگت ہوئی اسے تو کبھی نہیں بھول سکتی۔ بہت مزا آیا تھا پہلا روزہ رکھ کر۔

غزالہ جاوید

پہلا روزہ یا پہلی روزہ کشائی سات سال کی عمر میں ہوئی تھی سحری میں خاص طور پر مجھے اٹھایا گیا اور کہا گیا کہ پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ تاکہ سارا دن بھوک پریشان نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤ گی تو روزہ نہیں رکھنے دیں گے۔ خوشی خوشی روزہ رکھا اور گھر والوں نے سارا دن میرا پہرہ دیا کہ یہ کچھ کھا نہ لے۔ شام کو افطاری میں قریبی رشتے داروں کو بلایا گیا جنہوں نے مجھے نا صرف پیار کیا بلکہ کافی سارے تحفے بھی دیے۔ بس ایک اچھا اور یادگار دن تھا۔

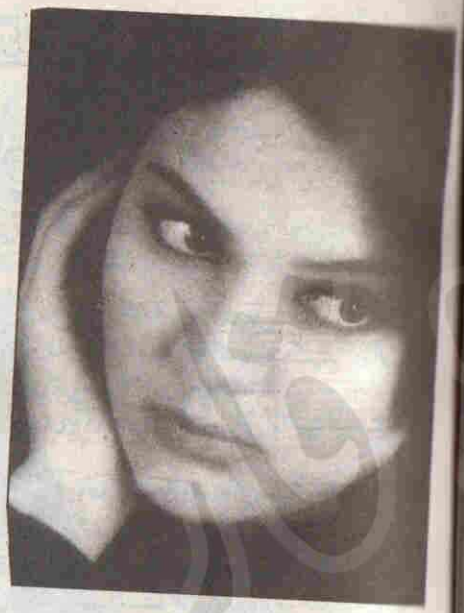

فائزہ حسن

میں شاید دس گیارہ سال کی تھی جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے گھر میں کسی کو کوئی خوشی نہیں تھی میرے روزہ رکھنے پر اسی لیے اہتمام کے ساتھ روزہ کشائی بھی نہیں ہوئی۔ بس افطاری میں بھی کوئی خاص اہتمام نہیں تھا سوائے اس کے لال شربت بن گیا تھا۔

ہمارے یہاں اس زمانے میں کوئی خاص دن ہوتا تھا تو لال شربت بنتا تھا تو جب افطاری کے وقت لال شربت بنا تو مجھے احساس ہوا کہ ہاں آج میرا پہلا روزہ ہے۔ جس طرح بچوں کے ساتھ پہلے روزے پر اہتمام ہوتا ہے میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ میرے گلے میں ہار ڈالنے کے لیے میری بہن ہار لے کر آئی تھی اور میں نے خود سے ہی ذرا اچھا جوڑا پہن لیا تھا۔ پہلی روزہ کشائی میں میرے ساتھ یہی یادگار وابستہ ہے کہ میرے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

روحانہ اقبال (ماہر بیوٹیشن)

جب ہم چھوٹے تھے تو گرمیوں کے روزے چل رہے تھے تو میں نے پہلا روزہ گرمی کے موسم میں رکھا۔ میں نے پانچ سال کی عمر میں پہلا روزہ رکھا اور اس دن شہر کراچی میں بہت گرمی تھی۔ گھر میں امی نے روزہ رکھوانے کا خاص اہتمام کیا۔ سحری میں امی نے انڈا پراٹھا کھانے کو دیا پھر دودھ کا گلاس اور پاس بٹھا کر امی نے سحری کرائی۔

اس کے بعد سارا دن میرا خوب خیال رکھا گیا اور دوپہر کو مجھے سلا دیا گیا تاکہ وقت آسانی سے گزر جائے۔ امی نے اس دن مجھے پانچوں وقت کی نماز پڑھائی اور روزہ کشائی کے وقت مہمانوں کو نہیں بلایا البتہ گھر کے سارے لوگ ایک جگہ جمع تھے افطاری کا خوب اہتمام تھا اور سب کی خواہش تھی کہ میں ان کے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھاؤں۔ رمضان کے اس مہینے میں پھر میں نے دو روزے اور بھی رکھے۔ اس کے بعد ہر رمضان میں پورے روزے رکھے۔

بقیہ صفحہ 260 پر

آمنہ ریاض

بساطِ دل

جہانگیر لاشاری معروف بزنس مین، شمسہ کے شوہر ہیں، ان کی تین اولادیں نشوا، اسوہ اور حنان ہیں۔
حنان جہانگیر لاشاری کا سوتیلا بیٹا، فلرٹی اور بگڑا ہوا انسان ہے اور جہانگیر لاشاری کے لیے اچھے جذبات نہیں رکھتا۔ ان کے گھر میں قیام پذیر شاہ نواز سلجھا ہوا، نفیس طبع انسان ہے۔ وہ بزنس میں جہانگیر لاشاری کی مدد کرتا ہے۔
"گلشن نگر" پر آپا بیگم کی حکومت ہے۔ اس نگر کے مکینوں کی راتیں جاگتی اور دن سوتے ہیں۔ گیتی آرا اپنے کمرے میں ایک اجنبی لڑکی کی آمد پر ناخوش ہے۔
مومنہ کم عمر اور نرم دل کی مالک لڑکی ہے۔ پڑوس میں رہنے والی گل بانو جو اپنے بھائی اور بھابھی کے ظلم کا شکار ہے، مومنہ اس کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے۔ محلے والے بھی گل بانو کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔
حلیمہ اپنے بچوں کے ہم راہ رہتی ہیں۔ وہ اور بچے اپنے نشئی باپ الیاس سے نالاں ہیں۔ حلیمہ کو اپنی بیٹی عانیہ سے شکایت ہے جو اپنے موجودہ حالات سے مطمئن نہیں۔ خوشی بوا، عانیہ کے لیے رشتے تلاش کر رہی ہیں۔ حنان روپوں کے لیے جہانگیر لاشاری کے آفس جاتا ہے اور وہاں شاہ نواز سے بدتمیزی کرتا ہے۔ جہانگیر لاشاری کے لیے بھی غیر شائستہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ شمسہ، حنان سے باز پرس کرتی ہیں تو وہ بزنس میں اپنے حصے کا تقاضا کرتا ہے۔
"گلشن نگر" میں آنے والی لڑکی گیتی سے مدد کی درخواست کرتی ہے۔ گیتی معذرت کر لیتی ہے۔ گیتی، مظہر سے بے زار

ہے۔ مظہر نئی آنے والی لڑکی رحاب پر بری نظر ڈالتا ہے۔ گیتی اسے تنبیہہ کرتی ہے۔
شفق، الیاس صاحب کے دوست کی بیٹی ہے اور حلیمہ کو امی ہی کہتی ہے۔ تیمور اس میں دلچسپی لیتا ہے۔ شفق کو بھی تیمور پسند ہے۔ تیمور کو سینے میں درد کی تکلیف ہے۔ رپورٹس دیکھ کر ڈاکٹر نے نوید سنائی کہ آپریشن کی ضرورت نہیں رہی۔
عانیہ کے لیے آئی خواتین عانیہ کو پسند کر لیتی ہیں۔ عانیہ اپنی خوب صورتی پہ نازاں اور غربت پر نالاں ہے۔
عادل، بازل اور اجیہ اشفاق چچا کی اولادیں ہیں۔ عادل کی نسبت عانیہ سے طے ہے۔ عانیہ کو عادل سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے۔
اسوہ اپنے یونیورسٹی فیلو حارث سے محبت کرتی ہے۔ حارث اس سے بے نیازی برتتے ہوئے ہے وہ حارث سے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار شاہ نواز سے کرتی ہے۔ شاہ نواز اس سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔

ثانیہ اکیڈمی میں پڑھا رہی ہے اور دو ہوم ٹیوشنز بھی کر رہی ہے۔ اشفاق چچا' الیاس کو سمجھاتے ہیں۔ الیاس' حلیمہ اور بچوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ شاہ نواز' حارث کی تلاش میں جاتا ہے۔ جہاں حنان اور اس کے دوست شاہ نواز کی بہت بے عزتی کرتے ہیں شاہ نواز' حنان کو ایک تھپڑ رسید کر دیتا ہے۔

تیمور کا ایکسیڈنٹ شاہنواز کی گاڑی سے ہو جاتا ہے۔ شاہ نواز اسے ہسپتال لے جا کر ڈریسنگ کراتا ہے۔ وہ تیمور کو گھر چھوڑنے آتا ہے تو عانیہ' شاہ نواز کو سخت سست سناتی ہے۔

نشہ اترنے کے بعد حنان شدید غصے میں شاہ نواز سے انتقام لینے آفس آتا ہے۔ اس کی غیر موجودگی پہ اس کے کیبن کا حشر کر دیتا ہے۔ جہانگیر لاشاری سے نہایت بدتمیزی سے بات کرتا ہے۔ جس پر جہانگیر لاشاری کو انجائنا کا اٹیک ہوتا ہے۔

مومنہ' گل بانو کو بتاتی ہے کہ وہ شاہ نواز کی محبت میں گرفتار ہے۔ عانیہ کے باغیانہ خیالات سے پریشان ہو کر ثانیہ' حلیمہ سے اس کی شادی جلد کر دینے کا کہتی ہے مگر حلیمہ راضی نہیں ہوتیں۔ عانیہ نے آرٹ اینڈ کرافٹ کی کلاس چند ماہ پہلے جوائن کی۔ وہیں اس کی ملاقات مظہر سے ہوئی۔ مظہر نے اسے موبائل فون گفٹ کیا۔ وہ اسے روز کال کرتا ہے وہ مظہر کی محبت میں گرفتار اور اس کی دولت کے سحر میں مبتلا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☼ ☼

۲۳

تیسویں قسط

بند شیشے سے کوئی چیز ٹکرائی تھی۔

شاید کوئی پرندہ یا کچھ اور وہ ہراساں ہو کر پیچھے ہٹی پھر ہوش میں آئی اور حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ شاید اسے اونگھ آگئی تھی اور گاڑی... گاڑی انجان راستوں پر اندھیرے کو چیرتی بڑے سکون سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے دیکھا اس کے ہراس سے قطعی ناواقف مظہر اپنے دوست سے آہستہ آواز میں باتیں کر رہا تھا۔

عانیہ نے کمر سیٹ سے ٹکائی اور گردن موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی جہاں گہری تاریک رات ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ آسمان پر ستارے تو تھے مگر دکھائی نہ دیتے تھے اور تیزی سے گزرتے سنہری قمقمے کہتے تھے وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے ہیں۔

اس نے ایک بار بھی پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہ کی تھی کہ کیا کچھ چھوڑے جاتی ہے۔ اس کے اندر تو فقط خاموشی تھی گہرا سناٹا کہ جس میں کوئی سوچ بھی نہ ابھرتی تھی۔

ہاں ایک بوجھ ضرور تھا اس کے ذہن پر' اس کے ضمیر پر۔

"مگر کتنے دن؟" اسے مظہر کی سنگت میں اب سب کچھ بھول جانا تھا۔ اپنا ماضی' اپنا وہ چھوٹا سا گھر' اس گھر کے مکین... بلکہ نہیں میں کسی کو نہیں بھول سکتی۔ وہ سب میرے اپنے ہیں میں نے جو اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو صرف اپنی زندگی سنوارنے کے لیے' زندگی سنوارنے کا حق کسے نہیں ہوتا... مجھے پتا ہے امی آپ مجھے اتنی جلدی معاف نہیں کریں گی لیکن جب میں مظہر کی ہمراہی میں خوش باش آپ سے ملنے آؤں گی تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گا... ایک صحیح کام جو درست طریقے سے ہو سکتا تھا آپ کی جذباتیت نے اسے غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا' مظہر غلط انتخاب نہیں ہیں یہ آپ کو ماننا ہو گا۔ آج نہیں تو کل... کل نہیں تو پرسوں۔" گاڑی رک گئی تھی اس کی سوچ کا سلسلہ بھی وہیں رک گیا۔

پھاٹک نما گیٹ چوکیدار نے پورا کا پورا کھول دیا گاڑی پانی کی سطح پر کسی کشتی کی مانند بہتی اندر داخل ہوئی اس نے دیکھا جب گاڑی چوکیدار کے پاس سے گزری تو اس نے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام کیا تھا عانیہ کے دل تک

ایک عجب سا احساس سرائیت کرنے لگا۔

گیٹ سے قریب ترین لیمپ پوسٹ روشن تھا مگر اس کی روشنی اتنی ناکافی تھی کہ دور تک کے منظر واضح نہ ہوتے تھے۔ گاڑی ایک مرتبہ پھر رک گئی اب کی بار فرنٹ سیٹوں پر براجمان دونوں مرد حضرات باہر نکل گئے چند لمحے بعد مظہر نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

عانیہ نے آہستگی سے باہر قدم رکھا رات گہری تھی اور تاریکی بہت... کچھ خیالات کی یورش... بے دھیانی میں پیر غلط پڑ گیا اور وہ بری طرح لڑکھڑائی مگر اس سے پہلے کہ گر جاتی مظہر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا۔

عانیہ کے دل میں خوف سا امنڈنے لگا یوں لگ رہا تھا جیسے کسی جنگل میں آگئی ہو جس روش پر وہ چل رہے تھے اس کے دائیں بائیں لمبے لمبے درخت تھے' گھنی گھاس اور خودرو جھاڑیاں' جھینگروں کی آوازیں اس کی سماعت کے قریب تھیں۔

وہ بے ساختہ مظہر کی طرف کھسک کر چلنے لگی۔ مظہر کے دوست نے ہی دروازہ کھولا اور لائٹس جلائیں' تب اسے یوں لگا جیسے بچپن میں پڑھی ہوئی کہانیوں کے طلسماتی محل کا کوئی منظر نگاہوں کے سامنے آگیا ہو۔ سجا سجایا' بیش قیمتی اشیا سے بنا محل۔

مظہر کا نہیں یونہی اس کا ہاتھ تھامے ایک لابی سے گزر کر کمرے میں آگیا۔

"تم بیٹھ کر ذرا ریلیکس کرو میں دیکھتا ہوں داؤد کیا کر رہا ہے... کچھ کھاؤ گی؟" وہ جاتے جاتے پلٹا عانیہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا پھر اچانک بولی۔

"ایک کپ چائے مل جائے تو۔" مظہر سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ عانیہ وہیں کھڑے کھڑے کمرے کا جائزہ لینے لگی محل کا کمرہ کیسا ہو سکتا ہے؟ وہ کمرہ بس ایسا ہی تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی بڑی مرعوب سی کیفیت میں پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے نرم و ملائم صوفے پر پہلی بار ہی تو بیٹھی تھی اس قسم کا ردعمل فطری تھا۔ وہ صوفے کو دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے جا کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے آج تک اپنی خوش قسمتی پر شک نہیں ہوا جس چیز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ لیتا ہوں اس کی خواہش کرنے سے پہلے وہ مجھے مل جاتی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک یہی ہو رہا ہے۔ اب یہی دیکھ لو اس لڑکی نے مجھے پہلی ہی نظر میں اٹریکٹ کیا تھا اور پچھلے تین دن سے مسلسل یہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے ٹکرا رہی ہے کبھی کسی شاپنگ مال میں دکھائی دے جاتی ہے تو کبھی کسی سگنل پر اور آج یہاں ریسٹورنٹ میں تمہیں ایسا نہیں لگتا حدید! قدرت چاہتی ہے یہ لڑکی اس موٹے انکل کی بجائے میری گرل فرینڈ بنے؟"

بڑی سنجیدگی سے اپنی خوش قسمتی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر اس نے حدید سے پوچھا تھا مگر نظریں ابھی تک گیتی آرا پر ٹکی تھیں جو اس ہال کے بالکل متضاد کونے کی میز پر بخت پیرزادہ کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کر رہی تھی مگر بھلا ہو حنان کی تیز نظروں کا جنہوں نے اتنی دور سے اور اتنی کم روشنی میں بھی اسے پہچان لیا تھا۔

"نہیں... مجھے ایسا نہیں لگتا۔" حدید نے اپنی پلیٹ میں کچھ اور سوس ڈالتے ہوئے اس سے زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

"ظاہر ہے تمہیں ایسا لگ بھی کیسے سکتا ہے قدرت تو مجھے اشارے دے رہی ہے۔" اس کی سنجیدگی اور خود

اعتمادی میں چنداں فرق نہ آیا تھا۔

"فار گاڈ سیک حنان! اب اس کے پیچھے نہ پڑ جانا۔" حدید چونکہ اس کی فطرت سے واقف تھا سو فوراً" اسے روکنا مناسب سمجھا۔

"کیوں..... تمہاری نظر ہے اس پر۔" وہ ہنسا اور رازداری سے پوچھا۔

"شٹ اپ۔" حدید نے ڈپٹ کر کہا۔

"یہ تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ دوسرے ٹائپ کی ہے ہماری کلاس کو سوٹ نہیں کرتی۔" اس نے مناسب الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ حنان ہی کیا جو ڈھکے چھپے الفاظ میں بات سمجھ لے۔

"اتنی گڈ لکنگ لڑکی بھی اگر ہمارا کلاس کو سوٹ نہیں کرتی تو پھر کیا فائدہ ہے ہماری کلاس کا؟ میں آج ہی اس کلاس کو ڈس اون کرتا ہوں۔" وہ سنجیدہ نہیں تھا بالکل بھی۔

"ایک تو تم بات سمجھتے نہیں ہو۔" حدید نے نیپکن سے لبوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"یہ جس لڑکی کو تم پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہو یہ ان لڑکیوں جیسی نہیں ہے جنہیں تم اپنی گرل فرینڈ بناتے ہو۔ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ یار! دوسرے ٹائپ کی ہے۔ جس کے ساتھ وقت بتانے کے لیے بس آپ کی جیب کو ہر وقت بھرا ہوا ہونا چاہیے۔"

"کالج میں گرل فرینڈز تو تمہاری بھی ہوتی تھیں حیرت ہے تمہیں پھر بھی نہیں پتا کہ سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں..... والٹ پر نظر رکھنے والی جس روز انہیں کھلانا چھوڑ دو یہ پلٹ کر آپ کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہیں، مجھے جس سے پیچھا چھڑوانا ہو اس کے ساتھ یہ ہی ٹرک آزماتا ہوں لیکن اس پر خرچ کرنے کا موڈ ہے میرا۔"

"حنان۔" حدید نے صدمے کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

"she is a prostitute..... دو دن میں تمہیں بیچ کر کھا جائے گی۔" حنان نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس لڑکی کو دیکھا پھر شک بھری نظروں سے حدید کو دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"بس پتا چل گیا۔"

"بہت خوب..... سارے زمانے میں خود کو زاہد مشہور کر رکھا ہے اور یہاں کراچی میں اس طرح کی دلچسپیاں پال رکھی ہیں..... بتاتا ہوں وریشہ کو۔"

"خبردار اس سے کچھ مت کہنا۔" حدید نے فوراً" ٹوک دیا حنان کا تو کچھ پتا بھی نہ تھا سچ مچ ہی وریشہ سے کہہ دیتا اور اس کا گھر بننے سے پہلے ہی اس میں آگ لگا کر تماشا دیکھتا۔

"ہمایوں سلیمان ہیں ایک میرے جاننے والے..... تھوڑا بہت بزنس ریلیشن شپ ہے ہمارا ان کے ساتھ، انہی کے یہاں ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تھی۔ بس وہیں سے جو معلومات ملیں وہ تمہیں بتا رہا ہوں، پیرزادہ سے بھی وہیں ملاقات ہوئی تھی لیکن اس وقت یہ لڑکی ہمایوں کی خاص مہمان تھی آج پیرزادہ کی ہے۔" اس نے تفصیل بتا دیا۔ حنان اس لڑکی کو دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

"اتنی خوب صورت Prostitute مہنگی تو ہوگی۔" یہ اندازہ تھا یا سوال حدید سمجھا نہیں حنان کہہ رہا تھا۔

"اور مجھے آج تک سستی اور کم قیمت چیز پسند ہی نہیں آئی..... تم دیکھنا حدید! چند روز بعد یہ لڑکی میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہوگی۔" حدید کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے چڑ کر بولا۔

"مرضی ہے تمہاری میں نے تو تمہیں وارن کرنا تھا کر دیا اب اگر تم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا چاہ رہے ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ مگر اتنا ضرور یاد رکھنا اس قسم کی لڑکیاں کبھی کسی کی نہیں بنتیں..... جس کی جیب زیادہ بھاری

دیکھیں گی پہلے والے کو اپنی زندگی سے کک آؤٹ کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گی۔"

"کم آن حدید! میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔" حنان ہنسنے لگا۔

"مجھے اس لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کرنا اگر کوئی سلسلہ بنا بھی تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ گزار لوں گا اس کے ساتھ۔ مگر اس سے زیادہ نہیں..... تمہیں پتا ہی ہے شیو کرنا اور لڑکیوں سے دوستی کرنا میرے لیے ایک برابر ہے..... اور پھر میں یہاں کتنے دن ہوں؟ سبرینہ سے رابطہ نہیں ہو پا رہا ورنہ اب تک تو میری بورڈ بھی ہو گئی ہوتی۔" حدید نے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

☼ ☼ ☼

مظہر کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا اس وقت عانیہ پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اور ٹکر ٹکر کمرے کی ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو۔" اس نے عقب میں دروازہ پورا کھولتے ہوئے کہا۔ بوڑھا ملازم کھانے کی ٹرالی دھکیلتا اندر لے آیا تھا۔

"بیس منٹ بعد چائے بھی لے آنا..... اور بات سن دو بے! تم چائے لے کر مت آنا صوبان کے ہاتھ بھجوا دینا۔" مظہر نے ملازم کو تاکید کی وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا باہر نکل گیا تب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اتنے لمبے سفر میں بیٹھ بیٹھ کر تھکی نہیں ہو؟..... اچھا کم سے کم اٹھ کر منہ تو دھو لو۔" اس نے کہا، عانیہ خاموشی سے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی جانے کیوں دل نہیں چاہ رہا تھا بات کرنے کو۔

مظہر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر زبردستی اسے کھڑا کر دیا۔

"چلو شاباش..... اٹھ کر منہ دھو اور اس پیارے سے چہرے پر تھوڑی مسکراہٹ لاؤ..... مجھے تمہیں اس طرح شرمندہ اور پشیمان دیکھنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا..... بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے اور تمہارے بغیر میں ایک بھی نوالہ حلق سے نہیں اتاروں گا۔" اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی واش روم میں گھس گئی۔ چند لمحے بعد منہ دھو کر باہر آئی تو مظہر پلیٹ اپنے سامنے رکھے اس کا منتظر تھا۔

"اب جلدی سے آجاؤ ایمان سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اتنے شارٹ نوٹس پر جو کچھ مل سکتا تھا سب لے آیا ہوں۔ تم نے سرپرائز بھی تو ایسا دیا کہ صحیح معنوں میں میرے تو حواس ہی گم ہو گئے۔ اگر ہلکا سا بھی اشارہ دے دیتیں تو کم سے کم تمہارے شایانِ شان استقبال تو کرتا۔ اب وہیں کیوں کھڑی ہو آبھی چکو یار! میں واقعی بھوک سے مرنے والا ہوں۔"

اس کی خوش مزاجی رات کے اس پہر بھی اپنے عروج پر تھی عانیہ کو بے اختیار اس پر رشک آیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے مظہر! آپ کھانا کھا لیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں تم اس وقت ڈسٹرب ہو، ڈپریسڈ ہو مگر کھانے سے کیسی ناراضی۔" مظہر نے اسے لا کر صوفے پر بٹھایا اور پلیٹ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"کیا لو گی؟ چائنیز رائس ہیں، چکن کڑاہی ہے اور یہ کٹلس بھی ہیں۔"

"مجھ سے نہیں کھایا جائے گا مظہر بالکل بھی نہیں..... میرا دل..... میرا دل چاہ رہا ہے میں مر جاؤں۔" وہ دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ ڈھانپ کر سسک اٹھی۔

"عانیہ..... نیا! میری جان۔" مظہر اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر تھپکنے لگا۔ وہ کچھ اور شدت سے رو دی۔

"اس طرح مت روعانیہ! مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

"مجھے بھی تکلیف ہو رہی ہے مظہر۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے دل پھٹ جائے گا۔۔۔ امی نے ایسا کیوں کیا؟ وہ آپ کے ساتھ برا نہ کرتیں تو مجھے کبھی اتنا بڑا قدم نہ اٹھانا پڑتا۔۔۔ انہوں نے برا کیوں کیا۔۔۔ اس گھر میں کوئی ایک بھی شخص تو میرا خیر خواہ نہیں تھا پھر میں وہاں کیوں پیدا کر دی گئی مجھے بتائیں مظہر۔۔۔ میں نے ٹھیک کیا نا۔۔۔ مجھے یہی کرنا چاہیے تھا۔" بے تحاشا روتے ہوئے وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"تم نے بالکل ٹھیک کیا عانیہ!۔۔۔ یہی صحیح تھا۔" اس نے عانیہ کے آنسو پونچھے عانیہ نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اس کی بات کا یقین نہ آ رہا ہو۔

"میں جانتی ہوں مظہر! میں نے ٹھیک کیا اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا لیکن۔۔۔ لیکن پھر مجھے سکون کیوں نہیں آ رہا۔ اتنا بوجھ سا کیوں محسوس ہو رہا ہے مجھے اپنے ضمیر پر۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم نے جن حالات میں اپنا گھر چھوڑا ان حالات میں کوئی بھی عقلمند انسان یہی فیصلہ کرتا' باقی بات رہی بوجھ کی تو ہر حساس انسان یہی سب محسوس کر سکتا ہے۔۔۔ تمہیں فکر ہے نا کہ تمہارے گھر والے تمہارے اقدام کو کیسے سہیں گے؟ مائی گاڈ نیا! تم میری توقعات سے زیادہ حساس ہو جن لوگوں نے ایک بار بھی تمہاری خوشیوں کے متعلق نہیں سوچا انہی کے لیے سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو۔۔۔ میری خوشی کو ان لوگوں کے لیے برباد نہ کرو عانیہ! تم جانتی ہو تمہارے اس فیصلے نے مجھے کتنی انرجی دی ہے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ محض میری خاطر تم اپنا سب کچھ چھوڑ آئی ہو۔"

"اپنا؟" اس نے تلخی سے دوہرایا۔

"وہاں کچھ بھی میرا نہیں تھا سب کچھ امی کا تھا یا ان کی بیٹیوں کا۔" اس نے پر تپش لہجے میں کہا۔ مظہر کو اچھا لگا سر جھٹک کر بولا۔

"چھوڑو ساری باتیں اب تم میرے ساتھ ہو ہم مل کر نئی زندگی شروع کریں گے۔" وہ بہلا رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہم نئی زندگی شروع کریں گے۔" وہ بہل گئی اور کھانا کھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

شاہنواز نے سائن کر کے فائل بند کی اور ثانیہ کی طرف بڑھا دی۔

"اسے انصر شیرازی کو بھجوا دیں اور۔۔۔ اور وہ جو ورکرز کے نئے سیلری پیکج کی فائل ہے۔۔۔ فائل نمبر سکس۔۔۔ وہ لے کر آئیں۔"

اس نے ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے ہدایت جاری کی تھی۔

"جی سر!" ثانیہ نے کہا ضرور مگر ساتھ ہی مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی جن کے ذریعے اپنا مدعا اس سخت گیر باس کے سامنے رکھ سکے اسے یہاں کام کرتے تقریباً" دو ماہ گزر چکے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں بہت خوش اسلوبی سے نباہ رہی تھی۔ اس کے کام میں اگر کچھ جھول تھا بھی تو وہ اتنا معمولی ہوتا تھا کہ تھوڑی سی پریکٹس سے اس میں خاطر خواہ بہتری لائی جا سکتی تھی اور اس جھول کی پکڑ بھی انتہائی غیر ضروری تھی اور یہ غیر ضروری کام اس کے باس صاحب انتہائی جانفشانی سے کر رہے تھے۔

اب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جہانگیر لاشاری کی طرف سے زری کی وجہ سے ملنے والی چھوٹ پر ہی وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتی مگر ایک تو اپنے اوپر لگا ہوا سفارشی کا دھبا اتارنے کا اسے بڑا شوق تھا دوسرا یہ کہ جس کی ماتحتی میں کام کر رہی تھی جب وہ ہی مطمئن نہ ہوتا تو کیا فائدہ تھا اس کی اتنی جان توڑ محنت کرنے کا۔ جہانگیر لاشاری صاحب کو اس کے کام کی تعریف کرنے کی۔

مگر باس صاحب کو متاثر تو بڑی دور کی بات مطمئن کرنا ہی اسے دنیا کا مشکل کام لگ رہا تھا وہ ہفتے میں دو دن آتے تھے اور کبھی کبھار بقول اس کی کولیگ شازمہ کے شام میں چھاپہ مارنے بھی آ جاتے تھے۔ ایسے میں باقی اسٹاف ممبرز میں کھلبلی مچتی تھی سو مچتی تھی ثانیہ کی جان مصیبت میں آ جاتی تھی کیونکہ شاہنواز صاحب معمولی غلطیوں کو بھی معاف کرنے کے قائل نہ تھے۔ سخت گیر باس کے ہر معیار پر پورا اترتے تھے اس روز اگر اس نے باس کو صوفیہ کی موجودگی میں ہنستے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو یقیناً" یہی سمجھتی اس شخص کو مسکراہٹ کا مطلب بھی نہیں پتا۔

"مس چوہدری۔۔۔ اپنی پرابلم؟" شاہنواز یکدم اس کی طرف متوجہ ہوا تب وہ گڑبڑا ہی گئی۔

"سر! پیکجز کی فائل تو سر لاشاری کے آفس میں گئی ہوئی ہے اپروول کے لیے۔" کہنا کچھ تھا گڑبڑاہٹ میں منہ سے نکلا کچھ اور۔

"تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟" شاہنواز نے ریسیور دوبارہ کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ پیون کو بھجوا کر فائل منگوا لیں۔ میں آج سارا دن یہاں ہی ہوں۔ فائل آنے میں تھوڑی دیر بھی ہوئی تو پرابلم۔"

"سر!" اس نے بات قطع کی۔

"سر! مجھے آج ہاف لیو چاہیے۔" اس نے اپنی بدتہذیبی پر غور کیے بنا جلدی سے کہہ دیا کیونکہ ذرا سی بھی دیر کرتی تو زبان تالو سے چپک جاتی۔

"ثانیہ بی بی آپ کو پتا ہے ابھی آپ کو جوائن کیے کتنا عرصہ ہوا ہے اور اس عرصہ میں یہ آپ کی کون سی چھٹی ہے؟" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے اس نے بڑی سنجیدگی سے روئے سخن اس کی طرف موڑا۔

"کل آپ فل لیو پر تھیں اور آج آپ کو ہاف لیو چاہیے۔ کل کو آپ آفس ٹائمنگ ختم ہونے سے دو ڈھائی گھنٹے پہلے جانا چاہیں گی مجھے بتائیے یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا؟ ملازمت کے آغاز میں آپ کا یہ حال ہے کچھ عرصہ گزرے گا تب آپ کیا کریں گی۔"

اسے طنز کرنے میں ملکہ حاصل تھا اور اس بات کا ٹھیک ٹھاک اندازہ وہ اس قلیل مدت میں لگا ہی چکی تھی۔ اس وقت بھی ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا وہ اسے ہر بار سے زیادہ کھڑوس اور برا لگا تھا۔ مگر کیا کرتی اپنی غلطی کا احساس تھا سو باس کی پھٹکار سننا مجبوری ٹھہری۔

"آپ کسی اور آرگنائزیشن سے وابستہ ہوتیں تو اب تک تو آپ کو لیگل وارننگ نوٹس بھی مل چکا ہوتا۔"

"میری کچھ مجبوری ہے سر! لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آئندہ ایسا نہیں ہو گا مگر آج۔۔۔ پلیز سر! مجھے چھٹی کی بہت ضرورت ہے۔" پتا نہیں اب اس کے لہجے میں بے بسی والا چاری زیادہ تھی یا شاہنواز ہی اکتا گیا تھا جان چھڑوانے والے انداز میں بولا (کم سے کم ثانیہ کو یہی لگا)

"ٹھیک ہے جو فائل میں نے آپ کو کہی ہے وہ لے کر آئیں اس کے بعد آپ جا سکتی ہیں۔"

"تھینک یو سر! تھینک یو سو مچ۔" اس سے پہلے کہ باس کوئی اور حکم دے وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

شاہنواز نے چند لمحے خالی الذہنی کی کیفیت میں گزارے پھر ریسیور اٹھا کر کال ملانے لگا۔ کال مل گئی اس نے چند منٹ بات کی مگر اس دوران بالکل لاشعوری طور پر اس کی نظریں سامنے والے ٹنٹڈ گلاس سے دکھائی دیتے منظر کے ایک جزو پر ٹکی رہی تھیں۔

ڈاپر نے فائلز سمیٹی تھیں۔۔۔ فون پر بات کی تھی۔۔۔ اس کے بعد وہ میز پر بکھری چیزیں اپنے بیگ میں رکھنے لگی تھی۔۔۔ اس نے پیون کو ہدایت دی تھی۔۔۔ مس شازمہ سے بھی کچھ بات کی تھی۔

شاہنواز نے بات مکمل کر کے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ چند لمحے بیک سے پشت لگائے بیٹھا رہا پھر خود کو ڈپٹتے

ہوئے ایک فائل کھول لی مگر کچھ ہی دیر میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی توجہ سمیٹنے کی کوشش بے وجہ کر رہا ہے۔
"آخر مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا کہ میں اس لڑکی سے کہاں مل چکا ہوں۔"
جھنجلا کر فائل بند کرتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تھا۔
یہ تو خیر اسے یقین تھا آفس میں ہونے والی اس پہلی ملاقات کے علاوہ وہ اس سے کبھی نہیں ملا۔ اگر ملا ہوتا تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اس کا چہرہ بھول جاتا اسے چہرے کبھی نہیں بھولتے تھے خواہ ملاقات سرسری سی ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔ مگر ثانیہ کا چہرہ..... ایک عجیب اور ناقابل فہم سی مانوس کشش تھی اس کے چہرے میں اس کی آنکھوں میں اور اس کے بات کرنے کے انداز میں۔
وہ جب بھی اس سے بات کرتا تب الجھتا۔
"آخر کیا ضرورت ہے ایک غیر متعلق لڑکی کے بارے میں اتنا زیادہ سوچنے کی..... ہو سکتا ہے کبھی ملاقات ہو گئی ہو ممکن ہے کبھی راہ چلتے..... کسی شاپنگ مال میں..... یا کسی پارک میں لیکن۔"
اور اس ایک لفظ پر آ کر وہ ہمیشہ ہی اٹک جاتا تھا کوئی کڑی تو ملتی نہ تھی البتہ دن بہ دن جھنجلاہٹ میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ دروازے کی سطح پر کسی نے انگلی سے دستک دی تھی۔
"چیف اکاؤنٹنٹ صاحب! اگر اجازت دیں تو میں اندر آ جاؤں؟" شمسہ مسکراتے چہرے کے ساتھ بہت فریش لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔
"آپ کو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ تشریف لائیے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا تھا۔ شمسہ مسکراتے ہوئے اندر آ گئیں۔
"کیسی ہیں آپ؟ بہت دن سے گھر کا چکر بھی نہیں لگایا؟ میں آج خود آپ کی طرف آنے کا سوچ رہا تھا۔"
"زہے نصیب..... شاہنواز صاحب اور ہمارے گھر آنے کا سوچیں بڑی بات ہے۔" شمسہ کے طنزیہ انداز پر وہ کھل کر ہنسا۔
"آپ کو پتا ہے میں کتنا مصروف آدمی ہوں..... پھر بھی ایسا شکوہ؟"
"کون احمق شکوہ کر رہا ہے؟ میں تو تمہیں ڈانٹنے کے ارادے سے آئی ہوں۔" شمسہ نے اپنا پرس ٹیبل پر رکھتے ہوئے نشست سنبھالی۔
"ٹھہر جائیں..... پہلے میں آپ کے لیے کولڈ ڈرنک منگواتا ہوں پھر آپ اطمینان سے ڈانٹ لیجیے گا۔" اس نے سابقہ خوشگواریت کے ساتھ جواب دیا اور انٹرکام پر ہدایت دینے لگا۔
"فنکشن کی تیاریاں کیسی ہو رہی ہیں؟" انٹرکام واپس رکھتے ہوئے اس نے شمسہ سے پوچھا۔
"بس ہو رہی ہیں تیاریاں..... تمہیں پتا ہی ہے ہمارے گھر کے کسی فنکشن کی تیاریاں تمہارے بغیر مکمل نہیں ہو سکتیں..... کل ہی نشوی کہہ رہی تھی شاہنواز بھائی آئیں تو ہم مل کر کوئی انویٹیشن کارڈ سلیکٹ کر لیں۔"
"میری نشوی سے فون پر بات ہوئی تھی اور میں نے اس سے وعدہ بھی کیا تھا کہ جلد ہی گھر آؤں گا مگر پھر مصروفیت میں ذہن سے ہی نکل گیا۔" اسے جیسے اچانک یاد آیا تھا پھر فوراً بولا۔
"آپ نشوی اور اسوہ سے کہیے گا شام میں تیار رہیں میں انہیں پک کر لوں گا اور ہم کسی آؤٹ لٹ سے کارڈ پسند کر لیں گے۔" پیون کولڈ ڈرنک لے آیا تھا اور جس وقت وہ واپس جا رہا تھا اسی وقت ثانیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"سر! یہ بکجز کی فائل۔" اس نے فائل شاہنواز کے سامنے رکھ دی تب ہی اس کی نظر شمسہ پر پڑی تھی۔
"وعلیکم السلام کیسی ہو ثانیہ!" اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے شمسہ نے خوشدلی سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں میم! آپ کیسی ہیں؟" گو کہ وہ جلدی میں تھی مگر اتنا تہذیب کا مظاہرہ کرنا اس کا اخلاقی فرض بھی تھا اور پیشہ وارانہ ذمہ داری بھی' ظاہر ہے شمسہ' جہانگیر لاشاری کی بیوی تھیں اور جہانگیر لاشاری اس کمپنی کے سی او۔

بگ باس کی بیگم کو نظر انداز کرنے کی غلطی وہ کیسے کر سکتی تھی وہ بھی اس صورت میں جبکہ بیگم صاحبہ بہت اچھے مزاج کی تھیں سارا ہی اسٹاف ان کے اخلاق کی تعریف کرتا تھا جبکہ ثانیہ کے ساتھ تو زری کی وجہ سے وہ اور بھی اچھے طریقے سے پیش آتی تھیں۔ جس بھی روز آفس آتیں ثانیہ کا احوال بطور خاص معلوم کرتیں۔ ابھی بھی حال احوال دریافت کر کے کہہ رہی تھیں۔

"لگتا ہے تمہارے باس نے تم پر کام کا بہت بوجھ ڈال دیا ہے۔ پہلے سے بہت ویک لگ رہی ہو؟"

ثانیہ نے بے ساختہ باس کی جانب دیکھا جس نے فائل کھول لی تھی مگر شمسہ کی بات پر اس کے لبوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اسے شرمساری نے گھیر لیا۔

"بھئی شاہنواز! ثانیہ بے چاری سے اتنا کام مت لیا کرو۔ اچھے ایمپلائز قسمت سے ملا کرتے ہیں ایسا نہ ہو یہ ڈر کر بھاگ جائے۔" ان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میم! میں بھی اتنا ہی کام کرتی ہوں جتنا کہ باقی سب لوگ۔" اس نے جلدی سے کہا مبادا باس صاحب کچھ فرما دیں۔

"کل میری زری سے بات ہوئی تھی تمہارا بہت پوچھ رہی تھی۔"

"آپ کی دوبارہ بات ہو تو انہیں میرا اسلام کہیے گا۔" اس نے کہا پھر شاہنواز سے بولی۔

"سر! ڈھائی بج رہے ہیں اب میں گھر چلی جاؤں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ شاہنواز نے صرف سر اثبات میں سر ہلا کر گویا اجازت مرحمت فرما دی۔

"او کے میم! اللہ حافظ۔"

"میں بھی گھر ہی جا رہی ہوں۔۔۔ آؤ تمہیں بھی ڈراپ کروں گی۔" شمسہ نے اسے پیشکش کی مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا اور اللہ حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ شاہنواز کی نظریں بے ساختہ اٹھی تھیں اگلے ہی پل وہ بری طرح جھنجلایا اور خود کو ڈپٹتے ہوئے شمسہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت بڑا کھلاڑی تھا الفاظ کی کرامات سے آگاہ۔

یہ اس کے الفاظ کی سحر انگیزی ہی تھی جس نے عانیہ کو اپنے گھر اور عزت کو لات مارنے پر مجبور کر دیا تھا اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے ساتھ ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزارتا اور اس کے دل و دماغ سے وہ ساری ندامت و پشیمانی جو اسے اپنوں کو دھوکا دینے پر ہو رہی تھی اسے نوچ کر پھینک نہ دیتا؟

بوڑھی ملازمہ چائے لے آئی تھی مظہر رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بتانے لگا۔

"یہ صوبان ہے یہاں کی کل وقتی ملازمہ گونگی ہے مگر سنتی ہے اور اشاروں سے اپنی بات بھی سمجھا لیتی ہے۔ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہو تو اسی سے کہہ دینا اور ہاں تمہیں اکیلے ڈر نہ لگے اس لیے میں اسے یہاں ہی سونے کا کہہ دیتا ہوں۔"

وہ کھانا کھانے کے دوران ہی اسے بتا چکا تھا کہ اسے یہاں تنہا رہنا ہو گا تاکہ اگر اس کے گھر والوں کو مظہر پر شک بھی ہو تو اس کے اپنے گھر میں اس کی موجودگی اسے شک کے دائرے سے نکال دے گی اور اسی لیے اس کا آج رات ہی واپس جانا ضروری تھا۔

"آپ کل آئیں گے نا۔۔۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"اڑ کر آؤں گا میری جان۔" اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے حد جذب سے کہا تھا۔

"ویسے بھی اب یہاں نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا میرے تو سارے رستے ہی بس تم تک آتے ہیں اور تم تک آ کر دم توڑ دیتے ہیں۔"

اس کی نگاہوں میں وارفتگی تھی عانیہ ناز سے مسکراتی نظریں جھکا گئی اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ بہت دیر تک اس کی نظروں کا مقابلہ کر سکے دونوں کے مابین چند لمحوں کی خاموشی حائل ہوئی۔

ایسی خاموشی' جو بہت کچھ کہتی تھی۔

پر سکون ماحول' تنہائی اور جذبات سے بوجھل فضا۔

عانیہ کا دل انجانی لے پر دھڑکنے لگا۔

مظہر نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا اور بڑی محبت و چاہت سے دبایا۔ عانیہ کو اپنے سارے وجود میں لرزش محسوس ہونے لگی مظہر کے لہو کی حرارت اس کی ہتھیلی میں جذب ہو رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے میں تم سے اتنی محبت کیوں کرتا ہوں؟ کیونکہ تم ہو ہی اس قابل کہ تم سے محبت کی جائے تمہارے گھر والوں نے تمہاری قدر نہیں کی ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے اناڑی نہیں تم دیکھنا عانیہ تم ان لوگوں کو بہت جلد بھول جاؤ گی۔۔۔ تمہیں ان کو بھول ہی جانا چاہیے میں تمہیں اتنی محبت دوں گا اتنی چاہت سے رکھوں گا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ گی۔" سرگوشی کے سے انداز میں کہتا وہ اس کے نازک ہاتھ سے کھیل رہا تھا اسے پرکھ رہا تھا اسے لمس آشنا کر رہا تھا پھر وہ چپکے سے اس کا ہاتھ اپنے بالکل قریب لے گیا مگر اس سے پہلے کہ جھک کر اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"اجازت ہو تو اندر آجاؤں؟" داؤد کی آواز سن کر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ بری طرح سٹپٹا کر اپنا ہاتھ مظہر کی گرفت سے نکالنا چاہا مگر وہ آمادہ نہ تھا۔

"اگر کھانا کھا لیا تو چلیں؟۔۔۔ جیسے جیسے رات گہری ہو گی راستے اور بھی ان سکیور ہو جائیں گے۔"

داؤد کہہ رہا تھا۔ عانیہ کی جان مظہر کی مٹھی میں دبی تھی۔

"ہاں۔۔۔ تم چلو میں پانچ منٹ میں آرہا ہوں۔" مظہر نے کہا۔

"اچھا بھابھی! اللہ حافظ۔۔۔ آپ یہاں آرام سے رہیں اسے اپنا ہی گھر سمجھیں دو بے اور صوبان آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت موجود رہیں گے۔"

داؤد اس سے مخاطب تھا لیکن اس پر اس گھبراہٹ کے عالم میں بھی خوشی کی پھوار برسنے لگی۔

"بھابھی۔۔۔ اف کتنا معتبر بنا دیا ہے داؤد بھائی!"

"مجھے افسوس ہے آج کی رات تو آپ کو تنہا ہی گزارنا پڑے گی۔۔۔ لیکن قیامت مظہر پر گزرے گی ہو سکتا ہے صبح ہونے سے پہلے ہی واپس آپ کے پاس پہنچ جائے۔" اس کا لہجہ متبسم تھا۔ عانیہ کیا کہتی البتہ مظہر کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

"تم ذرا اپنی بھابھی کو دیکھو کیا یہ ایسی ہیں کہ انہیں تنہا چھوڑا جائے۔۔۔ میں تو کہتا ہوں زمانے کی نظروں سے چھپا کر کہیں قید کر کے رکھنا چاہیے۔"

"میں گاڑی نکال رہا ہوں تم جلدی آجاؤ کوئی نہ کوئی کل بھی بہر حال ہو گی۔" وہ اسے شرارتی انداز میں کہتا باہر نکل گیا۔

دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی بڑی واضح آواز سنائی دی پھر گہری خاموشی چھا گئی ویسی ہی خاموشی جیسی داؤد کی

آمد سے قبل کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔
عانیہ کا دل اب اپنے تنہا رہنے کے خیال سے کانپ کانپ کر دھڑکنے لگا تھا۔
"تمہارا موبائل کہاں ہے؟" مظہر نے اس خاموشی کو توڑا۔
"وہ تو میں گھر پر ہی بھول آئی۔" اسے اچانک یاد آیا۔
"ٹھیک ہے میں کل آتے ہوئے تمہارے لیے موبائل لے آؤں گا۔" مظہر نے اچانک جھک کر اس کی پیشانی پر لب رکھ دیے۔ عانیہ دھک سے رہ گئی۔ سٹپٹا کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر مظہر کا بازو اس کے شانوں کے گرد حمائل ہو چکا تھا۔

وہ نوخیز کھیتی تھی نو دریافت شدہ۔
جس نے کبھی بارش کا کس نہیں چکھا۔
آج کن من کن من پھوار برس رہی تھی اور اس کے دل میں عجب جلترنگ بجا رہی تھی۔
محبت کا احساس کچھ اور ہوتا ہے یہ تجربہ کچھ اور تھا۔
اجنبیت کے باوجود وہ مزاحمت نہ کر سکی۔
مظہر کا حوصلہ بڑھنے لگا تب وہ گھبرا کر دور جا کھڑی ہوئی۔ نظریں ملانے کی تاب نہ تھی اپنے ہی قدموں میں گڑی جاتی تھی۔
مظہر نے اس کی کیفیت محسوس کی اور ہنس دیا۔
"تمہیں عادت نہیں ہے نا بالکل چھوئی موئی سی ہو مگر ہمارے ساتھ رہو گی تو عادی ہو جاؤ گی..... میں چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا میری خاطر۔" وہ نرمی سے اس کا گال تھپتھپاتا باہر نکل گیا۔ عانیہ نے اس کے ہر قدم کو پوری شدت سے محسوس کیا پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ تب وہ گرنے کے انداز میں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے اتھل پتھل دل کو سنبھالنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر میں داخل ہوئی تو بے حد سناٹا چھایا ہوا تھا۔
"مہمان نہیں آئے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔
"نہیں..... دس بجے کے قریب ابو نے بتایا کہ وہ لوگ اب رات کے کھانے پر آئیں گے۔ شکر ہے میں نے کھانا نہیں بنایا تھا ورنہ رات تک سارا باسی ہو جاتا۔" شفق کے اطمینان کی وجہ اس کی اکتاہٹ کو مٹا نہیں سکتی تھی۔
"آخر یہ ابو کے کون سے خاص مہمان ہیں جن کا آنا بار بار کینسل ہو جاتا ہے پچھلے ہفتے بھی یہی ہوا اور آج پھر اور اب یہ بھی نہیں پتا رات میں بھی تشریف آوری ہوتی ہے یا نہیں۔
اور تمہیں پتا چل ہی گیا تھا کہ ان لوگوں نے رات میں آنا ہے تو کم سے کم مجھے انفارم ہی کر دیتیں۔ ہمارے سڑیل باس کے مزاج کا پتا بھی ہے ایک ذرا سی چھٹی کیا مانگ لی ایسے احسان جتا رہے تھے جیسے سوتیلی ماں اولاد کو کھانا کھلاتے ہوئے جتاتی ہو گی۔"
وہ اتنا زیادہ جھنجلائی ہوئی تھی کہ شفق پر ہی برس پڑی رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ خوامخواہ چھٹی کا احسان بھی لیا اور مہمان بھی نہ آئے۔
"کیسے انفارم کرتی؟ کبوتر کی چونچ میں خط دبا کر بھجواتی یا تار کرتی..... دس مرتبہ کہہ چکی ہوں کوئی سستا سا موبائل ہی لے لو کچھ اور نہیں تو کسی پریشانی میں انسان رابطے میں تو رہتا ہے۔ لینڈ لائن بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے کٹ گئی اب مجھے بتاؤ میں تمہیں کیسے انفارم کرتی۔" شفق نے اس سے زیادہ چڑ کر کہا ثانیہ خاموشی سے ناخن

کھرچتی رہی۔
"کیا کہہ رہی ہوں میں؟ کیوں نہیں لے لیتیں کوئی چھوٹا موٹا موبائل۔" شفق نے کہا۔
"چھوڑو رہنے دو..... کیا ضرورت ہے موبائل فون کے بغیر کیا زندگی نہیں گزرتی۔"
"مرضی ہے تمہاری..... مگر اگلی بار پھر سے اس طرح خوار ہونا پڑے تو مجھ پر مت برستا۔" اس نے اکتا کر کہا ثانیہ سوچنے لگی۔
"موبائل فون خریدنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا لیکن سستے سے سستا موبائل سیٹ بھی ڈھائی تین ہزار سے کم میں تو نہیں آئے گا اور جو ڈھائی تین ہزار میں نے اپنی معمولی سی سہولت کی نذر کرتا ہیں اس میں گھر کی دس ضروریات پوری ہو سکتی ہیں..... اس لیے رہنے ہی دو کھانا ملے گا۔" شفق کمرے میں جا رہی تھی اس نے پکار کر پوچھا۔
"کیوں نہیں ملے گا۔" وہ وہیں سے کچن کی طرف چل دی۔
ثانیہ کچھ دیر بیٹھی پیر جھلاتی رہی پھر واش بیسن کے پاس جا کر منہ دھونے لگی۔ پانی ٹھنڈا تھا اور دھار تیز۔ خوب رگڑ رگڑ کر منہ پر صابن لگا لیا۔ آنکھیں بند تھیں تختہ سیاہ جیسے منظر پر یکایک ایک تصویر ابھر آئی اچھا چہرہ تھا، نقوش میں بڑی کشش تھی لیکن سنجیدگی ایسی کہ بات کرنے کی ہمت بھی نہ ہو مگر اس روز کی وہ مسکراہٹ..... وہ اب تک بھولی نہ تھی اس نے سٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں اور حیران ہو کر سوچا۔
"یوں تو بڑے سخت گیر بنے پھرتے ہیں اس پر بے تکلفی ایسی کہ بنا اجازت خیالات میں گھسے چلے آئے۔"
آنکھوں میں صابن گھس رہا تھا سارے خیالات بھک سے اڑ گئے اس نے جھنجلا کر آنکھیں رگڑ ڈالیں۔
"اونہہ..... اس سے تو اچھا تھا لاشاری صاحب مجھ سے اپنے ڈپارٹمنٹ میں ہی کوئی چھوٹا موٹا کام کروا لیتے۔ کم سے کم ہر دوسرے دن جناب کی سڑی ہوئی شکل تو نہ دیکھنا پڑتی۔"
"کسے گالیاں دے رہی ہو؟"
"اپنے باس کو۔"
"کس خوشی میں؟" شفق نے ٹرے تپائی پر رکھی۔
"ہمارے سڑیل باس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی اس خوشی میں۔" اس نے تولیے سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔ شفق کا منہ بے یقینی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"ثانی! دال میں کچھ کالا ہے؟"
"دال کا تو پتا نہیں البتہ میری دعائیں ساری کی ساری کالی ہیں۔" اس نے جل کر جواب دیتے ہوئے موڑھا تپائی کے قریب رکھا۔
"میری دلی دعا ہے بلکہ بد دعا ہے کہ ہمارے باس کی شادی کسی بد مزاج سڑیل، نخریلی اور بد صورت لڑکی سے ہو جائے صرف انہی خصوصیات کی حامل لڑکی ان کی اکڑ نکال سکتی ہے..... ایمان سے شفق! غصہ تو اس شخص کی ناک سے اترتا ہی نہیں۔ کل مجھ سے اینول رپورٹ چار بار لکھوائی اور چاروں مرتبہ بے حد معمولی معمولی غلطیاں ہائلائٹ آؤٹ کر کے ڈانٹا..... جو چیز کسی کو دکھائی نہ دے۔ ان کی نظریں رپورٹ میں اس تک پہنچ جاتی ہیں اور پھر ہو طلع شروع ہوتے ہیں جناب! کے بس اللہ ہی بچائے۔" وہ کچھ زیادہ ہی دل جلائے بیٹھی تھی۔
"صبر کرو بچہ!" شفق ہنسنے لگی۔
"باس تو باس ہوتا ہے اور سارے باس ایسے ہی ہوتے ہیں۔"
"سر لاشاری بھی تو ہیں..... اتنے اچھے اور ویلائیٹ نیچر کے..... کبھی بات کرو تو دل خوش ہو جاتا ہے۔"

"جب انہوں نے کہا تھا کوئی مسئلہ ہو تو ان کے پاس آنا۔ تو تم چھٹی کی درخواست لے کر ان کے پاس چلی جاتیں۔" شفق نے یاد کرواتے ہوئے کہا ثانیہ خاموشی سے نوالے توڑتی رہی پھر بولی۔

"اب بار بار ان کے پاس جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔ ان بے چاروں نے تو موت میں کہہ دیا ہو گا۔" وہ دکھی سے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

محبت مزاج کا حصہ ہو تو الگ بات ہے۔

البتہ عشق کو بے بس کرنے کا ہنر آتا ہے۔

ہوتا یوں ہے کہ زندگی بڑے سکون سے گزر رہی ہوتی ہے جیسے کوئی پر سکون ندی پھر کسی کی نگاہوں سے انکشاف کے پتھر ساکت سطح سے ٹکراتے ہیں بھونچال آتا ہے، بھنور بنتے ہیں، پر شور لہریں دور تک جاتی ہیں۔ رکتی نہیں، تھمتی نہیں۔

کناروں سے ٹکراتی ہیں پھر واپس آتی ہیں۔

جب تک بے مصرف ذات کو ادراک نہ مل جائے یہ عمل جاری رہتا ہے۔

خود آگاہی کا پہلا درس بڑا موثر ہوتا ہے۔

خوابوں کا نیا جہان آباد ہوتا ہے۔

وعدوں سے نئی تاریخ لکھی جاتی ہے۔

پھر اپنا کچھ نہیں رہتا جس کا دل اسی کی نیندیں اسی کا چین۔

وہ کہے تو دن وہ کہے تو رات۔

اس کی نگاہوں سے دنیا دکھائی دے تو سب کچھ ورنہ اس رنگوں سے عاری دنیا میں رکھا گیا ہے۔

اس کا ہاتھ تھام کر ساری دنیا قدموں تلے روندی جائے تو غم نہ ہو، پچھتاوا چھو کر بھی نہ گزرے۔

خواہ سب کچھ داؤ پر لگ جائے، کھو دینے کا خیال بھی نہ آئے۔

کوئی مانے یا نہ مانے۔ محبت فطرت ہو سکتی ہے مگر عشق.....

عشق سراسر پاگل پن ہے۔

اور عانیہ نے اسی پاگل پن کے تحت اپنی ساری زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔

ابھی سفر آغاز ہوا تھا اور چونکہ عشق کا دعوا بھی تھا اس لیے ہر اس عمل کو جس پر معاشرے کی انگلی اٹھ سکتی ہے سے لاپرواہ ہو کر اور اپنا فرض سمجھ کر نباہ رہی تھی۔

نیا سفر تھا۔ رازوں سے پردہ اٹھ رہا تھا۔

ایک نئے تجربے کا پہلا باب تو کل رات ہی کھلا تھا۔

وہ مسرور سی تھی جیسے کوئی خزانہ دگنا ہو کر مل رہا ہو۔

گھر سے نکلتے وقت یہ تھوڑا ہی سوچا تھا۔

اب پتا چل رہا تھا عشق کی کوئی ایک منزل نہیں ہوتی ہے۔

من کو کبھی تن سے الگ کیا جا سکتا ہے؟

جسے من دے ہی دیا اس پر تو پوری زندگی واری جا سکتی ہے یہ تن کیا چیز ہے؟

وہ سارا دن اس نے اس اجاڑ ویران فارم ہاؤس پر یوں گزارا جیسے سمندر کے قیدی کو کمک پہنچ جانے کا سو فیصد یقین ہو۔

مظہر کی واپسی رات سے بھی پہلے ہوئی۔ وہ توقع سے زیادہ بے چین اور پر جوش تھا۔

"میں نے تمہارے لیے کچھ ڈریسز لیے ہیں۔ آج یہ پہن کر دکھاؤ۔" اس نے ایک سیاہ لباس اس کی جانب بڑھا دیا۔

عانیہ جھجکی، شرمائی۔۔۔ مگر فرمائش پوری کرنے کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔

"تم اتنی خوب صورت ہو کہ جنت کی حوریں بھی تمہارے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔" اس نے عانیہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"تمہیں دیکھتا ہوں تو چودھویں کی چاندنی کا خیال آتا ہے تم میری زندگی کی روشنی ہو عانیہ! دیکھو میری طرف ..... میرے اردگرد کتنی روشنی ہے۔۔۔ اور یہ صرف تمہاری وجہ سے ہے۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا عانیہ! تم صرف میری ہو۔"

عانیہ کی ہنسی اس ویرانے میں مروا کی خوشبو کی طرح بکھرتی چلی گئی۔ مظہر پر گویا کسی نے سحر پھونک دیا آج سے پہلے وہ اتنی حسین تو کبھی نہیں لگی تھی۔ وہ پاگل ہونے لگا۔

بس پھر شمع گل ہو گئی اور عانیہ نے تاریکیوں کو اپنے گھر کا رستہ دکھا کر کسی اور کی تنہائی روشن کر دی۔

وہ رات تنہا نہیں تھی اس کی ہنسی خوشبو کی مانند ہر طرف بکھر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور اس رات گیتی آرا نے مظہر سے وابستہ اپنی آخری امیدوں کا دامن بھی چھوڑ دیا تھا۔

اس نے دو روز بعد آنے کا وعدہ کیا تھا مگر تین دن اور تین راتیں گزر گئیں اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی۔

گیتی کو خود پر ہنسی آنے لگی۔ جس کو محبت کے تقاضے نباہنے نہ آئے اس سے لاپرواہی کے زمانے میں کوئی امید وابستہ کرنا سراسر بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اسے محبت کا دعوا نہیں تھا۔

محبت کے دعوا تو وہ گیتی کو ازبر کروا چکا تھا۔

مگر اس رات گیتی آرا نے ہر توقع چھوڑ دی۔

"تم دیکھنا مظہر! اب میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ تمہیں محبت تو کرنا آئی نہیں مگر نفرت تو سلیقے سے کرتے ..... خوشحالی میں تو پرائے بھی ساتھ دے لیتے ہیں تم کسی پرانے وعدے کسی پرانی یاد کا مان ہی رکھ لیتے۔" اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی سرد ہوا اس کے وجود سے ٹکرا کر کمرے میں بکھر گئی تھی۔

"کتے کی موت ماروں گی میں تمہیں ان شاء اللہ۔۔۔ محبت کے نام پر دو کوڑی کا کر کے چھوڑ دیا۔ نکاح کر کے بھی داشتاؤں جیسی زندگی گزاری ہے میں نے۔۔۔ اور کس کے لیے؟ تمہارے لیے نا اتنی بڑی قربانی کا یہ صلہ۔۔۔ کرتے رہو عیش مجھے یقین ہے تم کسی کی راتیں کالی کر رہے ہو گے کرتے رہو۔۔۔ جب قدرت نے میری پروا نہیں کی تو میں خود کو کسی اور کے غم میں ہلکان کیوں کروں مگر تم اپنی الٹی گنتی گننا شروع کر دو مظہر تم سے بدلہ لینا تو میری زندگی کا اولین مقصد ہے۔"

چاندنی اس کے چہرے پر منعکس ہو رہی تھی۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے جبکہ خوب صورت دلکش خدوخال پر اشتعال کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کی سرخ آنکھیں اندھیرے میں بھی نمایاں ہو رہی تھیں۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

ثروت نذیر

جسے چاہا

وہ کتنی دیر دروازے کے سامنے بنے ہوئے لکڑی کے چھوٹے سے برآمدے کے کنارے پر بیٹھا تھا اس کے ہاتھوں میں برف صاف کرنے، رستے سے ہٹانے والا بیلچہ تھا جس کے ڈنڈے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ سر جھکائے پژمردہ نڈھال وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ یادوں کا سمندر تھا جو اس کے ذہن میں موجزن تھا۔ اس سمندر سے اٹھتی لہریں ہر بار جب اس کے ذہن سے ٹکراتیں تو پانی کا رسیلا آنسو بن کر اس کے گالوں پر بہنے لگتا۔

وہ نہ جانے کتنی دیر اور وہاں بیٹھا رہتا اگر کسی وجود کی موجودگی کا احساس آنکھیں اٹھا کر دیکھنے پر مجبور نہ کر دیتا۔

لمبے اوور کوٹ میں ملبوس سنہری بالوں کو اونی ٹوپی سے ڈھانپے جس میں سے باقی ماندہ بال کوٹ کے کالر پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں دستانے چہرے پر بلا کی معصومیت کے ساتھ ساتھ دکھ اور غم کی ایسی لکیریں تھیں جو دیکھنے والے کو بہت جلد اس کے دکھی ہونے کا احساس دلا دیتی تھیں۔ ماتھے پر زخم تھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اس نے اس کا نام پکارا تو اس کی متورم سرخ آنکھوں میں حزن و ملال کی جگہ حیرت و استعجاب نے لے لی۔ اس کا یہ نام بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ اس نے کہا اس سے وہ شاک کے عالم میں آگیا۔

♥ ♡ ♥

نیویارک کے ہنگامہ خیز، جدید اور رنگینیوں سے بھرپور شہر سے موو کرتے ہوئے وہ کسی حد تک مطمئن تھی۔ لیکن ایک تعلق کے ٹوٹنے سے افسردہ بھی تھی۔ اس نے کتنا چاہا کہ یہ پانچ سالہ تعلق کسی حتمی نتیجے تک پہنچ جائے۔ لیکن ولیم اس کے لیے تیار نہ تھا۔ شادی کا پچھلا تجربہ اتنا تلخ تھا کہ اس بار وہ سارہ کے پیار، وفاشعاری اور خدمت کے باوجود اس تجربے کو دہرانے پر تیار نہ تھا۔

سوزی سے شادی اور پھر طلاق اس کے بعد عدالتوں کے چکر، سوزی نے ایلمونی کی رقم وصول کر کے اس نے عدالت سے بچوں کے ماہانہ خرچے کے ساتھ ساتھ ولیم کا گھر بھی ایلمونی (وہ رقم ہے جو امریکہ میں مرد کو عورت کو طلاق دیتے وقت دینی پڑتی ہے) کے ساتھ ہتھیا لیا تھا۔

اس شادی اور طلاق نے تو اسے کنگال کر دیا تھا۔ معاشی بدحالی کے ساتھ ساتھ عورت کی ذات سے بھی اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ اس قدر مفاد پرست بے ایمان اور دھوکے باز۔ وہ تو شدید ڈیپریشن میں چلا گیا۔ کتنے عرصے ہسپتال میں ایڈمٹ رہا۔ وہیں پر اس کی ملاقات سارہ سے ہوئی تھی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ سارہ کی شخصیت نے اس کی ذہنی صحت کی بحالی میں بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔

جب وہ ہسپتال سے گھر آیا تو وہ سارہ کا گھر تھا۔ پھر وہ دونوں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ سارہ کو بھی ولیم کے آجانے سے ڈھارس بندھ گئی تھی۔ وہ اس تیز رفتار شہر میں جب آئی تھی تو بہت خوف زدہ تھی۔ وہ امریکیوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جو کنٹری سائیڈ پر رہتے ہیں اور پھر ابھی پوری طرح امریکہ کی آزاد خیالی اور بے راہ روی کا شکار نہیں ہوئے۔ سارہ کے ماں باپ ٹیکساس کے کنٹری سائیڈ کے علاقے میں رہنے والے کسان تھے۔ سارہ نے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور نرسنگ کی تربیت بھی، وہ بچپن میں اپنے ماں باپ کے ساتھ باقاعدگی سے چرچ جاتی اس کے ماں باپ سادہ اور مذہبی لوگ تھے۔ سارہ کے گھر کا ماحول ماں باپ کی باہمی محبت کے باعث پرسکون تھا۔ باپ کھیتوں پر کام کرنے جاتا تو اس کی ماں گھر پر ان تینوں بہن بھائیوں کے لیے ایپل پائی بناتی، کوکی بناتی، کرسمس پر اس کی ماں بڑے شاندار کیک بیک کرتی وہ سب مل کر کرسمس ٹری سجاتے۔ وہ اس سادہ سے قصبہ کے اندر سادگی سے زندگی بسر کرنے والے لوگ تھے۔

پھر اٹھارہ سال کی عمر میں امریکہ کے عام رواج کے

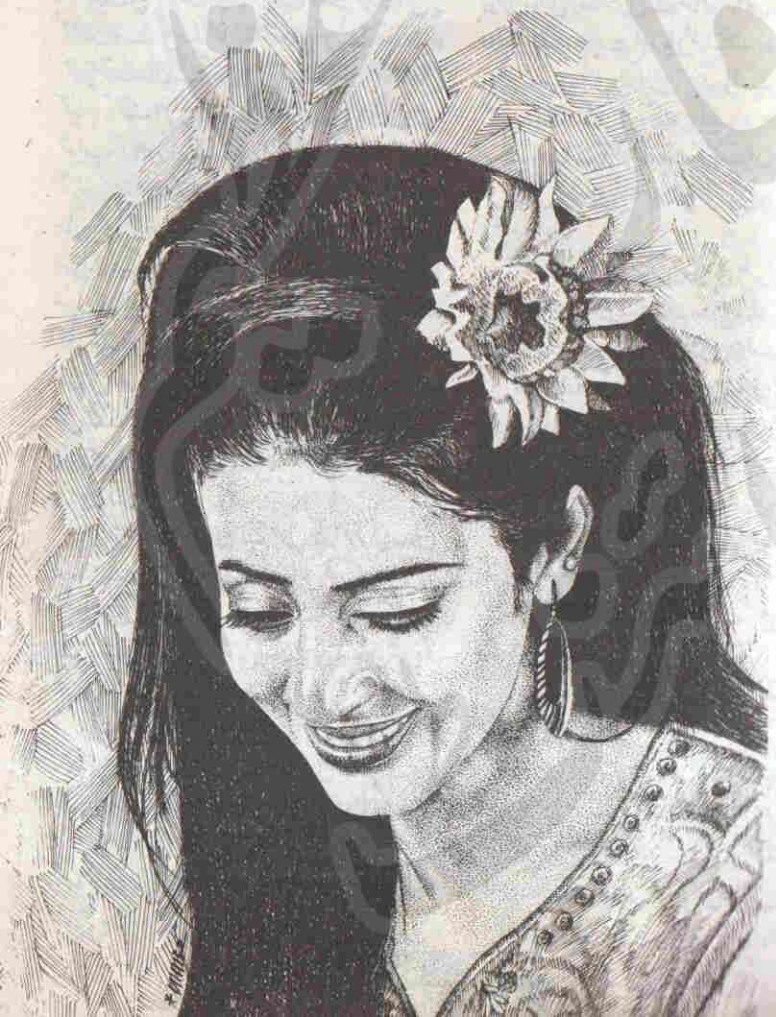

مطابق اسے اپنی زندگی خود بنانے کے لیے نکلنا پڑا۔

اس نے فلاڈلفیا کے ایک ہاسپٹل میں بطور نرس کام کیا وہیں پر اس کی ملاقات جیک سے ہوئی۔ یہ ملاقاتیں بڑھتی گئیں اور بہت جلد ان کا انجام شادی پر ہوا۔

دو تین سال بہت خوش اور اطمینان سے بسر ہوئے۔ اسی دوران سارہ کا بیٹا جارج پیدا ہوا۔ زندگی کتنی حسین ہوگئی تھی۔ لیکن اس حسین زندگی میں پہلا دھچکا تب لگا جب جیک نے ایک دن اسے بتایا کہ اسے ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔

جیک کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت آہستہ آہستہ اس پر آشکار ہونے لگی۔ الکحل کا استعمال اس نے بہت زیادہ کردیا تھا۔ سارہ کے گھر میں شراب کو بہت کم استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے والدین تہواروں یا پارٹیوں میں شراب کو بطور ڈرنک پیش کرتے۔ عام طور پر زیادہ شراب پینا ان کے گھر میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سارہ بھی شراب بہت کم پیتی لیکن جیک ملازمت ختم ہوجانے کے بعد شراب، گرل فرینڈ، نشے کو کین ان سب کا بے دریغ استعمال کرنے لگا۔ سارہ ہسپتال سے آتی تو اسے جیک کی اس ابتر صورت حال پر سخت افسوس ہوتا پھر اس افسوس پر غصہ غالب آنے لگا۔ اس غصے ناچاقی نے روز کے لڑائی جھگڑے کو جنم دے دیا۔ تین سالہ جارج اس لڑتے جھگڑتے ماں باپ کے درمیان میں پرورش پا رہا تھا۔

ان ہی لڑائی جھگڑوں نے طول پکڑا اور ایک دن جیک نے سارہ کو غصے میں پیٹ ڈالا اور پھر یہ اس کا معمول بن گیا جب وہ پیسے دینے سے انکار کرتی وہ بے دردی سے اسے مارتا۔ آخر ایک دن سارہ نے پولیس کو کال کردی۔

جیک کو سارہ سے اس انتہائی قدم کی امید نہ تھی۔

پھر جلد ہی سارہ نے جیک سے طلاق لے لی اور چار سالہ جارج کو لے کر لاس ویگاس کی اسٹیٹ چلی گئی۔

اس نے اپنی زندگی کو ہسپتال مریضوں اور جارج تک محدود کرلیا، بہت سے لوگوں نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہ اپنی شادی کے پہلے تجربے سے بہت خوف زدہ تھی۔

کچھ عرصے وہاں رہنے کے بعد سارہ نے جارج کو بورڈنگ میں داخل کرادیا۔ اور نیویارک کے اچھے ہسپتال میں آفر ہونے کے بعد وہ نیویارک شفٹ ہوگئی۔ وہیں پر اس کی ملاقات ہسپتال میں ایڈمٹ ولیم سے ہوئی۔

ان دونوں کا درد مشترکہ تھا۔ جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آیا بہت عرصے سے تنہائی کا شکار سارہ ولیم کی جانب بے اختیار ہی بڑھتی چلی گئی۔ وہ دونوں باہمی رضامندی سے ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ وہ دونوں اچھے دوست اور پارٹنر تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کسی وفاداری، محبت یا اپنے پن کا استحقاق نہیں رکھتے تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ جذبات کا، احساسات کا، ذمہ داری کا، سارہ اب اس تعلق کو شادی کا نام دینا چاہتی تھی۔ لیکن ولیم اس پر تیار نہ تھا۔

"ہم یوں بھی تو میاں بیوی کی طرح ہی رہ رہے ہیں۔ پھر اس شادی کے پھندے کو گلے میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔" ولیم کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا۔

لیکن سارہ کے گھر کا ماحول چرچ کی تعلیمات اور خود اس کی اپنی فطرت اسے گلٹ میں، خلش میں گرفتار رکھتی۔

وہ اس تعلق کو آرپار کرنے کا ارادہ کرچکی تھی۔

وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے احساس گناہ کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

وہ نیویارک جیسے تیز رفتار شہر سے کسی پرسکون جگہ جانا چاہتی تھی۔

نائن الیون کے حادثے نے یہ کرنے میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

سارہ اس حادثے کے کچھ عرصے کے بعد نیویارک چھوڑ کر اوہائیو کے نسبتاً چھوٹے شہر میں شفٹ کرگئی۔ نیویارک، ولیم اور اس کا گلٹ ماضی کا حصہ بن گئے۔

♥ ♡ ♥

نیا گھر پرسکون صاف ستھرے علاقے میں تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھر ایک ہی طرز کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ان کے باہر لان تھے۔ جو سب گھروں کے مشترک تھے۔ اس کے گھر کے سامنے سڑک کے پار والی لائن میں اسی کی ہم عمر جینی رہتی تھی۔

وہ جب ہسپتال کے لیے جاتی تو جینی منی اسکرٹ اور ٹی جیکٹ بے شمار مالا میں گلے میں ڈالے شوخ میک اپ کے ساتھ اونچی ہیل والی سینڈل ٹک ٹک کرتی نکلتی۔

اس عمر میں اس طرح کے لباس اور میک اپ کے ساتھ وہ سارہ کو بہت بھدی لگتی جیسے سڑے ہوئے کرسمس ٹری پر قمقمے جلتے رہ جائیں۔

سارہ کے گھر کے کچن اور لاؤنج کی کھڑکیوں سے جینی کا کچن اور لاؤنج صاف دکھائی دیتا۔ سارہ کو معلوم ہوا کہ جینی کسی بار میں بار گرل کے طور پر کام کرتی ہے۔

کچھ دن جب سارہ کو ہسپتال کے راستے میں جینی جاتی دکھائی نہ دی تو وہ ہسپتال سے واپسی پر بے اختیار ہی اس کے گھر جا پہنچی۔

بیل دینے کے بعد نائٹ گاؤن میں میک اپ سے بے نیاز الجھے بالوں، جھریوں زدہ چہرے اور کھانستی ہوئی آواز کے ساتھ جینی نے دروازہ کھول دیا۔ "ہائے میں سارہ ہوں، سارہ اینڈریو۔"

"ہائے میں جینی ہوں۔" اس کی آواز سے نقاہت نمایاں تھی۔

"بہت دن سے تم نظر نہیں آئیں۔ میں نے سوچا، تمہاری خیریت معلوم کرآؤں۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سارہ جینی کے گھر کے اندر داخل ہوچکی تھی اس کی شخصیت کی طرح اس کے گھر کی حالت بھی بہت دگرگوں اور خستہ تھی۔ پورے گھر میں شراب کی بو پھیلی ہوئی تھی لاؤنج میں میلے کپڑوں کا ڈھیر، خالی شراب کی بوتلوں کا انبار، ایش ٹرے کے مڑے تڑے گولے، کچن میں برتنوں کا انبار۔

سارہ کی نفاست پسند طبیعت گھر کی یہ صورت حال دیکھ کر بہت بدمزا ہوئی اس نے دیکھا جینی ابھی بھی سگریٹ سلگائے کھڑی تھی۔ اس نے اس کو بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔

"میں نرس ہوں اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو۔۔۔"

"نہیں شکریہ میں کسی کی مدد لینا پسند نہیں کرتی۔" جینی روکھے انداز سے بولی۔

جینی ان لوگوں میں سے تھی جو دوسرے سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ سارہ کو اس ملاقات سے یہ اندازہ ہوچکا تھا سو اس نے اس کی مدد کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور واپس گھر آگئی۔

♥ ♡ ♥

جینی کے گھر سے بولنے، چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے لاؤنج کے پردے ہٹائے تو جینی غصے سے اونچا اونچا بول رہی تھی۔ بولتے بولتے وہ کھانسنے لگی، کھانسنے سے فارغ ہوکر دوبارہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو گالیاں دینے لگی۔ جب گالیوں سے بھی جی نہ بھرا تو اس نے خالی ٹن گلاس، شراب کی بوتلیں اس کی طرف پھینکنا شروع کردیں۔

سارہ نے اس شخص کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ بائیس، تیئس سال کا نوجوان تھا۔ اس کی شکل جینی سے مل رہی تھی گویا وہ جینی کا بیٹا تھا۔ لیکن سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے دفاع میں بالکل خاموش اور ساکت تھا۔

بکنے جھکنے کے بعد جینی بری طرح ہانپنے لگی۔ اس کا سانس اب اس کی آواز کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ وہ بے دم ہوکر لاؤنج کے صوفے پر گر گئی۔

سارہ نے دیکھا اس لڑکے نے کچن سے جاکر پانی کا گلاس لاکر جینی کو دیا پھر کمرے کی بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹنے لگا۔

سارہ لاؤنج کی کھڑکی سے ہٹ گئی جب وہ کچن کی کھڑکی میں کھڑی ڈنر کے برتن دھو رہی تھی تو اس کی

نگاہ جینی کے کچن پر پڑی' وہی نوجوان ایپرن باندھے بڑے انہماک سے برتن دھو رہا تھا۔

اس لڑکے کو دیکھ کر سارہ کو اپنا جارج یاد آگیا۔ وہ بھی تو اب اتنا ہی بڑا ہو گیا ہو گا۔

لاس ویگاس میں جب اس نے اسے بورڈنگ میں داخل کرایا تھا تو کچھ عرصہ وہ اس سے ملنے آتا رہا گرمیوں کی چھٹیاں بھی وہ سارہ کے پاس گزارتا' لیکن سارہ کو یہ احساس ہمیشہ رہا کہ جارج کے اندر سارہ کے لیے وہ پیار اور محبت نہیں ہے جس کی توقع سارہ کو اس سے تھی۔

اسکول کی تعلیم ختم ہو جانے کے بعد اس نے لاس اینجلس جانے کا ارادہ کر لیا۔ سارہ اب اس کو روک نہیں سکتی تھی۔ اسے اپنی زندگی خود بنانی تھی۔

نیویارک میں رہتے ہوئے وہ ایک بار ماں سے ملنے آیا۔ وہ بھی اس لیے کہ اس کو رقم کی ضرورت تھی۔

سارہ نے اس کو مطلوبہ رقم دے دی۔ رقم ملتے ہی وہ بغیر شکریہ ادا کیے فوراً" چلا گیا۔

جارج کی یاد نے سارہ کو بے حد غمگین کر دیا تھا۔ وہ ہر بدرزڈے پر اس کے کارڈ پھول کے تحفے کا انتظار کرتی۔ لیکن یہ انتظار' انتظار ہی رہتا۔

مہینوں بعد کبھی کبھار اس کی فون کال آتی وہ ہمیشہ جلدی میں ہوتا۔ اور ہمیشہ اسے سارہ سے رقم یا چیز کی ضرورت ہوتی۔

♥ ♡ ♥

آج سارہ کی نائٹ ڈیوٹی تھی وہ صبح کے وقت جب بس سے اتر کر اپنے گھر کی جانب آئی پوری گلی برف کی دبیز تہوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ بمشکل قدم اٹھاتی ہوئی گھر تک آئی رات کی ڈیوٹی میں وہ بے حد تھک گئی تھی۔ لیکن ابھی اس کو جا کر اپنے گھر کے سامنے سے برف ہٹانی تھی۔ پھر کافی کا گرم مگ بنانا تھا۔ آج اسے کپڑے بھی لانڈری پر لے کر جانے تھے۔

جینی کے گھر کے باہر وہ نوجوان بڑے مگن انداز سے برف ہٹا رہا تھا۔ اندر سے جینی کی غصے اور نفرت سے بھری ہوئی آواز آ رہی تھی۔

"چھوڑ دو' دفع ہو جاؤ یہاں سے' مجھے نفرت ہے تم سے' کیوں آتے ہو یہاں۔ تم جاہل وحشی دہشت گرد ہو نکلو میرے گھر سے دفع ہو جاؤ۔"

سارہ اپنے گھر کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نوجوان کے چہرے پر پھیلا ہوا اطمینان دیکھ کر حیران ہو گئی۔ وہ آج بھی خاموش تھا۔

اور پھر وہ نوجوان سارہ کو ہر روز وہاں نظر آتا۔ وہ جینی کے مختلف کام کرتا۔ جینی پہلے بکتی جھکتی پھر کھانس کر نڈھال ہو کر چپ ہو جاتی۔

چھٹی کے روز سارہ گروسری کرنے نکلی تو نہ جانے کیوں بے اختیار ہی اس کے قدم جینی کے گھر کی جانب اٹھ گئے۔

جینی نے دروازہ کھولا اور سارہ کو دیکھ کر لمبا سانس باہر نکالا۔ جیسے کہہ رہی ہو تم پھر آ گئیں۔

سارہ اس کے روکھے رویے کے باوجود اندر داخل ہو گئی۔ جینی کی حالت تو اسی طرح ابتر تھی لیکن گھر کافی صاف ستھرا اور چمک رہا تھا۔ ہر چیز اپنے ٹھکانے پر تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" سارہ نے اپنائیت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" جینی کے انداز سے لگ رہا تھا اگر تم یہ دریافت کرنے آئی تھیں تو تمہیں جواب مل چکا ہے۔ اب جاؤ یہاں سے۔

لیکن سارہ ڈھیٹ بنی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ہاں مجھے بھی اب تم بہتر لگ رہی ہو۔ گھر کی حالت بھی اب کافی صحیح ہو گئی ہے۔"

"تم جاؤ یہاں سے وہ آنے والا ہے۔"

"تمہارا بیٹا؟" سارہ پر تجسس انداز سے بولی۔

"نہیں میرا بیٹا نہیں' وہ دہشت گرد' وحشی جانور ہے۔" جینی غصے سے چلائی۔

"آئی ایم سوری وہ تمہارا بیٹا نہیں ہے؟" سارہ حیرت زدہ ہو کر بولی۔

"بیٹا تھا میرا مگر اب نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ میرا بیٹا" جینی ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ "وہ مسلمان ہو گیا ہے۔"

سارہ سن سی اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہی۔ نہ جانے وہ کب جینی کے گھر سے نکلی نہ جانے کب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔ اس کے کانوں میں صرف جینی کے نفرت سے بھرے الفاظ گونج رہے تھے۔

"وہ مسلمان ہو گیا ہے۔"

♥ ♡ ♥

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ہسپتال کے کمرے میں پایا۔ اس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور ماتھے پر بھی۔ پھر اسے یاد آنے لگا کہ وہ کیسے زخمی ہوا تھا۔

وہ ٹوئن ٹاور کے پاس ایک اسٹور میں سیلز مین کے طور پر کام کرتا تھا۔ اس دن بھی وہ دکان میں کام کر رہا تھا جب کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا۔

وہ گھبرا کر باہر نکلا' ہر طرف دھویں کے بادل چھا گئے تھے۔ لوگ کی بھگدڑ' چیخ و پکار ٹاور سے گرتے پتھر' ملبہ وہ لوگوں کے ریلے میں بہنے لگا۔ نہ جانے کب اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر گیا۔ لوگوں کے پیر اسے روندتے ہوئے گزرنے لگے۔ بے ہوش ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ اس کے شعور میں آخری آواز آئی۔

"کیا تم ٹھیک ہو۔ کیا تم چل سکو گے؟" کسی مہربان وجود نے اسے تھام لیا تھا اور سہارا دے کر اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔ اور پھر وہ نہ جانے کب تک اس کے کندھوں پر سواری کرتا ہوا اس ہسپتال تک پہنچا تھا۔

پھر وہ ہر روز اس سے ملنے آنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں کبھی کھانا ہوتا کبھی پھول' کبھی اس کے لیے کپڑے۔ اس نے کئی بار اپنی گرل فرینڈ کو فون کیا لیکن کوئی بھی اس سے ملنے نہ آیا۔ اس نے اپنی ماں کو فون کیا۔ نہ چاہتے ہوئے' لیکن اس نے بھی صرف اسے اس حادثے میں بچ جانے پر مبارک دی۔ وہ اتنی دور اسے ملنے نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن صرف وہی ایک مہربان وجود تھا جس نے اسے لوگوں کے پیروں میں روندنے سے بچایا تھا ہر روز اس کو ملنے آتا۔ اب وہ اسے اکیلے پن سے بچا رہا تھا۔

ہاسٹل سے ڈسچارج ہونے پر وہ یک دم بے سمت ہو گیا۔ جس دکان پر وہ سیلز مین تھا وہ تباہ ہو چکی تھی۔ وہ ہسپتال کے دروازہ پر کھڑا تھا جب وہی مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔

وہ بے اختیار ہی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ نیویارک کے نسبتاً" کم آمدنی والے علاقے میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتا تھا۔ وہ ایک مصری نوجوان تھا اور اس کا نام حبیب مصطفیٰ تھا۔ وہ اسے اپنے فلیٹ میں لے آیا۔ ایک کمرے کا تنگ و تاریک فلیٹ جس میں صرف ایک کمرہ' کچن اور باتھ روم تھا۔ لیکن فلیٹ صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ حبیب مصطفیٰ وہاں اکیلا رہتا تھا۔

"تم ابھی پوری طرح تندرست نہیں ہو جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے میرے ساتھ رہو۔" اس کے انداز میں کتنی اپنائیت اور سادگی تھی۔ وہ بالکل انکار نہ کر سکا۔

اس نے اسے آرام سے اپنے بیڈ پر لٹا دیا اور خود کھانے کی تیاری کرنے لگا۔

کھانے کے بعد وہ بدستور بیڈ پر لیٹا رہا اور حبیب مصطفیٰ نے صوفے پر سونے کا بندوبست کر لیا۔ لیکن سونے سے پہلے ایک مختصر سے کپڑے پر اس نے کچھ عجیب حرکات کیں۔

وہ تین سال پہلے امریکہ آیا تھا۔ اور یہاں پر ٹیکسی ڈرائیور تھا۔

وہ روز اس کو ناشتا کرواتا' دوپہر کا کھانا بنا کر فریج میں رکھتا اور اپنے کام پر چلا جاتا۔ اس کے جانے کے بعد ماتھو بیڈ پر لیٹا ٹی وی دیکھتا رہتا۔

ٹی وی پر ٹوئن ٹاور کے بارے میں مختلف رپورٹس آئی تھیں اور اس حادثے کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا جا رہا تھا۔

ماتھو کو عجیب سے خوف ناک احساس نے گھیر لیا۔ شام کو جب حبیب مصطفیٰ آیا تو ماتھو صوفے پر بیٹھا

ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"کون ہو تم؟" ماتھو نے عجیب سے انداز سے پوچھا۔

"میں تمہارا دوست ہوں' بھائی ہوں تمہارا" حبیب مصطفیٰ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟" ماتھو نے دل ہی دل میں پاک مریم سے دعا کی کہ یہ کہے کہ نہیں میں مسلمان نہیں ہوں۔

"ہاں میں مسلمان ہوں۔" حبیب مصطفیٰ دھیمی سے مسکراہٹ سے بولا۔

ماتھو کو اپنے پورے وجود میں خوف کا لرزہ محسوس ہوا۔ وہ ایک وحشی دہشت گرد قاتل گروہ کے فرد کے قبضے میں ہے۔ وہ خوف کے مارے کانپتا ہوا دیوار کو جا لگا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" حبیب مصطفیٰ گھبرا کر اس کی جانب بڑھا۔

"مجھے جانے دو۔" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

"میں نے تمہیں زبردستی نہیں روکا اگر تم جانا چاہتے تو ہو چلے جاؤ۔" حبیب مصطفیٰ اس کے راستے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

ماتھو ششدر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے اس کے بازو میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں سر چکرانے لگا۔ حبیب مصطفیٰ نے جلدی سے اسے تھام لیا اور صوفے پر بٹھا دیا۔

"ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم ٹھیک ہو جاؤ پھر جہاں تم کہو گے میں تمہیں خود وہاں چھوڑ دوں گا۔"

ماتھو نے بے چارگی سے اس مہربان چہرے کی طرف دیکھا کالے گھنے بال' سفید رنگت اور چہرے پر کالی ـــ چھوٹی داڑھی' اس کا چہرہ کس قدر معصوم اور پاکیزہ تھا۔

وہ کہاں جائے یہاں اس کے کوئی خاص دوست نہیں تھے۔ ایک گرل فرینڈ تھی لیکن وہ ایک بار بھی ہسپتال اس سے ملنے نہیں آئی۔ اور ماں ـــ وہ ماں جس سے اسے بے حد نفرت تھی۔

اور کہیں جانے کے لیے اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ وہ کہاں جائے اس نے بے چارگی سے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

حبیب مصطفیٰ نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے اس کے لیے کھانا تیار کرنے لگا۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ رہنے لگا۔ حبیب مصطفیٰ خود ہی اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا۔ اسے اپنے ملک کے بارے میں بتاتا اپنی ماں کے بارے میں بتاتا' اپنے باپ کے بارے میں بتاتا کہ جب وہ بارہ سال کا تھا تو اس کا باپ انتقال کر گیا اس کی ماں نے بڑی محنت سے اسے پالا' پڑھایا وہ ایک اسکول میں استانی تھی۔ اور گھر میں وہ پروف ریڈنگ کا کام کرتی تھی۔ وہ اس کی اعلا تعلیم کی خاطر دن رات کام میں جتی رہتی حتیٰ کہ اس قدر کام سے اس کی بینائی متاثر ہو گئی۔ وہ آج کل قاہرہ میں اپنی بہن کے ساتھ رہتی ہے۔ حبیب مصطفیٰ پڑھنے کے لیے امریکہ آیا لیکن اس کے پاس یونیورسٹی کی تعلیم کے پیسے نہیں تھے۔۔۔ مجبوراً" اسے ٹیکسی چلانی پڑی۔ وہ جلد اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا تھا یا پھر وہ اسے یہاں بلا کر اس کی آنکھوں کا علاج کروانا چاہتا تھا۔ جب وہ اپنی ماں کی باتیں اسے سناتا تو اس کے چہرے پر الوہی سے چمک ہوتی۔

ماتھو کو اس کے پورے وجود میں پاک روح کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ محسوس ہوتی۔ وہ بچوں کی طرح سادہ اور معصوم تھا۔ اس کے پورے وجود میں محبت اور اپنائیت تھی۔ وہ کہیں سے بھی وحشی اور دہشت گرد نہیں لگتا تھا۔

ماتھو ایک ماہ اس کے پاس رہا لیکن اس نے حبیب مصطفیٰ کو فرشتوں کی طرح پاکیزہ اور معصوم پایا۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی۔

ماتھو اب بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ وہ اب مزید اپنے محسن پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔ حبیب مصطفیٰ جب فلیٹ میں آیا تو ماتھو جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"میں اب جانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے جہاں جانا ہے۔ میں تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا۔"

حبیب مصطفیٰ کی ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے اپنی گرل فرینڈ لزا کے گھر جانے کا سوچا' راستے میں ایک بلڈنگ کے کنارے حبیب مصطفیٰ نے گاڑی روکی۔

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دیر کے لیے عبادت کے لیے جانا چاہتا ہوں۔" ماتھو کی اجازت سے وہ بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔

بلڈنگ کے باہر اسلامک سینٹر لکھا تھا۔

ماتھو کچھ دیر انتظار کرتا رہا اور پھر تجسس کے تحت باہر نکل آیا۔ وہ بلڈنگ کے اندر داخل ہوا تو بیس' پچیس افراد ویسی ہی حرکات کر رہے تھے جیسی حبیب مصطفیٰ اکثر گھر میں کرتا نظر آتا تھا۔ وہ کچھ دیر دلچسپی سے ان سب کو دیکھتا رہا۔ وہ سب اسے کتنے مطمئن اور آسودہ لگ رہے تھے۔

حبیب مصطفیٰ اسے لزا کے گھر اتار کر چلا گیا۔ لیکن ماتھو کو آج معلوم ہوا کہ وہ کہیں نہیں گیا تھا۔ ماتھو کو احساس ہوتا کہ وہ اس کے اردگرد ہے کبھی لگتا ـــ کہ حبیب مصطفیٰ اس کے اندر سرایت کر گیا ہے۔

لزا کو اپنے نئے بوائے فرینڈ کے ساتھ دیکھ کر اسے بالکل غصہ نہ آیا۔ اور وہ چپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔ کچھ دیر نیویارک کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو پھر اسلامک سینٹر کی بلڈنگ کے سامنے پایا۔ وہ اپنے اندر اس تبدیلی پر حیرت زدہ تھا۔

وہ اپنے پرانے دوست رابرٹ کے پاس چلا گیا۔ رابرٹ نے اسے صرف دو دن رہنے کی اجازت دی۔ اس کا فلیٹ کوکین شراب کی بو میں رچا بسا ہوا تھا۔ رات کو رابرٹ اور اس کی گرل فرینڈ نے وہ دھما چوکڑی مچائی کہ ماتھو کو بے اختیار حبیب مصطفیٰ کے ساتھ گزارے ہوئے وہ شب و روز یاد آنے لگے۔

اگلے روز اسے ایک دکان میں سیلز مین کی جاب مل گئی۔ اس نے ایک فلیٹ بھی کرائے پر لے لیا۔ وہ ہر روز دکان سے واپسی پر اسلامک سینٹر چلا جاتا اور کچھ دیر اس عمارت کے گرد کھڑا رہتا۔ نہ جانے کیوں اس کے باہر کھڑے ہونے سے اسے عجیب سی مسرت کا احساس ہوتا۔

ایسے ہی سرشاری کے عالم میں کھڑا تھا جب ایک گرم محبت سے بھرے ہوئے ہاتھ نے اسے تھام لیا اس نے چونک کر دیکھا تو وہ حبیب مصطفیٰ تھا۔

"اندر آؤ گے۔" اس نے محبت سے پوچھا۔

اور وہ کسی معمول کی طرح بلڈنگ کے اندر داخل ہو گیا۔

اور یہاں سے اس کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

♥ ♡ ♥

پندرہ سال کی عمر میں جنیفر اپنے گھر سے بھاگ گئی۔ اسے فلم ایکٹرس بننا تھا۔ اس نے ہائی اسکول کی تعلیم بھی مکمل نہیں کی۔ تعلیم سے اسے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اور گھر سے تو بالکل بھی کوئی محبت یا انس نہیں تھا وہ گھر ایک ہوٹل کے مانند تھا جہاں پر اس کی ماں کے بھانت بھانت کے گاہک آتے۔ اس کی ماں ہر دو تین مہینے کے بعد بوائے فرینڈ بدل لیتی۔ اب اس کے بوائے فرینڈ جنیفر کی اٹھتی ہوئی جوانی پر بھی لچائی ہوئی نظریں ڈالنے لگے تھے جس سے ماں بیٹی کے مابین جھگڑے شروع ہو گئے۔

ان ہی جھگڑوں نے جب طول پکڑا تو وہ ماں اور اس ہوٹل نما گھر کو چھوڑ کر گھر سے چلی گئی۔ کچھ عرصہ اس نے ہالی ووڈ کے نچلے درجے کے علاقے میں ایک سستی سی بار میں ویٹرس کے طور پر کام کیا۔ اس امید پر کہ شاید کوئی معجزہ ہو اور کسی پروڈیوسر' ہدایت کار کی نظر اس کی اٹھتی جوانی پر پڑ جائے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ لیکن اس کی اس غلط فہمی کا فائدہ مختلف لوگوں نے اٹھایا۔ جو کوئی اپنے آپ کو اسٹوڈیو سے منسلک بتاتا وہ فوراً" اس کی باتوں میں آ کر تعلق استوار کر لیتی۔

ایسی بے راہ رویوں سے اس کی خوبصورتی اور جسمانی صحت مانند پڑنے لگی۔ اس عرصے میں اس کی ملاقات ہیری سے ہوئی۔ اس نے جینی کو بتایا کہ وہ یونیورسل اسٹوڈیو میں لائٹ مین ہے۔ جینی نے فوراً"

اس پر اعتبار کرلیا اور اسے اپنے گھر لے آئی۔ وہ تیس، پینتیس سال کا مرد تھا جس کی واحد تفریح شراب اور عورت تھی۔ جینی جیسی بے وقوف اسے یہ دونوں چیزیں مہیا کرنے لگی۔

وہ اسٹوڈیو میں صرف باتھ روم صاف کرنے والا ایک معمولی خاکروب تھا۔ وہ بہانے سے جینی کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں آکر جینی کو احساس ہوا کہ اس کا تو اپنا وجود ایک گندگی کی مانند ہے۔ جس کو یہاں سے صرف صاف کیا جاسکتا ہے۔ یہاں اسے کسی کام میں نہیں لایا جاسکتا۔

ہیری کی اصلیت کھلنے پر وہ اس سے خوب لڑی جھگڑی۔ لیکن اس دوران اسے احساس ہوا کہ وہ ہیری سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے ہیری کے بچے کو جنم دیا۔ وہ بچہ جس کی نہ تو ماں باپ کو ضرورت تھی اور نہ ہی خواہش، بلکہ وہ دونوں تو ایک طرح سے اس کے ماں باپ بھی نہیں تھے۔ پھر ایک دن ہیری چپ چاپ جینی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ ہیری کے نزدیک جینی اس پھٹی ہوئی کتاب کی مانند ہوگئی تھی جس کو بار بار پڑھنے سے نا صرف اس کا حرف حرف اسے ذہن نشین تھا بلکہ اس کے صفحے بھی پھٹ گئے تھے اور جلد بھی اکھڑ گئی تھی۔

ہیری کے یوں چلے جانے سے جینی غم و غصہ سے بھر گئی اس کے عتاب کا نشانہ ماتھو بنا۔ اس نے بے تحاشا اسے پیٹ ڈالا۔

جینی کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ کوکین، الکحل بوائے فرینڈ وہ بری طرح ان کی عادی ہو چکی تھی۔ یہاں رہتے ہوئے اس کی طبیعت اچاٹ ہوگئی۔ تو وہ اپنا سامان پیک کر کے لاس اینجلس چلی گئی۔ جینی کے سامان کی سب سے فالتو چیز ماتھو تھا۔

لاس اینجلس میں اس نے ایک کیسینو میں جاب کرلی۔ یہاں پر بھی اس کی ڈیوٹی گاہکوں کا دل بہلانا تھا۔ لیکن یہاں پر دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ اسے جوئے کی لت بھی لگ گئی تھی۔ جس نے بہت جلد اسے کنگال کردیا۔ ہر بار ہارنے پر اس کے غصے کا نشانہ ماتھو ہی بنتا۔ ایک طرح سے ماتھو اب اس کی ضرورت بھی بن گیا تھا۔ جس پر وہ اپنی فرسٹریشن نکال سکتی۔ لیکن اب ماتھو بڑا ہو رہا تھا۔ ایک بار جب جینی نے اسے پیٹا تو اس نے جینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آخری بار! اب اگر تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میں پولیس کو بلالوں گا۔"

جینی کا بلند ہوا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ ماتھو کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا جینی بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ وہ پندرہ سالہ ماتھو سے بری طرح خوف زدہ ہوئی تھی۔

اس کے اعصاب تن گئے۔ اسے یوں لگا کہ اس کا سانس بند ہوجائے گا۔ وہ نڈھال ہو کر صوفے پر گر گئی۔ ماتھو نے بڑے آرام سے اس کے پینٹ کی جیب سے ڈالر نکالے اور بھاگ گیا۔ جینی کو اپنے پیٹ میں شدید درد کا احساس ہوا۔ لیکن وہاں اب کوئی نہیں تھا۔

اس کی صحت بہت بگڑ چکی تھی۔ وہ اب کیسینو میں کام کرنے کے قابل نہ رہی۔ اسے جلد ہی نوکری سے جواب مل گیا۔ اس دوران کبھی کبھار ماتھو گھر آتا اور ماں سے ہاتھا پائی کر کے پیسے چھین لیتا۔ وہ اسے گالیاں دیتی۔ برا بھلا کہتی لیکن وہ اب بڑا ہو گیا تھا اور وہ اسے مار نہیں سکتی تھی۔ اور اب وہ اتنی جوان بھی نہیں رہی تھی اور نہ ہی صحت مند۔

اس نے کچھ عرصہ ایک ویلفیئر کے ہسپتال میں اپنا علاج کرایا۔ علاج کے بعد وہ لاس اینجلس کو چھوڑ کر اوہائیو شفٹ کر گئی۔ اور یہاں پر ایک بار میں ویٹرس کا کام کرنے لگی۔ اس کے بعد اس کی کبھی ماتھو سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی کبھار اس کا فون آتا لیکن ان کی باتوں میں کسی محبت اپنائیت کی رمق تک نہ ہوتی۔ بس ان دونوں کو یہ پتہ چل جاتا کہ وہ دونوں زندہ ہیں۔

آخری بار اس کا فون نائن الیون کے حادثے کے چار دن کے بعد آیا۔ جینی کو علم تھا کہ ماتھو آج کل نیو یارک میں ہے۔ لیکن اس نے بالکل پتہ کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ چار دن

کے بعد ماتھو کا فون آیا۔ جس سے جینی کو پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے اس نے ماتھو کو مبارک دی اور فون بند کر دیا۔

♥ ♡ ♥

سارہ مسلمانوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ لیکن نائن الیون کے واقعے سے اسے بھی میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کے بارے میں خبریں ملنے لگیں۔ وہ تب نیویارک میں ہی تھی اس حادثے نے سارہ کے دل پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ ہسپتال مریضوں سے بھرنے لگے۔ زخموں سے چور لوگ، مرتے ہوئے لوگ، معذور ہوتے ہوئے لوگ، سارہ نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی بڑی تباہی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دن رات ان مریضوں میں گھری رہتی تھی رات کو جب وہ اپنے فلیٹ پر آتی تو وہ اور ولیم خاص طور پر وہ خبریں سنتے جس میں مسلمانوں کے بارے میں بتایا جاتا۔

"مسلمان ایک وحشی قوم ہے۔ یہ دہشت گرد گروہ ہے۔ لوگوں کو مارنے اور اپنے عقیدے سے تعلق نہ رکھنے والوں کو یہ معاف نہیں کرتے۔

یہ لوگ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ان کو گھروں میں قید کر کے رکھتے ہیں۔

مسلمان مرد چار چار بیویاں رکھتا ہے۔"

ایسی بہت سی باتیں سن کر سارہ بہت خوف زدہ ہو جاتی۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے حد درجہ خائف تھی۔

نائن الیون کا واقعہ اور پھر دی گئی معلومات نے سارہ کو ہمیشہ کے لیے مسلمانوں سے متنفر کر دیا تھا۔

"او خدایا جینی کا بیٹا اس گروہ میں شامل ہو گیا ہے۔" گھر آ کر سارہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اب اسے جینی پر ترس آنے لگا۔ پہلے ہمیشہ وہ اس صابر لڑکے پر ترس کھاتی تھی جو جینی کی بک بک کے آگے خاموش کھڑا رہتا تھا لیکن اب سارہ کو جینی کی ساری گالیاں، سارے کوسنے صحیح معلوم ہو رہے تھے۔

"اگر میرا جارج اس طرح کا ہو جائے تو یقیناً" میرا رد عمل بھی ایسا ہی ہو گا۔ لیکن اگر سچ مچ میرا جارج اس لڑکے کی مانند ہو جائے تو کیا....."

سارہ کو اپنے آپ سے کیے سوال نے پریشان کر دیا۔ اس کے ذہن میں جینی کا بیٹا آنے لگا خاموش، مطمئن، ہر وقت ماں کے کام کرتا ہوا۔ ہر وقت ماں کی خدمت میں مصروف، سرگرم عمل۔

♥ ♡ ♥

ماتھو، حبیب مصطفیٰ کے ساتھ اب روز اسلامک سینٹر جا رہا تھا وہاں جا کر اسے ذہنی سکون، آسودگی، اطمینان نصیب ہوتا۔ وہ ان لوگوں کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھا۔ یہ لوگ کتنے پر خلوص محبت کرنے والے اور سچے تھے۔ ہر قسم کی برائی سے پاک، ذہنی خلفشار سے دور، ان کے مذہب میں کتنی سچائی اور گہرائی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یکسوئی اطمینان قلب تھا۔ دل و دماغ میں اٹھنے والے ہر سوال کا کتنا جامع جواب ان کے پاس تھا۔

اسلامک سینٹر کے ایک دوست نے اسے انگریزی میں قرآن پاک کا ترجمہ دیا۔ اس کو پڑھ کر وہ مزید اس مذہب کی حقانیت کا قائل ہوتا گیا۔ اس سے پہلے وہ کسی بھی مذہب کو نہیں مانتا تھا۔ وہ کبھی چرچ نہیں گیا۔ اس کی پرورش جس گندے ماحول میں ہوئی تھی اسے کبھی خدا، مذہب ان سب باتوں کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ لیکن اپنی ایک پرانی گرل فرینڈ کی بدولت وہ ایک دو مرتبہ چرچ گیا۔ جہاں پر اس کی طبیعت میں عجیب سا خوف اور دہشت طاری ہو گئی۔ پادری سے بات کرتے ہوئے اس کے دل میں اطمینان آنے کے بجائے مزید بے سکونی چھا گئی تھی۔

"ہمارا اللہ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر کسی کی سنتا ہے۔

وہ توبہ قبول کرتا ہے۔ توبہ کرنے والا اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح نومولود بچہ اپنے گناہوں سے معافی کے لیے ہمیں کسی پادری یا ملا کے پاس نہیں جانا پڑتا۔"

حبیب مصطفیٰ اور دیگر اسلامک سینٹر کے لوگوں کی باتوں نے اس کے اندر اسلام کو مزید جاننے کی تڑپ پیدا کر دی تھی۔ ایک آگ تھی جو اس کے اندر بھڑک رہی

تھی۔ جس کے الاؤ میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ماتھو کو لگتا وہ کچھ کہنا چاہتا ہے کچھ ایسا کرنا چاہتا ہے جس سے اس کے اندر کی تپش ختم ہو جائے۔

حبیب مصطفیٰ کے ساتھ اسلامک سینٹر جاتے ہوئے ایک ہی حادثہ نے اس آگ پر پانی کی پھوار ڈال دی تھی۔

سڑک کے کنارے دو لڑکے کھڑے تھے۔ انہوں نے راستہ بلاک کر کے حبیب مصطفیٰ کو گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔ دونوں لڑکوں نے لیدر جیکٹ، ٹائٹ پینٹ اور ہاتھوں پر لوہے کے مکے چڑھا رکھے تھے۔ گاڑی روکتے ہی انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سے گھسیٹ کر حبیب مصطفیٰ کو باہر نکال لیا اور بری طرح زدوکوب کرنے لگے۔ وہ دونوں گالیاں دیتے جا رہے تھے اور حبیب مصطفیٰ کو مارے جا رہے تھے یہ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ ماتھو کچھ دیر کے لیے حیران رہ گیا۔

یک لخت وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"چھوڑ دو، اسے چھوڑ دو۔ کیوں مار رہے ہو؟" وہ لڑکوں کو دھکے دینے لگا۔

"یہ..... مسلمان ہے ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" دونوں گالیوں کے طوفان میں بری طرح حبیب مصطفیٰ کو پیٹ رہے تھے۔

انہوں نے ماتھو کو کچھ نہ کہا۔ ماتھو بری طرح ان کو ہٹانے اور حبیب مصطفیٰ سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"چھوڑ دو یہ دہشت گرد نہیں ہے یہ کسی قاتل گروہ سے تعلق نہیں رکھتا، چھوڑ دو اسے۔" لیکن وہ دونوں لڑکے جن پر وحشت طاری تھی اس کی بات نہیں سن رہے تھے۔

"میں بھی مسلمان ہوں۔" یک لخت ماتھو نے اونچی آواز سے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

"او مجھے مارو۔" وہ دونوں لڑکے حبیب مصطفیٰ کو چھوڑ کر حیرت زدہ آنکھوں سے ماتھو کی جانب دیکھنے لگے۔ اسی وقت پولیس کی گاڑی کے سائرن سے وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

حبیب مصطفیٰ اپنی چوٹیں سہلاتا ہوا ماتھو کی جانب بڑھا۔

ماتھو اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا۔ "یہ میں نے کیا کہا۔" وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔ حبیب مصطفیٰ کی آنکھوں میں درد کی شدت کے بجائے خوشی، مسرت تھی۔

"مبارک ہو میرے دوست، مبارک ہو میرے بھائی!" حبیب مصطفیٰ نے اسے گلے سے لگا لیا ماتھو کو اپنے اندر ایک اطمینان سکون کی لہر سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس کے اندر ٹھنڈک ہی ٹھنڈک بھر گئی تھی۔ نرم نرم سی پھوار تھی جس سے اس کا وجود بھیگ گیا تھا۔ اس کے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ نہ جانے کب سے، وہ اب جان گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

♥ ♡ ♥

محمد موسیٰ کتنی دیر اپنے محسن کو گلے سے لگائے کھڑا رہا۔

"میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" محمد موسیٰ نے آنسو سے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر زندگی رہی میں تم سے ملنے آؤں گا لیکن اب میری ماں کو میری ضرورت ہے۔ وہ بیمار اور اکیلی ہے۔"

"لیکن تمہاری تعلیم؟" موسیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔

"میری ماں سے بڑھ کر اس دنیا کی کوئی چیز نہیں۔ اس کی خدمت کر کے میں وہ کچھ حاصل کر لوں گا جو میرے لیے آخرت میں کام آئے گا۔"

حبیب مصطفیٰ نے محمد موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جنت! جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ میں اس جنت کو کھونا نہیں چاہتا۔"

ماتھو جواب محمد موسیٰ بن چکا تھا۔ حبیب مصطفیٰ کی بات پر حیران رہ گیا۔

"لیکن میری ماں..... وہ تو اس قابل نہیں کہ اس کی خدمت اسے جنت کا حق دار بنا دے۔" محمد موسیٰ کا

سوال اس کی زبان پر آ ہی گیا۔

"موسیٰ! ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اپنی ماں کی خدمت کرو۔ بغیر یہ سوچے کہ وہ کیسی ہے۔ وہ صرف تمہاری ماں ہے۔ اور ہو سکتا ہے تمہارے حسن عمل سے اس کی باقی زندگی اور آخرت سنور جائے۔ اسے بھی ہدایت کی روشنی مل جائے۔ اس کے ماضی کو بھول جاؤ۔ اور صرف یہ یاد رکھو کہ تم اس کے بیٹے ہو۔ اور وہ تمہاری ماں، تمہارے ہر عمل سے ایک باعمل مسلمان بیٹے کی عکاسی ہونی چاہیے۔ باقی ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ اگر اس نے تمہاری ماں کی قسمت میں ہدایت لکھی ہوگی تو وہ اسے مل کر رہے گی۔"

چھ سال بعد وہ مدرز ڈے پر اپنی ماں کے پاس آیا تھا۔ اور بقول حبیب مصطفیٰ کے ہم لوگ صرف سال میں ایک دن مدرز ڈے نہیں مناتے ہمارا ہر دن اپنے ماں باپ کے نام ہوتا ہے ان کی خدمت اور حسن سلوک کے جذبات سے لبریز۔

محمد موسیٰ نے ماں کے گھر جا کر بیل دی۔ اندر سے جینی کی کھانستی ہوئی آواز آئی۔

"کون ہے...؟"

"میں ہوں تمہارا بیٹا محمد موسیٰ"

♥ ♡ ♥

سارہ ہر روز اس کو دیکھتی تھی۔ وہ موسیٰ کی ساری حرکات نوٹ کرتی وہ بڑے سادہ کپڑے میں ملبوس ہوتا۔ اس کے ساتھ کوئی گرل فرینڈ نہیں ہوتی۔ سارہ کو وہ کبھی لاؤنج یا کچن میں شراب پیتا نظر نہیں آتا تھا۔

وہ جینی کے پاس مدرز ڈے والے دن آیا تھا۔ سارہ کو جینی کتنی خوش نصیب لگ رہی تھی اس دن سارہ سارا دن جارج کے فون کال کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ تو اپنی ماں کو بھول بیٹھا تھا۔

سارہ اب روز موسیٰ کو دیکھتی، موسیٰ کو یہاں آئے ہوئے سات ماہ ہونے والے تھے۔ سارہ کو اب موسیٰ سے خوف آنے کے بجائے عجیب سی انسیت محسوس ہونے لگی۔

جینی اب بہت بیمار رہنے لگی تھی۔ دو تین بار وہ ہسپتال میں ایڈمٹ رہی۔ موسیٰ ہسپتال میں بھی اپنی ماں کے پاس رہتا۔ لیکن جینی کی آنکھوں میں اس کے لیے کسی قسم کی محبت نہیں جاگی تھی۔

ہسپتال میں سارہ موسیٰ کی فکر مندی محبت اور جینی کی بے پروائی نفرت کو دیکھ کر عجیب مخمصے کا شکار ہو جاتی۔

جینی کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس کا مرض اس اسٹیج پر پہنچ چکا تھا کہ ہسپتال اور گھر اب اس کے لیے برابر تھے۔ وہ دن بھر وہیل چیئر پر غنودگی کے عالم میں پڑی رہتی۔ موسیٰ نے اب جینی کے پاس رہنا شروع کر دیا تھا۔ سارہ اسے جب کبھی اپنے گھر کے لاؤنج یا کچن کی کھڑکی سے دیکھتی وہ جینی کے کاموں میں مصروف ہوتا۔

سارہ اس عجیب ماں بیٹے کو دیکھتی تو اسے بے اختیار جارج یاد آنے لگتا۔ اور پھر ایک دن جارج آ گیا۔

♥ ♡ ♥

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے جارج کھڑا تھا۔

وہ کتنا بڑا ہو گیا تھا اس نے سر کے بال پنکھ اسٹائل میں بنا رکھے تھے۔ سیلولیس لیدر کی جیکٹ پہن رکھی تھی اس نے اپنے بازو پر سانپ بچھو کے شکل کے ٹیٹو بنا رکھے تھے۔ گلے میں موٹی موٹی بے شمار لوہے کی زنجیریں تھیں۔ لیدر کی پینٹ اور موٹے لوہے کی نوک والے بوٹ پہن رکھے تھے۔

وہ جھومتا جھامتا لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

سارہ کو جارج کی ہیئت دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

جارج اپنی چینوں سے کھیلتا ہوا اکھڑ انداز میں بولا۔

سارہ سن سی کھڑی رہ گئی۔ اتنے برسوں بعد وہ صرف اس لیے آیا تھا کہ اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔

ماں سے ملنے، اس سے بات کرنے، اس سے محبت جتانے، اس کے لیے نہیں آیا تھا وہ، سارہ کے دل میں دکھ، غم کے ساتھ ساتھ غصے کا طوفان موجزن ہو گیا تھا۔

"میں سمجھی اتنے برسوں کے بعد تمہیں ماں کی یاد آ گئی ہے اس لیے تم..." سارہ طنزیہ بولی۔

لیکن جارج نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے فضول بک بک نہیں چاہیے مجھے صرف پیسے چاہئیں جلدی سے لاؤ۔" وہ بدتمیزی سے کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اور اگر میں کہوں کہ میں تمہیں پیسے نہیں دوں گی تو؟" سارہ غصے سے بولی۔

"تو..." وہ گالی دے کر سارہ کی جانب بڑھا۔ "مجھے پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ جلدی لاؤ ورنہ میں۔"

"کیا کرو گے؟" سارہ غصے سے چیخی۔

جارج نے دھکا دے کر سارہ کو صوفے پر گرا دیا اور لوہے کے مکے والے ہاتھ سے ماتھے پر بھرپور وار کیا۔ دوسرا ہاتھ سے اس نے سارہ کی گردن دبوچ لی۔

درد کی شدت سے سارہ کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔

قریب تھا کہ اس کا سانس رک جاتا اور وہ مر جاتی جارج نے جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔

"مجھے فوراً رقم چاہیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

سارہ خوف زدہ کانپتی ہوئی کمرے میں چلی گئی اور رقم پرس میں سے نکال کر اس کی جانب اچھال دی۔

"دفع ہو جاؤ، نکل جاؤ، میرے گھر سے۔"

سارہ روتی غصے سے کانپتی آواز سے بولی۔

پیسے اٹھا کر اس نے ماں کی جانب دیکھا بھی نہیں اور زور سے دروازہ کھول کر چلا گیا۔

سارہ غم کی شدت سے صوفے پر نڈھال گر گئی۔ نہ جانے وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔ آج اس نے اپنا بیٹا کھو دیا تھا۔

♥ ♡ ♥

جینی کو اس دنیا سے گئے ہوئے چار دن ہوئے تھے۔ موسیٰ کے حسن عمل خدمت محبت، کوئی جذبہ اس کے اندر ہدایت، سچائی، رہنمائی کی ہلکی سی شمع نہ روشن کر سکا۔ وہ ان اندھیروں میں کھو گئی جن میں ساری زندگی اس نے بسر کی تھی۔

موسیٰ آج پھر دل گرفتہ اپنی ماں کے گھر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے ذہن میں اسلامک سینٹر کے پروفیسر عبدالرحمان بصیر کے الفاظ گونج رہے تھے جو آل عمران کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے کہے تھے۔

"ہدایت دینے کی ذات صرف اللہ کی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہمارا کام صرف اپنے عمل سے نیکی اور سچائی کی روشنی کرنا ہے۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ چاہے تو سامنے والے کے دل میں اجالا کر دے، چاہے تو اندھیرا رہنے دے۔"

محمد موسیٰ کو آج ان کو یہ بات حرف بحرف درست معلوم ہو رہی تھی۔

آج اس کے عمل نے کسی اور کے دل میں ہدایت کی روشنی بھر دی تھی۔

"محمد موسیٰ!" کسی نے اس کو پکارا۔

اس نے اپنی سرخ متورم آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھا۔ اس کے سامنے سڑک کے پار والے گھر کی نرس سارہ کھڑی تھی۔

"میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔"

وہ کچھ دیر شاک کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں سے دکھ اور خوشی کے ملے جلے آنسو بہنے لگے۔

"ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔" محمد موسیٰ نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور پھر اس کا سر اپنے رب کی کبریائی کے آگے جھک گیا۔

☼ ☼

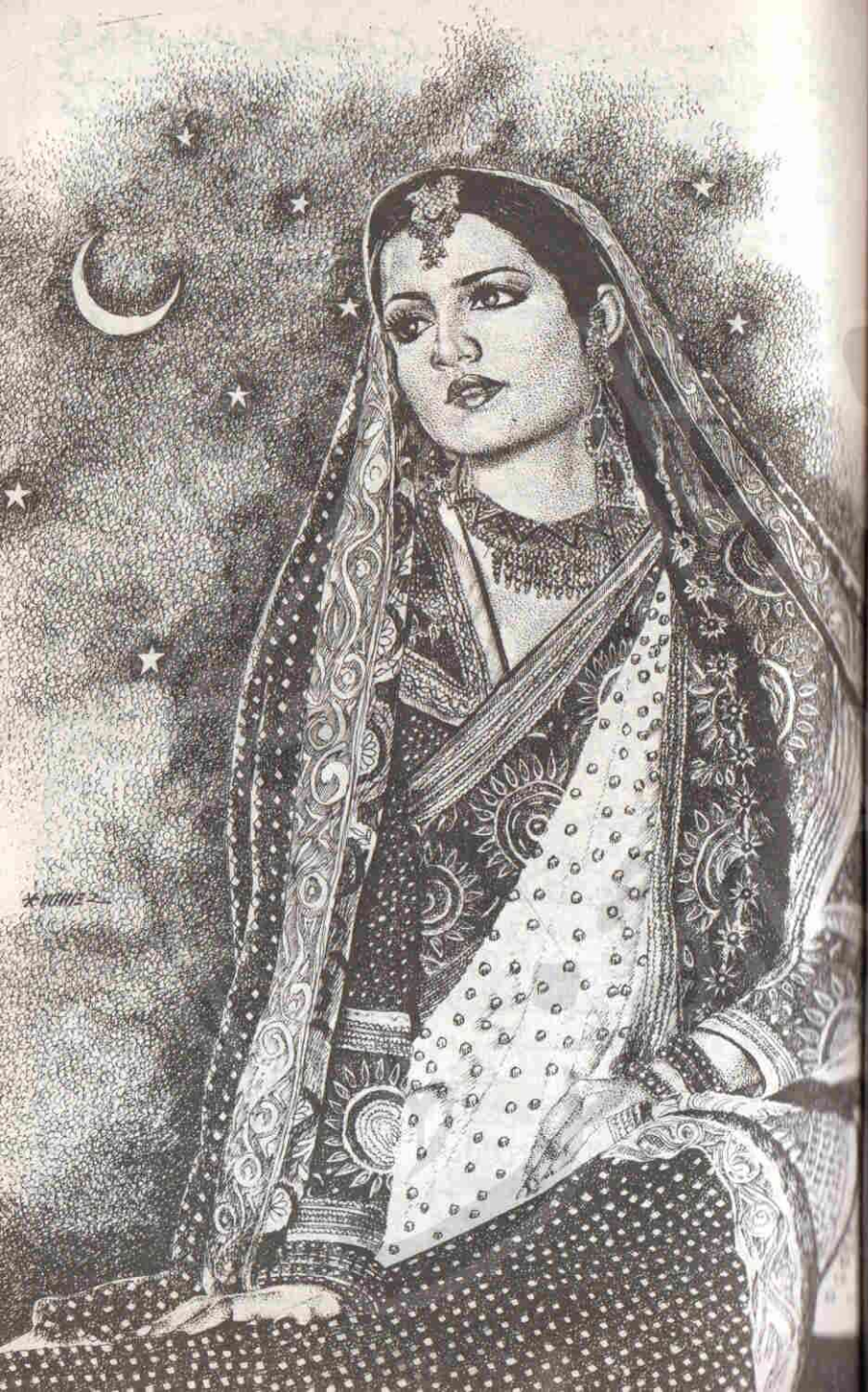

رخسانہ نگار عدنان

تحفہ

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" میں نے جواد کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر ہاتھ میں پکڑا اخبار ایک طرف پھینکا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ٹیبل پر پڑا جواد کا آفس بیگ اٹھا کر ان کے ہاتھ میں دیا اور ان کی طرف دیکھنے لگی جواب سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا! کیا فیصلہ کیا ہے؟" انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی کو سرسری نظر سے دیکھا اور اندازہ لگایا کہ میری کتنی لمبی چوڑی گفتگو سننے کا ان کے پاس ٹائم ہے۔

"میں کل سے اخبار نہیں پڑھوں گی۔" میں نے

ناولٹ

کوفت بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے ناک چڑھا کر سامنے پڑے اخبار کو دیکھ کر کہا۔

"کل سے کیوں مائی ڈیئر" آج سے کیوں نہیں۔" جواد کا جواب ہی نہیں ان کی اگلی حرکت ان کے جواب سے بھی زیادہ غیر متوقع تھی انہوں نے آگے بڑھ کر پنکھے کی ہوا میں پھڑپھڑاتے اخبار کو سمیٹا۔ رول سا بنایا اور ہاتھ میں لے کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔

"چلتا ہوں میں ویسے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔ شام کو جلدی آنے کی کوشش کروں گا تو کہیں چلیں گے اللہ حافظ۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے اور اگلے منٹ ان کی گاڑی گیٹ سے نکلنے اور گیٹ بند ہونے کے بعد کی آوازیں سنائی دیں اور ان آوازوں کے بعد ایک مہیب سناٹا۔ سرسراتی خاموشی اور وحشت ناک تنہائی میرے آس پاس ٹہلنے لگی۔

"اف۔" میں نے گھبرا کر پناہ لینے کے لیے بالکل غیر ارادی طور پر اخبار اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مجھے یاد آیا اخبار تو جواد لے گئے ہیں۔

"اب کیا کروں۔" میں نے کچھ پریشان سا ہو کر گھڑی کی طرف دیکھا ابھی نو بھی نہیں بجے تھے نو سے دس بجے تک میں اخبار پڑھتی تھی اس دوران اٹھ کر چائے دوبارہ بنا لیتی یا ناشتے کی بچی ہوتی تو اس کو گرم کر کے اخبار کے مطالعے کے دوران چسکیاں لے کر پیتی رہتی مگر آج۔۔۔

"آج تو کام ہی الٹا ہو گیا تھا۔" میں دھڑام سے صوفے پر گر گئی۔

"اچھا چلو اس اخبار کی منحوس وحشت ناک، دہشت ناک خبروں بم بلاسٹ، حادثوں، خودکشیوں، سیاستدانوں کی آپس کی لڑائیوں ایک دوسرے کی کردار کشی کے لیے لگائے گئے الزامات، ذخیرہ اندوزوں کی دھمکیوں، ملاوٹ کرنے والوں کی تڑیوں، اسٹاک ایکسچینج کی گرتی ہوئی ویلیوز، ڈالر اور تیل کے آسمانوں کو چھوتے نرخ، لوڈ شیڈنگ کے ہنگامے بلوے اور ہمارے بجلی کے وزیر موصوف کی ہر صبح بے چاری پاکستانی عوام کے لیے ایک عدد موٹی تازی کڑوی گولی بجلی کے بڑھتے ہوئے نرخ اور لوڈ شیڈنگ کے دورانیے میں اضافے کی خبروں ہمارے ملک بلکہ ہماری حکومت کی بے غمالی پر اقوام عالم کی بے نیازی خودکش بمباروں کی اس درجہ بہتات۔۔۔ کہ میرے ملک میں ہوتی شب برات روزانہ، والا حال ہو اور بندہ جل کر کہہ ڈالے کہ بھئی میں کل سے اخبار نہیں پڑھوں گا تو اس کی اس ہرزہ سرائی کو اس کی حد سے بڑھی ہوئی فرسٹریشن یا ڈیپریشن کا نتیجہ ہی سمجھنا چاہیے نہ کہ

بالکل سچ سمجھتے ہوئے اخبار ہی بغل میں داب اور آفس چل دیے اب جو میرے جیسا اخبار کا نشئی 'چرسی ہو گا وہ کیا کرے گا۔"

میں بلند آواز میں خود سے باتیں کر رہی تھی کہ وہاں سننے والا میرے سوا اور کوئی تھا بھی نہیں۔

"اب اخبار کے بغیر بھلا دن کیسے گزرے گا ابھی تو تمام کالم پڑھنے والے رہتے تھے جاوید چودھری کا کالم بھی آیا ہوا تھا آج تو اور سعد اللہ جان برق کا بھی' حمید اختر کا بھی..... اور مزے سے شام کو آکر کہیں گے میں تو اخبار آفس ہی بھول آیا اف۔" میری وحشت اور پریشانی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

بے چینی میں اٹھ کر ٹی وی لگایا باری باری سب نیوز چینلز ٹیون کیے سب پر چھ سات وزیر اور ہماری وزارت داخلہ کے آل ان آل ہاتھ لہراتے فضا میں مکا گھماتے عوام کو دھمکاتے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ان پڑھ لوگوں کی طرح لڑتے جھگڑتے مجھے تھوڑی ہی دیر میں بے زار کر گئے۔

میں نے ٹی وی آف کر دیا اور اٹھ کر کچن میں آگئی چینک میں کچھ چائے بچی تھی اسے گرم کر کے مگ میں انڈیلا اور پھر اپنے پسندیدہ ٹھکانے یعنی لاؤنج میں آ گئی۔

"اچھا ہوا وہ اخبار لے گئے کیا کرنا تھا پڑھ پڑھ کر دماغ خراب کرنا تھا پورے اخبار میں جو ایک بھی اچھی خبر ہو بہتر ہے کبوتر کی طرح کچھ دن آنکھیں بند کر کے ان مسائل بھری زندگی سے نظریں چرا لی جائیں اور رومانس کے یوٹوپیا کی سیر کی جائے۔"

میں نے "پیار کا پہلا شہر" کھولا اور پڑھنے میں مگن ہو گئی محض دس منٹ میں ہی طبیعت بے زار ہو گئی یہ کتاب پہلے بھی تو چار بار پڑھی ہوئی تھی اس وقت تو طلب خبروں اور کالموں کی تھی چائے بھی ختم ہو گئی مگر طبیعت کی بے زاری دور نہ ہوئی۔ میں نے اٹھ کر لاؤنج میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"رجو آتی ہے تو اس سے مارکیٹ سے اخبار منگوا لیتی ہوں۔" میں نے اپنے نشے کا علاج سوچا۔

"اتنی ڈسٹ اتنی مٹی اف یہ رجو بیگم کیا روز ہاتھ لگانے آتی ہیں ادھر' آجائے آج ذرا اس کی تو میں کلاس لیتی ہوں۔"

کھڑکی کی چوکھٹ میں جمع مٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروائی اور پھر دھیرے دھیرے مجھے پورے گھر میں ہر جگہ ہر چیز گرد آلود نظر آنے لگی۔

"تفصیلی صفائی کو بھی تو اتنے مہینے ہو گئے ہیں بس ٹھیک ہے یہ پورا ہفتہ گھر کو چمکانے میں لگایا جائے گا اور اخبار..... نہیں چلو تھوڑا بہت چل جائے گا۔" اب میں گیٹ کے پاس پڑے گملوں اور ستونوں سے لپٹی بیلوں کو پانی دیتی ہوئی بے چینی سے رجو کے آنے کا انتظار کر رہی تھی جس کے آج آنے کے آثار بھی نایاب لگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

میں دیکھتی ہی رہ گئی اور جواد نے اگلی صبح بھی وہی حرکت کر ڈالی۔ میں نے ناشتا ٹیبل پر لگایا اپنے کپ میں چائے نکالی اور دوسرا ہاتھ حسب عادت صوفے پر پڑے اخبار کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ جواد نے بڑے آرام سے اخبار اٹھایا اور تہ کر کے اپنے آفس بیگ میں رکھ لیا۔

"تم نے یہ بہت اچھا فیصلہ کیا جو اخبار پڑھنا چھوڑ دیا خوامخواہ صبح صبح اپنا دماغ خراب کرنے سے فائدہ؟ ایک تو تم صبح کے وقت دو تین کپ چائے پی کر اپنا خون جلاتی ہو باقی کا خون اخبار کی ہولناک خبریں جلا دیتی ہیں دیکھو ایک ہی دن میں تمہاری رنگت میں کیسا نمایاں فرق لگنے لگا ہے ایک دم سے فریش کھلی کھلی لگ رہی ہو۔" وہ مزے سے مکھن توس پر تہ پہ تہ جماتے کہتے چلے گئے۔

اور میں جو پہلے اچھی خاصی گرمی میں آنے لگی تھی ان کی اس حرکت پر انہیں ٹھیک ٹھاک سنانے کے لیے الفاظ ترتیب دے رہی تھی کہ ان کی اگلی بات پر میں لحہ بھر کو گنگ سی بیٹھی رہ گئی بالکل غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ اپنے منہ کی طرف گیا تھا اور صبح فجر کی نماز کے

لیے وضو کرتے ہوئے حسب عادت میں نے کئی بار شیشے میں اپنا یہ چوکھٹا دیکھا تھا مجھے تو رتی برابر کچھ نیا پن' محسوس نہیں ہوا تھا وہی گندمی سی ذرا صاف ذرا پیلی رنگت' نیند سے بوجھل مندی مندی آنکھیں کہ جلدی سے چار سجدے کر کے دوبارہ بستر میں جا پڑوں آنکھیں پوری یوں نہیں کھولتی تھی کہ پھر کمبخت پوری ہی کھل جاتی تھیں تو دوبارہ سونے میں گھنٹہ لگ جاتا تھا اور اس میں جواد کے آفس جانے کا ٹائم ہو جاتا تو اٹھنا پڑتا اور پھر خوب ہی سر میں درد ہوتا۔

"خیر ایسی تو کوئی بات نہیں رنگت میری اب اس عمر میں کیا کھلے گی یا مرجھائے گی یہ تو آپ کی نظر۔"

میں نے سنبھل کر کہنا شروع کیا۔

"ویسے مجھے لگتا ہے بلکہ پہلے ہی شک تھا کہ کچھ گھپلا ہے۔" وہ مکھن لگے سلائس کو دو ہی لقموں میں پار لگاتے ہوئے شریر لہجے میں بولے۔

"کیسا گھپلا....." میں انہیں رشک بھری نظروں سے تکتے ہوئے بولی اپنے فربہی مائل جسم کی وجہ سے اس قسم کی خوراکیں' میرے لیے تو شجر ممنوعہ ہی تھیں۔

"یہی عمر والا....." انہوں نے بائیں آنکھ دبائی۔

"آج تمہارے منہ سے خود ہی نکل گیا اس عمر میں ....ہاہ کیسی حسرت ہے تمہاری آہ میں۔" وہ میرے یونہی بولے گئے جملے سے یہ مطلب نکالیں گے مجھے اندازہ نہیں تھا غصے میں ٹی پاٹ ہی اٹھا کر انہیں دھمکا ڈالا۔

"میرے اسکول کالج کے سارے سرٹیفکیٹس تو بہانے بہانے سے کھنگال چکے ہیں اور عمر کی تسلی کہاں سے کروائیں گے۔" میں دانت پیس کر بولی تو وہ ہنس پڑے۔

"بھئی سچ کہا سیانوں نے کبھی عورت کی عمر کی طرف ....اصلی عمر کی طرف اشارہ نہ کرو قتل کرنے پر اتر آئے گی۔" وہ ہنستے ہوئے نیپکن سے ہاتھ منہ صاف کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اور جو سیانوں نے دوسرے سنہری قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرد کی تنخواہ اصلی والی کبھی نہ پوچھو مرنے مارنے پر اتر آئے گا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

میں نے بھی حساب برابر کیا۔

"ظالم بیوی ہر مہینے پہلے پے سلپ چیک کرتی ہو پھر میری جیب وہ بھی ایک نہیں ساری اور اس کے باوجود شک کرو تو اللہ تمہاری نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کرے گا۔" وہ جاتے جاتے بولے۔

"اور جو خود شک کر رہے تھے وہ..... آپ کے اعمال نامہ کتنا وزنی ہوا ہو گا۔" میں پیچھے آئی۔

"مذاق کر رہا تھا۔"

"میں بھی مذاق کر رہی تھی شام کو کیا پکاؤں؟" مجھے روزانہ والا سب سے الجھا ہوا مسئلہ یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"جو جی میں آئے ایسا فرماں بردار شوہر کسی کا ہو گا بھلا۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی اپنی مدح میں بولے۔

طنز و مزاح سے بھرپور کالم
باتیں اِنشاء جی کی
ابنِ انشاء
قیمت: -/250 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

"جی معلوم ہے آپ کی فرماں برداری اچھی طرح معلوم جو ہے ٹیبل پر تین ڈشز روز سجی ملتی ہیں تین میں سے ایک تو پسند کی ہوتی ہے۔ فرماں برداری کے نمبر الگ اور پسند کی ڈش کے مزے الگ۔" میں کسی بھی معاملے میں ادھار کی قائل نہیں تھی۔

"یہ حنیف بھی تین دن کی چھٹی لے کر گیا اور ہفتہ ہونے کو آیا ہے ابھی تو کچھ پتا نہیں اس کا تم دروازہ دن میں بھی اچھی طرح بند رکھا کرو آج کل ڈکیتیوں کا کام پھر زوروں پر ہے اوکے اللہ حافظ۔" انہوں نے کھلے گیٹ سے گاڑی باہر نکالنی شروع کی۔

"یہ سب ہی نوکروں کا حال ہے وہ رجو بی بی کل بھی نہیں آئی سارا کام مجھے خود سے کرنا پڑا اور آج بھی معلوم نہیں آتی ہے یا نہیں۔" میں گاڑی کے باہر نکلتے ہی گیٹ بند کر کے داخلی دروازے سے انہیں اللہ حافظ کہتے ہوئے بولی تو وہ بے نیازی سے سر ہلاتے گاڑی نکال لے گئے۔ میں گیٹ بند کر کے اندر آ گئی۔

اندر وہی بھائیں بھائیں کرتا سناٹا تھا۔

ایک عورت جس کی شادی کو گیارہ برس گزر چکے ہوں اور اس کی گود اس کا گھر میرے گھر کی طرح سنسان بھائیں بھائیں کرنے والا ہو صرف وہی میری کیفیت کو سمجھ سکتی ہے۔ میں صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔

"اس مجھے الجھی الجھی باتوں میں لگا کر آج پھر اخبار اچک لے گئے یہ کیا تماشا ہے بھئی کل بھی میں نے سوچا رجو سے منگوا لوں گی وہ محترمہ کل آئی ہی نہیں کل کا اخبار نہیں پڑھا اور آج۔" مجھے اس خیال کے ساتھ ہی جیسے ایک دم سے رونا آنے لگا گھر کا سناٹا اور بھی دل کے اندر اترنے لگا تھا۔

میں یونہی منہ اوپر اٹھا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"میری مٹھی میں تو کوئی آس کا جگنو بھی نہیں کہ جس سے اس ویران دل کے کسی اندھیرے کونے کو اجال لوں سب کچھ واضح ہے بالکل عیاں عیاں..... اور اس طرح عیاں کروانے کی بجتجو بھی تو مجھے تھی اس ایک بے چینی تھی دیوانگی، جنون کہ پتا چل جائے کب کیسے کیونکر میرا سونے گھر میں میری سونی کوکھ سے کسی پھول کے کھلنے کا امید بر آ سکتی ہے۔

پہلے پانچ سال اسی امید و بیم اسی خوش گمانی و ناامیدی کے درمیان ڈولتے گزر گئے۔

پھر ڈاکٹری علاج معالجے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا جوں جوں گو ہر مقصود دور ہوتا محسوس ہو رہا تھا میری رسائی میری پہنچ سے دور..... میرے اضطراب میری دیوانگی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور یہ دیوانگی جنوں مجھے کہاں کہاں نہیں لے گیا۔

ایلوپیتھک طریقہ کار سے مایوس ہونے کے بعد ہومیو پیتھک حکمت اور آخر میں تعویذ، عملیات، دم چلے اور نہ جانے کیا کیا؟ پورے نو سال بیت گئے میرا دل، میری کوکھ کی طرح سونا ہوتا چلا گیا امید کا ایک ایک ستون گرتا چلا گیا اور میں بے وزن بدن کے ساتھ کسی اندھیرے خلا میں معلق ہو کر رہ گئی۔

اف وہ دن کتنے ظالم کتنے خوفناک تھے ماں نہ بن سکنے کا خوف میرے پورے وجود کو کسی آکٹوپس کی طرح جکڑے اس میں سے زندگی نچوڑنے لگا اور میں کسی بے نشان مردے کی طرح ہو گئی جسے اس کے لواحقین دفنانے کے بعد اس کے نام کا کتبہ اس کے سرہانے لگانا بھول گئے ہوں اور وہ بے نام مردہ اپنا نام تلاش کرنے کے لیے کسی بھولی بھٹکی روح کی طرح سارے عالم میں چکراتا پھر رہا تھا۔

خاندان میں ہونے والی شادیوں، منگنیوں، نکاح میں ہمیں بلوایا تو خوب جوش و خروش سے جاتا مگر اکثر دلہا دلہن کے پاس خاص طور پر دلہن کو مہندی لگانے یا اور کسی ایسی رسم کے موقع پر نادانستہ سی کوششیں ہونے لگیں کہ میں دلہن کے پاس نہ ہی جاؤں مجھے آواز دے کر بلاوا بھیج کر کسی اور اہم کام کا پیام دے دیا جاتا شروع میں میں کچھ بھی نہ سمجھی اور جب سمجھی..... تو پھر خود ہی ایسی تقریبات سے دور رہنے لگی۔

ایک آڑا ایک بھرم سا تھا جو ہر نئے دن کے ساتھ ٹوٹتا جا رہا تھا جواد کی میڈیکل رپورٹس بالکل ٹھیک

تھیں اور میری..... دن بہ دن پیچیدہ اور نامنہم سی ہوتی جا رہی تھیں۔

میری دونوں نندیں جن کا جواد اکلوتا بھائی تھا ان کی بے چینی ان کا اضطراب مجھ سے بھی سوا تھا اب تو ان کی امید پس ناامیدی کے گہرے کنوئیں میں گرنے کے بعد پریشانی اور پھر غصے کے بھنور میں بدلنے لگی تھیں۔

میں ان دنوں کٹی پتنگ کی طرح خلا میں معلق تھی ہر لمحہ اپنے انجام کے خوف سے لرزتی کانپتی پھرا کرتی۔

زور سے بیل بجی اور میں جیسے کسی گہرے خیال سے باہر نکلی تھی۔

"کیا مصیبت پڑی تھی تمہیں ہر ہفتے تین چھٹیاں تو لازمی ہو گئی ہیں تمہاری اور پھر ہر چھٹی پر نئے سے نیا بالکل اچھوتا بہانہ کہ بے چاری بیگم صاحبہ تیرے بہانے کی زد میں آ کر سی بھی نہ کر سکے۔" رجو کے اندر آتے ہی میں بولتی چلی گئی اس کا منہ میری توقع کے عین مطابق لٹکا ہوا تھا۔

"کیا بتائیں بی بی جی اللہ سائیں نے ہم غریبوں کی قسمت ہی ایسی بنائی ہے ڈھیٹ اور بے شرم تو بنا ہی ڈالا ہے اس غربت نے بہانے باز بھی، جو آپ سمجھ لیں۔" اس سے پہلے میں کچھ اور سخت اسے سناتی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اب کیا ہوا ہے؟ کوئی نیا ڈرامہ۔" میں نے بڑی مشکل سے زبان کو روکا اور بے زاری سے صوفے پر بیٹھ گئی وہ روتے ہوئے سر پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

"چھوٹے کو نمونیا ہو گیا تھا جی۔" وہ ڈبڈبائی آنکھوں اور گلوگیر آواز میں بولی۔

"رجو بات سن میری۔" مجھے ایک دم سے تاؤ آ گیا۔

"گھر سے چلی تھی تو کوئی بہانہ بھی ڈھنگ کا سوچ لیتا تھا اتنی گرمی میں بھلا کس کو نمونیہ ہو سکتا ہے۔"

"او جی وہ بڑا ماڑا (کمزور) ہے جی اس دن گرمی کی وجہ سے سارا دن چھپڑ کے ٹھنڈے ٹھار پانی میں نہاتا رہا رات تک پہلے کھانسی آتی رہی پھر جو زوروں کا بخار ہوا صبح تک تو اس میں جان ہی نہیں رہی کل سارا دن

عمیرہ احمد
کے دو خوبصورت ناول ایک ساتھ

ایمان، امید اور محبت
اور
حاصل

قیمت: -/200 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 2216361

ہمارے اسٹاکسٹ

لاہور
سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ
عظیم اینڈ سنز، اُردو بازار
مشتاق بک کارنر، اُردو بازار
اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار

راولپنڈی
اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، اقبال روڈ

سرکاری اسپتال میں لے کر پھرتی ـــ پرچی نہیں بن رہی تھی پرچی بنی تو ڈاکٹر صاحب اٹھ گئے پھر محلے کے کمپوڈر کو دکھایا اس نے کہا کہ نمونیہ ہو گیا ہے اتنی مہنگی دوائی لکھ دی میں کدھر سے لیتی جو اس نے اپنے پاس سے دی وہی پلاتی رہی رتی برابر فرق نہیں پڑا اب بھی جلتے کھپتے کو چھوڑ کر آئی ہوں کہ آپ کو بغیر بتائے چھٹی کرنے سے غصہ آتا ہے۔" اس کی کہانی ایسی تھی کہ یقین نہ کرنے کے باوجود میں نے یقین کر لیا اس کے ساتھ مل کر جلدی جلدی گھر کا کام نبٹایا۔

"دیکھ میری بات سن اب تمہارا بیٹا ٹھیک ہوتا ہے تو سارے گھر کی اچھی طرح صفائی کرنی ہے کل میں دیکھ رہی تھی جگہ جگہ کھڑکیوں دروازوں میں مٹی اور دھول کی تہیں جمی ہیں کل سے ذرا جلدی آجانا اور پیسے دیتی ہوں میں تمہیں جا کر اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا اور خود بھی بچوں کا خیال رکھا کرو تم تو یہاں سے جا کر کھٹیا سنبھال کر بیٹھ جاتی ہو وہ گلی میں مٹی گندے چھپڑ میں کھیلتے رہتے ہیں بیمار نہ پڑیں تو کیا ہو۔" میں نے اسے جانے سے پہلے تنبیہہ کی۔

"اللہ معافی باجی بدن ٹٹے (ٹوٹے) جو جا کر منجی (چارپائی) پر بیٹھی بھی ہوں بہت کام گھر کے تیار ہوتے ہیں اور وہ جیون جوگے مجھے گھڑی کو بیٹھنے نہیں دیتے میں نے کیا آرام کرنا ہے اب تو لگتا ہے قبر میں جا کر ہی آرام ملے گا قسمت ہی ایسی ہے ہم غریبوں کی۔" وہ پھر سے اپنے مخصوص شکوے پر آگئی "قسمت ہی ایسی ہے ہم غریبوں کی" اس کا تکیہ کلام ہی بنتا جا رہا تھا۔

"اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں بہت سوں سے اچھی ہو جیسا بھی سہی گھر والا بھی تھوڑا بہت کما کر لاتا ہے خود بھی کما لیتی ہو تھوڑے سے سلیقے اور طریقے سے چلو تو ایسی چھوٹی موٹی بیماری شماری پر یوں ہاتھ پیر جھاڑ کر نہ منہ کھولنا پڑے لو اسے کسی ڈھنگ کے ڈاکٹر کو دکھانا آج تو جلدی جا رہی ہو مگر کل نہیں جانے دوں گی گھر کے سو کام پڑے ہیں اور تیری چھٹیاں ہی تمام نہیں ہوتیں سالن والے شاپر لے لینا کچن سے اور کل سویرے آنا بتا رہی ہوں میں۔"

میں نے اسے پانچ سو روپے دیتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا تھا اس کی گردن تو پانچ سو کی ہری پتی دیکھتے ہی جیسے وجد میں آکر دائیں بائیں جھولنے لگی تھی۔

"چنگا بی اللہ آپ کو بہتا دے آپ کی گود ہری کرے اس گھر کا سناٹا بھی دور کرے یہاں بالوں (بچوں) کی ہنسی ان کے ہاسے (قہقہے) گونجیں جی میں تو غریب دن رات جھولی اٹھا اٹھا کر رب سے آپ کی یہ کمی دور کرنے کی دعا کرتی ہوں اور میرا رب سوہنا ضرور سنے گا مجھے پکا یقین ہے وہ آپ جیسی نرم دل مہربان ہم جیسے کمیوں کے کام آنے والی کو نامراد کیسے رکھ سکتا ہے وہ ضرور آپ کی کھیتی ہری بھری کرے گا میرا رب سوہنا۔"

وہ اس وجد کی کیفیت میں مسلسل دعائیں دیے جا رہی تھی اس کی دعا میرے محروم دل پر کسی نازیانے کی طرح لگ رہی تھی اس کی دعا میری کمزوری میری محرومی میری بجی کی طرف کیسا بے باک اشارہ تھا کہ اکثر میرا دل اسے سہہ نہیں پاتا تھا۔

یوں جیسے کسی لنگڑی عورت کو کوئی اس کے منہ پر لنگڑا کہہ دے یا کسی بہت کمزور نظر والی عورت کو کوئی اس کے سامنے اندھی کہہ دے تو کیسے اس کا دل اپنی اس کمزوری پہ درد سے بھر جاتا ہے اب تو اکثر میرے دل کا بھی یہی حال ہونے لگا تھا کوئی گود بھرنے کی دعا دیتا تو خدانا خواستہ وہ مجھے گالی کی طرح لگنے لگتی ایسی گھبراہٹ ہوتی کہ جی چاہتا وہاں سے بھاگ جاؤں یا دعا دینے والی کا منہ کسی طرح بند کروا دوں اس وقت بھی میں نے یہی کیا۔

"اچھا جا اب جاتے ہوئے گیٹ اچھی طرح بند کر جانا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہہ کر ٹی وی آن کر لیا تو وہ سر ہلاتی کچن میں بچے ہوئے سالن کے شاپر لینے چلی گئی جاتے ہوئے سلام اور دعا کرتی کل سویرے آجاؤں گی جی کہہ کر چلی گئی تو میں نے گہرا سانس لے کر ٹی وی کا والیوم کم کر دیا۔

"صحیح کہتے ہیں لوگ پیر کامل کہ یقین کامل ـــ میرا یقین ہی نہیں تھا پیروں فقیروں کی طرف سو ان کے

عملیات کیا اثر کرتے میری نند چنو کی والی ریحانہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی بابا' پیر' ولی پہنچے ہوئے بزرگ حضرت کا پتا لیے صبح سویرے ہی آن ٹپکتی اور پھر وہ سارا دن میرا جنجال خواری کا ہوتا۔

ان پیروں' بزرگوں' فقیروں کے ڈیروں پر حاضری کوئی آسان کام ہوتا ہے رش ایسا کہ خلقت ٹوٹی پڑتی ہے ان ڈیروں پر جا کر پتا چلتا ہے کہ خدائی کتنی پریشان حال ہے اسے اپنی پریشانیوں اپنے دکھوں کے علاج کے لیے کوئی تکیہ کوئی ڈھارس کوئی بانہہ چاہیے۔ جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ اپنے دکھ اپنے غم کی گٹھڑی ہلکی کر سکیں ان کے پھوڑے کی طرح دکھتے دلوں کا کتھارسس ہو سکے کوئی ان پھوڑوں کا منہ کھلوا کر اندر سے گندا مواد نکال سکے محض اس کتھارسس کے لیے اس غم سے جلتے بلتے دلوں کی تسلی کی دو بوندیں پانے کے لیے لوگ ٹھیک ٹھاک ہدیہ بھی دیتے ہیں اور اکثر شافی تسلی علاج سے بھی محروم رہتے ہیں اور پھر مایوس ہو کر دوسرے ڈیرے پر چلے جاتے ہیں۔

میں نے اکثر عورتوں کو دیکھا جو دو چار ہفتوں' مہینوں بعد ڈیرہ اور پیر دونوں بدل لیتی تھیں مگر ان کے دکھوں کی جھولی بھری ہی رہتی قطرہ قطرہ غم اس سے ٹپکتا ہی رہتا کوئی نہیں تھا جو ان کی جھولی کا سارا غم اپنے ڈیرے پر رکھوا کر انہیں مطمئن شانت و پرسکون کر کے گھر بھیج دیتا کہ وہ ہلکی پھلکی ہو کر اپنے گھروں کی دنیاؤں میں مگن ہو سکتیں اگر پیر فقیر اتنے مہربان اتنے ہمدرد اتنے غمگسار ہوتے کہ ان دکھوں کی ماری دنیا کے دکھ چن کر انہیں ہلکا پھلکا کر لیتے تو پھر ان کے ڈیروں پر رونقیں کیسے لگتیں ان کے پاس کوئی بھی آنے والا نہ رہتا ان کا تو سارا دھندہ ٹھپ ہو جاتا۔

ایک عامل صاحب نے تو باقاعدہ میرا آپریشن بھی کر دیا کہ "اس کے اندر جو نقص تھا جو رکاوٹ تھی وہ میں نے اس آپریشن میں نکال دی ہے ابھی اس کا اندر زخمی ہے اسے پورے اکیس دن مکمل بیڈ ریسٹ کروانا ہے جیسے کسی آپریشن والے مریض کو کرواتے ہیں بالکل ہلکی رقیق غذا لینی ہے دلیہ' کسٹرڈ' ساگودانہ وغیرہ سات سات دن بعد نہانا ہے اور اکیس دن بعد میرے پاس پھر آنا پھر بچے کے لیے آگے کا عمل شروع کریں گے۔"

اس بابا جی نے پورے پانچ ہزار روپے صرف آپریشن کے ہتھیائے جو انہوں نے محض ایک چھری کو میرے جسم کے گرد پھرا پھرا کر مختلف عمل کرتے ہوئے کیا تھا اور بس ـــ ریحانہ کا تو کچھ نہ گیا اس کا یقین ان باتوں پر کچھ اور بھی پختہ ہو گیا مگر میرے پرس سے پانچ ہزار جانے سے جہاں میرا دل بوجھل سا ہو گیا وہیں سنتے ہی جواد کا موڈ بھی آف ہو گیا۔

"اوہو ایسی کیا بات ہے اللہ نے اتنا دیا ہے بیچ میں سے دو چار ہزار روپیہ نکل جاتا ہے تو کیا برا ہے وہ بھی تو علاج کے لیے لگا ہے کون سا اس بے چاری نے گل چھرے اڑائے ہیں ہم تو یونہی منہ بنا کر بیٹھ گئے ہو اب اس کی طبیعت اچھی نہیں اسے کچھ نہیں کہنا اور جو بابا جی نے اکیس دن کا مکمل آرام کہا ہے اس پر سختی سے عمل کروانا ہے بابا جی کہہ رہے تھے آرام نہیں کرے گی تو کچا جسم ہے کوئی بھی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے رجو کو اکیس دنوں کے لیے دن رات ادھر ہی رکھ لو۔"

ریحانہ جواد کے خراب موڈ کو خاطر میں لانے والی کب تھی اور اس کی باتیں سن کر جہاں مجھے ہنسی آرہی تھی جواد کا غصہ اب کوفت و بے زاری میں بدلنے لگا تھا۔

"بی بی جاؤ اللہ کو مانو یہ کون سی کہانیاں سنا رہی ہو کسی بھی اوزار کو ہاتھ لگائے بغیر حتیٰ کہ جسم کو چھوئے بغیر تمہارے بابا جی نے آپریشن بھی کر ڈالا اور تم عقل کی اندھی عورتوں سے اس کرشمے کے پانچ ہزار بھی ہتھیا لیے ریحانہ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔" جواد نے بہن کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے آخر میں کچھ مشکوک سے لہجے میں کہا۔

"دیکھا یہی تو کمال ہے بابا جی کا نہ ہاتھ لگایا نہ کوئی اوزار اور آپریشن کر ڈالا پوچھو اپنی بیوی سے کیسا لگ رہا ہے اسے جیسی کسی نے اندر سے چیر ڈالا ہو ایسی تکلیف ہے کہ نہیں اسے۔"

ریحانہ پر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی اور جواد دانت

پیتے ہوئے خود کو کوئی سخت جملہ کہنے سے روک رہے تھے۔

"بولو بشری کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" ریحانہ نے ٹھیک بابا جی والے پروفیشنل لہجے میں پوچھا میری ایک دم سے ہنسی چھوٹ گئی میری ہنسی سے جہاں ریحانہ کا موڈ بری طرح سے خراب ہوا وہیں جواد کے منہ سے چھت پھاڑ قہقہہ نکل گیا۔

"بولو بشری تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" ان کا قہقہہ بمشکل تھما تو انہوں نے ریحانہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر مجھ سے پوچھا تو میں ریحانہ کے چہرے کے خوف ناک تاثرات دیکھ کر ڈر سی گئی۔

"مجھے چکر سے آ رہے ہیں نقاہت سی محسوس ہو رہی ہے تھوڑی دیر لیٹ جاؤں۔" میں خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی آخر نند کا دل بھی تو رکھنا تھا اور میرے ان دو جملوں سے ریحانہ کا بگڑا ہوا موڈ بہتر ہو گیا۔

"دیکھا اب ہنسو اڑاؤ مذاق ایک سال کے اندر بابا جی نے کہا ہے نہ اس کی گود ہری ہوئی تو مجھے پکڑ لینا آ کر۔"

وہ اٹھ کر چابک دستی سے مجھے سہارا دے کر اندر لے جاتے ہوئے بولی۔

"ویسے ریحانہ ڈیڑھ ایک سال تو اچھا خاصا لمبا عرصہ ہے اور بابا جی سال بعد کہاں ہوں آخر ان کی ضرورت تو پوری ارض زمین کو ہے کہیں بھی ان کے مرشد انہیں دکھی خلقت کی خدمت کرنے کو بھیج سکتے ہیں تم ایک کام کرو۔"

جواد ہمارے ساتھ ہی کمرے میں آئے میں بستر پر لیٹ گئی تو وہ ریحانہ سے بولے۔

"وہ کیا بھلا؟" ریحانہ میرے سر کے نیچے تکیہ اونچا کرتے ہوئے یوں شو کر رہی تھی جیسے میں کسی سیریس سرجری کے مرحلے سے گزر کر آئی ہوں۔

"بھئی اپنے بابا جی سے کہو بابا جی آپ پہنچے ہوئے ولی کامل آپ کے لیے بھلا کیا مشکل ہے اور ہم بھی تو اتنے سالوں سے علاج معالجہ کراتے کراتے تھک چکے ہیں اور اچھے خاصے بے صبرے ہو چکے ہیں سال بھر کون صبر کرے، ان سے کہو اپنی کرامت کا کوئی معجزہ دکھا دیں سال بھر کی بجائے بس تین چار مہینوں میں اس بے چاری بشری کی گود ہری کروا دو مطلب سالم جیتا جاگتا بچہ اس کی گودی میں آ جائے تو یہ اتنا شاندار کارنامہ ہو گا کہ ہم تو ساری عمر کے لیے ان کے مرید بنیں گے ہی میڈیکل سائنس میں بھی یہ کسی تہلکے سے کم نہ ہو گی محض تین چار ماہ میں بچہ....."

وہ بات مکمل کیے بغیر منہ کے آگے ہاتھ رکھے قہقہہ روکنے کی کوشش میں بھی قہقہہ لگا ہی گئے اور ریحانہ اس کا چہرہ غصے میں پہلے لال بھبھوکا ہوا پھر وہ جواد کو مارنے کو دوڑی اور دونوں بچوں کی طرح آگے پیچھے بھاگتے باہر نکل گئے تو میرے مسکراتے چہرے پر ایک ملول سی چاہت بھری مسکان جامد ہو کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم بھی حد کرتی ہو اس بہانے باز کے معمولی بہانے پر آرام سے پانچ سو روپے نکال کر پکڑا دیے، حد ہوتی ہے جب تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ معمول کی طرح جھوٹ بول رہی تھی پھر بھی بشری تمہیں کب انسانوں کی پہچان ہو گی۔" جواد کو تو یہ سنتے ہی پتنگے لگ گئے کہ میں نے رجو کو پانچ سو روپے دے دیے ہیں ان کو یوں چراغ پا ہو جانے پر تھوڑی دیر کو تو میں گنگ سی رہ گئی فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"مگر..... مجھے یقین تھا صاف لگ رہا تھا وہ اس بار جھوٹ نہیں بول رہی تھی باقاعدہ رو رہی تھی بچے کی طبیعت واقعی اچھی نہیں ہو گی۔" میں نے ہکلا ہکلا کر بات پوری کی تھی۔

"یعنی اس بار جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔" انہوں نے ہاتھ نچا کر میری نقل اتاری۔

"ویسے تمہیں پتا ہے کہ وہ عادی جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے تم جیسی سادہ طبیعت نرم دل اور اگر تم برا نہ مانو تو بے وقوف مالکان بیگموں کو مزید بے وقوف بنانا اس جیسی چالاک عورتوں کے لیے کیا مشکل ہے۔"

وہ محض پانچ سو روپے کے لیے یوں اس طرح بات کر رہے تھے جیسے نہ معلوم کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے وہ تھوڑے کنجوس بلکہ میں فراخ دلی سے انہیں کفایت شعار کہا کرتی تھی مگر آج جس طرح وہ بات کر رہے تھے کسی ہنسے کو بھی مات دیتے لگ رہے تھے۔

"آپ کو غصہ کس بات پر ہے مجھے مزید بے وقوف بنائے جانے پر یا اس کی چالاکی پر جھوٹے بہانے پر یا پانچ سو روپے نکل جانے پر۔" میں نے بڑے تحمل سے بھیگی ہوئی آواز میں پوچھا تھا کہ اس سے اگلا مرحلہ تو بس آنسوؤں کا تھا جس پر میں بدقت بند باندھے بیٹھی تھی۔

"تمہارے یوں بے وقوف بن جانے پر۔" وہ ایک دم سے ابلتے دودھ کی طرح ٹھنڈے پڑتے ہوئے بولے تھے۔

"پیاری بیوی تم بہت بھولی ہو بہت سادہ لوح، آرام سے ہر کسی کی باتوں پر آ جاتی ہو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے کر یونہی رنجیدہ ہوتی رہتی ہو زمانے کے لیے اس طرح تر نوالہ نہ بنو میں تمہارے لیے فکر مند ہوں۔"

وہ میرے ماتھے سے بال ہٹاتے جس لگاوٹ جس ہمدردی اور محبت سے کہہ رہے تھے اس میں ایک شوہر والی رفاقت کا احساس کم تھا ایک فکر مند دوست ہم سفر کی تشویش زیادہ تھی مجھے روتے روتے بھی ہنسی آنے لگی۔

"مگر مجھے تو صاف لگ رہا تھا آپ پانچ سو روپے کے لیے اتنے غصے میں آئے تھے۔"

میں نے ان کا ہاتھ تھام کر آنسوؤں کا گھونٹ سا حلق کے پار کر لیا کہ اب ان کو بہانے یا باہر نکالنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"پانچ سو روپے کی بات نہیں ہے تمہیں معلوم تھا نا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر بھی تم نے اسے پیسے دے دیے۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولے۔

"جواد وہ جس طرح روئی گڑگڑائی میرا دل برا ہو گیا اللہ جانے اس کی کیا مجبوری تھی جو وہ زبان پر نہیں لا سکتی تھی بچے کا بہانہ کر کے..... اور میں کہتی ہوں وہ ماں نہ جانے اپنے دل پر کیا بھاری پتھر رکھتی ہے جو اپنے بچے پر بیماری کا بہانہ لگا کر روپے وصولنا چاہتی ہے بس اس لیے میں نے زیادہ بحث کی نہ کریدا اور....." میں سنجیدگی سے کہتے ہوئے چپ کر گئی۔

"اور نوٹ تھما دیے کبھی اس فراخدلی کا مظاہرہ ہمارے ساتھ تو کیا نہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولے تو میں نے انہیں زور سے پرے دھکا دیا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ویسے ایک بات تو تم مانتی ہو نا۔" انہوں نے بیڈ سے ٹیک لگائی اور پرے پڑا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کرنے لگے۔

"تمہیں انسانوں کی پہچان نہیں تم محض اگلے کی زبان اس کے جھوٹ سچ بیان پر بڑے آرام سے یقین کر لیتی ہو ہے نا۔" وہ مجھ سے یہ منوانا چاہ رہے تھے کہ میں انسانوں کی پہچان کے معاملے میں ایک دم نل ہوں اور اس میں ایسا کچھ جھوٹ بھی نہیں تھا جو کوئی مجھ سے جس طرح جو بات کہتا میں بس ذرا سی پس و پیش کے بعد اسے مان لیا کرتی تھی زیادہ جرح بحث و تمحیص مجھ سے ہوتی نہیں تھی۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہو مجھے انسانوں کی پہچان نہ ہو آپ سے تھوڑی کم مگر ایک چیز ہے جو مجھے ایسا کرنے پر اکساتی ہے کہ میں جانتی ہوں سامنے والے کے عزائم اس کا اصلی چہرہ مکمل نہ سہی تیس چالیس فیصد تک جانتی ہوں مگر پھر بھی نظر انداز کر دیتی ہوں جانتے ہیں کیوں۔"

میں نے بال از سر نو کھول کر ادھر ادھر بکھرنے والی لٹوں کو سمیٹا اور مضبوطی سے کیچر میں جکڑ لیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں انسانوں سے مایوس نہیں..... جس طرح اللہ انسانوں سے مایوس نہیں، لوگوں کے دھوکوں، چالاکیوں اور دھاندلیوں کے باوجود انہیں رزق، روزی، آسائشیں، راحتیں دیے جا رہا ہے قیامت برحق ہے

مگر ابھی پردہ پیاں میں ملفوف ہے سو اللہ ہم انسانوں کو رعایت دیے جا رہا ہے تو آپ یہ سمجھ لیں مجھے شرم سی آتی ہے کہ خود ایک معمولی انسان ہوتے ہوئے میں لوگوں کے چھوٹے چھوٹے جھوٹ ان کی ذرا ذرا سی غلطیوں کی بازپرس کسی جابر حاکم کی طرح کروں نہ بھئی مجھ سے تو یہ نہیں ہوتا پانچ سو ہزار سے وہ کتنا نفع کما لے گا کما لے۔ مگر میں اپنے دل کو سخت نہیں کر سکتی میں اب کھانا لگانے جا رہی ہوں بس جلدی سے اٹھ کر آجایئے یہ ٹی وی کے سامنے نہ جم جایئے گا۔" میں انہیں تاکید کرتی ہوں باہر جانے لگی۔

"بھئی ادھر ہی لے آؤ ٹرے میں رکھ کر ہمارے کون سے گھر میں دس آٹھ لوگ ہیں جو سب میز پر اکٹھے ہوں میں اب اٹھ نہیں سکتا۔" انہوں نے شاید لوگ کی جگہ بچے کہنا تھا یونہی جلدی میں لفظ بدل گئے اور وہ بدلا ہوا لفظ جیسے میرے پیروں کے ساتھ کسی سنپولیے کی طرح لپٹ گیا مجھ سے قدم اٹھانا دوبھر ہو گئے مرے مرے قدموں سے کچن تک آئی۔

بھرا بھرایا کچن تین قسم کے تیار کھانے اعلا قسم کی کراکری کھانے پینے کا سامان' ڈیپ فریزر' فریج کیا نہیں تھا اس لگژری کچن میں منہ کے مزے کے لیے مگر۔۔۔ یہ مزے اٹھانے والا جیسے کوئی تھا ہی نہیں ہم دونوں تھے اور دونوں کے ۔۔ اندر سے اشتہا ہی مر چکی تھی۔

بس جینے کو ایک دوسرے کو دکھانے کو خوب رغبت سے کھانے کا ڈرامہ کرتے اور میں بھی ایسی مستعدی اور فکر مندی سے تین تین سالن چولہے پر چڑھاتی جیسے ابھی سکول سے چھٹی کے بعد بچے بھوکے پیاسے کھانا کھانا کرتے گھر میں داخل ہوں گے اور ذرا دیر میں سب چٹ کر جائیں گے اور میں اگلے ٹائم کے کھانے کی فکر میں پریشان ہوں گی۔

تین تین ڈشز بناتی ڈھیر سارا کھانا بچ رہتا جو اگلی صبح رجو للچائی آنکھوں سے تکتے ہوئے خوش خوش اپنے بچوں کے لیے لے جاتی ہفتے میں دو بار کپڑے دھونے ماسی آتی وہ بھی شاپر بھر بھر کر کھانے لے جاتی اور میرا دل ایسے ہلکا پھلکا ہو جاتا جیسے ان سب کے لیے تو میں روز یہ اہتمام کرتی ہوں اتنی مشقت اتنی محنت۔۔۔ اور وہ یہ سب لے جاتی تو جیسے میری محنت وصول ہو جاتی۔

یوں گھر میں خاموشی تھی صرف بیڈ روم سے آتی ٹی وی کی ہلکی ہلکی آواز تھی۔

"آخر کب تک۔۔۔ کب تک میں یہ جھوٹ کی زندگی گزارتی رہوں گی خود کو بہلانے کے لیے اتنے کھانے پکانے اور اگلے دن سب بانٹ دینا آخر میں بھی دوسری عورتوں کی طرح سخت دل بخیل اور کمینی کیوں نہیں ہو جاتی جو نوکروں کو ذرا ذرا سی چیز دیتے ہوئے دس بار ہاتھوں میں لے کر تولتی ہیں پھر بھی دیتے وقت ڈنڈی مار جاتی ہیں یونہی تو نہیں رجو اس گھر سے چپکی ہوئی۔۔۔ پھر بھی مکار میرے ساتھ جھوٹ بولتی ہے ابھی اس کے گھر کا سارا کھانا راشن تو ادھر سے چلا جاتا ہے پھر بھی ہفتہ دس دن بعد کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ کر پیسے بٹورنے آجاتی ہے اور مجھے کیا ضرورت تھی جواد کو بتانے کی۔ دل میں تو سوچتے ہوں گے کہ میں ان کی محنت کی کمائی دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہوں۔"

"اوہو بھئی اب یہ تنہائی میں بیٹھ کر کون سا چلّہ کاٹا جا رہا ہے ادھر میرے پیٹ میں اچھا خاصا بھوک کی وجہ سے اودھم مچا ہے میں سمجھا بیڈ روم میں کھانا لانے کا کہا تو تم روٹھ کر نہیں آئیں اور باہر ہی لگا دیا کہ باہر بھی کچھ نہیں پکایا پکایا نہیں آج کچھ۔" پتا نہیں کیوں میں نے جواد کو کبھی اپنی طرح ملول رنجیدہ غمزدہ سا نہیں دیکھا یا تو انہیں اپنے تاثرات پر اتنا کنٹرول تھا کہ ہمارے اتنے سالوں کے ساتھ کے بعد بھی میں ان کے اندر سے اصلی والے جواد کو دریافت نہیں کر سکی تھی یا پھر واقعی انہیں اس کی کا دکھ رنجیدہ نہیں کرتا تھا جس کا بھوت ہر لمحہ میرا خون چوسنے میں لگا رہتا تھا۔

"پکایا ہے پکایا کیوں نہیں لگاتی ہوں۔" میں پژمردہ سی اٹھی اور آنکھوں میں اترتے پانی کو جھپکتی ہوئی کچن کی طرف بڑھی۔

"یار آج دوپہر میں لنچ بھی نہیں کیا ہمارے پاس کو میٹنگ فوبیا ہے آفس میں کھیاں بھی زیادہ ہو جائیں تو

وہ میٹنگ بلا لیتے ہیں ساری دوپہر اس بک بک میں گزر گئی پکایا کیا ہے۔"

وہ اب بے صبری سے پتیلیوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے اور مجھے اپنے اس بے وقت کے سوگ کی عادت پر غصہ آیا کہ انہیں بھوک تھی۔ میں نے جلدی جلدی پھلکے اتار کر کھانا ٹیبل پر لگایا۔

"کھایا طعام 'پایا آرام' اللہ تیرا شکر ہے' دیکھو یار اس دنیا میں سارے جھگڑے سارے رپھڑے روٹی کے لیے ہیں یہ مل جائے تو سمجھو ہر طمع کے منہ پر ڈھکن آجاتا ہے یہ مال و دولت' اولاد خواہشات سب وقتی پاگل پن لگتے ہیں اگر پیٹ میں روٹی نہ ہو تو' دیکھا نہیں آج کل اخباروں میں لوگ کیسے روٹی کی خاطر' روپے کی خاطر اپنے بچے سیل کر رہے ہیں اللہ نے ایسی ہی باتوں کو تو قیامت کی واضح نشانیاں قرار دی ہیں کہ والدین پیسے کی خاطر اپنی بھوک کی خاطر اپنے بچے فروخت کر دیں گے اس لیے بھی ہمیں تو کم از کم ہر کھانے کے بعد بڑے اہتمام سے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

جواد کا پیٹ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بھر گیا تھا سویٹ ڈش دوسری بار پیالی میں نکالتے ہوئے وہ کہتے چلے گئے۔

"کس بات کا شکر؟" میں نے گھور کر پوچھا۔

"بھئی اتنی نعمتوں بھرے خوان کا جو اس نے ہماری کوتاہیوں اور گناہوں سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے ہمیں دیا۔" انہوں نے آخری چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا اور پیالی پرے رکھ دی۔

"اور دیکھو یہ ہمارے اللہ کی تقسیم ہے وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے کسی کو نہ دے کر اور کسی کو دے کر پھر لے لیتا ہے سب اس کے پرکھنے کے انداز ہیں اپنے بندوں کو' اگر اس نے ہمیں اولاد نہیں دی صرف ایک کمی تو ہمیں ہر دم روتی بسورتی شکل بنا کر ان دی ہوئی دیگر تمام نعمتوں کی نفی نہیں کرنی چاہیے اس سے بڑھ کر ناشکرا پن اور کوئی نہیں ہوتا کہ جو پاس ہے اس کا تو شکریہ ادا نہ کریں جو نہیں ملا ہر دم اسی کے لیے روتے بسورتے شام غریباں سی شکل بنائے پھرتے ہیں۔ اب ایک مزے دار سی چائے ہو جائے باہر لان میں چل کر پیتے ہیں باہر آج موسم اچھا ہے۔" وہ ان ڈائریکٹ انداز میں مجھے کتنی بڑی بات سمجھا گئے تھے کہ میں کتنی دیر وہیں بیٹھی سوچتی رہ گئی انہیں کیا میرے یوں ہر دم ایسی شکل بنانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی میں تو خود وجہ کا چلتا پھرتا اشتہار بنی ہوتی ہوں آنکھ کا اندھا بھی جیسے آرام سے پڑھ لے۔

"واقعی مجھ سے بڑھ کر ناشکرا کون ہوگا! سو نعمتیں ملیں ان کو شمار کیا نہ شکر کیا ایک نہیں ملی تو ہر دم اس کا غم۔۔۔ اور نعمت بھی ایسی جو سراسر اس دنیا کا مال ہے اس دنیا کے مال کو خاطر میں اپنی عاقبت سے بھی بے فکر ہو چلی ہوں بشریٰ بی بی کیسی زندگی بسر کر رہی ہو تم ایک دم بے کار ایک دم بوکس۔"

میں خود کو لتاڑتی برتن سمیٹتی اٹھ کر چائے بنانے چل دی کہ کہیں جواد کو دوبارہ اندر آکر مجھے چائے کے لیے نہ کہنا پڑ جائے۔

☼ ☼ ☼

بابا جی کے آپریشن سے بھی کچھ نہ ہوا ہاں اتنا ضرور ہوا کہ میں جو پہلے ہی ان سب چیزوں سے بے زار تھی اور بھی بے زار ہو گئی اس کے بعد ریحانہ ایک اور بابا کے ڈیرے پر لے جانے کے لیے میری منت کرتی رہی مگر میں نہ مانی۔

"ریحانہ جواد نے مجھے سختی سے منع کر رکھا ہے پلیز تم ان سے پوچھ لو۔"

میں نے آخر میں جان چھڑانے کے لیے کہا تو وہ چپ کر گئی کیونکہ اسے معلوم تھا جواد اس بار ہم دونوں کو بالکل کسی ڈیرے پہ جانے کی اجازت نہیں دیں گے

ان دنوں جب میں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہاتھ پیر مارتی بے بس و لاچار کھڑی تھی میرے بھیا نیب احمد اور بھابی شمع آگئی وہ دونوں گزشتہ چھ سات سالوں سے کینیڈا میں تھے۔

بھیا کی اور میری عمر میں بارہ سال کا فرق تھا ہم دو ہی بہن بھائی تھے بھیا کی شادی پر میری عمر گیارہ بارہ سال تھی دو سال بعد ہی امی کا انتقال ہو گیا جبکہ ابو میرے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے میرے بی اے کرتے ہی بھیا نے بھابی کے دور کے رشتے داروں میں جواد کے ساتھ میرا رشتہ طے کر دیا جواد کی دونوں بہنوں نے مجھے دل و جان سے پسند کیا تھا بلکہ مجھے دیکھتے ہی مجھ پر فریفتہ ہو گئی تھیں حالانکہ میں بہت خوب صورت لڑکیوں میں شمار نہیں کی جا سکتی تھی بس نارمل سے تھوڑی زیادہ اچھی شکل کی سمجھ لیں اور جواد نے تو پہلی رات ہی جس گرمجوشی اور محبت سے مجھے اپنی زندگی میں ویلکم کیا تھا میرے دل سے ہر خدشہ ہر واہمہ اسی رات کی رخصتی کے ساتھ ہی کہیں تحلیل ہو گیا تھا۔

جواد کی بڑی بہن شاہین باجی تو مظفر آباد میں رہتی تھیں اور جواد کی طرح ہنس مکھ اور ہلکے پھلکے مزاج کی تھیں ان کا آنا بھی سالوں میں ہوتا تھا مگر فون ہفتے میں دو تین آجایا کرتے تھے پچھلے سال ان کے شوہر سعودیہ چلے گئے اور چھ سال پہلے بیوی بچوں کو بھی بلا لیا ہماری قریبی رشتہ داری اور بھی سکڑ کر رہ گئی مگر اتنی دور جا کر بھی ان کا جب بھی فون آتا تو باتوں باتوں میں اس خوشخبری کے بارے میں ضرور دریافت کرتیں جو شاید میری زندگی میں آنی ہی نہیں تھی۔

پھر ریحانہ تھی جو چوکی میں ہونے کی وجہ سے ہفتے پندرہ دن بعد تو ضرور ہی آیا کرتی تھی اسے بھی ایک ہی مراق تھا "ہائے کب ہمارا بھتیجا ہو گا کب ہم اسے گود میں لے کر سینے سے لگائیں گے اپنے کلیجے میں ٹھنڈ ڈالیں گے۔" وہ کچھ ایسے ترسے ہوئے انداز میں کہتی کہ سیدھی برچھی میرے کلیجے کے پار اتر جاتی اور میں اور بھی مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیتی۔

پھر دس سالوں میں ہر حربہ ہر ٹوٹکا استعمال کرنے کے بعد بالکل مایوس و نامراد ہو کر بیٹھ گئی انہی دنوں ریحانہ کے جیٹھ نے اس کے شوہر کو کراچی بلا لیا اس نے بینک سے گولڈن شیک ہینڈ لیا اور کراچی اپنے بھائی کے کاروبار میں شریک ہو گیا اور ریحانہ بھتیجے کو گلے سے لگانے اور ٹھنڈ ڈالنے کی حسرت دل میں لیے بال بچوں سمیت کراچی چلی گئی۔

یوں ہمیں لگا ہم اس بھرے شہر میں اکیلے ہی رہ گئے ہیں میرا ننھیال اور ددھیال بھی خاصا مختصر تھا اور امی ابو کے انتقال کے بعد ان سے ملنا بھی بے حد کم رہ گیا تھا پھر بھی میں سال بھر میں دو تین چکر اپنے دونوں ماموؤں اور خالہ کی طرف لگا لیتی ایک چچا شہر میں تھے وہ بھی کبھی کبھار آجاتے یا ہم چلے جاتے مگر پھر بھی ہمارے سوشل تعلقات بے حد مختصر تھے۔

خیر میں ذکر کر رہی تھی جب بھیا اور بھابھی آئے انہوں نے میری اتری ہوئی شکل دیکھی تو دونوں ہی پریشان ہو گئے۔

سب کچھ بھابھی کے سامنے کھول کر بیان کر دیا ان کے دو بچے تھے اور میری طرف سے بھی وہ ایسے مایوس نہیں تھے کہ ابھی مجھے بالکل کورا جواب تو کسی ڈاکٹر نے بھی نہیں دیا تھا۔

"بشریٰ ہماری پندرہ دن بعد واپسی ہے یا تو تم دونوں ہمارے ساتھ چلو یا اپنی رپورٹس مجھے دو وہاں دو تین بیمہ Compilent ڈاکٹرز ہیں میں ان کو کنسلٹ کرتی ہوں اب تو خدانخواستہ بانجھ پن کے بھی ہزاروں علاج نکل آئے ہیں تو دونوں میں سے تو صرف تمہیں ہی مسئلہ ہے تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی علاج ہو گا ہی۔" بھابی نے مجھے حتی الامکان تسلی دی۔

ساتھ جانے پر جواد تو راضی نہ ہوئے میں نے اپنی تازہ ترین ساری رپورٹس اور بائیو ڈیٹا ان کے ہمراہ کر دیا۔

ہفتے بھر بعد ہی ان کا فون آگیا ایک دو ٹیسٹ اور منگوائے اور کہا پرسوں تینوں ڈاکٹرز کا بورڈ حتمی فیصلے پر پہنچ جائے گا تم بھی خوب خوب دعا کرنا ہم بھی کریں گے اللہ کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔" بھابھی نے مجھے تسلیاں دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

جس صبح بھائی کا فون آنا تھا وہ پوری رات میں نے جاگ کر گزاری پہلے تو آدھی رات اور اس کے بھی کافی دیر بعد تک مصلے پر بیٹھی رو رو کر اللہ سے وہ گوہر

نایاب مانگتی رہی جو مجھے صرف اس کے خزانے سے مل سکتا تھا پھر بے قرار سی ہو کر باہر آگئی جواد تو مزے سے سو رہے تھے پہلے دو چار بار مجھے آوازیں دے کر سونے کے لیے کہتے رہے پھر کروٹ بدل کر منٹوں میں خراٹے لینے لگے۔

"انہیں کوئی فکر نہیں انہیں معلوم ہے کہ ان کی رپورٹس بالکل کلیئر آتی ہیں اگر کوئی نقص کوئی کمی ہے تو میرے اندر ہے انہیں کل کو بچہ چاہیے ہو گا کوئی ایسی دیوانی خواہش سر اٹھائے گی تو دوسری کر کے کسی بھی زرخیز عورت کے ساتھ ... یہ اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں سو یہ کیوں فکر کریں۔" اسی خیال کے ساتھ میرے آنسو اور بھی تواتر کے ساتھ بہنے لگے۔

باہر چاندی چٹکی ہوئی تھی کیاریوں اور گملوں میں لگے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو رات کے اس پہر ساری اور پھیلی ہوئی تھی ہلکی ہلکی خنک ہوا امرود کے پیڑوں اور انار کے درختوں کو چھیڑتی سرسراتی پھر رہی تھی مگر یہ خنکی میرے دل کے تپتے صحن کو اور بھی جھلسا رہی تھی۔

"اگر صبح میری ساری رپورٹس کے جواب میں ڈاکٹرز کا جواب نفی میں ہوا تو ..."

ہوا کے ساتھ سرسراتا ہوا خیال میرے دامن سے لپٹا تھا میں دھک سی رہ گئی۔

لمحہ بھر کو سن کھڑی رہی پھر جیسے بے جان سی ہو کر بینچ پر بیٹھ گئی۔

"ایسا ممکن ہے اور مجھے اس خیال کو زیادہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے جبکہ یہاں کے سارے قابل ڈاکٹرز ڈاکٹرز کے بورڈ اسی طرح کا فیصلہ دے چکے ہیں تو وہاں سے بھی اس جواب کی توقع ہو سکتی ہے ... پھر میں کیا کروں گی۔" میں نے سر بینچ سے ٹکایا اور بے چین ہو کر اٹھا لیا۔

"اللہ سب کو دیتا ہے مجھے نہیں دے گا بھلا۔" خوش امیدی نے سر اٹھایا۔

"اللہ بہت سوں کو نہیں بھی دیتا پھر وہ کیا کرتے ہیں۔" دوسرا خیال کسی سنپولیے کی طرح اندھیرے میں لہرایا۔

"وہ پھر بھی اللہ کے وجود سے منکر نہیں ہوتے اس سے ناراض ہوتے ہیں مگر مستقل ناراض نہیں رہ سکتے ... اللہ سے مستقل ناراضی تو کوئی بھی افورڈ نہیں کر سکتا۔" اس خیال نے ہی مجھے ٹھٹکا دیا۔

شعور کی آنکھ کھلنے سے بھی پہلے اللہ ہمارے اندر ہمارے باہر ارد گرد ہر جگہ موجود نظر آیا روز مرہ کی زندگی میں اللہ کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل درآمد ہو یا نہ ہو اس کے قوانین نافذ ہوں یا نہ ہوں مگر اللہ خدا اب اتنا کامن اتنا زیادہ استعمال ہوتا ہے کہ ہم دس جملوں میں شاید دس بار تو ضرور ہی اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس نام کو لیے بغیر ہم رہ ہی نہیں سکتے اور میں جو ابھی مصلے پر بیٹھی اللہ سے جھگڑ رہی تھی کہ "یا اللہ اگر میری رپورٹس پوزیٹو نہ آئیں اگر تو نے میرے دل کی مراد پوری نہ کی ... تو میں پھر کبھی ایسی اپنائیت سے ایسی چاہت اور مان سے تجھے نہیں پکاروں گی پھر تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی ... گویا ناراض ہو جاؤں گی۔" بس دل میں ضد سی ٹھان کر جائے نماز سے اٹھ آئی تھی گویا اللہ کو دھمکی دی تھی اگر اس نے میرے دل کی خوشی پوری نہ کی تو ... شاید اس کے وجود سے منکر تو نہ ہوں مگر ایسی اپنائیت بھی نہ رہے گی۔

اور اب یہاں ٹہلتے ہوئے اللہ کے بارے میں اپنی دھمکی اور اپنے مطالبے کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھ پر حیرت انگیز انکشاف ہو رہے تھے۔

"میں شعور سنبھالنے سے اب تک اپنی ہر چھوٹی بڑی معمولی غیر معمولی ہر خواہش ہر مطالبہ اللہ کے سامنے ہی تو پیش کرتی رہی تھی اگر میں خدانخواستہ اس ضد کے پورے نہ ہونے کے باعث اللہ سے ناراضی کا اعلان کرتی ہوں تو پھر میرا کیا بنے گا؟

مجھے تو ہر بات ہر ذکر میں اللہ کا نام لینے اپنی کجی کی خامی کی ذمہ داری اللہ پر ڈالنے کی عادت ہے آج اگر میں خدانخواستہ اس یکطرفہ ناراضی کا اعلان کرتی ہوں تو بھی نقصان میرا ہی ہو گا میں ایک اتنے پاور فل ذکر سے محروم ہو جاؤں گی جبکہ میں جانتی ہوں چند دنوں

محض چند دنوں کے بعد مجھے توبہ تلا کرتے ہوئے دوبارہ اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا اپنی کوتاہی اپنی لغزشوں کی معافی مانگ کر پھر سے اس کے دروازے سے لپٹنا ہو گا تو پھر ... اس بے کار کی ناراضی کا کیا حاصل؟

معلوم نہیں اس کی کیا مرضی ہے اس نے میرے بارے میں کیا طے کر رکھا ہے میں یوں اسے دھمکا کر فیصلہ اپنے حق میں تو کروا نہیں سکتی تو پھر ایسی بے کار کوشش سے کیا حاصل؟ کیوں نہ میں اپنے دل کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کروں جس میں میرا اللہ راضی ہو۔

اپنی خامیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے سب کچھ اللہ پر ڈال دینے کی عیاشی مفت میں ... کہ جی میرا کیا دوش سب اللہ کی مرضی ہے ... اور پھر وہی ہوا جو اللہ کی مرضی تھی۔

میری تمام رپورٹس انتہائی مایوس کن اور نگیٹو تھیں ڈاکٹرز کا میڈیکلی حتمی فیصلہ تھا کہ مجھ میں ماں بننے کی صلاحیت پر سنٹیج کی زبان میں انتہائی کمترین ہے کہ شاید انہوں نے فکر شو کر کے میری کمتری میں اضافہ نہ کرتے ہوئے مجھے سہارا دینے کی کوشش کی انہیں نہیں معلوم تھا میں اللہ کی مرضی کا ستون کھڑا کر کے پہلے ہی اپنے دل کو بڑا مضبوط سہارا دے چکی ہوں فقط ان تین حرفوں نے ان تین لفظوں نے مجھے اندر باہر سے کیسا مطمئن کر ڈالا تھا کہ اس کے بعد میں نے ان تمام رپورٹس اور کاغذوں کو چولہے میں جھونک دیا۔

مجھے یوں لگا شادی کے دس سال بعد ایک نئی بشری زندگی جنم لیا ہے میں نے چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو بڑھ چڑھ کر کرنے کا وطیرہ اپنا لیا جو کوئی مجھے محروم جان کر اظہار تاسف کرتا میں کندھے اچکا کر اللہ کی مرضی کہہ دیتی میرے پاس اللہ جیسا سہارا جو موجود تھا جو میری ہر کمی ہر محرومی کا بوجھ بخوشی اپنے ذمے لینے کو تیار تھا مجھے اور کیا چاہیے تھا پھر میں نے دو طوطے پالے مگر دونوں انتہائی باتونی ٹیں ٹیں کرنے والے تھے۔

وہ ساری رات ٹیں ٹیں کرتے شور مچاتے رات میں کم سونے کی بیماری تھی شاید انہیں اور جواد کا موڈ آف ہو جاتا پھر بھی میری دلجوئی کے لیے انہوں نے بہت سارے دن ان کو برداشت کر لیا ایک دن جانے کیسے پنجرے کا دروازہ کھلا رہ گیا پنجرہ باہر کاریڈور میں پڑا تھا دونوں بے وفا اڑ گئے میرا گھر پھر سے سونا ہو گیا۔

پھر ایک بلی بالکل دودھ کی طرح سفید فروالی منگوائی میں نے چند ہی دنوں میں وہ مجھ سے سارے گھر سے مانوس ہو کر اندر باہر میاؤں میاؤں کرتی پھرتی رات کو چپکے سے میرے پاس بستر میں آگھستی اس کے نرم نرم مخملیں فر پر ہاتھ پھیر کر میری ممتا کو کیسا سکون ملتا تھا میں جواد کو بتانے سے قاصر تھی جنہیں اس بے زبان سے زبردست بیر ہو چکا تھا۔

ایک رات سوتے میں ان کی ٹانگ اس کے پیٹ میں لگ گئی جانور ہی تھا تکلیف سے بلبلا اٹھی اور اس نے پنجر مار کر جواد کا پاؤں زخمی کر دیا ان کے غصے کا لاوا ابلنے سے پہلے ہی میں نے وہ بلی رجو کے گھر اس کے بچوں کے کھیلنے کو بھجوا دی۔

اس کے بعد میں نے گھر کا سناٹا توڑنے کی احمقانہ کوششیں ترک کر دیں بیچ میں دو بار جاب کا ہڑکا اٹھا کہ ڈاکٹرز کا بھی میرے لیے بہترین مشورہ یہی تھا اور دو دو مہینوں بعد ہی میں نے ان دونوں نوکریوں سے ہاتھ کھینچ لیا میں بنیادی طور پر ہوم برڈ تھی گھر کے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔ دونوں نندوں کے فون اب بھی آتے تھے مگر بجھے بجھے یاس بھرے۔

دو چار بار انہوں نے دبے دبے لفظوں میں جواد کی دوسری شادی کے بارے میں ذکر بھی کر ڈالا بلکہ ریحانہ نے تو اشاروں کنایوں کے بعد ایک روز کھل کر کہہ بھی ڈالا اور مجھے اس سارے میں ان کا کوئی قصور نظر نہیں آیا اور مجھے کچھ کچھ جواد کی مرضی بھی اس میں معلوم ہو رہی تھی شاہین باجی کے ان اشاروں کی طرف میں نے اشارہ کر کے بتایا تو وہ چپ کر گئے۔

وہ دن میری بیاہتا زندگی میں قیامت کے دن تھے۔ جواد کسی لڑکی کسی عورت کو نظر بھر کر بھی دیکھتے تو میں ٹھٹک کر رہ جاتی ان کی گفتگو میں کسی انجان عورت

کا ذکر دوسری بار ہوتا تو میں بے اختیار چونک کر انہیں دیکھنے لگتی مگر وہ بھی ایسے گھنے تھے کبھی سر امیرے ہاتھ میں نہ دیتے۔

ان کے کولیگ ثمر کی شادی ہوئی تو ان دونوں میاں بیوی کی ہم نے دعوت کی دونوں کی شادی اچھی خاصی ایج میں ہوئی تھی ساتھ میں مسز ثمر کی بہن آصفہ بھی تھی جسے دوران ڈنر جواد نے ایک دوبار نہیں کئی بار نا صرف نظر بھر کر دیکھا بلکہ دوبارہ اسے مختلف ڈشز بھی سرو کیں میرا ماتھا وہیں ٹھنک گیا۔

مجھے آصفہ اس وقت اپنے اس پیارے سے گھر میں چلتی پھرتی نظر آنے لگی دل کے اندر جیسے کوئی دیوار سی گر گئی۔

ان کے جانے کے بعد میں مردہ بدن کے ساتھ کچھ بھی سمیٹے بغیر بیڈ پر لیٹ گئی۔

"اچھی دعوت ہو گئی تم کوکنگ میں ماسٹر ہو ورنہ یہی دعوت ہم کسی اچھے ہوٹل میں دیتے تو چار پانچ ہزار سے اوپر بل بن جانا تھا بھئی یونہی تو ہم تمہارے قدردان نہیں۔"

وہ موڈ میں کم کم ہی آتے تھے آج کی یہ تعریف مجھے سراسر آصفہ کی بدولت لگ رہی تھی شاید وہ موضوع رواں کرنے کو مجھے خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کٹا یا کٹی (بچھڑا یا بچھیا) جو بھی ہونا ہے ہو جائے۔" میں نے بھی فیصلہ کن انداز میں سوچا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ آصفہ تو شاید مسز ثمر سے بھی بڑی ہیں ایج میں۔" میں نے پہلا تیر اندھیرے میں چلایا۔

"ہوں شاید۔" انہوں نے فوراً" بے نیازی کی بکل اوڑھ لی۔

"ان کی شادی نہیں ہوئی ابھی۔" میں جانتی تھی مگر پھر بھی پوچھ رہی تھی کیوں شاید ان کی سوئی ایک ہی جواب پر اٹک گئی تھی۔

"ویسے آپ نے ان کی سسٹر کو بھی انوائیٹ کیا تھا۔" آصفہ کی آمد غیر متوقع تھی سو میں نے پوچھ لیا اور اس کا جواب "وہ ہوں" شاید تو کبھی بھی نہیں دے سکتے تھے۔

"نہیں وہ ان سے گھر آئی ہوئی تھیں بھابھی کو لینے یہاں سے انہوں نے بھائی کے میکے ہی جانا تھا اس لیے وہ ساتھ لے آئے کیوں تمہیں اچھا نہیں لگا۔"

"آپ کو اچھی لگیں۔" میں نے اچھا کو اچھی میں بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟" گھاگ تھے اس تبدیلی تذکیر کو فوراً بھانپ گئے۔

"آصفہ اور کون؟" میں نے بھی دو ٹوک بات کرنے کا سوچا۔

"اچھی ہے مگر تم کس لحاظ سے پوچھ رہی ہو۔" وہ اب کے بڑے جاندار انداز میں ٹھٹکے تھے۔

"ان دونوں بہنوں کی شادیاں دیر سے ہوئیں بلکہ آصفہ کی تو بڑی ہونے کے باوجود ابھی بھی نہیں ہوئی دونوں کے ماں باپ چھوٹی عمر میں رخصت ہو گئے تو اس لیے ... اب یہاں ادھر انہیں بلا مقصد تو بہن بہنوئی نہیں لائے ہوں گے۔" میں ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟ کس مقصد کے لیے بھلا۔"

"پلیز جواد آپ مجھ سے یہ بلی چوہے کا کھیل نہ کھیلیں آپ نے ثمر بھائی سے اپنی دوسری شادی کا ذکر کیا ہو گا تو وہ اس لیے اپنی سالی کو کھانے پر لے کر آئے تاکہ آپ دونوں ..."

"شٹ اپ بشریٰ مجھے تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے۔" وہ یکدم تپ گئے۔

"تو اور کیا سمجھوں۔" میں آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

"میرا اندازہ پہلے دن سے تمہارے بارے میں بالکل درست ہے تمہیں انسانوں کی پہچان ہی نہیں ابھی تک تم نہ مجھے سمجھ سکیں نہ جان سکیں بہت افسوس ہے مجھے۔" وہ دکھی سے ہو گئے۔

"اس میں پہچاننے نہ پہچاننے والی کون سی بات ہے آپ کی بہنوں کا یہ خیال ہے بلکہ ان کی تجویز ہے اور

میری کنڈیشن ہے اس میں یہ غلط اور ناجائز بھی نہیں آپ ان کے اکلوتے بھائی ہیں آپ کی اولاد کی تمنا ان سے زیادہ اور کسے ہو گی۔"

"کیا مجھ سے بھی زیادہ انہیں تمنا ہے۔" وہ لمحہ بھر بعد بولے تو مجھ سے فوری کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"بہرحال اب تمہیں منہ سے اور صاف الفاظ میں مجھے بتانا پڑے گا میں اپنی زندگی میں الحمد للہ بہت مطمئن ہوں اولاد قسمت میں ہو گی تو ضرور ملے گی اگر تمہاری ایسی خواہش کے حصول کا ارادہ ہوا جس کے لیے دوسری شادی ناگزیر ہوئی تو اس کا علم سب سے پہلے تمہیں ہو گا اور کسی کو نہیں اس لیے آئندہ تم اس بارے میں یوں خود کو بے حال مت کرنا تھکی ہوئی ہو اب سو جاؤ۔"

انہوں نے کیسی تسلی میرے بے قرار دل کو دی تھی اس کے بعد نیند کس کافر کو آنی تھی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے گھر کی چابیاں مجھ سے چھین کر دوبارہ مجھے تھما دی ہوں۔

"جواد ہم کوئی بچہ ایڈاپٹ کر لیتے ہیں۔" ایک آخری حل یہی رہ جاتا تھا جو بارہا میری زبان پر آتے آتے رہ گیا تھا۔

"ہوں دیکھیں گے ابھی سو جاؤ۔" وہ بے تاثر لہجے میں کہہ کر کمپیوٹر ٹیبل کے پاس بیٹھ گئے اور ان کی پشت کو دیکھتے دیکھتے مجھے بھی جلدی نیند آ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بیگم صاحبہ کوئی شخص باہر گیٹ پر صاحب کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" رجو نے مجھے کچن میں آ کر بتایا۔

"جواد کے بارے میں۔" میں تیزی سے کباب بنا رہی تھی جواد کے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا شام کی چائے پر اچھا خاصا اہتمام میں کرتی تھی۔

"جی یہ کارڈ بھی دیا ہے انہوں نے کہ صاحب سے ضرور ملنا ہے۔" رجو نے انگلش میں پرنٹڈ کارڈ میرے آگے کیا کوئی رحیم صاحب تھے شاید۔

"اچھا یوں کرو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ جواد آنے والے ہیں میں ابھی فون کر کے پتا کرتی ہوں۔" رجو سے کہہ کر میں ٹرے میں بنے ہوئے کباب گننے لگی وہ باہر چلی گئی۔

رجو اجنبی کو بٹھا کر کچن میں آ کر میرے ساتھ کام کرنے لگی۔

جواد آفس سے نکل آئے تھے فون ریسیو نہیں کر رہے تھے ڈرائیونگ کے دوران وہ موبائل فون نہیں سنا کرتے تھے اس لیے میں فون رکھ کر کچن میں آ گئی اور چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔ چائے تیار تھی جب جواد گھر آ گئے۔

"جواد کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں رجو نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے چائے تیار ہے اگر آپ کہیں تو ڈرائنگ روم میں بھجوا دوں۔" میں نے ان کو سلام کرتے ہوئے بریف کیس پکڑا اور اس شخص کے بارے میں بتایا۔

"مجھ سے ملنے گھر کون آ سکتا ہے بھلا۔" وہ ماتھے پر شکن لیے اندر چلے گئے۔

اور جب واپس آئے چند ہی منٹوں بعد تو ان کے ماتھے کی وہ شکنیں پورے چہرے پر پھیل چکی تھیں۔

"کب عقل آئے گی تمہیں شہر بھر میں کیسی کیسی وارداتیں ہو رہی ہیں اور تم بالکل اجنبی انجان لوگوں کو بلا کر ڈرائنگ روم میں بٹھا لیتی ہو تم کسی دن اپنے ساتھ میرا بھی کام تمام کرواؤ گی بہت بے وقوف ہو تم۔" وہ کچن میں کھڑے کھڑے گرجتے برستے باہر نکل گئے اور میں جو ٹرالی سجائے دھکیلتی ہوئی باہر لا رہی تھی وہیں ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔

رجو کے ساتھ سلیٹی شلوار قمیص میں پتلا دبلا اچھی خاصی گہری رنگت مگر تیکھے نقوش والا آدمی اونچے لمبے وجود کو سیاہ رنگ کی چادر میں لپیٹے میرے پاس سے گزر کر باہر جا رہا تھا۔

اس کی نگاہ سرسری سی میری طرف اٹھی اور جھک گئی۔

اس کی نظروں میں کیا نہیں تھا عجیب سی لاچاری۔

"کیوں بھلا؟ کیسی رحم بھری نظروں سے اس نے میری طرف دیکھا تھا..... کون تھا یہ؟"

میں تھوڑا الجھتی تھوڑا ڈرتی اندر چلی آئی جواد ابھی بھی غصے میں تھے۔

"جواد سوری میں نے تھوڑی اسے بٹھایا تھا وہ تو رجو ..... پھر آپ خفا ہو رہے ہیں میں اکیلی تھوڑی تھی میرے ساتھ رجو بھی تو تھی۔" میں نے انہیں احساس دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں رجو تو کمانڈو رہ چکی ہے نا۔" وہ طنز بھرے انداز میں بولے۔

"مگر اس نے آپ کا نام لیا تھا تبھی تو رجو اسے اندر لائی تھی۔" میں نے ایک اور دلیل پیش کی۔

"اچھا جو بھی راہ چلتا میرا نام لے کر دروازہ کھٹکھٹائے تو آپ اسے گھر کے اندر لا بٹھائیں گی۔" وہ غرا کر بولے تو میں دو قدم پیچھے بدک گئی۔

"تو کیا وہ آپ سے ملنے نہیں آیا تھا۔" میں نے ڈر کر پوچھا۔

"نہیں کسی جواد بھٹی سے ملنے آیا تھا مجھے اچھا خاصا مشکوک لگ رہا تھا بھٹی صاحب کے بیٹے کو ٹیوشن ٹیوٹر کی ضرورت تھی اسی سلسلے میں کسی حامد اختر نے اسے بھیجا تھا اور تم نے۔" وہ اب غصہ پینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کوئی بے چارہ سا لگ رہا تھا آپ کو مشکوک جانے کیسے لگا۔" میں اپنے دل کا خیال زبان پر لے آئی۔

"تمہیں تو ساری دنیا ہی بے چاری لگتی ہے بس نہیں چلتا سارے بے چاروں کو پناہ دے ڈالو۔" وہ چڑ کر بولے تو میں ہنس دی۔

"لگتا ہے آج پھر لنچ نہیں کیا آپ نے صرف بھوک ہی آپ کو اس حد تک چڑچڑا کر سکتی ہے۔" میں نے ان کو منانے کی کوشش کی تو وہ سر ہلاتے کپڑے چینج کرنے چلے گئے۔

جانے بے چارے کو بھوک لگی تھی رجو کے ہاتھ پانی منگوا کر پیا تھا جواد اسے چائے کا ہی پوچھ لیتے۔

وہ بھری بھرائی ٹرالی میں اندر لے جا رہی تھی اور اس کا مظلوم سا سراپا اور لاچار نظریں مجھے ڈسٹرب کر رہی تھیں مگر اب میں اس کی ہمدردی میں کوئی بھی لفظ بول کر جواد کے مزید بھڑکنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی سو چائے خاموشی ہی سے پی گئی۔

☼ ☼ ☼

کل پہلا روزہ متوقع تھا میں اور رجو کچن میں بری طرح مصروف تھیں روزہ رکھنے والے تو گھر میں دو ہی تھے مگر اہتمام دس بندوں جتنا کیا جاتا دو تین مسجدوں میں افطاری سحری بھجواتی تھی میں اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ ہوتا تھا چکن رولز، کباب، شامی، سموسے بنانے کا سامان بکھرا ہوا تھا اور ہم دونوں وقت کے ساتھ لڑ رہی تھیں ایک چولہے پر چکن رولز کے لیے رکھا تھا تو دوسرے پر املی کی چٹنی ابل رہی تھی تیسرے پر آلو بخارے کی چٹنی۔

ڈور بیل بجی تھی رجو آٹا گوندھ رہی تھی مجبوراً مجھے ہی جانا پڑا یوں بھی جواد کے آنے کا ٹائم تھا چوکیدار نوکری چھوڑ گیا تھا اور دوسرا کوئی بھروسے کا آدمی ابھی مل نہیں رہا تھا رمضان میں بھی اس وجہ سے کافی پرابلم ہو سکتی تھی میں نے جواد کی آمد کے خیال سے سرسری سا کون ہے، پوچھ کر گیٹ کھول دیا۔

مجھے ایک جھٹکا سا لگا سامنے وہی شخص کھڑا تھا اس روز والے سلیٹی رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس سیاہ چادر لیے..... میں نے جلدی سے دروازہ بند کرنا چاہا اس نے سلام کر کے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا اب میں نے غور سے دیکھا اس کے انتہائی بائیں طرف کوئی اور بھی تھا۔

سیاہ چادر میں لپٹی چہرہ اور بدن نقاب سے مکمل طور پر ڈھکے ہوئے وہ کوئی کم سن سی لڑکی لگ رہی تھی دونوں کے پیروں کے پاس نسواری رنگ کا پھولا ہوا بیگ پڑا تھا۔

"بیگم صاحب آپ لوگوں نے کوئی کمرہ کرائے پر دینا ہے شاید۔ بھٹی صاحب نے بھیجا ہے ہمیں..... فوری طور پر کمرہ چاہیے کرائے کے لیے۔" وہ بیٹھی ہوئی آواز میں گھگیا کر یوں بول رہا تھا جیسے ابھی رو دے گا اور مجھے یاد آیا ہمارا بیرونی گیسٹ روم خالی پڑا تھا کئی بار میں جواد سے کہہ چکی تھی کسی ـ لائق چھوٹی سی فیملی کو دیکھ کر کرائے پر دے دیتے ہیں مجھے دو سراہٹ کے لیے کوئی مل جائے گا اور تھوڑا اس گھر کا سناٹا بھی دور ہو جائے گا وہ میری بات ان سنی کر جاتے پچھلے دنوں کہہ رہے تھے کسی جاننے والے ڈیلر سے انہوں نے بات کی ہے شاید اس نے بھیجا ہو مگر اب میں ان دونوں کو اندر بٹھا کر جواد کی خفگی کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

مگر لڑکی پر پڑنے والی دوسری نظر نے مجھے ٹھٹکا دیا۔

سیاہ چادر میں اس کا وجود..... کیسا بھرا ابھرا ہوا..... میرے دماغ میں کچھ کلک ہوا میں جواب دیتے دیتے رہ گئی۔

"ابھی تو میرے شوہر گھر پر نہیں آپ پھر کسی وقت تشریف لائیے۔" میں نے لڑکی پر ایک بھرپور نظر ڈال کر کہا۔

"اس وقت..... ہمیں ذرا مشکل ہے اصل میں ہم اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ہمارا تعلق جہلم سے ہے مجھے نوکری کے سلسلے میں ادھر آنا پڑا فوری طور پر کوئی گھر نہیں مل رہا تھا بلکہ سچی بات کہوں گھر تو مل رہے تھے مگر ان کا کرایہ ہماری رینج سے خاصا بڑھ کر تھا کچھ دن رشتہ داروں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے بس کافی دنوں سے وہ لوگ ہمیں جانے کو کہہ رہے تھے اور اب..... عین اس موقع پر سمجھ نہیں آ رہی کہاں جائیں بھٹی صاحب نے آپ کا ایڈریس دیا۔ آپ کا ایک کمرے کا اتنا کرایہ ہو گا کہ ہم افورڈ کر لیں۔" وہ لجاجت بھرے انداز میں اس طرح بیٹھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

لڑکی شاید کھڑے کھڑے تھک گئی تھی کمر پر ہاتھ رکھ کر گیٹ کے بند پٹ سے ٹیک لگانے لگی۔ مجھے بے اختیار اس کی حالت پر ترس آیا۔

"دیکھیں یہ فیصلہ تو میرے شوہر ہی کر سکتے ہیں کہ آپ کو کمرہ رینٹ پر دینا ہے یا نہیں آپ اگر پھر نہیں آ سکتے تو تھوڑی دیر یہیں رک کر ان کا ویٹ کر لیں وہ آنے ہی والے ہیں شکریہ۔" میں نے حتی الامکان لہجے کو روکھا بناتے ہوئے کہا اور گیٹ بند کر دیا۔ اندر آنے کے بعد مجھے عجیب سی بے کلی لگ گئی۔

رجو کے ہاتھ ان دونوں کے لیے پلاسٹک کی کرسیاں بھجوا دیں اور شربت کے گلاس بھی۔

دوبار جواد کو فون کیا وہ ریسیو نہیں کر رہے تھے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے ان کا انتظار کرنے لگی۔

"اللہ جانے کیا چکر ہے جواد صحیح کہتے تھے مشکوک لگ رہے ہیں۔" اسی وقت جواد کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

ان کا ردعمل میری توقع کے عین مطابق تھا انہوں نے دونوں کو فوری طور پر وہاں سے چلے جانے کو کہا تو ان کی حالت ایسی ہو گئی جیسے ابھی ختم ہو جائیں گے میں برآمدے سے کھڑی دیکھ رہی تھی گاڑی اندر آ گئی گیٹ بند ہو گیا مگر وہ دونوں نہ جانے کس آس کے سہارے ابھی بھی باہر ہی کھڑے تھے۔

"جواد پلیز! وہ لڑکی اس حال میں ہے اور رات ہو رہی ہے بے سہارا لگتے ہیں کہاں جائیں گے آپ بھٹی صاحب کو فون کر کے پوچھ لیں۔" میں جواد کے اندر آتے ہی لجاجت بھرے انداز میں بولی مجھے امید تو نہیں تھی پھر بھی انہوں نے بھٹی صاحب کا نمبر ملایا بات کی اور فون رکھ دیا۔

"ان کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھا رہا ہے کسی کمپنی میں جاب بھی کرتا ہے کہہ تو رہے ہیں بھروسے کا آدمی ہے اس وقت بہت مجبور ہے بھائیوں کے ساتھ کوئی جائیداد کے بٹوارے کا جھگڑا ہے جس سے بچنے کے لیے وہ شہر ہی چھوڑ آئے ہیں اور....." وہ متذبذب سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"پھر؟" میں نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ چوکیدار کا انتظام ہو گیا ہے بشیر نام ہے اس کا سر جمال نے رکھوایا ہے پہلے ان کے گھر کام کرتا تھا ان کا اب ٹرانسفر ہو گیا ہے تو انہوں نے میری طرف ریفر کر دیا کہہ رہے تھے بھروسے کا آدمی ہے اور خاصا دلیر بھی

ابھی آدھے گھنٹے میں آجائے گا۔" ہم جس علاقے میں رہتے تھے شہر کا اچھا پوش ایریا تھا دور دور تک کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں مگر کچھ مہینوں سے چوری، ڈکیتی کی وارداتیں ہونے کی وجہ سے ہم بھی چوکیدار رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"تو پھر کیا مسئلہ ہے انہیں رکھ لیتے ہیں چوکیدار کو ان پر نظر رکھنے کی تاکید کر دیں گے یوں بھی یہ کمرہ تو ہمارے گھر کی مین بلڈنگ سے ہٹ کر ہے' آپ اللہ کے خوف کے خیال سے..... پلیز شام گہری ہو رہی ہے اگر آپ کہیں تو۔" وہ اپنی طرف سے زیادہ میری بے چینی دیکھ کر ہاں کرنے پر مجبور ہو گئے۔

میں نے رجو کو بھیج کر ان دونوں کو اندر گیسٹ روم میں بلوا لیا وہاں ایک پرانا بیڈ اور قالین بچھا ہوا تھا کچن وغیرہ تو تھا نہیں ارادہ تھا کہ اگر کسی کو پراپر طور پر کرائے پر دیں گے تو بیرونی چھوٹے برآمدے میں مختصر سا کچن بھی بنوا دیں گے مگر اب.....

وہ دونوں ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے اندر آگئے رجو ان دونوں کو کھانا دے آئی۔

"بی بی عجیب سے لوگ لگتے ہیں دونوں چپ ڈرے ڈرے سے جیسے بھاگ کر آئے ہوں اور سچی مجھے تو لڑکی بالکل پورے دنوں سے لگ رہی ہے۔" وہ سرگوشی کے سے انداز سے کہہ رہی تھی۔

میرا دل انوکھی سی لے پر دھڑکا۔

"اچھا کل کسی ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروا دیں گے ابھی صاحب کے سامنے زیادہ ذکر مت کرو۔" میں نے اسے ٹوکا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں بیگم صاحب آپ کی مہربانی کسی ڈاکٹر کو نہ بلوائیں یہ ہمارے ہاں بے پردگی سمجھا جاتا ہے بس ایسے ہی اللہ اپنا کرم کر دے گا۔" اگلے روز میں نے اور رجو نے جا کر ڈاکٹر کا ذکر ہی کیا تو دونوں بدک سے گئے۔

لڑکی کی آنکھیں وحشی غزل سی تھیں بڑی بڑی خوب پھیلی ہوئیں اس کے چہرے کی ساری خوب صورتی سب سے بڑا عنوان اس کی یہ پھیلی پھیلی سرمئی آنکھیں تھیں رنگت اس کی گندمی سے کچھ صاف تھی جسم بالکل دھان پان سا تھا ہاتھوں کی نیلی نیلی رگیں ابھری ہوئی تھیں جو صاف اچھی غذا کی کمی کا بتا رہی تھیں۔

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔" وہ شخص جس کا نام رحیم تھا ہمیں ڈاکٹر کو بلانے سے منع کر کے اپنی جاب پر چلا گیا اس نے رات ہی جواد کو زبردستی تین ہزار روپے اس کمرے کا کرایہ دیا تھا جسے جواد کسی صورت لینا نہیں چاہ رہے تھے اصل میں تو ان کا ارادہ انہیں یہاں رکھنے کا تھا ہی نہیں کرایہ پکڑ کر وہ پابند نہیں ہونا چاہتے تھے مگر اس شخص کی منت زاری میں کچھ ایسی زبردستی تھی کہ جواد بھی ہار گئے اور روپے تھامنے پر مجبور ہو گئے۔

"وہ نہیں ہیں جی۔" وہ دھیرے سے بولی اور سر جھکا لیا۔

"کیا فوت ہو گئے۔" رجو منہ پھٹ تھی اس نے جواب دینے کی بجائے فقط سر ہلا دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" وہ ابھی بھی اپنا پورا جسم چادر میں لپیٹے ہوئے تھی۔

"غزالہ۔" اس کی آواز اور بھی پست ہو چکی تھی۔

"اچھا غزالہ دیکھو تمہیں اس وقت چیک اپ کی ضرورت ہے تمہارا شوہر تو مرد ہے اسے کیا پروا کہ عورت پر اس حال میں کیا گزرتی ہے ساری اذیت تو اس کا بدن سہتا ہے تمہیں خود اپنا خیال ہونا چاہیے کتنا عرصہ ہو گیا شادی کو۔"

"س..... سال ہو گیا ہے۔" وہ عجیب ڈری ڈری سی تھی۔

"جی ان لوگوں کے رسم و رواج بڑے سخت ہوتے ہیں ڈاکٹروں کے چکر میں نہیں پڑتے آپ کہیں تو میں بتول دائی کو لے آؤں ایمان سے اس کے ہاتھوں میں سمجھیں شفا ہی شفا ہے ایک بار دیکھ لے گی تو بالکل ٹھیک دن ٹیم بتا دے گی۔" رجو جا چکتی نظروں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں جی..... رحیم نہیں مانیں گے ان سے پوچھ لیں۔" اس کی سانسیں ہموار نہیں تھیں اور میرا دل کر رہا تھا میں اس کے پاس سے اٹھوں ہی نہیں مگر وہ شاید ہماری موجودگی میں بے آرام ہو رہی تھی اس لیے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے تو روزہ نہیں رکھا نا۔" میرے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں تمہارے لیے کچھ پھل بھجواتی ہوں کھا لینا۔" وہ ہمارے دروازے سے نکلنے کا انتظار کیے بغیر ہی لیٹ گئی مجھے اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔

دن ایک ایک کر کے گزرتے چلے گئے جواد نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسی مہینے اپنا کوئی اور ٹھکانہ دیکھ لیں انہیں ابھی یہاں مرمت وغیرہ کروانی ہے وہ جواب میں چپ رہے تھے۔

بڑے عجیب سے روزے گزر رہے تھے سحری میں اٹھتی تو مجھے غزالہ کی فکر ہوتی مگر جواد کی وجہ سے ان کی طرف نہیں جاتی تھی جواد ہی بشیر کو آواز دے کر اس کی اور رحیم کی سحری پکڑا دیتے اور صبح جب جواد اور رحیم گھر سے نکل جاتے تو میں فوراً" غزالہ کی طرف آجاتی

وہ مجھے پہلے دن کی طرح ڈری سہمی خوفزدہ سی ملتی مجھے کئی بار شک ہوا کہ دونوں گھر سے بھاگے ہوئے ہیں مگر کبھی زبان پہ یہ بات لا کر نہ پوچھ سکی میں اسے بار بار بات کرنے پر اکساتی وہ تھوڑا تھوڑا مجھ سے کھلنے لگی تھی۔

"جی ہم دونوں نے پسند کی شادی کی ہے میں ان کی خالہ کی بیٹی ہوں میرے ماں باپ ہیں نہ ان کے ان کے بھائی اس شادی کے حق میں نہیں تھے ہم دونوں نے ان کی مرضی کے بغیر دو چار لوگوں کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو وہ ہم دونوں کے خون کے پیاسے ہو گئے کیونکہ اسی موروثی جائیداد کا ہے جو ان کے ماں باپ چھوڑ گئے ہیں اگرچہ رحیم نے انہیں لکھ کر بھی دے دیا کہ انہیں حصہ نہیں چاہیے مگر پھر بھی..... بس ان سے بچنے کے لیے ہم ادھر آگئے پہلے دور کے رشتے داروں کی طرف رہتے تھے پھر شاید انہیں بھنک مل گئی تو ہمیں مجبوراً" وہاں سے نکلنا پڑا میں اس حال میں نہ ہوتی تو..... باجی ایسی خوف بھری زندگی ہے کہ..... موت' موت اچھی لگتی ہے۔" وہ بے اختیار کہہ گئی تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بے وقوف ایسے نہیں کہتے اللہ خیر کا وقت لائے یہ مشکل دن بھی گزر جائیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

جواد کو یہ سب بتایا تو وہ اور بھی خلاف ہو گئے۔

"پھر تو ان کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں وہ ان کی بو سونگھتے ہوئے یہاں آگئے تو..... بس اب ان کو یہاں سے چلتا کرو صبح ہی بندوبست کرتا ہوں ان کا کسی ڈیلر سے کہہ کر کہیں اور کرائے پر گھر دلوا دیتا ہوں ہماری جان تو چھوڑیں۔" مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

رات کو غزالہ کی حالت بگڑ گئی اسے زبردستی گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے جانا پڑا کیس انتہائی پیچیدہ تھا۔

ہماری دعاؤں رحیم کے آنسوؤں اور ڈاکٹروں کی مہارت تھی یا اللہ کی رحمت' سحری کی آواز کے ساتھ ہی غزالہ نے ایک کمزور مگر خوب صورت بیٹے کو جنم دیا خود اگرچہ اس کی حالت اچھی نہیں تھی مگر وہ زندہ بچ گئی تھی ہم سب کے لیے یہی کافی تھا۔

دوسرے ہی دن رحیم نے زبردستی اسے ڈسچارج کروانے کے لیے کہنا شروع کر دیا ڈاکٹرز نے ایک ہفتہ تک اسے اسپتال میں رکھنے کو کہا بچہ نرسری میں تھا اسے آج شام ہمارے حوالے کیا جانا تھا ہم نے جلدی جلدی روزہ افطار کیا اور اسپتال آگئے۔

روم کا دروازہ بند تھا ہم نے دھکیلا تو کھل گیا۔

بے بی کاٹ میں بچہ پڑا ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا جبکہ غزالہ کا بیڈ خالی تھا ہم سمجھے شاید وہ واش روم ہو گی میں بے بی کاٹ پر جھک کر بچے کو پیار کرنے لگی۔

"ارے یہ کیا۔" اس کے کمبل میں کچھ کھڑکھڑایا تھا۔ سفید رنگ کا کاغذ تھا میں نے کھولا۔

"امی..... سلام جب آپ لوگ اسپتال آئیں گے تو ہم دونوں یہاں سے جا چکے ہوں گے کہاں؟ آپ

سوچ نہیں سکتے جواد بھائی ٹھیک کہتے تھے کہ ہم دونوں کا آپ کے گھر رہنا ان کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے اور اس میں کچھ غلط بھی نہیں تھا ہم دونوں کا تعلق سندھ کے اس پسماندہ علاقے سے ہے جہاں ابھی تک اس صدی کی تازہ ہوا نہیں پہنچی آپ لوگوں کا خیال درست تھا ہم دونوں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی ہم دونوں کا تعلق ایک دوسرے کے دشمن قبائل سے تھا ہماری جانوں کے دشمن میرے بھائی نہیں بلکہ ہم دونوں کے ماں باپ اور خاندان والے ہو رہے ہیں ہم دونوں کو کاری قرار دیا جا چکا ہے۔

اس مہینے کا عرصہ ہم دونوں نے کس طرح چھپ چھپ کر گزارا ہے چاہیں بھی تو نہیں بتا سکتے زندگی کے دن ہم پر تنگ ہوتے چلے جا رہے ہیں ہم اپنی زندگی کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اس ننھی جان کو کہاں سنبھالیں گے ہم مر بھی گئے تو ہماری روحیں پر سکون رہیں گی کہ ہمارا بیٹا محفوظ و مامون ہے آپ دونوں کی محبت بھری چھاؤں میں۔

یہ ہمارا خیال بھی ہو سکتا ہے شاید آپ لوگ اس بچے کو ہمارے کسی گناہ کا پھل سمجھ کر اپنے گھر میں رکھنا نہ پسند کریں تو اسے کسی بھی لاوارث بچوں کے سینٹر میں بھجوا دیں یہ زندہ رہے ہمیں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے اگر آپ اسے کسی سینٹر میں جمع کروائیں تو اللہ کے لیے سارے کوائف اپنے پاس محفوظ رکھیں اگر ہم زندہ بچ گئے تو شاید کبھی اسے ڈھونڈتے ..... آجائیں یہ ہماری پاک محبت کی پاک نشانی ہے میں اسے جب بھی یاد کروں گا طیب کے نام سے یاد کروں گا اگر آپ اسے اپنے پاس رکھنا چاہیں تو میں ابھی ادھر دوسرے کاغذ پر یہ بچہ آپ کو دینے کے لیے اپنے اور غزالہ کے دستخط کے ساتھ تحریر لکھ کر جا رہا ہوں کہ ہم دونوں یہ بچہ آپ کو اپنی خوشی مرضی سے آپ کی نیک فطرت کو تحفہ کرتے ہیں خاص طور پر ادی بشریٰ جن کے دل میں اللہ نے محبت کے سوا اور کچھ نہیں بھرا.....

شاید آپ کو چند دنوں بعد ہم دونوں کے مرنے کی خبر اخبار یا کسی چینل پر ملے یا اگر اللہ کو ہماری زندگی منظور ہوئی..... آپ نے طیب کو اپنا لیا ہم زندگی کے کسی موڑ پر ملے بھی تو اجنبی بن کر گزر جائیں گے کوئی دعوا نہیں کریں گے۔

اللہ حافظ رحیم اور غزالہ۔"

ہم دونوں حیران نظروں سے کبھی اس کاغذ کی تحریر کو دیکھتے اور کبھی کاٹ میں لیٹے ہاتھ پاؤں مارتے محبت کی اس طیب نشانی کو جو علی الاعلان کہہ رہا تھا کہ اللہ ابھی انسانوں سے مایوس نہیں ہوا۔

میں سوالیہ نظروں سے جواد کی طرف دیکھ رہی تھی اب کے میں خود سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہ رہی تھی کہ یہ کسی کو پناہ دینے کا معاملہ نہیں تھا عمر بھر کے لیے اپنی زندگی کے ساتھ منسلک کرنے کا تھا۔

"میں تمہیں کہتا تھا نا تمہیں انسانوں کی پہچان نہیں دیکھا وہ وہی نکلے جو میں سمجھتا تھا۔" جواد بول رہے تھے اور میری آنکھوں میں اترتی دھند میں بے بی کاٹ دھندلاتا جا رہا تھا۔

"مگر اس کے باوجود اللہ کو تمہاری سادگی اور نیک فطرت پر اس درجہ پیار آیا کہ اس نے تمہارے دل کی آرزو کو زندہ وجود دے کر تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے ہم ان دونوں کی زندگی کی دعا بھی کریں گے اور جب کہیں وہ ملے تو..... تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ اللہ نے ہماری زندگی میں جو ایک کمی تھی وہ بھی دور کر دی۔"

وہ کہہ رہے تھے اور میری نظروں کے سامنے سے دھند ہٹ رہی تھی وہ ننھا وجود اب ہاتھ پاؤں چلانے کے ساتھ زور زور سے رونے بھی لگا تھا۔

جواد نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا اور سینے سے لگا کر پیار کیا تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے پتا نہیں اس نعمت کے شکرانے کے طور پر یا ان دو اجنبی مسافروں کا سوچ کر جو نہ جانے کدھر سے آئے تھے کدھر چلے گئے ہمیں یہ بیش قیمت تحفہ دے کر..... میں جواد کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی جواد طیب کے ساتھ میرا کندھا بھی تھپکے جا رہے تھے اتنے مبارک مہینے کا متبرک تحفہ مجھے بے حال کیے جا رہا تھا۔

☼

سعدیہ رئیس

ہنسی کا کوئی عید مبارک

وہ ہچکیوں سے رونے کے بعد اب مسلسل سسکیاں لے رہی تھی چہرے پر آنسوؤں کے لاتعداد نشانات نے مسکارے اور آئی لائنر کے ساتھ مل کر عجیب صورت کردی تھی ——————

اپیا نے حالانکہ اسے بہت اچھی طرح جھاڑ پلا کر کچھ دیر قبل ہی ٹشو سے اس کے چہرے کو صاف کر کے از سر نو اس کے میک اپ کی ناکافی درستگی کی تھی اور اس پر ڈھیر ہدایتوں اور نصیحتوں کے جام انڈھا کر پھر اسے گلے سے لگا کر خود بھی رو نکھی ہو گئی تھیں مگر اس کی حالت بگڑنے کے خیال سے خود پر جلدی قابو پالیا تھا۔ اس کے زرتار آنچل کو اس کے چہرے پر گھونگھٹ کی شکل میں کرنے سے پہلے انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

"بس اب رونا مت ... بہت ہو چکا' امی تو رہیں نہیں لیکن مجھے تم ہمیشہ اپنی ماں کی جگہ پاؤ گی اپنا دکھ سکھ مجھے بتاؤ گی ... دیکھو شاید رخصتی کا کہہ رہے ہیں تم یہاں آرام سے بیٹھو میں دیکھتی ہوں اور دیکھو رونا مت۔" انہوں نے پھر تنبیہہ کی اور نور الصباح نے محض اثبات میں سر ہلا دیا کہ بولا تو اس سے جا ہی نہیں رہا تھا مگر اپیا کے جاتے ہی آنسو مچل مچل کر باہر آنے لگے تھے جنہیں وہ کوشش کے باوجود بھی نہ روک پائی تھی اور ابھی وہ ان ہی آنسوؤں کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ اس کے وجود کو پکڑ دھکڑ کر اسے سہارا دے کر اٹھا دیا گیا۔

"چلو جی بسم اللہ ..." کوئی انجان آواز کانوں سے ٹکرائی لمبے سے گھونگھٹ کی وجہ سے وہ کسی کو دیکھ نہ پا رہی تھی بس یہ معلوم تھا کہ اسے دونوں اطراف سے کسی نے تھاما ہوا ہے پھر اسے ہجوم کے جلو میں تقریباً" دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر لایا گیا جہاں اس کی ناتواں سی لرزیدہ دادی اماں نے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں پھر بابا جی نے اس کے سر کو اپنے کاندھے سے لگا کر ہلکی سی تھپکی دی تھی اور پھر وہ اس گھر کی دہلیز بھی عبور کر گئی جہاں اس کا بچپن ہنستے کھیلتے اور شرارتیں کرتے گزرا تھا آنسوؤں کی یلغار کے باعث اس وقت اسے نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ سجھائی دے رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ بس اس کی نگاہوں کے سامنے تو اپنی مرحومہ والدہ کا چہرہ مہربان اور مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ گھوم رہا تھا اور دکی ٹیس آہ کے ساتھ اس کے لبوں سے نکلی اور اس نے بلک بلک کر پھر رونا شروع کر دیا اسی وقت گھونگھٹ پلٹ کر اپیا نے تنبیہہ کی

"انہوں پھر شروع ہو گئیں ..." پھر ہاتھ میں تھما قرآن پاک اس کے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھما دیا اور ساتھ ساتھ ان کے ہونٹ تیزی سے ہلتے رہے ... نور الصباح کو بس اتنا معلوم تھا کہ سب سے آخر میں اپیا نے ایک بڑی لمبی سی پھونک مار کر اس پر دم کیا تھا اور اس کا گھونگھٹ درست کر کے فقط اتنا ہی کہا تھا۔

"خدا کے بعد اب میری نور تمہارے حوالے۔"

ان کی رقت بھری آواز سے نور الصباح کا دل مزید ڈول گیا تھا اور اب رخصتی کے بعد کار میں بیٹھی وہ مستقل آنسو بہا رہی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی تو اطراف کے منظر سے وہ چونک گئی۔ پھر اپنا خیال آیا اور پھر جیسے سب کچھ یاد آتا چلا گیا اور خجل ہو کر اس نے بے اختیار ہی اپنے وجود پر موجود کھدر کے موٹے رنگین کھیس کو ہٹا دیا۔ مارے خجالت کے اس کا برا حال تھا اس کے عین سامنے ہی ڈریسنگ کے اسٹول پر ایستادہ اعزاز دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹے بہت محویت سے اسے تک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے لبوں نے ذرا بھی جنبش نہ کی تھی اور نور الصباح کے وجود نے اس کی موجودگی کو محسوس کر کے جنبش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دل کی دھڑکن پہلے تیز تر ہوئی اور اب شاید وہ بھی رکنے لگی تھی وہ یہ سوچ کر ہی شرمسار ہوئی تھی کہ رات رخصتی کے بعد اس نے سب کو پریشان کر دیا تھا خصوصاً" اعزاز کی کلفت کا سوچ کر وہ بہت خائف ہو رہی تھی کثرت گریہ کی وجہ سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی اور وہ اپنی سسرال آتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی عورتوں میں شور مچ گیا۔ اسے پنکھا جھلا گیا' تلوے سہلائے گئے' منہ پر چھپڑ لگائے گئے'

بالی کے چھینٹے مارے گئے ... ساتھ آنے والی چاچی نسیمہ کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے مگر خیر ہوئی کہ وہ ہوش میں آگئی تھی۔ اسے فوراً" ہی ٹھنڈا جوس پلایا گیا اور ساس کی تاکید پر کچھ دیر آرام کے لیے لٹا دیا گیا مگر وہ کچھ دیر شاید پوری رات پر غالب آگئی تھی وہ تھکن اور کمزوری سے نڈھال ہو کر ایسی بے سدھ ہوئی کہ اپنی —— بھی خبر نہ رہی اور اب جب آنکھ کھلی تو پو پھٹنے کا وقت تھا۔ بھیگی بھیگی اوس سے بھیگا بھیگا نو آبیدہ ماحول ہو رہا تھا ... اور سامنے ہی اعزاز جیسے اس کا منتظر ہی بیٹھا تھا وہ دل ہی دل میں شرمسار بھی تھی اور خائف بھی اسے اعزاز کے رد عمل کے بارے میں کچھ اندازہ نہ تھا کہ بہر حال وہ اس کے لیے قطعاً" اجنبی تھا اپنے ہی وجود میں سمٹتے ہوئے اس نے جلدی سے پاس پڑا دوپٹا اٹھا کر طریقے سے اوڑھ لیا اور اضطراری انداز میں انگلیاں مسلنے لگی۔

"صبح بخیر ... جناب کہئے نیند تو اچھی طرح سے آئی نا جی بھر کر سوئیں کتنے دنوں کی جاگی ہوئی تھیں آخر ... ہاں۔" اعزاز کے نرم لہجے میں اسے طنز چھپا ہوا محسوس ہوا' خفت سے اس کی گردن مزید جھک گئی۔

"شب زفاف تو سبھی مناتے ہیں مگر شاید صبح عروسی آج ہم منائیں گے" اچانک ہی اعزاز نے قریب آکر اس کا ہاتھ تھام کر اسے جیسے اٹھنے پر مجبور کر دیا اس کی اس حرکت پر نور الصباح کا نازک سا دل پوری قوت کے ساتھ دھڑکا تھا۔ اس نے انتہائی شرمساری سے اپنے مسلے ہوئے سوٹ کو دیکھا اور بے خودی کی کیفیت میں اعزاز کے ساتھ مغربی کھڑکی کی طرف چلی آئی اعزاز نے مخملیں پردہ کھینچ دیا اور نیلے افق کی تنی ہوئی پراسرار سی چادر نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ سورج ابھی نکلا ہی چاہتا تھا ہر سو ایک بھیگا بھیگا سا جال پھیلا ہوا تھا۔ دور تک دکھائی دینے والے سرسبز درخت' ہولے ہولے ہوا کے دوش پر لہراتی شاخیں اور ان شاخوں سے چھنتی ہوئی صبح کی ہلکی مدھم سی چمکیلی روشنی ... ماحول کی پراسرار خاموشی میں مختلف پرندوں خصوصاً" چڑیوں کی مدھر چہچہاہٹ فضا میں دلکش موسیقی پیدا کر رہی تھی ہوا کے لطیف سے جھونکے نے اسے گدگدا سا دیا اس نے بے اختیار اپنے عقب میں کھڑے اعزاز احمد کو دیکھا۔

"دیکھا تم نے ... کیسا اسرار ہے اس صبح میں ... بالکل ایسے ہی جیسے اپنے اندر بہت سے بھید چھپائے ہو پھر آہستہ آہستہ ہی دن چڑھنا شروع ہوتا ہے سب بھید کھلتے چلے جاتے ہیں دن کی روشنی میں سب کچھ نمایاں ہو جاتا ہے' ہے نا۔" اعزاز کے انداز میں پائی جانے والی اپنائیت سے اسے خاصی تقویت ملی تھی ورنہ وہ تو ڈر رہی تھی کہ وہ اس سے اپنی گزری رات کے ایک ایک لمحے کا حساب نہ مانگ بیٹھے۔

"مجھ پر بھی اس صبح ایک بھید کھلا ہے۔" اس نے سرگوشیانہ انداز میں کہا اس کی بھاری دبنگ آواز میں جانے کیا تھا کہ وہ خدشے سے کانپ اٹھی۔

"کیسا بھید؟" اس کے لبوں نے خفیف سی جنبش کی تھی۔

"تمہارے رونے کا بھید ... مجھ پر آج کھل گیا ہے۔" وہ بہت پراسرار طریقے سے بولا۔ نور الصباح نے پہلو بدلا اسے اس کے قرب سے اچانک ہی وحشت ہونے لگی مگر وہ اسے کچھ اس طرح اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا کہ فرار کا راستہ نہ تھا اس کے عجیب سے انداز نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"ارے گھبرا گئیں نا ... دیکھو وہ سامنے۔ سرخ پھولوں سے لدے اس پیڑ —— سے ذرا اوپر ہلکی اجلی روشنی پھیل رہی ہے ... ابھی کچھ دیر قبل یہ روشنی وہاں نہ تھی صرف ایک نیلگوں سا مدھم بھیگا ہوا ماحول تھا مگر اب روشنی نے اس بھیگی ہوئی فضا کو نمایاں کر دیا بالکل تمہاری طرح ... جیسے رات کو تمہارا چہرا آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور اب دن کی روشنی میں نہا کر چمک رہا ہے" اعزاز نے بے اختیار ہی اسے تھام کر خود سے قریب کر لیا اور وہ بے طرح گھبرا کر اسے دھکیل کر دور چلی آئی۔ اسے اپنے رات کے سونے پر جو ملال تھا وہ اعزاز کی اتنی شاندار پذیرائی اور کھلی ہوئی تعریف سے رفع ہو گیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک

شرمیلی دلفریب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی اعزاز پھر اس کے نزدیک آگیا تھا اس نے اسے دیکھا اور بس اتنا ہی کہا کہ "آئم ساری" کیونکہ اس کے علاوہ وہ دوسرے لفظوں میں اس سے بالکل بھی معذرت نہ کر سکتی تھی۔

اعزاز کے مثبت اور حوصلہ افزا رویے نے اس کے دل سے ہر خدشے کو مٹا دیا ساتھ ساتھ ایک فخر اس کے رگ و پے میں اترتا چلا گیا اس نے پہلی ہی رات، پہلی ہی ملاقات میں بنا اپنا جلوہ دکھائے، بنا ناز و انداز دکھائے اپنے شوہر اعزاز احمد کو اپنا اسیر کر لیا تھا حالانکہ اس کی کبھی ایسی کوئی خواہش نہ رہی تھی کہ وہ اپنے وجود کے آگے کسی کو زیر کر دے مگر اعزاز احمد کے ستائشی الفاظ نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ اس نے بنا جدوجہد کے اعزاز احمد کو تسخیر کر لیا ہے مگر بہرحال یہ اس کی سسرال تھی بھرا پرا گھر تھا جہاں ساس کے ساتھ ساتھ دو نندیں کوثر اور ثروت بھی رہتی تھیں اور دونوں ہی ابھی کنواری تھیں اب تک انہیں ان کے نصیب کا بر نہ مل سکا تھا۔ جیٹھ صاحب نچلی منزل پر رہائش پذیر تھے۔ ثروت اور کوثر نے اسے اگلی صبح پھر نئے سرے سے سجا سنوار دیا تھا اور اسے اس کی خوابگاہ سے لا کر ساس کے چھپر کھٹ پر بٹھا دیا گیا تھا مہمان ابھی موجود تھے اور رات ہونے والے ولیمہ کی ہنگامہ خیزی کے آثار بھی ابھی سے شروع ہو گئے تھے اس کی تمام خالہ ساسیں، تائی، تائی ساسیں، اور نہ جانے کتنی ہی رشتہ دار ساسیں معہ اپنے کنبوں، بہو بیٹیوں کے ساتھ مہمان بن کر رکی ہوئی تھیں۔ صبح کے گیارہ بج چکے تھے مگر ناشتے کا دستر خوان اب تک نہ سمٹا تھا۔ رات کی بانسبت نور الصباح اب بہت بہتر محسوس کر رہی تھی دل و ذہن پر چھائی اداسی بھی وقتی طور پر رفع ہو گئی تھی اس وقت وہ بہت تازہ دم سی نکھری نکھری خوشبوؤں میں بسی بیٹھی ہوئی تھی اور کچھ ہی دیر بعد وہ اس ناگوار فریضے سے یعنی گردن جھکا کر بیٹھنے کے عمل سے اکتا گئی اس سے بہتر تو وہ اپنے کمرے میں اعزاز کی سنگت میں خوش تھی جو اپنے چھوٹے چھوٹے خوشنما فقروں سے اس کے دل کو گل و گلزار بنا رہا تھا اعزاز واقعی اس کے لیے "اعزاز" ثابت ہوا تھا اللہ کا انعام، اعزاز نے اس کا سلیٹ کی مانند صاف دل ایک ہی بازی میں جیت لیا تھا اور وہ اس جیت پر بہت نازاں تھی اور بے خودی کی کیفیت میں بیٹھی اسے ہی سوچے چلی جا رہی تھی۔

"ارے بھائی ایسی بھی کیا نزاکت؟ دلہن بیگم تو پہلے ہی مرحلے پر بے ہوش ہو گئیں۔" ایک کرخت آواز کا سرگوشی نما تبصرہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تو وہ چونکی ہو کر بیٹھ گئی۔

"بھئی وہ سنا نہیں تم نے کہ نخرہ گوری دا۔۔۔ وے نخرہ گوری دا۔۔۔" کسی منچلی شوخ لڑکی نے قصداً اونچی سرگوشی کی اور پھر کھی کھی کی آواز میں تمسخرانہ ہنسی گونج اٹھی۔ دلہن بنی نور ۔۔۔ تلملا کر رہ گئی۔

"بہت ہی جاہل رشتہ دار ہیں اعزاز کے" اس نے کلس کر سوچا۔

"بھئی ہم اچھے رہے۔ وہاں گرمی میں ۔۔۔ دولہا دلہن کے لیے ناشتا بنایا اور اعزاز نے آرام سے کہہ دیا کہ میں نے تو ناشتا کر لیا۔" اس کی ساس نے آ کر دہائی مچائی۔

"تو بھلا! دونوں نے پہلے ہی دن خود ہی ناشتا بھی کر لیا۔" کسی نے اکسانے کی بھرپور کوشش کی۔

"اے ہاں چلو اچھا ہے۔۔۔ ہماری ذمہ داری تو کم ہوئی نا۔۔۔ اب وہ جانیں اور ان کے میاں۔۔۔ ہم تو خاطر ہی کر رہے تھے۔۔۔ رات کو رسمیں رہ گئی تھیں۔۔۔ طبیعت جو خراب تھی ان کی۔۔۔" اس کی ساس نے اپنے بھاری تن و توش کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے بالکل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے قصداً اسے سنایا اور پھر سلگ کر رہ گئی اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ فجر سے پہلے جب پورا گھر پڑا سو رہا تھا تو وہ بھوکی بیٹھی کیا سب کا انتظار کرتی رہتی۔ مگر ابھی کہنے کا موقعہ نہ تھا البتہ کچھ دیر قبل اعزاز کی نوازشوں پر خوشیوں کے جن ہنڈولوں میں وہ جھول رہی تھی ساس صاحبہ کے الفاظ نے اسے یہ باور کرا دیا کہ اسے جھولا جھولتے ہوئے پینگیں بہت سنبھل کر لینی پڑیں گی اعزاز نے بے شک اسے دل

کے سنگھاسن پر بٹھایا تھا مگر اب اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ اعزاز اور اس کا گھر نہیں بلکہ اس کی سسرال ہے۔

وہ میکے پہنچی تو اپیا نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"اف میں تو ڈر رہی تھی کہ اس نادان لڑکی کا جانے کیا ہو۔۔۔ مگر آثار بتا رہے ہیں کہ قلعہ فتح ہو گیا ہے۔" اپیا نے شوخی سے اسے چھیڑا وہ بری طرح جھینپ گئی آسودگی اس کے چہرے سے شعاعوں کی صورت میں پھوٹ رہی تھی۔ اناری رنگ کے لباس میں وہ خود بھی تر و تازہ سی انار لگ رہی تھی مگر اگلے ہی پل جب اس نے کارنس پر رکھی امی کی مسکراتی تصویر دیکھی تو ایک بار پھر احساس زیاں سے مغلوب ہو کر اس کا ننھا سا دل پسیج گیا اور اس نے اپیا کے گلے لگ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا کہ اب تو اس کا سب کچھ اپیا ہی تھیں۔ اپیا اسے بہلاتی ہی رہ گئیں مگر اسے شدت کے ساتھ امی یاد آ رہی تھیں۔ ان کے نرم ہاتھوں کا لمس، ان کی مہربان مسکراہٹ اور ان کی دعائیں۔۔۔ جن سے وہ اب محروم ہو چکی تھی چھ ماہ قبل ہی اس کی امی اس دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں مگر چونکہ ایک نیک کام اپنے ہاتھوں سے کر گئی تھیں اس لیے اس نیک کام میں تاخیر نہیں کی گئی اور جیسے تیسے کر کے وقت مقررہ پر ہی اس کی رخصتی عمل میں لائی گئی بس اتنا فرق پڑا کہ وہ دھوم دھام نہیں کی گئی جو عام طور پر شادیوں میں کی جاتی ہے مختصر سے لوگوں میں سادگی کے ساتھ اس کی شادی کا فریضہ ادا کر دیا گیا۔ مختصر افراد کی وجہ سے شادی کی تقریب بھی گھر پر ہی رکھی گئی اس کی امی نے اپنی زندگی میں اعزاز احمد کے ساتھ اس کا رشتہ طے کیا تھا اور شادی کا دن اور تاریخ بھی انھوں نے ہی رکھے تھے مگر پھر زندگی نے ان سے وفا نہ کی اور وہ ایکا ایکی ہی دنیا سے یوں منہ موڑ گئیں کہ نازک سی نور الصباح ساکت بیٹھی دیکھتی رہ گئی۔ امی کے انتقال کے دو دن بعد اسے زبردستی رلایا گیا ورنہ اس سے قبل تو اس کی دیوانوں کی سی حالت ہو گئی تھی۔ سب ہی اسے رلانے کی کوشش کرتے ہوئے رو دیے تھے خصوصاً اپیا کا تو برا حال تھا کیونکہ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اگر اس کی آنکھ سے آنسو نہ نکلے تو شاید اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے اور جب اس نے رونا شروع کیا تب ہی اپیا کے آنسو تھمے تھے اپیا اس سے چھ برس بڑی تھیں اور تین سال قبل ہی ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان کی شادی کے بعد وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی تھی کیونکہ یہ صرف دو بہنیں تھیں کوئی اور بھائی بہن نہ تھا تب غیر محسوس طریقے سے امی اس سے قریب تر ہوتی چلی گئی تھیں مگر اب جس موڑ پر اسے تنہا چھوڑ کر گئی تھیں تو اسے صبر نہ آ رہا تھا۔ ان کی باتیں یاد آ آ کر اسے تڑپا رہی تھیں۔ اس کے جہیز کے بیشتر جوڑے جو اس کی امی کی ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت تھے اس کے کامدار بھاری جوڑے جو انہوں نے خود اپنی پسند سے خریدے تھے مگر اسے رخصت کرنے سے پہلے وہ خود رخصت ہو گئی تھیں اور نور الصباح کے دل کو کسی طور قرار نہ آ رہا تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ اس کی شادی کو ابھی ٹال دیا جائے مگر اس کی تباہ حالی کے پیش نظر اس کے والد ۔۔۔ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی شادی کو وقت مقررہ پر ہی کیا جائے تاکہ وہ بھی دنیا میں ممکن ہو جائے ان کا فیصلہ کسی حد تک صحیح تھا مگر نور الصباح کا رو رو کر برا حال ہو چکا تھا۔ ایک ایک پل ایک ایک قدم پر اسے شدت سے امی یاد آ رہی تھیں، سونے کا وہ خوش نما سیٹ جو امی نے اس کے ساتھ جا کر جیولرز کی دکان سے خریدا تھا۔ مقیش کے کام کا بھاری کام دار جوڑا جو امی کے ساتھ بیٹھ کر اس نے خود سیا تھا۔۔۔ اور ایسی ہی بے شمار چیزیں تھیں جو اسے رلائے جا رہی تھیں یہی وجہ تھی کہ شدت گریہ نے اس کے ذہن پر برے اثرات مرتب کیے اور وہ شادی کی رات بے ہوش ہو گئی۔

اعزاز نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی وہ جب چاہے میکے جا سکتی تھی مگر یہ اس کے لیے خود ہی ممکن نہ تھا عام دنوں میں بابا جی گھر میں نہیں ہوتے تھے اپنے کام پر چلے جاتے تھے بوڑھی دادی بستر پر سکڑی لیٹی اللہ اللہ کرتی رہتیں اور ملازمہ ان کے تمام کام انجام دیتی

رہتی۔ ابا اپنے گھر اور بچے میں لگی رہتیں عموماً" وہ ویک اینڈ پر اعزاز کے سنگ ہی چلی جاتی یا پھر ابا کسی دن صبح اسے فون کر کے میکے پہنچنے کی ہدایت کر دیتیں۔ کیونکہ وہ بھی میکے میں اکیلے آ کر بوریت محسوس کرتی تھیں۔ اس دن وہ شدید بور ہو رہی تھی اعزاز کی لائی ہوئی کیسٹس سن سن کر اس کا دل بھر گیا تھا گھر میں ابھی اس کے ذمے کوئی خاص کام نہ تھا فارغ ہی فارغ تھی کوثر اور ثروت عجیب نخوت بھرے انداز رکھتی تھیں اس لیے ان سے بات کرتے ہوئے وہ ہچکچاتی تھی ساس منہ میں گڑ کی ڈلی رکھ کر خاموش بیٹھی ٹکر ٹکر ادھر ادھر نظر دوڑاتی رہتیں۔ ان کے بھاری تن و توش کی وجہ سے ان کا بے ڈول سراپا زیادہ جنبش نہ کرتا تھا عموماً" بیٹھی ہی رہتیں۔ پھولے پھولے ابھرے ہوئے گالوں کی وضع ایسی تھی کہ جنہیں دیکھ کر نور الصباح کو گمان ہوتا تھا کہ شاید وہ منہ میں گڑ کی ڈلی رکھے بیٹھی ہیں۔ نور الصباح سے ان کا رویہ ابھی نپا تلا سا تھا اور وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان ایک حد قائم رکھے کیونکہ ولیمہ والے دن وہ ان لوگوں کی زبان کے مظاہرے دیکھ چکی تھی بوریت کا عالم شدید ہو گیا تھا دراصل پچھلے دس دنوں سے وہ ابا سے بھی نہ مل پائی تھی کیونکہ وہ ان دنوں اپنی سسرال میں کسی شادی میں مصروف تھیں۔ ٹی وی لاؤنج میں رکھا ہوا تھا جہاں اس کی ساس کی اجارہ داری تھی شام کے وقت وہ اکثر ٹانگیں پسارے وہیں لیٹی ہوتیں یا موٹے فریم کی عینک لگا کر بچوں کا کوئی پروگرام دیکھ رہی ہوتی تھیں۔

اس وقت بھی وہ وہاں آنکھوں پر ہاتھ رکھے سو رہی تھیں وہ اسی بے چینی کی کیفیت میں کمرے سے باہر چلی آئی نچلی منزل سے اس کی جٹھانی کشور کے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس نے پنجوں کے بل اچک کر دیوار سے اوپر ہو کر نیچے جھانکا تو ارشد اور سمیرا کھیلتے ہوئے نظر آ گئے۔ دونوں نے چاک سے زمین پر نقشہ کھینچا ہوا تھا اور پہل دوج کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے ارشد نے بے ایمانی سے ایک اٹھی ہوئی ٹانگ کو زمین پر رکھ کر اکٹھے دو خانے پھلانگ لیے سمیرا نے شدومد سے مخالفت کرنی شروع کر دی دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی نور الصباح مسکرا دی دل بے اختیار ہی ننھے بچے کی طرح مچلنے لگا اس کا دل چاہا کہ نیچے جا کر ان دونوں کی صلح کرائے اور خود بھی ان کے کھیل میں شامل ہو جائے مگر اب اسے خود پر قابو رکھنا تھا کیونکہ اب وہ ذمہ دار اور شادی شدہ تھی۔ امی کے انتقال سے کچھ دن پہلے تک وہ بھی ننھی بچی کی طرح بہت تیز بھاگتی تھی۔ رسی کودتی تھی، چھوٹے بھائی نوبل کو گدگدا کر خود بھی لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی جب اس کی بات طے ہوئی تھی تب ابا نے بڑی فکر مندی سے کہا تھا کہ۔۔۔

"خدا جانے اس کھلنڈری کا کیا ہو گا، اسے کب عقل آئے گی" پھر اچانک اس کی طرف رخ ہو گیا تھا۔

"اب تو سدھر جاؤ۔۔۔ اب چھوڑو اس کھیل کود کو اور گھر داری پر توجہ دو۔۔۔ امی آپ اسے کچھ نہیں کہتیں مجھے تو ڈانٹ ڈانٹ کر باورچی خانے میں بھیج دیا کرتی تھیں۔" وہ امی سے کہتیں مگر امی مسکراتی رہتیں اور لاڈ سے اسے دیکھتی رہتیں۔

"کچھ دن تو ہیں آزادی کے خوش ہو لینے دو اسے۔"

اسی وقت اس کا خالہ زاد عمران ہانک لگاتا ہوا آ جاتا "پارٹنر۔۔۔ پارٹنر کہاں ہو تم۔۔۔ چلو جلدی سے میچ کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اور وہ فوراً" ہی بیٹ سنبھال کر کرکٹ کھیلنے لگتی۔ چونکہ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا اس لیے عمران کو وہ اپنا بھائی ہی سمجھتی تھی اور دونوں بچپن سے اسی طرح کھیل کود کر جوان ہوئے تھے عمران اس کا ہم عمر تھا اس لیے تعلیمی مراحل میں بھی دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اس لیے اور زیادہ قریب آتے گئے پہلے وہ اس کے برابر کا ہی لگتا تھا مگر اب کچھ دنوں سے اس کا قد زیادہ نکل آیا تھا۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت بڑا دکھائی دیتا تھا مگر اس کے باوجود بھی دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ خالہ کا گھر دو تین بلاک کے فاصلے پر تھا اس لیے آمد و رفت میں بھی دقت پیش نہ آتی تھی بچپن میں وہ اپنی ساری دوپہر عمران کے ساتھ کسی نئی دریافت کی ایجاد پر صرف کر

دیتی یا پھر کسی بھی بلی کے بچے پر خوب طبع آزمائیاں ہوتیں اسے نہلا دھلا کر امی کی کچن باسکٹ میں گھاس پھوس کا بستر بنا کر اس پر لٹا کر دھوپ سنکوائی جاتی جب بعد میں امی کو پتہ چلتا تو سر تھام لیتیں۔

"خدا تمہیں عقل دے نور۔" وہ زچ آ کر یہی کہتی تھیں۔

سوچتے سوچتے وہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ یادوں کے جگنو آنکھوں سے چمکنے لگے تبھی اس کی ساس نے پشت پر سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ رو کیوں رہی ہے۔" عجیب کوڑا مارنے والا انداز تھا۔

"جی کچھ نہیں ایسے ہی۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔

"بری بات ہے ہر وقت آنسو نہ بہایا کرو" انہوں نے نہ جانے کیا سمجھانا چاہا تھا مگر وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔ وہ اعزاز کے سنگ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ نور الصباح کو اعزاز کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی اور وہ جانتی تھی کہ گھر کے خرچے کا دارومدار اعزاز پر ہے کیونکہ بڑے بھائی تو علیحدہ ہی رہتے تھے اسی لیے ماں بہنیں اعزاز سے دب کر رہتی تھیں دونوں نندوں کی تنک مزاجی اور تندی صرف اسی وجہ سے کم تھی اور ساس تو ویسے ہی کم بولتی تھیں مگر جب وہ خاموش بیٹھ کر چاروں طرف تفتیشی انداز میں نظریں گھماتی تھیں تو نہ جانے کیوں نور الصباح کو خوف سا آنے لگتا وہ اپنی ذات کے خول میں قید تھی اور اس خول کو صرف اعزاز نے ہی چٹخایا تھا وہ اس کے بہت قریب تھا۔۔۔ شاید رگ جاں سے بھی قریب۔۔۔ رات دیر تک وہ اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ ہولے ہولے دن بھر کی سوچوں اور باتوں کو اس کے گوش گزار کر دیتی تھی یا کبھی کسی اندھیری سڑک پر اس کا ہاتھ تھام کر چہل قدمی کے لیے نکل جاتا جہاں خاموشی کا راج ہوتا تھا صرف نور الصباح کا دھڑکتا ہوا دل ہوتا اور اعزاز کی خاموشی وہ سگریٹ پھونکتا رہتا مگر اس لمحے وہ دونوں خاموشی ہی کی زبان میں بہت سے اظہار کر جایا کرتے تھے پھر نہ جانے کیسی ہوائیں چلنا شروع ہوئیں جن کی زد میں نور الصباح اس بری طرح آئی کہ ہوا کے زور سے اڑتے ہوئے پتے کی مانند اس کا دل بھی اڑنے لگا۔

نیم تاریک کمرے میں وہ بری طرح سسک رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ خود کو بے قصور کیسے ثابت کرے۔۔۔ اپنے جھوٹ کی صفائی کیسے دے۔۔۔ اعزاز نے تو اس پر ایک نگاہ غلط ڈالنی بھی گوارا نہ کی بس لفظوں کوڑے مار کر اسے لہولہان کر دیا۔

"میں نے تم پر اعتبار کیا مگر تم نے میرا اعتبار ریزہ ریزہ کر دیا۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر خود کو میری نظروں سے گرا لیا ہے۔۔۔ تم نے میرے خالص جذبوں کی توہین کی ہے۔۔۔ مجھے میرے گھر والوں کے آگے چھوٹا کر دیا میں نے تمہیں مان دیا تمہیں چاہا، تمہیں ہر سہولت دی، تمہاری دلجوئی کی مگر تم نے کیا کیا جواب میں مجھے کیا دیا بے اعتباری، دردسری اور ایک عمر کی پشیمانی میں نے تمہیں کیا سمجھا اور تم کیا نکلیں۔۔۔" بلا کسی جھجک کے اعزاز نے اسے لتاڑ کر رکھ دیا۔

"مگر۔۔۔ میری بات تو سنیں" وہ کپکپاتی آواز میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔

"بس۔۔۔ مجھے کچھ نہیں سننا۔۔۔ بہت بیوقوف بنا لیا تم نے مجھے اور اس کل کے چھوکرے نے" وہ غیض سے جاتے جاتے پلٹ کر بولا تھا اور نور الصباح کا ننھا سا دل کانپ اٹھا چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بن گیا تھا جس میں سراسر قصور خود اسی کا تھا۔ اپنے ہی جال میں وہ اس بری طرح پھنسی تھی کہ پھڑپھڑاتی ہی رہ گئی۔ وہ اعزاز کے سامنے ٹوٹ کر روئی۔۔۔ اسے اپنا یقین دلانے کی کوشش کی اس سے معذرت کی اپنی چھوٹی سی کوتاہی پر شرمندگی ظاہر کی مگر وہ تو پتھر کا ہو گیا تھا۔۔۔ سنگدل بن کر اسے آنسو بہاتے دیکھتا رہا اور ان چار دنوں میں سارا ہی گھر اس کا تماشا دیکھتا رہا۔ چار دن سے وہ مسلسل رو رہی تھی اور سزا کے طور پر خود کو زیادہ تر کمرے ہی میں محصور کر لیا تھا کہ اس کے اندر ساس کی کاٹ دار نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی اس وقت وہ گھر میں سب سے کمزور مہرہ تھی۔ وہ جس کی شہہ پر بہت فخر

سے سر اٹھا کر بات کرتی تھی آج اسی کے ہاتھوں بری طرح پٹی ہوئی تھی۔

"سارا وقت روتی رہتی ہے.... جب سے آئی ہے روتی رہتی ہے.... سارے گھر میں رونا ڈال دیا...." ساس کی ناگوار تنقید نے اس کے من کو بوجھل کر دیا۔ اس فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا کوئی بھی تو اس کا غمگسار نہ تھا اعزاز نے اس سے بات چیت ترک کر دی تھی رات کو بھی وہ بازو آنکھوں پر رکھ کر سو جاتا اور نور الصباح امید و بیم کی کیفیت لیے صبح کر دیتی کہ شاید اب اعزاز اس سے بات کرے، مگر وہ تو اس سے بہت بری طرح خفا تھا کہ اس سے بات کرنے کا روادار نہ تھا اس نے اس کے کپڑے الماری سے نکالنے چاہے مگر اس نے ہاتھ سے دھکیل کر اسے ہٹا دیا، وہ صبح کا ناشتا بنا کر لائی مگر اپنی چائے کا کپ اٹھا کر وہ دور صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور اخبار میں گم ہو گیا۔ نور الصباح کو یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ وہی اعزاز ہے جس نے اس کے روتے ہوئے حسن کے قصیدے پڑھے تھے اس پر یقین کی منزل آسان بنا دی تھی۔ باقی گھر والے تو جیسے منتظر ہی بیٹھے تھے بات نکلی نہیں اور اسے بڑھانے میں دیر بھی نہیں کی گئی۔ یوں تو سارا قصور اسی کا تھا مگر بات بہت معمولی تھی وہ اعزاز کو اپنے انداز میں سمجھا سکتی تھی مگر یہاں تو اس کی جٹھانی اور نند کوثر نے عینی گواہ کے طور پر اپنی گواہی دی تھی اور خود اعزاز نے بھی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر بات بگڑتی چلی گئی اور نور الصباح اپنا دفاع نہ کر سکی۔ اس وقت اسے شدت سے ایسے کاندھے کی ضرورت تھی جس پر سر ٹیک کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکے مگر اس کی بدقسمتی تھی کہ ان دونوں اپیا بھی اپنے شوہر کے ساتھ بزنس ٹور پر بنکاک گئی ہوئی تھیں۔ اور اس دکھ اور تنہائی کے عذاب کو جھیلنے کے لیے وہ اکیلی ہی یہاں رہ گئی تھی۔ وہ جسے اعزاز پر بڑا مان تھا مگر اعزاز نے اس سے یہ مان بھی چھین لیا تھا۔

اس کی صبح کا آغاز بھی آنسوؤں سے ہو رہا تھا اور رات کا اختتام بھی اسے حیرت تھی کہ اعزاز کو اب تک بھیگے ہوئے موسم کے بعد نکلنے والے دن کی روشنی نے مسحور کیوں نہ کیا۔ سب اپنے دھندوں میں لگے ہوئے تھے ایک وہی زہاں نصیب رہ گئی تھی آنسو بہانے کے لیے۔

ایک دن جب اس کی نند کوثر اور جٹھانی بازار کا چکر لگانے گئیں تو ساتھ ہی نور الصباح کی قسمت کا چکر شروع ہو گیا۔

بہت گھبرا کر اس دن وہ اعزاز کے ساتھ صبح ہی میکے چلی گئی تھی ابا کی آمد کے ابھی کوئی آثار نہ تھے اسے بھی اپنے کچھ کپڑے اپنے خاص ٹیلر کو دینے تھے جس سے شادی سے قبل بھی اپنے کپڑے سلواتی تھی۔ اعزاز نے شام میں آنے کا کہا تھا۔ سوئے اتفاق اس دن عمران بھی دادی کی خیر سلا کو چلا آیا اور نور الصباح تو جیسے موقع مل گیا شکایت کا "کتنے بے وفا ہو.... پلٹ کر خبر نہ لی تم نے اپنے پارٹنر کی...." اس نے خفگی سے کہا وہ ہنسنے لگا۔

"بھئی اب تو زندگی کا اصل پارٹنر مل گیا تمہیں پھر ہم جیسوں کی کیا ضرورت" وہ الٹا اسی پر چوٹ کرنے لگا۔

"کیوں نہیں ہے.... تمہاری جگہ میرے دل میں اب بھی ہے، تم ہی نے بھلا دیا، بھول کر آئے بھی نہیں خیریت پوچھنے" اس نے شکوہ کیا۔ "پگلی.... شادی کر لی بڑی نہیں ہوئیں.... ارے بھئی وہ تمہاری سسرال ہے، خوامخواہ میں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلا آتا.... یا خدانخواستہ تمہیں اپنی سسرال میں میرے ساتھ کرکٹ میچ کھیلنا تھا" اس نے چھیڑا نور الصباح منہ بسور کر رہ گئی۔

"اچھا اب تم میرے ساتھ چلو، مجھے سپر مارکیٹ جانا ہے.... پلیز لے چلو ورنہ اکیلے ہی جانا پڑے گا" اس نے اصرار کیا تو عمران کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ بہت دن بعد اسے یہ آزادی بہت بھائی۔

"چلو اب میرا کام تو ہو گیا اب مجھے آئس کریم کھلاؤ۔" کپڑے ٹیلر کو دینے کے بعد اس نے فرمائش کی۔

"لو.... پھیل گئیں نا مجھے تم سے یہی دھڑکا تھا"

عمران نے گاڑی کا رخ سپر مارکیٹ کے عقبی حصے کی طرف کر دیا جہاں بہت سی فاسٹ فوڈ کی دکانیں اور آئسکریم کارنر تھے۔ اس نے مزے سے آئس کریم اس کے ساتھ بیٹھ کر کھائی تھی مگر جب وہ بل ادا کر رہا تھا تو اچانک ہی کسی کار کے ٹائر تیز آواز میں چرچرائے اور ساتھ ساتھ ہی نور الصباح کی باریک سی دل خراش چیخ بھی سنائی دی۔ وہ گھبرا کر پلٹا ہی تھا مگر نور الصباح دوڑ کر سڑک کے وسط میں پہنچ چکی تھی اس نے اپنے ہاتھوں میں زخمی بلی کا بچہ اٹھایا ہوا تھا۔ "اسے... اسے چوٹ لگ گئی عمران... یہ زخمی ہے... پلیز کچھ کرو" وہ بچے کی حالت پر تڑپ گئی۔

"اوہ... واٹ رٹش... کیا بات کر رہی ہو اسے یہیں کسی کونے میں ڈال دو جینا ہو گا تو جی لے گا ورنہ مر جائے گا۔" عمران کے الفاظ پر اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "عمران... یہ زندگی کا معاملہ ہے اس کی" وہ سمجھانا چاہ رہی تھی۔

"نور... دیر ہو رہی ہے اسے چھوڑ دو' یہاں انسانی زندگی کی کسی کو پرواہ نہیں یہ تو پھر بلی کا بچہ ہے۔" عمران کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"ٹھیک ہے... تم جاؤ میں اسے کلینک سے دکھا کر ہی آؤں گی" وہ قطعیت سے بولی عمران نے زچ ہو کر اسے دیکھا "بہت ضدی ہو تم۔" وہ بڑبڑایا اور نہ چاہتے ہوئے بھی نور کے ساتھ مل کر اس نے اس معصوم سے سفید بلی کے بچے کو فوری توجہ دے کر اس کی جان بچالی۔ اس کی نم آنکھوں کو دیکھ کر عمران ہنس پڑا۔

"تمہاری دردمندی تو کسی لاعلاج مرض کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے سوچ لو... آج کل کے منافقت بھرے ماحول میں تم جیسی مخلص و بے ریا لڑکی کو سب بیچ کھاتے ہیں۔" عمران نے تنبیہہ کرتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی تھی۔

"وقت بہت لگ گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ گھر جاؤ گی یا سسرال..." اس نے اس کی رضا پوچھی۔

"گھر ہی جاؤں گی... شاید اعزاز مجھے لینے آ گئے ہوں گے" اس نے وقت دیکھا تو چونکی۔

اتنی جلدی واپس آ جاتے ہیں آفس سے" عمران نے سرسری پوچھا۔

"نہیں... انہیں آج اس طرف کوئی کام تھا' اس لیے کہنے لگے کہ واپسی پر مجھے لے لیں گے۔" اس نے تفصیلاً بتایا۔

"ہوں... انہیں کیا بتاؤ گی اپنی حماقت کے بارے میں کہ میں بچوں کی طرح اب بھی بلی کے بچے سے خوش ہوتی ہو۔" عمران نے اس کی گود میں سکڑے سمٹے بلی کے بچے کو دیکھ کر کہا اور وہ یہ سوچ کر بوکھلا گئی۔ اچانک ہی اسے اپیا کے کہے ہوئے الفاظ یاد آ گئے۔

"چندا اب تم ذمہ دار ہو گئی ہو... اعزاز کے سامنے ایسی بچکانہ حماقتوں سے گریز کرنا ورنہ بہت جلدی اپنا مقام کھو دو گی" وہ سوچ میں پڑ گئی گھر آ گیا تھا۔ پورچ میں اعزاز کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے اچانک ہی ایک فیصلہ کیا۔

"اس بلی کے بچے کو میری امانت سمجھ کر کچھ دن ٹریٹ منٹ کے لیے اپنے پاس رکھ لو۔ اگر کوئی ڈھونڈتا ہوا آئے تو بے شک دے دینا ورنہ تم پال لینا... ثواب ملے گا۔" اس نے جلدی جلدی فیصلہ صادر کر دیا۔

"اور اعزاز سے کیا کہو گی" اس نے پوچھا "میں ان سے کہہ دوں گی کہ میں اکیلی ہی مارکیٹ تک گئی تھی۔ اب تم جاؤ پلیز ورنہ وہ یہ بلی کا بچہ دیکھ لیں گے۔" اس نے جلدی جلدی بہانہ ترتیب دیا۔

"اچھی بات ہے جناب پھر میں چلتا ہوں خدا حافظ۔" اس کی امانت بلی کے بچے کو کار کی سیٹ پر ڈال کر عمران نے گاڑی آگے بڑھا دی اور وہ مگن سی اندر چلی آئی۔ اعزاز اس کا منتظر ہی تھا "اتنی دیر کہاں لگا دی... کہاں تھیں... دادی بھی فکر مند ہو رہی تھیں۔" اس نے آتے ہی سوالات کی یلغار کر دی۔

"یہیں سپر مارکیٹ تک گئی تھی۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"اچھا...!" اعزاز نے چونک کر کہا۔ "مگر اکیلے ہی مجھے ساتھ لے لیتیں" وہ جرح پر تلا ہوا تھا اور اب اس کی باتوں سے نور الصباح گھبرانے لگی تھی۔

"جی' یہیں قریب ہی گئی تھی اس لیے..." وہ کمزور سے لہجے میں بولی دل میں بے اندازہ شرمندہ بھی ہوئی کہ ایک جھوٹ بول کر اب اسے دس جھوٹ اور بولنے پڑیں گے۔

"اسی لیے تمہیں دیر ہو گئی..." اعزاز نے جتانے والے انداز میں کہا اس کے سرد لہجے کی ٹھنڈک نے اسے چونکا دیا۔

"گھر چلو... ذرا جلدی۔" وہ حکمیہ بولا نور الصباح کو اس کے انداز میں جارحانہ پن محسوس ہوا۔ سارے رستے وہ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ لب بھینچے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے وہ پراسرار خاموشی لیے بیٹھا رہا اور نور الصباح دل ہی دل میں ہولتی رہی۔ گھر پہنچ کر کوثر کے والہانہ استقبالیہ جملوں سے جیسے اس پر شرم و ندامت سے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"بھئی بھابی کے تو بڑے مزے آ رہے ہیں' آئس کریم اڑائی جا رہی ہے اپنے دوستوں کے ساتھ بازاروں میں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی نور الصباح نے بے طرح گھبرا کر اعزاز کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر شوخ بھرے تاثرات سے وہ بری طرح ڈر گئی تھی اور جب اس نے صفائی دینی چاہی تو اعزاز نے سننا ہی گوارا نہ کیا۔

"تم نے میرے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی ہے... ضرور تمہارے دل میں چور ہے... ورنہ تم مجھے حقیقت بتا دیتیں تو کیا میں تمہیں عمران کے ساتھ جانے سے منع کرتا میں تو تمہیں بہت معصوم سمجھ رہا تھا مگر تم... تم کیا نکلیں' منافق دھوکے باز بہت دھول جھونک لی تم نے میری آنکھوں میں" وہ سلگ کر بولا۔

"پلیز اعزاز میری بات سنیں دراصل۔" اس سے آگے بولا ہی نہ جا رہی تھی۔ آنسوؤں کا گولہ سا پھندہ بن کر حلق میں اٹک گیا۔

"مت دکھاؤ مجھے اپنے یہ جھوٹے آنسو... امی صحیح کہتی تھیں دنیا کا بے وقوف مرد وہی ہوتا ہے جو عورت کے آنسوؤں میں آ جائے' یہ تو میں ہی پاگل تھا جس نے ان کی بات پر دھیان نہ دیا' جانے کب تک

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

تمہاری معصومیت کے فریب میں رہتا۔۔۔ اف اگر میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا تو شاید تمہاری بات پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیتا، مگر تم جیسی مکار لڑکی میں نے پہلی بار ہی دیکھی ہے۔۔۔ بولو تمہارے اس جھوٹ کا کیا جواز ہے۔" اس نے بے طرح اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور نور الصباح اپنی صفائی میں ایک لفظ نہ بول پائی الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔

اعزاز کی بے رخی اور بے اعتباری پر تو اسے اپنی سانسیں بھی اٹکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ پھر بھی جی رہی تھی اعزاز اور اس کے درمیان تلخ کلامی بیڈ روم کے اندر ہوئی تھی مگر سن گن لے کر یہ بات پورے گھر میں پھیلا دی گئی۔

"ارے بھئی نور الصباح تو بڑی ایڈوانس ہو گئیں، اپنے کزن کے ساتھ آئس کریم شاپ پر خوب مزے کیے جا رہے تھے۔" بڑی بھابی نے بھی خوب مزے لوٹے اور اعزاز کی شعلہ بار نگاہوں پر اس کا دل ڈگمگا گیا۔ نظریں دھندلا گئیں اور اسے سارے ہی منظر دھندلے اور مٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اس کا بے ضرر سا جھوٹ پکڑا گیا تھا اور ستم یہ تھا کہ اس کی گواہی دینے والا سوائے عمران کے کوئی دوسرا نہ تھا اور وہ عمران کو اپنے ازدواجی جھگڑے کے تماشے میں ملوث نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ عمران کے کردار پر بھی کیچڑ اچھالی جا رہی تھی۔ بڑی بھابی اور کوثر نے خود اسے عمران کے ساتھ ہنس ہنس کر آئس کریم کھاتے ہوئے دیکھا تھا اور سب سے بڑا ثبوت تو خود اعزاز تھا جس نے سوئے اتفاق۔ اسے عمران کے ساتھ گاڑی میں سفر کرتے دیکھا تھا ساری راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔ امی کے انتقال کے بعد اس کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے اعزاز کی محبت نے پر کر دیا تھا مگر اب وہ پھر تنہا اور اکیلی ہو گئی تھی اس کا غمگسار ہی اس سے روٹھ گیا تھا اور وہ اپنے آپ میں الجھی خود سے لڑ رہی تھی اور اپنی نادانی پر کفِ افسوس مل رہی تھی۔

اعزاز کی بے رخی کے باعث کوثر اور ثروت کی زبان دو دھاری تلوار کی طرح چل رہی تھی ساس صاحبہ کی ٹیڑھی نظریں اس کا دل چھید دیتیں ایسے میں شدت سے اسے اعزاز کی معاونت و ہمراہی کی کمی محسوس ہوتی مگر وہ تو ایسا ہو گیا تھا کہ بیگانے بھی کیا ہوتے ہوں گے پہلے جب وہ اس کے گلرنگ چہرے پر نظر ڈالتا تھا تو نظریں ہٹانا بھول جاتا تھا اور اب اس پر ایک نظر ڈالنے کا روادار بھی نہ تھا۔ سوگواری اس کے پورے وجود پر چھا گئی تھی۔ اپنے ہی گھر میں وہ اجنبی ہو گئی تھی کوئی اس سے بات کرنے کا روادار نہ تھا اور اگر بات کی جاتی تو طنز کے تیر ہی برسائے جاتے۔ نور الصباح کا دل دکھ کر رہ جاتا۔

"ہماری بیٹیوں کے حوصلے کبھی اتنے بلند نہیں ہوئے، کبھی اپنے عمل سے انہوں نے ہماری عزت پر آنچ نہ آنے دی۔" ساس صاحبہ بے لاگ تبصرہ کرتیں۔

"جی امی۔۔۔ صحیح کہہ رہی ہیں، ہم تو خود اس بات کا بہت خیال رکھتے ہیں ہمیشہ جو کام بھی کیا اپنے شوہر کے علم میں لا کر کیا کبھی چھپایا نہیں۔۔۔" بڑی بھابی رسان سے کہتیں اور نور الصباح چاتال میں جا گرتی۔

"دراصل آج کل شادی کے بعد لڑکیوں کے پر پرزے زیادہ ہی نکل آتے ہیں" بڑی بھابی نے پھر گوہر افشانی کی۔ نوالہ نور کے حلق میں اٹک گیا۔ "آئے ہمیں کیا معلوم آج کل تو شادی سے پہلے ہی لڑکیاں نہ جانے کیا کیا کرتی پھرتی ہیں پسند کوئی اور ہوتا ہے شادی کسی سے ہو جاتی ہے۔" ساس کی زہر افشانی سے اس کا خون ابلنے لگتا۔ اس کی معمولی سی بات کو نئے نئے رنگ پہنا دیے گئے تھے کمرے میں آ کر وہ شدت سے رو دی۔۔۔ "تم صحیح کہہ رہے تھے عمران، لوگ تو انسانی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے کجا کہ جانور کی زندگی کو اہمیت دینا" اس نے بے تحاشا آنسوؤں کو بہاتے ہوئے با آواز بلند خیال آرائی کی اسی وقت اسے پشت پر کوئی آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے نیم اندھیرے کمرے میں بغور دیکھا مگر وہاں کوئی نہ تھا البتہ دروازے کا ہلتا ہوا پردہ اور مخصوص کلون کی مانوس خوشبو بتا رہی تھی کہ ابھی ایک سیکنڈ پہلے وہاں اعزاز موجود تھا اور نور

الصباح کا ننھا سا دل بری طرح سے دھڑک اٹھا تھا۔

شادی کے بعد پہلی عید تھی مگر اتنی اجڑی ہوئی اور بے رونق عید کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ بے اختیار ہی اس نے اپنے اجڑے روپ کو دیکھا الجھے بال، روئی روئی ہوئی آنکھیں، ملگجے کپڑے۔ حزن و ملال کے تمام رنگ اس کے چہرے سے عیاں تھے۔ بابا جی نے کئی بار اسے بلاوا بھیجا مگر اس نے عذر ظاہر کر کے آنے سے انکار کر دیا۔ ابا کی غیر موجودگی نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔ اعزاز کے رویے نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ بابا جی نے دو چار بار فون پر ہی اس کی خیریت معلوم کر لی تھی اور ٹیلر کے بھیجے ہوئے کپڑے بھی ماسی کے ہاتھ بھجوا دیے تھے مگر اس کا جی تو کسی چیز میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے بھی یونہی ایک طرف ڈال دیے۔ دل درد سے بوجھل تھا اور جب انسان حد سے زیادہ غمگین ہوتا ہے اور کہیں سے کوئی آسرا نہیں ہوتا تو پھر اسی رب کو صدق دل سے پکارتا ہے۔ موسم بھی پلٹنے لگا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ شروع ہو گئی تھی۔ موسم کہر آلود ہوتا جا رہا تھا۔ گرمی کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ خنکی کے باعث وہ ٹھٹھرتی رہتی مگر ساری ساری رات رب کے حضور سجدہ ریز رہتی۔

"میں بے قصور ہوں الٰہی، میری ایک چھوٹی سی حماقت نے مجھے تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔۔۔ میرا گواہ صرف تو ہے، میری نیت صاف تھی، میرے جھوٹ میں مصلحت تھی میرے دل کا حال تو ہی جانتا ہے۔۔۔ میں تو اس قدر بے بس ہوں کہ اپنی صفائی بھی نہیں دے سکتی۔" وہ شاید آواز کے ساتھ دعا مانگنے لگی تھی مگر بے خبر تھی۔

"میری دردمندی سے تو واقف ہے، تو نیکی کا صلہ بہت اچھا دیتا ہے مگر مجھے یہاں پر صلے میں سوائے رسوائی کے کچھ نہ ملا۔۔۔ تو ہی سبیل پیدا کر۔۔۔ عمران کو اس واقعہ سے بے خبر رکھنا میرے اللہ ورنہ، ورنہ وہ کیا سوچے گا میری سسرال والوں کے بارے میں وہ ان کہی ہوئی باتوں کو کیسے برداشت کرے گا وہ اس الزام کو کیسے سہے گا۔" اسے سب کی فکر تھی پھر ہر رات اس کے سجدے طویل ہوتے چلے گئے اعزاز خاموشی سے اس کے تمام عمل دیکھ رہا تھا مگر اس نے نور الصباح سے رجوع نہیں کیا۔ اس سے اجنبی ہی بنا رہا اور وہ امید و ناامیدی کی کیفیت میں عبادتوں میں مشغول ہو کر آنسو بہا کر اپنا گناہ دھوتی رہی مگر اعزاز کے ٹوٹے ہوئے اعتماد کی کرچیاں نہ جوڑ سکی۔

پھر وہ طویل رات بھی طویل قیام و سجود میں صرف ہو گئی۔ شب قدر کی ستائیسویں شب وہ جس قدر بھی گریہ وزاری کر کے دعا مانگ سکتی تھی اس نے مانگ لی۔ اس نے بارگاہ ایزدی میں اپنی بے گناہی اور پاک دامنی کی گواہی طلب کی تھی اور اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس برکتوں والی شب اس پر رحمتوں کے دروازے وا ہو جائیں گے کہ رمضان شریف کے اس متبرک مہینے کی اس مقدس رات کو مانگی جانے والی دعائیں ضرور مستجاب ہوتی ہیں۔ اس نے اتنے آنسو بہائے تھے کہ اسے یقین تھا کہ ان آنسوؤں کے طفیل اس کا ناکردہ گناہ بھی دھل جائے گا اور شاید اعزاز کے دل پر لکھی بے اعتباری کی تحریر بھی اس کی دعاؤں کے طفیل مٹ جائے گی۔ اس شب اسے جو سرور و اطمینان میسر آیا تھا اس سے قبل اس نے محسوس نہ کیا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 5 خوبصورت ناول

زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	180/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

تھا۔

اگلا دن اس کے لیے مزید کربناک ثابت ہوا اعزاز اپنی دونوں بہنوں کو لے کر شاپنگ پر چلا گیا اور اسے پوچھنے کی زحمت بھی نہ کی نور الصباح کو اپنی ازدواجی زندگی تباہی کے دہانے پر کھڑی محسوس ہونے لگی۔ دعاؤں کے رائیگاں جانے کا خیال ہوا اور وہ ساری توانائی جو اس نے زبردستی وجود میں پیدا کی تھی پھر ختم ہو گئی۔ آس، امید، جوش، یقین سب کچھ پانی کے بلبلے کی مانند بیٹھنے لگا۔ وہ رات گئے تک جاگتی رہی بے چین ہو کر ٹہلتی رہی گھڑی نے پہلے ایک بجایا پھر دو اور پھر نہ جانے کب وہ شکستگی کا احساس لیے یونہی سو گئی اس کا پژمردہ دل بہت اداس ہو رہا تھا کوثر اور ثروت اپنے عید کے کپڑوں اور چوڑیوں میں گم تھیں اور اسے کسی کہنے یا کپڑے کے لیے کسی نے پوچھا بھی نہیں اعزاز کا رویہ ہنوز اس سے اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ مغرب کے وقت سب نے ساتھ مل کر روزہ کھولا اور کچھ ہی ساعتوں کے بعد ہلال عید کی غیر واضح شبیہ نظر آنے لگی، سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے ساس صاحبہ نے بڑی بہو اور پوتے پوتی کو دعائیں دیں، اپنی بیٹیوں کوثر اور ثروت کا ماتھا چوم کر انہیں خیر مبارک کہا اور نورا الصباح تہی داماں بیٹھی رہ گئی۔ اسی دم سر پر سفید جالی دار ٹوپی ٹکائے اعزاز بھی چلا آیا اور ماں کے پاس ہی ٹک گیا نور الصباح اسے دیکھ کر بری طرح خائف ہو گئی ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ رخ موڑ کر وہ خاموشی سے اندر کمرے میں چلی آئی اور ــــ صوفے پر بیٹھ کر بے مقصد ہی اپنے ہاتھوں کا جائزہ لینے لگی اگرچہ اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب نہیں روئے گی مگر ٹپ ٹپ کر کے کئی آنسو اس کے ہاتھوں پر گر پڑے اور اسی وقت اعزاز بہت عجلت میں اندر چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا شاپر تھا۔

"لو بھئی نور، تمہارے عمران نے تمہیں تحفہ بھجوایا ہے۔" اس نے شاپر اس کی گود میں ڈال دیا نور الصباح کو کرنٹ سا لگا اس نے بے اختیار ہی غصے سے شاپر کو نیچے پھینک دیا مگر شاپر کے اندر زبردست سی ہلچل ہوئی اور اچانک ہی سفید رنگ کا بلی کا بچہ میاؤں میاؤں کر کے اس میں سے نکل کر ادھر ادھر بھاگ گئی "عمران نے اسے تمہارے لیے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اب اسے تم ہی پالو وہ تو تھک گیا اسے دیکھتے ہوئے اور ہاں اسی نے مجھے ساری تفصیل بھی فون پر سنائی میں بڑا متاثر ہوا ہوں تمہاری دردمندی اور غریب نوازی سے اور ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں پر شرمندہ بھی ہوں مگر مجھے تم پر غصہ بھی ہے اگر تم فضول سا جھوٹ نہ بولتیں اور یہ بچکانہ حماقت نہ کرتیں تو بات اتنی نہ بگڑتی مگر خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی بہت وقت باقی ہے عمران نے مجھے عین وقت پر حقیقت بتا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کم از کم میں اپنی عید کو رنگین و حسین بنا کر اب منا تو سکتا ہوں۔" اس کی نظروں کی والہانہ تپش سے نور الصباح جھینپ گئی "مجھے امید ہے کہ آج کی چاند رات کے طفیل تم یقیناً" ہر پچھلی بات فراموش کر دو گی" اعزاز کا لہجہ پلٹ کر پھر کھنک دار اور شوخ ہو گیا تھا۔ نور الصباح بے یقینی سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ اس کی دعائیں مستجاب ہو گئی ہیں ہلال عید نے اپنی آمد کی خوشی کے ساتھ ساتھ اس کے گواہ ہونے کا حق بھی ادا کر دیا تھا۔ ہلال عید کی خوب صورت گواہی نے اس کے دامن کو صاف کر دیا تھا آنسو پھر اس کی پلکوں پر چمکنے لگے مگر اب وہ مسکرا بھی رہی تھی۔ اعزاز نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور ایک صحیح قدم اٹھانے پر رب کا شکر ادا کیا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نور الصباح کو کبھی نہیں بتائے گا کہ اس نے اس رات اسے رب کے حضور گڑگڑاتے سن کر خود ہی عمران سے مل کر اصل صورت حال معلوم کی تھی اس مبارک ماہ کے اختتام اور عید کے آغاز نے ان دونوں پر پھر خوشیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔

☼ ☼

ریما علی سید

کتنی حسین زندگی

دیوار پار سے اٹھنے والی 'قورمے' پلاؤ اور کوفتوں کی اشتہا انگیز خوشبو کو اس نے ایک گہری سانس کے ذریعے جیسے خود میں اتارا اور کچن کے دروازے سے ہٹ کے کچھ لمحوں کے لیے صحن میں آکر دائیں جانب کی دیوار کے ساتھ کان لگا کر کھڑی ہو گئی' مگر دوسری جانب سے کسی قسم کی آواز اور چہل پہل نہ پا کر کچھ مایوسی سے واپس اندر کمرے میں آنے کے لیے پلٹ گئی۔

اندر آکر اس نے دیکھا کہ سلیم نہایت مدھم آواز

مکمل ناول

میں فلور کشن پر نیم دراز ٹیلی ویژن پر کوئی حالات حاضرہ کا پروگرام دیکھ رہے تھے جبکہ عالیان اور ایمن یقیناً" دوسرے کمرے میں تھے' وہ چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے انداز کے عین مطابق عالیان اور ایمن وہیں تھے اور ہوم ورک کر رہے تھے۔

"بچوں! ہوم ورک ہو گیا؟" اس نے دہلیز پر کھڑے کھڑے آواز لگائی۔

"نہیں امی!" عالی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' جلدی سے کرلو میں تمہارے ابو کے پاس ہوں۔" وہ کہتے ہوئے پلٹ گئی۔

"بات سنیے!" وہ فلور کشن کو شوہر کے قریب رکھتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔" سلیم نے ہنکارا بھرا۔

"لگتا ہے آج ان کے گھر کسی کی دعوت ہے' لذیذ کھانوں کی خوشبو میں یہاں تک آرہی ہیں۔" وہ بیٹھتے ہوئے سرسری سے انداز میں بولی۔

"کس کے ہاں؟" سلیم نے ذرا کی ذرا ٹی وی اسکرین سے نظر ہٹا کر بیوی کو دیکھا۔

"من موہن سنگھ کے یہاں۔" وہ جل کے بولی۔

"کیوں کیا اسٹار پلس پر ساس بہو کے ڈرامے میں یہ خبر نشر ہوئی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ لگتا ہے سنبل نے آج پھر اپنی ماں' بہن اور بھائی کو کھانے پر بلایا ہے۔" وہ شوہر کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"تو وہ جو بھی کرے ہمیں کیا۔" انہوں نے جواباً" ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہاں بھئی ہمیں کیا۔" اس نے شوہر کی ہاں میں ہاں ملائی۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

"شام میں عالیان بتا رہا تھا کہ چچی شاپنگ پر گئی تھیں ڈھیر ساری شاپنگ کر کے لوٹی ہیں اور میں آپ کو بتاؤں کہ وہ اس طرح چپ چپاتے گھر واپس آئی تھی کہ مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔" اس کے لہجے میں اشتیاق سے زیادہ جلن تھی۔

"حفصہ بیگم! ایک بات تو بتایئے۔" سلیم نے ریموٹ سے ٹیلی ویژن آف کیا اور پوری توجہ بیوی کی جانب کرلی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ بیوی کی نشریات شروع ہو گئی ہیں۔

"آپ کیا سارا دن سنبل کی ٹوہ میں لگی رہتی ہیں کہ وہ کیا پکا رہی ہے؟ اس کے گھر کون آرہا ہے کون جا رہا

ہے؟ وہ خود کب کہاں گئی تھی، کیوں گئی تھی؟" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"اور ہاں! عالی کو اس طرح کی کارروائیوں میں کیوں استعمال کر رہی ہیں آپ؟" وہ کچھ لمحوں کے لیے بول نہیں سکی پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"نہیں میں خدانا خواستہ سنبل کی کرید کیوں کروں گی بڑی بھاوج ہوں خیال رکھنا میرا فرض ہے اور عالی سے میں نے کچھ نہیں پوچھا تھا وہ تو خود ہی اس نے آکر بتایا تھا، وہ عالی اور امی کے لیے بھی چیزیں لائی تھی اس طرح پتہ چلا مجھے۔" اس نے بات بنائی۔

سلیم نے ایک گہری سانس لی۔ بیوی کی باتوں کا متن وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ کچھ ہی لمحوں میں وہ بھی سنبل کی شاپنگ پر جوابی کارروائی کرنے کی خبر ضرور دے گی۔

"تو ہمیں کیا۔" انہوں نے ایک بار پھر وہی جملہ دہرایا جو وہ بیوی کی باتوں پر ہمیشہ بولتے تھے۔

"ہاں بھئی ہمیں کیا۔ وہ اپنے گھر کی مالک ہے جو مرضی آئے کرے۔" وہ بھی انتہائی سکون سے بولی اور سلیم کے شک کو مزید تقویت ملی۔

"ویسے آپ ندیم کو سمجھاتے کیوں نہیں؟" وہ لہجے کو سرسری بنا کر بولی۔

"کیا سمجھاؤں؟" وہ جز بز ہوئے۔

"یہی کہ وہ بیوی پر کچھ تو کنٹرول کرے۔ اپنی حق حلال کی کمائی وہ بیوی کے ایک ہی اشارے پر لٹا دیتا ہے۔" وہ اصل بات پر آئی۔

"تم آج تک سمجھی ہو جو وہ اپنی بیوی کو سمجھائے۔" وہ چڑ کر بولے۔

"کیا مطلب۔" وہ انجان بنی۔

"نہایت صاف مطلب ہے۔ تم نے کبھی ہاتھ روک کر خرچ کیا ہے ہر مہینے تو تم بھی شاپنگ کے لیے جاتی ہو ضروری اور غیر ضروری اشیا پر روپے برباد کرتی ہو اور سنبل اس معاملے میں تمہاری ہم مزاج ہی تو ہے جب میں تمہیں نہیں روک پاتا تو ندیم کیسے روکے گا؟" ان کا لہجہ خود بخود سخت ہو گیا۔

"ویسے تو ہر وقت یہ خبر نشر کرتی رہتی ہو کہ آج فلاں چیز کی اتنی قیمت بڑھ گئی ہے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں روپیہ بلاوجہ ضائع کرتی ہوں، آپ یہ بتائیے جو کچھ آپ میری ہتھیلی رکھتے ہیں، اسی کو میں آپ بچوں اور اس گھر پر خرچ کرتی ہوں، سنبل کی طرح نہیں ہوں میں کہ جب چاہا پرس کندھے سے لٹکایا اور نکل گئی بازاروں کی خاک چھاننے۔" وہ بے حد برا مانتے ہوئے بولی۔

"بے مصرف تو میں کبھی خرچ نہیں کرتی۔"

"ارے بھابھی کہاں ہیں آپ۔" سلیم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ صحن سے آتی آواز پر خاموش ہو گئے۔

"بھابھی! بھابھی جان کہاں ہیں آپ۔" آواز مستقل آ رہی تھی۔ حفصہ نے نہایت تعجب سے شوہر کو دیکھا۔

"الٰہی رحم کرے! آج میری یاد کیسے آ گئی شہزادی صاحبہ کو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ سلیم نے ٹی وی وہاں آن کر لیا۔

"کیا ہوا بھئی؟ یہ آج سورج تو مشرق سے ہی طلوع ہوا تھا اور غروب بھی مغرب میں ہی ہوا ہے پھر ایسا کیا ہو گیا جو شہزادی صاحب، ہم غریبوں کو پکار رہی ہیں؟" وہ باہر آ کر بولی۔

"کیا بھابھی؟ کتنے دن ہو گئے تھے آپ سے بات کیے۔" صحن کی دائیں جانب کی دیوار پار اسٹول پر چڑھی سنبل نے کہا۔

"اور آپ تو جانتی ہی ہیں کہ آپ کو دیکھے، آپ سے بات کیے بغیر میرا تو کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں یہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں نہیں جانوں گی تو اور کون جانے گا اب لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ کون سی ساڑھی چاہیے یقیناً" کوئی بہت اہم مہمان آ رہا ہے تمہارے گھر کھانے پر۔" حفصہ کا لہجہ اس سے بات کرتے ہوئے آپ ہی آپ طنزیہ ہو جاتا تھا۔

"آپ اسٹک کا کون سا شیڈ چاہیے؟"

"نہیں بھابھی مجھے تو کچھ نہیں چاہیے اور مہمان بھی خوب کہی آپ نے، واقعی کیا ذہین طبیعت پائی ہے آپ نے، بالکل ٹھیک کہا اہم نہیں خاص الخاص مہمان آ رہے ہیں ہمارے گھر۔" وہ اس کا طنز نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا! کیا ستارہ کو دیکھنے کے لیے بلوایا ہے کسی کو؟" وہ اسے ایک خیال آیا تو پوچھ لیا۔

"جی نہیں۔" ذرا کی ذرا سنبل کا لہجہ بدلا۔

"ہمیں ستارہ کی شادی کی اتنی جلدی بھی نہیں ہے کون سی عمر نکلی جا رہی ہے اور ابھی تو تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی۔" اس نے لہجے کو نرم کیا۔

"خیر! تو میں بتا رہی تھی کہ اہم نہیں خاص الخاص مہمان آ رہے ہیں ہمارے یہاں تو جناب بھابھی جان آپ سے بڑھ کر خاص الخاص کون ہو سکتا ہے بھلا؟" نہایت محبت سے فرمایا گیا۔ حفصہ کا منہ کھلا کر کھلا رہ گیا۔

"ہیں کیا؟" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی، تین سال ہو گئے تھے سنبل کو بیاہ کر لائے ہوئے اور پیچھے تین سالوں میں عید بقر عید کے سوا اس نے جھوٹے منہ بھی کبھی ان کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت نہیں دی تھی پھر آج ایسا کیا ہو گیا تھا۔ اس کی حیرانی نہایت فطری تھی۔

"خیریت تو ہے نا؟"

"بس بھابھی وہ کہتے ہیں نا کہ دیر آید درست آید، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ چلیں آپ بھائی جان اور بچوں کو لے کر جلدی سے آ جائیے۔ باقی باتیں دسترخوان پر ہوں گی۔" وہ جلدی جلدی کہہ کر دیوار سے ہٹ گئی۔

وہ چند لمحے یونہی کھڑی اس کا پلٹ پر غور کرتی رہی پھر اندر چلی آئی۔

"کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے؟" سلیم نے بیوی کے چہرے پر استعجاب دیکھا تو پوچھ لیا۔

"خیر تو کیا ہونی ہے بس قرب قیامت کی نشانی ہے نہ جانے کون سا انقلاب آنے کو ہے دنیا میں؟" وہ بچوں کے پاس دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے بولی۔

"تم صاف اور سیدھی بات نہیں کر سکتی ہو؟" وہ بے تحاشا چڑ کر بولے۔

"صاف بات یہ ہے کہ شہزادی نے کھانے پر بلایا ہے ہمیں۔" وہ پلٹ کر بولی۔

"کھانے پر۔" وہ بھونچکا رہ گئے۔

"تم سمیت؟"

"جی ہاں۔" کہہ کر وہ بچوں کے پاس چلی گئی۔

"چلو بچوں چچی نے ہماری دعوت کی ہے۔ باقی ہوم ورک واپس آ کر کر لینا۔" وہ کہہ کر پلٹ گئی۔

"آپ کس مراقبے میں چلے گئے؟" اس نے میاں کو سابقہ پوزیشن میں بیٹھے دیکھا تو ٹوکا۔

"کچھ نہیں بات کچھ ناقابل یقین سی ہے۔" وہ ٹی وی آف کرنے کے لیے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ابھی وہاں چلیے تو سہی دیکھتے ہیں ابھی اور کون کون سے ناقابل یقین، رنگین و سنگین مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یقیناً" آج شاپنگ پر گئی تھی نا انہی چیزوں کو دکھانے کے لیے بلوایا ہے اس نے مجھے، جیسے میں کچھ جانتی نہیں۔ خاص الخاص مہمان آپ سے بڑھ کر کون ہو

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
ریگ زارِ تمنا
ماہا ملک
قیمت ۔۔۔ -/500 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

سکتا ہے ہمارے لیے۔" حفصہ نے ہو بہو سنبل کی نقل اتاری سلیم سے مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا۔

"ایک بات بتا رہی ہوں میں، اگر اس نے آج کوئی ایسی ویسی بات کہی نا تو میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی۔ اور ہاں پرسوں میں نے بھی شاپنگ پر جانا ہے۔" اسی ایک جملے سے سلیم خائف ہو رہے تھے۔ پچھلے کچھ لمحوں سے اور وہ بات بالآخر حفصہ کی زبان پر آ ہی گئی۔

"پہلے چلو تو سہی۔" وہ بچوں کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

☼ ☼ ☼

"شکر الحمد للہ۔" کھانے کے اختتام پر حفصہ نے باآواز بلند کہا۔

"واہ بھئی سنبل کوفتے بنانا تو کوئی تم سے سیکھے، نہایت لذیذ اور نرم۔" اس نے تعریف کی۔

"اور پلاؤ کے چاول بھی کھلے کھلے تھے چپکے ہوئے نہیں تھے۔" آخر کو نمک کھایا تھا۔

"شکریہ بھابھی! جو کچھ بھی آتا ہے آپ ہی نے سکھایا ہے۔" حفصہ کی تعریف اگر حیران کن تھی تو سنبل کا جواب اس سے زیادہ حیران کن۔

"ارے تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو، کیا ہوا جو اگر میں نے تمہیں کچھ سکھا دیا اور پھر ہر استاد ہی شاگرد کو اچھا کام کرتا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔" وہ بھی لگاوٹ سے بولی۔

"بھائی جان ایسا لگ رہا ہے جیسے ریما اور میرا میں اتفاق ہو گیا ہو۔" ندیم نے لطیف سا طنز کیا۔

"ہاں بالکل ایسا لگتا ہے جیسے صدر بش اور اسامہ بن لادن کے درمیان امن معاہدہ ہو گیا ہو۔" سلیم نے بھی لقمہ دیا۔ پھر حفصہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں تو بیگم جس انقلاب کی تم نے پیشن گوئی کی تھی یہاں آتے ہوئے تو یہ تھا وہ انقلاب۔"

"چھوڑیے بھی۔" وہ سٹپٹائی۔

"وہ تو ایسے ہی کہہ دیا تھا میں نے ورنہ سب ہی علم ہے کہ میں سنبل کو بے حد عزیز رکھتی ہوں۔"

"ہاں بھابھی اور میں نے بھی کبھی آپ کی شان میں گستاخی نہیں کی ہمیشہ بڑی بہن کا درجہ دیا ہے۔" سنبل کیوں پیچھے رہتی۔

"اچھا مگر پرسوں تو تم کہہ رہی تھیں کہ بھابھی ہمیشہ تم سے جلتی ہیں اور نہایت ہی چھوٹے پن کا مظاہرہ کرتی ہیں۔" ندیم نے ناک کردار کیا۔

"غضب اللہ کا، کب کہا تھا میں نے ایسا، میں تو کہہ رہی تھی کہ بلاوجہ محلے میں بدنام ہیں بھابھی۔" وہ شوہر کو خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے جلدی جلدی بولی۔

"ورنہ تو ان جیسا پورے محلے، پورے خاندان میں کوئی نہیں۔"

"ارے چھوڑو سنبل، تم بھی کن کی باتوں میں آ رہی ہو؟ یہ ندیم تو شروع سے ہی ہر بات مذاق میں ہی کرتا ہے۔ چھ سال ہو گئے ہیں مجھے اس گھر میں آئے اچھی طرح جانتی ہوں میں اس کی شوخ اور منچلی طبیعت کو۔"

حفصہ نے لہجے کو حتی المقدور نرم رکھا۔

"تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں، ندیم کی بچکانہ طبیعت کو دیکھتے ہوئے ہی میں نے اور تمہارے جیٹھ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم اس کے لیے کوئی مدبر اور سنجیدہ لڑکی نہیں ڈھونڈیں گے۔ اب خوش قسمتی سے تم مل گئیں۔ تمہاری طبیعت میں بھی خاصا بچپنا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں اللہ نے ملائی جوڑی۔"

حفصہ نے حساب برابر کر دیا۔ سنبل خود کو بچہ کہنے پر خاصی جز بز ہوئی، اس کے اپنے خیال میں وہ بے حد سمجھ دار اور ذہین خاتون تھی۔

"چھوڑیں بھابھی! آپ نے میرا نیا ڈریسٹ تو دیکھا ہی نہیں آج ہی لائی ہوں بازار سے۔" اس نے حفصہ کی توجہ ڈریسٹ کی پلیٹوں، ڈشز وغیرہ کی جانب مبذول کروائی اور یہی وہ تذکرہ تھا جس سے حفصہ بچنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی وگرنہ وہ

دسترخوان پر بیٹھتے ہی ان نئے نکور برتنوں کو نا صرف دیکھ چکی تھی بلکہ اس دعوت کا پس پردہ مقصد بھی اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

"ہاں بہت خوب صورت ہے، بہت ہی پیارا۔" وہ سرسری سے لہجے میں بولی۔ یوں جیسے اس نے قطعاً" اس ڈریسٹ پر توجہ نہ دی ہو اور ایسی چیزوں کا حصول کوئی بڑی بات نہ ہو۔ جواباً" سنبل نے ہمیشہ کی طرح اپنی خریدی ہوئی شے کی افادیت، اہمیت، خوب صورتی اور قیمت پر ڈھائی منٹ کا طویل لیکچر دیا۔ جسے سننا اور برداشت کرنا حفصہ کے لیے اتنا ہی مشکل تھا جتنا ایک دن میں لوڈشیڈنگ کا بالکل نہ ہونا۔

"اچھا بھئی سنبل بہت شکریہ تم نے اتنا اچھا کھانا کھلایا، سوا دس بج رہے ہیں بچوں کا اسکول بھی جانا ہے، ملا سو گئی کیا؟" سلیم نے بیوی کے بگڑتے ہوئے چہرے کے زاویے دیکھ لیے تھے اس لیے اجازت طلب کرتے ہوئے بولے اور ساتھ ہی چھ ماہ کی بھتیجی کا بھی پوچھا۔

"جی بھائی جان وہ سو رہی ہے اور شکر ہے کہ ہم نے آرام سے کھانا کھا لیا اب رات بھر جگائے گی مجھے۔" سنبل کے لہجے میں ماتا در آئی۔

"ٹھیک ہے پھر سنبل ہم چلتے ہیں۔" سلیم کھڑے ہوتے ہوئے بولے، حفصہ اس دوران اٹھ چکی تھی۔

"شکریہ بھابھی جان آپ تشریف لے آئیں۔" سنبل کو حفصہ کی خاموشی بری طرح کھلی تھی۔

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے بھلا تم نے جس پیار اور توجہ سے جس مقصد کے لیے بلایا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ اب جو میں نے رات کے کھانے کے لیے سالن اور روٹیاں بنائی تھیں میں وہ دوپہر میں کھانے کے لیے تمہیں بھجوا دوں گی اس لیے کل دوپہر کے لیے تردد نہ کرنا۔"

وہ گہری سنجیدگی سے بولی مگر طنز کا تڑکہ حسب سابق لگانا نہیں بھولی تھی۔ ہاں کچھ دیر کے لیے اس نے اس کھار کو سائیڈ پر رکھ دیا تھا مگر اب اس کا استعمال ناگزیر تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب دریچے	سعدیہ امل کاشف	150/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	150/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	400/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	400/-
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	180/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	180/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی	150/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	300/-
برگ گل	ایم سلطانہ فخر	300/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	300/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

"ٹھیک ہے بھابھی جان۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ حفصہ ایک سیکنڈ بھی مزید وہاں نہیں رکی اور تیز تیز چلتی ہوئی صحن میں نکل گئی اور چند ہی لمحوں میں اپنے گھر کا دروازہ کھول کر داخل ہو گئی۔

سنبل برتن سمیٹنے لگی جبکہ ندیم نے سلیم کو انتہائی معنی خیز نظروں سے دیکھا سلیم مسکرا کر رہ گئے اور آہستہ آواز میں بولے۔

"بھائی دعا کرنا میرے لیے۔"

"ضرور بھائی! آپ بھی میرے لیے دعا کیجیے گا محترمہ نہایت خاموشی سے کچن میں چلی گئی ہیں اور یہ خاموشی انتہائی خطرناک ہے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔" وہ بھی بچوں کو ساتھ لے کر بھائی کے گھر سے نکل گئے۔ ندیم ان کو رخصت کرنے دروازے تک آیا اور پھر دروازہ بند کر کے کمرے میں آ گئے۔ انہیں انتظار تھا کہ سنبل اب تمام کاموں سے فارغ ہو کر حفصہ کے رویئے اس کی حاسد طبیعت اور کم ظرفی پر ایک طویل ورک شاپ کا اہتمام کرے گی اور ساتھ ساتھ یہ بھی جتایا جائے گا کہ وہ کس قدر خوش قسمت ہے کہ اسے اس جیسی رکھ رکھاؤ اور تہذیب والی بیوی ملی ہے۔

☼ ☼ ☼

"کیسا رہا تمہارا انٹرویو۔" سلام دعا اور حال احوال پوچھنے کے بعد ستارہ نے پوچھا۔

"ویسا ہی جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"یعنی کہ اس بار بھی نوکری ملنے کی کوئی توقع نہیں۔" وہ نتیجے پر پہنچی۔

"یہ میں نے کب کہا ہے۔" وہ چونکا۔

"کہا تو نہیں ہے مگر آپ کی بات کا مطلب بہرحال یہی نکلتا ہے کیونکہ پچھلے آٹھ مہینوں سے تم تقریباً" چھبیس انٹرویوز تو دے چکے ہو اور ہر بار انٹرویوز بالکل صحیح ہوتے ہیں، بقول تمہارے انٹرویو بورڈ کے اراکین تمہارے شاندار اکیڈمک ریکارڈ اور تمہاری ذہانت سے مرعوب بھی ہوتے ہیں، تمہیں اس بات کا بھی کامل یقین ہوتا ہے کہ تمہیں لیائنٹ لیٹر بھی مل جائے گا مگر اس سب کے باوجود نہ تمہیں نوکری ملتی ہے اور نہ ہی تمہارا یقین ڈانوا ڈول ہوتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"تو میں کیا غلط بیانی کرتا ہوں، کل بھی جس فرم میں انٹرویو دینے گیا تھا وہاں سے بھی کم و بیش ایسا ہی رسپانس ملا ہے ہاں یہ بات تمہاری بالکل درست ہے کہ پھر بھی نوکری کیوں نہیں ملتی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"اظفر! ایک بات پوچھوں؟" اس نے تمہید باندھی۔

"ہاں ہاں پوچھو۔" وہ تجاہل عارفانہ سے بولا۔

"آخر تم سیریس کیوں نہیں ہوتے؟ معاملے کو اتنا غیر سنجیدگی سے کیوں برتتے ہو؟" وہ ٹھہر ٹھہر کے بولی۔

"مثلاً" کس معاملے پر سنجیدہ نہیں ہوتا ہوں میں اس نے جواباً" سوال کیا۔

"نوکری سے لے کر شادی تک کے ہر معاملے پر" بجیا نے ایک بار پھر شوہر تلاش مہم شروع کر دی ہے میرے لیے کل بھی امی کو فون پر بتا رہی تھیں کہ انہوں نے ایک دو جگہ میرے لیے مناسب رشتے دیکھے ہیں"

وہ دانت پیس کر بولی۔

"اچھا۔" وہ چونکا۔

"تو یار ڈھونڈنے دو، اب رشتے دیکھنے اور تلاش کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے نا۔" وہ اس بار بھی اس کی لاپروائی عروج پر تھی۔

"یا اس حوالے سے بھی کوئی ترمیمی بل پاس ہو چکا ہے۔"

"اظفر علی صاحب! تم نے شاید میری بات غور سے نہیں سنی، بجیا رشتہ آپ کی منگیتر یعنی میرے لیے دیکھ

رہی ہیں۔" وہ سخت خفگی کے عالم میں بولی۔

"اوہ یہ تم نے کیا خبر سنا دی ستارہ کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے، ورنہ میرے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی، میرے دل کی حرکت رک جائے گی، میں مر جاؤں گا ستارہ کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔" وہ بے حد پریشان ہو کر بولا۔

"بس بس زیادہ ندیم بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں شبنم نہیں ہوں۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"بجائے اس کے کہ تم کوئی سبیل ڈھونڈو تم مشہور فلموں کے گھسے پٹے مکالمے اصلی اداکاروں کی نقل بلکہ بھونڈی نقل کر کے بول رہے ہو۔" وہ جانتی تھی کہ یقیناً" یہ خبر اس کے لیے نہایت تکلیف کا باعث بنی ہے اسی لیے اس کی غیر سنجیدگی عروج پر ہے۔

"تو پھر کیا کروں مائی ڈیئر! سلطان راہی اسٹائل میں ہوک ماروں بجیا کے سامنے کہ ابھی شادی کدی نئیں ہو سکدی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ وہ خاموش رہی۔

"ستارہ!" کچھ لمحوں بعد وہ بولا۔

"ایک بات تو یقینی ہے کہ شادی تمہاری مجھ سے ہی ہونی ہے اب دیکھو منگنی بھی تو پچھلے ڈیڑھ سال سے جیسے تیسے کر کے قائم ہی ہے نا۔ پھر بلاوجہ پریشان ہونے اور مجھے بھی پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"مگر اظفر مجھے یوں لگتا ہے کہ بجیا انتہائی سنجیدہ ہیں اس بار۔" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"ہونے دو۔" اس نے بات چٹکیوں میں اڑائی۔

"اچھا خیر! مجھے اپنے ایک دوست سے بے حد ضروری کام ہے، میں تمہیں بعد میں فون کروں گا۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں اچانک کہا۔ وہ چونکی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے؟" وہ گھبرائی۔

"کمال ہے یار گھبرا ایسے گئی ہو جیسے کہ میں نے کہا ہو کہ میں ملک بدر ہو رہا ہوں۔ کبھی کہتی ہو کہ ہر بات کو لاپروائی کی نذر کر دیتے ہو جب کوئی حل نکالنے لگتا ہوں تو پوچھنے لگتی ہو کہ سب خیریت تو ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا مگر اس سنجیدگی میں بھی ایک اپنائیت تھی۔

"اظفر! تمہاری غیر سنجیدگی مجھے اس قدر نہیں ہولاتی ہے جتنا کہ تمہاری سنجیدگی دل دہلانے والی ہوتی ہے۔" وہ آرام سے بولی۔

"اچھا! مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ خیر اب اجازت ہے مادام، کل یا پھر پرسوں فون کروں گا، فرحان سے کہنا چکر لگائے میری طرف اور امی کو سلام کہنا اللہ حافظ۔"

اس نے بات سمیٹتے ہوئے ایک ہی سانس میں ہونے والی ساس اور سالے کے لیے پیغام دیا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ قدرے پرسکون ہو کر کچن میں چلی گئی اسے رات کے کھانے کی تیاری کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی!" دیوار پار سے پہلے اس کو پکارا گیا اور پھر اس کا سر نمودار ہوا۔

"ہاں بولو سنبل۔" حفصہ نے لہجے کو سرسری رکھا۔

"کل رات کو کون آیا تھا دستک ہوئی تھی دروازے پر؟" وہ تفتیشی انداز میں بولی۔

"کل رات کو؟" حفصہ نے انجان بننے کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا "ہمارے دروازے پر دستک ہوئی تھی؟"

"جی جی بھابھی میں نے خود سنی تھی اصل میں ملہا تنگ کر رہی تھی نا تو میں نے دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک سنی تھی۔" سنبل نے شدومد سے گردن ہلا کر کہا۔

"اچھا! مگر کل رات کو تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔" وہ سبزی کاٹ رہی تھی چھری سبزی کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے پرسوچ لہجے میں بولی۔ پھر یکدم ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی جیسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو۔

"ارے ہاں! وہ اظفر آیا تھا۔"

"اظفر۔" سنبل کے کان کھڑے ہو گئے۔

"خیریت تو تھی؟" لہجے کے تجسس کو ہر ممکن طور پر قابو میں رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں سنبل خیریت ہی تھی بلکہ تم جاگ رہی تھیں تو خود ہی دروازے پر آکر دیکھ لینا تھا اب نہ جانے رات کو تمہیں نیند کس طرح آئی ہوگی اور دن بھی نہ جانے کس طرح گزار لیا تم نے' آجاتیں پوچھنے۔" حفصہ نے طنزیہ طنز کیا۔

"لو بھلا بھابھی مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ میں رپورٹنگ کرنے پہنچ جاتی' اب دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے سوئی بھی گرتی ہے دیوار کے اس پار تو پتہ چل جاتا ہے' آپ ناحق خفا ہو رہی ہیں۔ آپ کی دیورانی بھی ہوں اور پڑوسن بھی اس ناتے اتنا حق اور فرض تو بنتا ہی ہے کہ شب و روز پر نظر رکھی جائے۔" اس کے تلوے سے لگی اور سر پر بجھی تھی۔

"یہ بھی خوب کہی تم نے سنبل کیا میں جانتی نہیں ہوں کہ کن خیالات نے تمہیں رات سے اب تک بے حال کیے رکھا تھا' وہ تو عالی تمہاری طرف آیا نہیں ورنہ تم کو تو براہ راست پوچھنے کی مشقت سے بھی نہیں گزرنا پڑتا۔" حفصہ ذرا بھی اس کی خفگی کو خاطر میں نہیں لائی۔

"بس بھابھی بخش دیں مجھے اب' بڑی غلطی ہوگئی مجھ سے جو میں نے ازراہ مروت پوچھ لیا' میرے مرے باپ کی توبہ جو میں آپ سے کچھ پوچھوں' بھلے سے آپ کے گھر اتحادی فوجیں' طالبان کی کھوج میں آپریشن کریں۔"

کہہ کر وہ فوراً" سے بیشتر دیوار سے غائب ہوگئی مبادا جوابی فائر آنے اور پھر دونوں جانب کی توپوں کے دہانے کھل جائیں۔

حفصہ خاموش بیٹھی مسکراتی رہی۔ جو حال سنبل کا اس کی خاموشی نے کیا تھا وہ اس کی زبان نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سبزی کاٹنے کا ارادہ موقوف کیا اور ادھ کٹی سبزی کی پلیٹ لے جا کر کچن میں رکھی اور جلدی سے اندر کمرے میں گھس گئی۔ سنبل کسی بھی وقت چھاپہ مار سکتی تھی اور اس نے جو کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔

تین دن پہلے کی دعوت کے فوراً" بعد حفصہ کے لیے نہایت ضروری تھا کہ وہ بھی جوابی کارروائی کرے تو وہ پچھلے دو دن سے اسی کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ رات کو اظفر اکیلا نہیں آیا تھا گھر' وہ اسی کو چھوڑنے رات کے ڈیڑھ بجے آیا تھا۔ اس نے دعوت کے دوسرے ہی روز بازار جا کر نئے پردے خریدے تھے اور انہیں سلنے کے لیے بھی دے دیا تھا گھر میں سینے کا رسک اس لیے نہیں لیا کہ کہیں سلائی مشین کی آواز سے سنبل کو بھنک نہ پڑ جائے' اس کے علاوہ اس نے فولر کشنز کے نئے غلاف بھی خریدے تھے۔ اب یہ ناممکن ہی تھا کہ اسی کی طرح سنبل کو بھی اس کے بازار جانے اور پھر نئی چیزوں کے ساتھ واپس آنے کی خبر نہ ہو آخر کو وہ اسی کی دیورانی تھی۔ سنبل نے نئے مہنگے اور خوب صورت ڈنر سیٹ کا جو دھکا اسے پہنچایا تھا وہ بھی اس کے جواب میں سرپرائز دینا چاہتی تھی اور یہ سرپرائز اس کی سوچ سے زیادہ پر اثر ہوتا جا رہا تھا۔

شام ڈھلے مغرب کی نماز ادا کرتے ہی سنبل نے ماہا کو گود میں اٹھایا اور ندیم کو ساتھ آنے کا کہہ کر حفصہ کے گھر پہنچ گئی اور وہاں آکر تو جو شاکڈ ہوئی اس سے حفصہ کی تمام محنت وصول ہوگئی تھی۔

"کیسے لگے سنبل؟" اس نے داد طلب نظروں سے پوچھا۔

"بہت ہی خوب صورت ہیں بھابھی' سلک کے پردے بے حد نفیس اور بھلے لگتے ہیں آنکھوں کو۔" اس نے کھڑکیوں اور دروازوں پر لٹکتے ہوئے پردوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم' اب ایسی اچھی چیزیں پسند کرنے والے پر بھی منحصر ہوتا ہے اور تمہیں تو پتہ ہی ہے میرا ذوق ہر معاملے میں اعلا ہے۔" حفصہ کے لہجے میں تفاخر تھا۔

"تم بیٹھو کھڑی کیوں ہو اور ندیم کہاں ہے؟" معاً" اس کو میزبانی کا فرض بھی یاد آ ہی گیا اور یہ فرض سے زیادہ اس کی شعوری کوشش تھی کہ وہ کشنز کی جانب بھی دیکھ لے اور اس کی توقع کے عین مطابق اس نے کشنز کو بے حد غور سے دیکھا تھا مگر اس بار بولی کچھ نہیں۔

"پردے بدلے تھے تو میں نے سوچا کشن کے کور بھی تبدیل کرلوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"میں چلتی ہوں بھابھی' ان کو میں نے آنے کا کہا تھا نہ جانے کہاں رہ گئے۔" سنبل کو مزید ٹھہرنا بے حد مشکل لگ رہا تھا۔

"ارے آجائے گا اور تم رات کا کھانا یہاں ہمارے ساتھ ہی کھانا' ناحق دو بندوں کے لیے ہانڈی چولہا کرو گی۔" ڈنر سیٹ کا بدلہ تو وہ لے چکی تھی دعوت کا حساب بھی تو چکانا تھا۔

"نہیں بھابھی میں سالن پکا چکی ہوں۔" سنبل نے بہانہ بنایا۔

"کوئی بات نہیں کل دوپہر میں کام آجائے گا۔" اس نے اس کے بہانے پر پانی پھیرا۔ وہ لاچار بیٹھ گئی۔

حفصہ کے نہ نہ کرنے پر بھی اس نے رات کے کھانے کی تیاری میں اس کی مدد کی سلیم اور ندیم بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ وہ دونوں باورچی خانہ میں نہایت خاموشی اور تندہی سے اپنے اپنے کام سرانجام دے رہی تھیں۔ بچوں کو ہوم ورک ندیم کروا چکا تھا۔

کھانا نہایت ہی اچھے اور خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ ہر چند کہ سنبل کا دل بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا اور حفصہ کی شوخی قابل دید تھی۔

"بھئی واہ اس طرح مل جل کر کھانا کھانے میں کتنا مزا آتا ہے۔" ندیم نے الحمدللہ کہتے ہوئے تبصرہ کیا۔ سلیم نے تائید کی۔

"اسی لیے میں سنبل سے کہہ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم اب ہر کام مل جل کر کیا کریں۔" حفصہ نے بھی لقمہ دیا۔

"ہاں بھابھی وہ کہتے ہیں نا کہ اتفاق میں برکت ہے اب یہی دیکھ لیجیے کتنے کم وقت میں ہم نے کھانا بنا لیا اور شکر ادا کر کے اچھے بے تکلف ماحول میں کھا بھی لیا۔ بس آج سے یہ طے ہوگیا کہ ہم اب ہر کام مل جل کر اور باہمی صلاح و مشورے کے ساتھ کریں گی۔"

سنبل برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔ حفصہ نے شدومد سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

سلیم اور ندیم دم بخود ان دونوں کے بیانات سن رہے تھے۔ جس طرح کا بہنا پا آج دونوں دکھا رہی تھیں ایسا تو اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب ندیم کی شادی ہوئی تھی' اگر ایک سال پہلے وہ دونوں اس طرح شیر و شکر ہو جاتیں تو گھر کے دو حصے کبھی نہ کرنے پڑتے۔ دونوں بھائیوں نے ایک ہی وقت میں ایک ہی بات سوچی مگر کہنے کی جرات دونوں میں ہی نہیں تھی۔ وہ بدزبانی روک سکتے تھے۔ چپ کروا سکتے تھے' رونے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

"تو بس بھابھی' دوپہر میں سالن آپ بنائیے گا روٹی میں پکا لوں گی یا چاول ابال لوں گی' شام میں چائے کے وقت پکوڑے' سموسے اور شاہی ٹکڑے وغیرہ آپ بنا لیا کیجیے گا' چائے میں دم دے لیا کروں گی۔ رات کے کھانے کے لیے سالن میں پکا لیا کروں گی' روٹیاں آپ بنا دیا کیجیے گا۔"

سنبل کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔ سلیم نے ندیم کو اشارہ کیا۔ جبکہ حفصہ منہ کھولے حیرت سے اس کے ارشادات یا دوسرے لفظوں میں پالیسی سن رہی تھی۔

"کیوں بھابھی؟" سنبل نے اسے ٹہوکا دیا۔

"ہاں ہاں' وہ جیسے ہوش میں آئی "کیوں نہیں' مجھے جب بھی لاہور ماموں کے پاس جانا ہوگا تو بچوں کو میں تمہارے سپرد کر جایا کروں گی' کپڑوں کی بارگیننگ تم انتہائی لاجواب کرتی ہو اور بقول تمہارے میری چوائس بہت اچھی ہے تو پسند میں کر لیا کروں گی ہم دونوں اور بچوں کے کپڑے' خریدنے کا کام تمہارا اور تمہارے بنائے ہوئے آلیٹ کی تو بات ہی کیا ہے تو بس صبح ناشتے میں آلیٹ تم بنا دیا کرنا' چائے میں بنا لوں گی اور ڈبل روٹی کے توس میں سینک لیا کروں گی۔" حفصہ نے جوابی پالیسی بیان کی۔

"ارے بھابھی یہ تو سراسر زیادتی ہے۔" سنبل تھرا کے رہ گئی۔

"کیسی زیادتی؟" حفصہ معصومیت سے انگلی ناک

پر رکھ کر بولی۔

"میرا تو شہر سے کیا گھر سے نکلنا نہیں ہوتا' ہفتوں مہینوں میں امی کے گھر جاتی ہوں گھڑی دو گھڑی کے لیے اور بچی میری اتنی چھوٹی ہے کہ اس کو کہیں چھوڑ بھی نہیں سکتی تو یہ برابری تو نہ ہوئی۔" وہ تڑ تڑ گولیاں برسانے لگی۔

"اور یہ بھی خوب کہی آپ نے کہ کپڑے آپ پسند کریں گی اور روپیہ میں خرچ کروں گی تو آپ تو مہینے میں نہ جانے کتنے ہی جوڑے بنا لیتی ہیں میں تو چھ مہینے سال میں دو چار جوڑے بناتی ہوں۔"

مبالغہ آرائی کی اگر کوئی حد تھی تو سنبل یقیناً" اس سے واقف نہیں تھی کم از کم اس وقت تو یہی لگ رہا تھا۔

"اور یہ بھی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں صبح صبح اٹھ کر ناشتا بنانے سے شدید چڑتی ہوں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں آملیٹ بناؤں گی' تو کیا یہ زیادتی نہیں ہے' آپ ہمیشہ میرے معاملے میں کم ظرفی کا ثبوت دیتی ہیں حالانکہ عمر اور رشتے دونوں میں چھوٹی ہوں میں۔" اس نے ناک سکیڑی۔

"ہاں بی بی اس پورے جہاں میں ایک تم ہی تو ننھی ہو اپنی ماہا سے بھی چھوٹی۔" حفصہ نے جوابی حملے کیے۔

"میں نے تو تمہاری کسی بھی بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا' دوپہر میں گھر میں ہوتا ہی کون ہے میرے اور تمہارے سوا بچوں کی خوراک تو نہ ہونے کے برابر ہے تو بی بی روٹیاں اور چاول تم کتنے من بھر کے حساب سے بناؤ گی جو میں دیگ چڑھاؤں' شام کے وقت محنت طلب چیزیں میں بناؤں اور تم چائے ابال کر یعنی انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوا لو گی' رات کے وقت تم پتیلی میں چند گلاس پانی میں نمک مرچ' گوشت اور سبزیاں ڈال کر چمچہ ہلا دو گی اور میں سب کے لیے روٹیاں پکاؤں گی واہ واہ کیا انصاف ہے۔ یہ سراسر کم ظرفی نہیں ہے۔" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیز لہجے میں بولی۔

"ہاں ہاں آپ کو تو میری ہر بات میں ہی عیب نظر آتے ہیں' نہ جانے کون سے جرم کا بدلہ لے رہی ہیں آپ مجھ سے' شادی کے وقت میری سہیلیوں نے یہی کہا تھا کہ ساس اور نندوں کا جھنجھٹ نہیں ہے مجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی مجھے کیا معلوم تھا کہ ساس نندوں کی کسر پوری کرنے کے لیے جٹھانی صاحبہ جو موجود ہیں میں محبت بھرے لہجے میں بھابھی بھابھی کرتی نہیں تھکتی اور بھابھی۔" اس نے بات ادھوری چھوڑی اور لگی رونے ندیم کے ہاتھوں کے طوطے' مینا' کبوتر سب ہی اڑ گئے۔

"صحیح فرما رہی ہو شہزادی صاحبہ! میں نے تو تم پر ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہیں' سوئی کے ناکے سے گزارتی ہوں تمہیں صبح و شام' چار چوٹ کی مار دیتی ہوں تمہیں دن و رات' کالے پانی کی سزا سنائی ہے نا میں نے تمہیں اپنی اداؤں پر تو کبھی غور کرنے کی تمہیں فرصت ہی نہیں ہے ظاہر ہے زمانہ ہی ایسا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھتا دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے۔" حفصہ کی زبان تیز گام کی رفتار سے چلی رہی تھی۔

"اسی لیے میں ستارہ کی آپ کے بھائی سے شادی کے حق میں نہیں ہوں جٹھانی بن کر آپ نے بڑے سکھ دیے ہیں نا مجھے' نند بن کر میری پھول سی بہن کے ساتھ نہ جانے کیا کیا کریں گی۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"چہ خوب! اظفر چلتے توے پر بھی جا بیٹھے نا تب بھی میں تمہاری بہن تو ہرگز نہ لاؤں گی وہ بھی تمہاری طرح کم ظرف اور بدزبان ہی ہوگی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

سلیم سر پکڑے ان دونوں کی گل افشانیاں سن رہے تھے ندیم نے بیٹی کو گود میں لیا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ کچھ لمحوں بعد سنبل بھی دوبارہ کبھی ان لوگوں کی شکل نہ دیکھنے کا اعلان کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"مل گیا سکون پڑ گئی ٹھنڈ' نہ جانے تم کو اس بے چاری کو صلواتیں سنا کر کیا ملتا ہے مجھے میرے بھائی سے ہمیشہ کے لیے جدا کروا کر ہی تمہیں چین آئے گا۔" سلیم اس کے جانے کے بعد دھاڑے۔

"ہاں ہاں سارا قصور میرا ہی ہے وہ تو جیسے امن کی دیوی ہے۔" وہ پھوت پھوٹ کر رو پڑی۔ سلیم نے آنکھوں کے اشارے سے دونوں بچوں کو دوسرے کمرے میں جانے کا کہا جو ٹکر ٹکر کبھی ماں کو کبھی باپ کو دیکھ رہے تھے اور حفصہ ہر شے سے بے نیاز رونے دھونے میں مصروف تھی۔ یہ ڈرامہ اتنی بار اسٹیج کیا جا چکا تھا کہ سلیم کو اب گنتی بھی یاد نہیں تھی۔ وہ بھی اٹھ کر باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"اب کیا ہوگا؟" ساری روداد سننے کے بعد ستارہ نے کہا۔

"ہونا کیا ہے بس دو' تین ہفتے سیز فائیر رہے گا اور اس کے بعد پھر وہی ہوگا جو کل ہوا ہے۔" اظفر مزے سے بولا۔ وہ کچھ لمحوں پہلے ہی یونیورسٹی آیا تھا۔ ستارہ کی کلاسز آف ہو چکی تھیں اس لیے وہ دونوں یونیورسٹی گیٹ کے باہر کھڑے تھے۔

"ویسے تمہیں بروقت معلومات مل کیسے جاتی ہیں؟" وہ اچنبھے سے بولی۔

"بھئی جیسے تمہیں مل جاتی ہیں۔ تمہیں تمہاری بجیا اپنی جٹھانی کے ہر عمل کی خبر دیتی رہتی ہیں اور مجھے میری آپا جان' کل رات ہی آپا نے مجھے وقوعہ کی تفصیلی بریفنگ ٹیلی فون پر دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا میں تمہارا خیال دل سے نکال دوں وہ میرے لیے کوئی دوسری لڑکی جلد ہی ڈھونڈ لیں گی اور سبحان اللہ جس قسم کا خاکہ انہوں نے میرے لیے ڈھونڈی جانے والی لڑکی کا کھینچا ہے وہ کم از کم اس کرہ ارض پر تو نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ڈائیلنگ کے ذریعے ضرور منگوائی جا سکتی ہے۔" وہ دونوں بازوؤں کو لپیٹتے ہوئے بولا۔ لہجے میں شگفتگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"اظفر۔" وہ شاکڈ رہ گئی۔

"تم کس قدر خوش ہو رہے ہو یعنی کہ۔" وہ بات مکمل نہیں کر سکی۔

"یار اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے کل تو محض ایک چھوٹی سی جھڑپ ہوئی ہے دونوں کے درمیان وگرنہ تو پچھلے تین سالوں میں تو میری ان گناہگار آنکھوں نے جنگ عظیم اول اور دوئم کے مناظر دیکھے ہیں' پانی پت کی لڑائی اور صلیبی جنگوں کی تو حیثیت ہی کوئی نہیں۔" وہ صاف مذاق اڑا رہا تھا۔

"شرم کرو اظفر جیسی بھی ہیں ہماری بڑی بہنیں ہیں اور تم مذاق اڑا رہے ہو اگر بجیا اور آپا کو پتہ چل گیا نا تو سمجھو تمہارا دانہ پانی اٹھ جائے گا دنیا سے۔" وہ اسے ڈراتے ہوئے بولی۔

"اللہ کا خوف کرو ستارہ بی بی! میں خدانا خواستہ ان دو عظیم لیڈر جیسی خصوصیات رکھنے والی خواتین کا مذاق اڑانے کی جرات کر سکتا ہوں بھلا اور تم خود بتاؤ مجھے' کیا میں نے غلط کہا؟ ہر دوسرے تیسرے مہینے وہ محبت اور یگانگت سے رہنے کی قسمیں کھاتی ہیں اور پھر ابھی ان وعدوں اور قسموں کی بازگشت بھی دھیمی نہیں ہوتی کہ ایک نیا سیاپا شروع ہو جاتا ہے۔ اب تو جب ان کے درمیان پرامن حالات ہوتے ہیں تو تشویش ہونے لگتی ہے' معاملہ گڑبڑ لگنے لگتا ہے۔" وہ اب بھی سنجیدہ ہونے کو تیار نہیں تھا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"مگر اظفر اس طرح تو ہماری منگنی ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ جائے گی' پرسوں ہی بجیا مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ حفصہ آپا صرف زبان کی بری ہیں' دل کی بہت صاف اور کھری ہیں اور اب کل پھر ایک ڈرامہ ہو گیا' اس طرح کب تک چلے گا۔" وہ واقعتاً" پریشان تھی۔

"یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ان دونوں کے جھگڑے تو چلتے ہی رہیں گے ہزار وہ قسمیں کھائیں شیر و شکر ہو کر رہنے کی مگر ایسا وہ دونوں ہرگز نہیں کر سکتی ہیں۔ پھر تم کس لیے خود کو ہلکان کرتی ہو۔ اگر تم اس لیے پریشان ہو کہ ہماری شادی نہیں ہو سکے گی تو ستارہ کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے' میری صلاحیتوں' جذبوں پر تمہیں اعتماد نہیں ہے اور پھر تم

اللہ کو کیوں بھول رہی ہو؟ یقیناً" دعا سے تقدیر کے آگے چھائے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اور تدبیر ان اندھیروں کو ہٹانے میں دعا کی معاونت کرتی ہے۔"

وہ دھیمے دھیمے لہجے میں بولتا ہوا ستارہ کو بے حد بھلا لگا' اس کے دل پر چھایا جمود ختم ہونے لگا تھا مگر وہ پھر پریشان ہو گئی۔

"تمہاری جاب کا کیا ہوا؟" اسے ایک اور اندیشہ لاحق ہوا۔

"وہی جواب تک ہوتا آیا ہے۔" اس کے لہجے میں اس بار بھی مایوسی نہیں تھی۔

"اظفر' دنیا کے لوگوں کو نوکریاں مل جاتی ہیں ایک تمہیں کیوں نہیں ملتی' تمہارا اکیڈمک ریکارڈ بھی شاندار ہے آج کل تو ویسے بھی M.B.A کی بہت ڈیمانڈ ہے۔ جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے کہ میں M.B.A کر رہا ہوں یا کر رہی ہوں۔" وہ اپنے بیگ سے سوئف سپاری کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"دنیا کے لوگوں کو نوکریاں میرٹ پر نہیں سفارش پر بھی مل رہی ہیں ستارہ بی بی' جتنی مگنڈی سفارش اتنی ہی اچھی نوکری تب ہی تو یہ ملک ترقی نہیں کرتا۔" وہ پیکٹ تھامتے ہوئے بولا اور کھول کر پھانک گیا۔

"نہیں اظفر ایسے بھی لوگ ہیں اسی شہر میں جن کی کوئی سفارش نہیں جن کا کوئی ایسا ویسا گاڈ فادر نہیں وہ بھی تو نوکری حاصل کر لیتے ہیں۔" اس نے اعتراض کیا۔

"بالکل درست کہا تم نے یقیناً" ایسے لوگوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے مگر ایسے لوگ بھی تو اسی معاشرے' اسی شہر میں سانس لے رہے ہیں جنہوں نے سفارش کی سیڑھی پر زندگی کا سفر شروع کیا ہے یا یوں کہہ لو کہ میرا واسطہ ابھی تک ایسے ہی لوگوں سے پڑا ہے۔ ویسے میں اپنا بزنس کرنے کا سوچ رہا ہوں بلکہ سوچ کیا رہا ہوں اس سلسلے میں ہم نے کافی منصوبہ بندی بھی کر لی ہے ان شاء اللہ ہفتہ دس دن میں ہم عملی طور پر اپنا کام شروع بھی کر دیں گے۔" اس نے ایک نئی خبر سنائی۔

"مثال کے طور پر کون سا بزنس شروع کر رہے ہیں آپ اور سرمایہ کہاں سے آئے گا اور اکیلے بزنس کس طرح شروع کر سکیں گے؟" وہ چڑ کر بولی۔

"کم از کم اظفر میرا تمہارے بارے میں یہ خیال ہرگز نہیں تھا کہ تم بھی خیالی پلاؤ بنا سکتے ہو۔"

"اکیلا نہیں' میرے دو دوست اور بھی ہیں جو میرے ساتھ ہیں۔" وہ بھرپور طریقے سے مسکرایا۔ وہ جب بھی اتنے استحقاق سے اس سے پوچھ گچھ کرتی تھی تو اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

"اور ہم اسکول کھول رہے ہیں۔"

"اسکول۔" وہ چونکی۔

"چہ خوب یعنی کہ اسکول بزنس' واقعی بہت پرافٹ ہے اس بزنس میں' تعلیم کی تو بس خیر ہی ہے۔" وہ طنز سے نہیں چوکی۔

"نہیں ستارہ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ہمارے یہاں تعلیم کن کن اوچھے ہتھکنڈوں کے استعمال کے ساتھ کتنے مہنگے داموں بک رہی ہے' اسی لیے میں نے اور میرے دوستوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم انتہائی مناسب فیس پر جو ایک ریڑھی والے سے لے کر دوکان والا تک افورڈ کر سکے بچوں کو تعلیم دیں گے' اللہ گواہ ہے کہ ہمارا ارادہ نیک ہے۔"

وہ پہلی بار بے حد سنجیدہ ہوا مگر پہلی بار ستارہ کو اس کی سنجیدگی سے ڈر نہیں لگا۔ وہ بہت غور سے اس کو سن رہی تھی۔

"میرا بس چلتا تو میں مفت میں تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کرتا مگر کھوڑا اگر گھاس سے دوستی کر لے تو کھائے گا کیا۔ بس اتنا کہوں گا کہ میں نے رزق حلال پر پرورش پائی ہے اور میں اپنی اولاد کو بھی رزق حلال کھلانا چاہتا ہوں' دوسرے لوگوں کی طرح دوسروں کے خوابوں کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہتا۔ میرا مقصد جہاں روپیہ کمانا ہے جائز طریقے سے وہاں یہ بھی ہے کہ بچوں کو بہترین دینی اور دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ کیا جائے تاکہ وہ اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی بن سکیں۔ ہماری جنریشن کو جو کچھ بنایا گیا بن گئی مگر ہمارے بعد کی

جنریشن بھی ورثہ میں انہی سوغاتوں کے ساتھ جیسے یہ ہمارا غم مجھے منظور نہیں ہے اور پھر ستارہ پہلا قطرہ کسی کو تو بننا چاہیے تو وہ کوئی اور کیوں بنے' میں کیوں نہ بنوں۔" وہ اس کے محو ہو کر سننے پر مسکرایا۔

"اب اس طرح دیکھو گی تو نظر لگ جائے گی مجھے۔" وہ اس کی بات پر جھینپ گئی۔

"میری بس آ گئی ہے میں جا رہی ہوں پہلے ہی دو لیکچر مس ہو چکی ہیں۔" وہ دور سے آتی ہوئی بس کے روٹ نمبر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"او کے نو پرابلم۔ میں ہو سکتا ہے کچھ دن فون نہ کر سکوں پریشان نہیں ہونا ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا اور بس قریب آ کر رکنے پر چڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"ماشاء اللہ! بہت ہی خوب صورت اور نفیس کپڑا ہے اللہ برتنا نصیب کرے۔" پڑوس کی خالہ نفیسہ نے کپڑوں کو ہاتھ میں لے کر کہا۔

"شکریہ خالہ! انتہائی نفیس کپڑا ہے اور پرنٹ بھی کتنے خوب صورت ہیں اور مل بھی سستے گئے اور یہ کپڑے دیکھیے۔"

اس نے خوشدلی سے کہتے ہوئے شاپر سے ایک اور ادھ سلا کپڑا نکال کر ان کے سامنے پھیلایا۔

"یہ ماہا کے لیے ہے۔ بہت ہی خوب صورت لگے گا اس پر اور ایسا ہی ایمن کا بناؤں گی۔" وہ مزید بولی۔

"واقعی ایک بات تو ہے کہ تمہاری پسند لاجواب ہے۔" خالہ نفیسہ نے مکھن لگایا۔

"حفصہ!" کچھ لمحوں بعد انہوں نے آواز قدرے دبا کر رازدارانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"سنبل اپنی بہن کے لیے رشتے ڈھونڈ رہی ہے مجھ سے بھی کہا ہے اس نے کہ میں بھی نظر میں رکھوں۔"

"اچھا!" حفصہ نے ان سنی کرتے ہوئے کہا حالانکہ دل میں کھلبلی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"خالہ یہ بتائیے چائے بناؤں یا کھانا کھا کر جائیے گا۔" اس نے بات پلٹی۔

"نہ بیٹی نہ چائے نہ کھانا' میں یہ کہہ رہی تھی کہ سنبل کی بہن سے تم نے اپنے بھائی کا رشتہ بڑی خوشی خوشی طے کیا تھا پھر کاہے کو توڑ ڈالا یہ میری سمجھ نہیں آتا اور ابھی بھی میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں اس بات کی رتی بھر بھی پروا نہیں کہ وہ بہن کے لیے رشتہ تلاش کر رہی ہے۔" نفیسہ خالہ نے اسے قطعاً" بات نہیں بدلنے دی۔

"خالہ صاف صاف بات کروں گی میں' ویسے تو میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی مگر اب آپ پوچھ ہی رہی ہیں تو بتا دیتی ہوں' خالہ میں بڑی کھری اور صاف بات کرنے والی خاتون ہوں لاگ لپٹ رکھنے کی بالکل قائل نہیں ہوں' ندیم کی شادی کے بعد جس طرح سنبل نے میرا ناطقہ بند کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے' اسی کے رویّے کی وجہ سے ایک گھر کے دو حصے کرنے پڑے' ٹھیک ہے ستارہ بڑی پیاری اور پڑی لکھی لڑکی ہے مگر بہن سنبل کی ہی ہے اور سنبل نے جس طرح مجھے آٹھ آٹھ آنسو رلائے ہیں اس کی بہن کیا کم قیامت ہو گی' نہ خالہ میرا ایک ہی بھائی ہے اور میں اس کی دشمن بھی نہیں ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولتی چلی گئی۔

"ہاں ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم واقعی اس کی بہن کیا کم ہو گی اس سے اور بھئی سیدھی بات ہے رشتہ کرتے ہوئے ہر چیز پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔"

خالہ نفیسہ نے زور و شور سے ہاں میں ہاں ملائی اور پھر لاکھ انکار کرنے کے باوجود بھی دوپہر کا کھانا کھا کر ہی وہ حفصہ کے گھر سے نکلیں۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی نے جو بھی کہا وہ ان کا اپنا خیال ہے جس سے میرا متفق ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں ہے اور دوسری بات کہ میں خود ہی بھابھی کے بھائی کے ساتھ اپنی بہن کی تقدیر نہیں پھوڑنا چاہتی اور آپ گواہ ہیں اس بات کی' اگر بھابھی کو یہ لگتا ہے کہ ہم مرے جا

رہے ہیں کہ ان کے بھائی کے ساتھ ستارہ کی شادی ہو جائے جو وہ کسی بھی صورت میں ہونے نہیں دیں گی تو یہ ان کی خام خیالی ہی ہے۔"

وہ سبزی لینے کے لیے گھر سے نکلی تھی جب خالہ نفیسہ راستے میں مل گئیں اور انہوں نے وہیں کھڑے ہو کر حفصہ کے ساتھ ہونے والی تمام باتیں الف سے یے تک مرچ مسالے کے ساتھ اسے کہہ سنائیں۔ اس کے تو تلوے سے لگی اور سر پر بجھی۔ اس نے تیز لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔ اب خاموش ہونا مشکل ہی تھا۔ نفیسہ خالہ کا دل بے اختیار اپنا سر پیٹنے کو چاہا کہ ناحق راستے میں کھڑے ہو کر اس کے متھے لگ گئیں مگر اس پیٹ کا کیا کرتیں جس میں کل سے مروڑ اٹھ رہے تھے۔

"میں نے پہلے ہی اس رشتے کی مخالفت کر دی تھی اور اسی لیے میں نے آپ سے رشتے نظر میں رکھنے کا کہا تھا' میری ستارہ کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے اور اظفر اس میں کون سے ہیرے موتی جڑے ہیں' نوکری تک تو مل نہیں سکی اس کو اور آپ دیکھیے گا۔ نوکری اسے ملنی بھی نہیں ایسے ہی بوڑھا ہو جائے گا۔ بھابھی یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ رشتہ انہوں نے ہی مانگا تھا میں نے تو جھولی نہیں پھیلائی تھی یہ تو میری بھولی ماں تھی جنہوں نے اس رشتے پر ہامی بھرلی۔" وہ ماہا کو تھپکنے لگی جو تیز دھوپ کی وجہ سے رونے لگی تھی۔

"بہرحال خالہ! آپ رشتہ ڈھونڈنے میں میری مدد کریں۔ میں اب جلد از جلد چاہتی ہوں کہ ستارہ کی کہیں اور نسبت طے کر دی جائے تاکہ بھابھی کو کچھ تو سکون کا سانس نصیب ہو ورنہ تو اپنے بھائی کے سر پر ستارہ نام کی تلوار لٹکتے دیکھ کر کہیں ان کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔" اس نے بات سمیٹی۔

"ٹھیک ہے بیٹی۔" وہ جلدی سے بولیں اور فوراً اپنی راہ لی۔ انہیں ابھی سنبل کے ساتھ ہونے والا ٹاکرہ دوسرے لوگوں سے بھی ڈسکس کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بجیا میں آپ سے یہ پوچھتی ہوں کہ آخر اب یہ ڈرامہ کس لیے کیا جا رہا ہے۔" وہ سخت بے زار تھی۔

"کون سا ڈرامہ؟" انتہائی معصومیت کے ساتھ دریافت کیا گیا۔

"یہی رشتے ڈھونڈنے کا' آپ کو معلوم ہے کہ میں منگنی شدہ ہوں۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"وہ منگنی' وہ تو ایک غلطی تھی اور بس۔" وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اب میں مانتی ہوں کہ وہ غلطی سرزد ہو گئی تھی تو کیا اب اس غلطی کو گلے کا ہار بنا لیں۔" وہ اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے بولی۔

"ایسے مت دیکھو میری طرف۔ بہن ہوں تمہاری دشمن نہیں ہوں بس فیصلہ کر لیا ہے میں نے جلد از جلد تمہاری کہیں اور بات پکی کر دوں گی میں۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"بجیا شادی بیاہ اور منگنی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے کہ جب دل چاہا شروع کر دیا اور جب جی چاہا کہہ دیا کہ ہم نہیں کھیلتے۔ پھر منگنی کرتے ہوئے تو اظفر میں آپ کو اللہ جانے کون کون سی خوبیاں نظر آئی تھیں پھر اب؟" وہ مدافعانہ انداز میں بولی۔

"وہ بھابھی کا بھائی ہے کیا یہ سب سے بڑی وجہ کافی نہیں ہے رشتہ ختم کرنے کی' اور ماشاء اللہ تم خوب صورت ہو' پڑھی لکھی ہو' یونیورسٹی جاتی ہو تمہارے ساتھ ایسی کون سی مجبوری ہے خدانخواستہ جو میں تمہیں جانتے بوجھتے کنوئیں میں گرنے دوں ای ٹھہریں ہمیشہ کی سیدھی اور بھولی بھالی' انہیں زمانے کی چلتر بازیوں کا کچھ پتہ نہیں' میں تمہاری بڑی بہن ہوں اور بڑی بہن ماں جیسی ہوتی ہے۔" اس نے بات بدلی۔

"یہ بتاؤ شام میں جو خواتین آئی تھیں کیسی لگیں وہ تمہیں؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیسی لگیں؟ اب میں سچ کہوں گی تو آپ سے برداشت نہیں ہو گا اس لیے جانے دیجیے کہ کیسی لگیں وہ مجھے؟" وہ سرد سے لہجے میں بولی۔

"نہیں تم بتاؤ' بھابھی جان نے برداشت کرنے کی اچھی خاصی ٹریننگ دے دی ہے مجھے۔" وہ طنز کرنے سے نہیں چوکی۔

"انتہائی غیر شائستہ اور نامعقول تھیں وہ خواتین انہوں نے اپنا تعارف لڑکے کی ماں کے طور پر کروایا تھا وہ در و دیوار کو اس طرح گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں کہ جیسے کوئی خزانہ دریافت کر کے ہی دم لیں گی اور ان کی بیٹیاں اللہ معاف کرے اس قدر عجیب عجیب سے سوالات پوچھ رہی تھیں کہ پوچھیے مت! کیا کیا پکانا آتا ہے' سلائی کڑھائی آتی ہے' یونیورسٹی اکیلے جاتی ہو' وہاں لڑکوں سے دوستی تو ہو گی۔" وہ ان کی نقل اتارتے ہوئے بولی۔ سنبل نے بدقت تمام مسکراہٹ چھپائی۔

"آپ خود سوچیے جب ماں بہنوں کا یہ عالم ہے تو وہ لڑکا کیسا ہو گا؟ جس سے آپ میرا متھا پھوڑنا چاہتی ہیں۔ اللہ جانے اظفر میں آپ کو کیوں کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"بس ستارہ! ٹھیک ہے یہ لوگ تمہیں پسند نہیں آئے کوئی بات نہیں میں انہیں صاف جواب دے دوں گی مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں کسی اور سے تمہارے رشتے کی بات نہیں کروں گی۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"ایک بات تم اپنے ذہن میں جتنی جلدی بٹھا سکتی ہو بٹھا لو کہ میں تمہاری شادی کسی بھی قیمت پر اظفر سے نہیں ہونے دوں گی۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

"اچھی زبردستی ہے' پہلے منگنی کروانے میں پیش پیش تھیں اب ولن بننے پر اتری ہوئی ہیں' اللہ رکھے میری ماں سلامت ہے خود ناحق ہلکان ہوئی جا رہی ہیں۔ وہی بات ہو گئی یہ تو مدعی سست گواہ چست۔" وہ بڑبڑاتی رہی پھر اٹھ کر رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں چلی گئی۔ کھانا کھا کر سنبل ندیم کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی گئی جبکہ وہ برتن دھونے کچن میں چلی گئی۔

"امی۔" پشت پر ماں کی موجودگی کو محسوس کر کے وہ پلٹی۔ وہ ریفریجریٹر سے پانی نکال رہی تھیں۔

"بجیا آج صاف اور دو ٹوک انداز میں کہہ کر گئی ہیں کہ وہ میری شادی اظفر سے کبھی نہیں ہونے دیں گی۔"

"ہاں کہہ کر تو وہ مجھ سے بھی یہی گئی ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر پانی پیتے ہوئے بولیں۔

"مگر امی یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ پہلے منگنی ہونا پھر ٹوٹنا' یہ کوئی کھیل تو نہیں ہے۔ اظفر مجھے پسند کرتا ہے اور یہ پسندیدگی سے زیادہ احترام ہے جس کا سب کو علم ہے' میرے لیے بھی منگنی سے پہلے وہ محض حفصہ آپا کا بھائی تھا مگر منگنی کے بعد میں بھی اسے پسند کرتی ہوں اور یہ ایک فطری بات ہے تو امی بجیا اب صرف اپنی ذاتی لڑائی کی وجہ سے میری زندگی کے ساتھ جو کر رہی ہیں وہ تو بالکل غلط ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"میں جانتی ہوں میری بچی!" وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہاری بجیا کتنی جذباتی اور ضدی ہے۔ جو چیز سر پر سوار ہو گئی سو ہو گئی اب آسمان پھٹے یا زمین ہلے وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ خیر تم خود کو ہلکان نہ کرو تمہاری پسندیدگی مجھ سے مخفی نہیں ہے اور پھر ایک مزے کی بات تمہیں بتاؤں کہ میں نے تمہاری منگنی اگر اظفر سے کی تھی تو اس لیے نہیں کی تھی کہ وہ حفصہ کا بھائی ہے اور سنبل نے سفارش کی تھی اس رشتے کی' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے میں ذاتی طور پر خود اظفر کی خوبیوں اور مضبوط کردار کی معترف ہوں ورنہ وہ مجھے پسند نہ ہوتا تو سنبل لاکھ سر پٹختی میں انکار ہی کرتی۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہی تھیں بلکہ وہ ساکت ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"دوسری بات یہ کہ میں اس معاملے پر اس لیے خاموش ہوں کہ ابھی تو اظفر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تم نے بتایا تھا کہ وہ اسکول کھول رہا ہے پہلے اسے یہ محاذ سر کر لینے دو پھر میں اپنا فیصلہ سناؤں گی۔ جو کہ یقیناً تمہارے ہی حق میں ہو گا' دوسری بات یہ کہ سنبل

چونکہ بے حد جذباتی ہے اور اگر میں نے ابھی اس کی مخالفت میں کچھ کیا تو وہ مجھ سے بدظن ہونے میں ایک سیکنڈ نہیں لگائے گی' اس لیے تم خود کو ہلکان نہ کرو تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔"

رضیہ بیگم پیار سے اسے سمجھا کر خالی گلاس کاؤنٹر پر رکھ کر چلی گئیں' دل و دماغ سے ایک بوجھ سرکتا ہوا محسوس ہوا اور دوسرے ہی پل وہ مسکراتے ہوئے باقی برتن دھونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"بھئی میں تو کہتی ہوں بلاوجہ دماغ کھپا رہے ہو تم اس کام میں' سیدھے طریقے سے نوکری ڈھونڈو' ٹھیک ہے نہیں مل رہی تو کوئی بات نہیں' جہاں سے اللہ نے رزق دینا ہو گا وہاں مل جائے گی' تم صبر تو کرو۔"

اظفر کچھ دیر پہلے ہی اس کے گھر آیا تھا اور سلیم کے ذمے اسکول کے لیے ایک کشادہ دو منزلہ عمارت ڈھونڈنے کا کام لگا چکا تھا' اسکول کے نشستوں' بلیک بورڈز' کرسیاں' میزیں اور دیگر ضروری چیزیں بھی خریدنی تھیں تمام کام کاغذوں کی حد تک تو مکمل ہی تھا بس عملاً" کرنا رہ گیا تھا۔ ساری داستان حفصہ نے بے حد خاموشی سے سنی تھی۔ اور اس کو بھائی کا یہ اقدام کسی بھی طور نہیں بھایا تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ اظفر اس درد سری سے دور رہے۔ اسی لیے ایک اور کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"آپا! میں تمام کاغذی کارروائی کر چکا ہوں۔ اب تو بس بسم اللہ کرنے کی دیر ہے الحمدللہ کا وقت بھی آجائے گا۔ بیج لگانے کے لیے زمین دیکھی جاتی ہے' اس پر محنت کی جاتی ہے' بیج لگانے کے بعد تو کام کافی آسان ہو جاتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور یہی میں کہہ رہی ہوں اظفر' یہ کام اتنا آسان نہیں ہے اور پھر تم جیسا لاابالی انسان..... تم نہیں کر سکو گے یہ سب۔" اس نے آخری کوشش کی۔

"کیوں نہیں کر سکوں گا میں آپا اور آسان کام تو کوئی بھی نہیں ہوتا' ہر کام کی شروعات میں تھوڑی بہت مشکلات کا سامنا تو ہر انسان کو کرنا پڑتا ہے' اب مشکلات کے ڈر سے انسان کام کرنا ہی چھوڑ دے یہ تو نری بزدلی ہوئی' انسان کی توہین ہوئی۔" اس کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"خیر جو بھی کرنا ہے جلدی کرو' میں اب جلد از جلد تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔" حفصہ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

"میں بھی آپ سے اس سلسلے میں دوٹوک اور واضح طور پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں بولو۔" وہ چونکی۔

"سنا ہے بجیا ستارہ کے لیے رشتے تلاش کر رہی ہیں" اس نے تمہید باندھی۔

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"یہی میں کہہ رہا ہوں آپ رضیہ آنٹی سے اس بارے میں فائنل بات کریں' میں اب اس قصے کو بھی نمٹانا چاہتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں کیا بات کروں ان سے؟" وہ اچھلی۔

"اگر سنبل ستارہ کے لیے دوسری جگہ رشتے ڈھونڈتی پھر رہی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے نا کہ ان لوگوں کی مرضی تمہاری طرف نہیں پھر میں ان سے کیا بات کروں اور کیوں کروں؟ کیوں میں اپنی زبان کھوٹی کرواؤں نہ بابا میری بہت سبکی ہو گی اور سنبل اس بات کا ڈھنڈورا سارے شہر میں پیٹے گی' اچھی طرح جانتی ہوں میں اس کے مزاج کو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"آپا! آپ کو اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا' بس آپ سیدھے سبھاؤ جا کر رضیہ آنٹی سے کہیں کہ وہ ستارہ کے لیے کسی اور کو کہاں نہیں کر سکتیں' اس کی شادی مجھ سے ہی ہو گی۔" وہ دو ٹوک الفاظ میں بولا۔ سلیم خاموش بیٹھے بہن بھائی کی گفتگو سن رہے تھے۔ ان کا ویسے بھی اس معاملے میں بولنا نامناسب تھا جبکہ حفصہ نے خود بھی شوہر سے اس بارے میں کوئی رائے دینے کے لیے زور نہیں دیا

تھا۔

"اظفر! آخر کو تمہیں ستارہ میں ایسی کون سی خوبی نظر آتی ہے؟ ٹھیک ہے وہ خوب صورت ہے مگر اب ایسی بھی حور شمائل نہیں کہ بندہ اپنی بے عزتی کروائے۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"اس میں خوبیاں ہیں یا نہیں' وہ حور شمائل ہے یا نہیں' میں نہیں جانتا' میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی ہے' وہ میرے مزاج کو سمجھتی ہے' حالات کے مطابق خود کو ڈھال سکتی ہے اور میرے حساب سے میرے لیے مناسب ہے' امیدوں اور خوابوں کے پل باندھنے والا بندہ نہیں ہوں میں اور نہ ہی کوئی فلمی سوچ رکھنے والا غیر فطری نوجوان ہوں' ہر چیز کو سمجھتا ہوں اور پھر آپ نے ہی ستارہ سے میرا رشتہ جوڑا تھا۔ یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے کہ آپ نے کیا دیکھ کر رشتہ مانگا تھا۔ بہرحال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں اسے پسند کرتا ہوں اس لیے شادی بھی اس سے کروں گا۔"

وہ شاکڈ سے اس کی باتیں سن رہی تھی دوسرے ہی پل پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔ سلیم نے ناگواری اور بے زاری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا جبکہ اظفر بھونچکا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا اس طرح رو پڑنا یقیناً" اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کرے کیا۔ اس نے بے بسی سے بہنوئی کو دیکھا۔ اس نے سب ٹھیک ہو جائے گا کا اشارہ کیا۔

"آپا! آخر اس میں رونے والی کون سی بات ہے۔" کچھ دیر وہ اس کے چپ ہونے کا منتظر رہا مگر وہ ہنوز زار و قطار رو رہی تھی۔

"بھائی میں مانتی ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مگر اپنی جانب سے تو میں نے نیکی ہی کی تھی یہی سوچا تھا کہ اچھا خاندان ہے' تم خوش رہو گے' مگر دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے' سنبل جس قسم کی عورت ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے پھر میں جانتے بوجھتے اس کی بہن کو تمہارے ساتھ بیاہ کر تمہارے ساتھ دشمنی کیوں مول لوں۔" وہ دوپٹے کے پلو سے ناک پونچھتے ہوئے بولی۔

"پہلے تو آپ رونا بند کیجیے۔ دوسری بات آپا آپ ہر بات کا منفی پہلو کیوں دیکھتی ہیں۔ ہر انسان کی اپنی فطرت ہوتی ہے۔ میں آپ کا سگا بھائی ہوں مگر میری فطرت آپ کے جیسی تو ہرگز نہیں ہے۔ آپ ذرا ذرا سی باتوں کو دل سے لگا لیتی ہیں جبکہ میں ہر مسئلے کا حل ٹھنڈے دل و دماغ سے نکالنے کا عادی ہوں۔ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر ایک انسان فطری طور پر زیادہ اچھا نہیں ہے تو اس کا بھائی یا بہن بھی بالکل اسی کے جیسا ہو گا۔" وہ اٹھ کر بہن کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"آپ کو میری خوشی عزیز ہے نا؟" اس نے پوچھا' حفصہ نے دھندلی آنکھوں سے بھائی کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر میری خوشی ستارہ کے ساتھ شادی میں ہی ہے۔" وہ ہولے سے بولا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی بس کچھ لمحوں کے لیے اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بہن کو جاتا دیکھتا رہا۔

"پریشان نہیں ہو اظفر! یہ جو عورتیں ہوتی ہیں نا جب ان کے پاس اپنی بات منوانے کے لیے کوئی دلیل' کوئی جواز نہیں ہوتا نا تو رونا شروع کر دیتی ہیں اور حفصہ..... ان کے کیا کہنے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ ستارہ ہر لحاظ سے سنبل سے مختلف ہے۔ میں نے تمہیں کبھی سالا نہیں سمجھا' تم میں اور ندیم میں میرے لیے کوئی فرق نہیں ہے۔ باخدا اگر ستارہ تمہارے لیے مجھے موزوں نہ لگتی تو میں کبھی تمہیں ڈٹے رہنے کا نہ کہتا۔ جہاں تک سنبل اور تمہاری بہن کا تعلق ہے تو ان دونوں نے کبھی نہیں سدھرنا لہٰذا تم ان دونوں کی وجہ سے اپنے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دینا۔ حفصہ بچوں جیسی حرکتیں اور باتیں کرتی ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی غلطی مان لے گی۔" سلیم نے نہایت پرسکون انداز میں اسے سمجھایا۔

"جی بھائی صاحب مجھے یقین ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا اور کچھ دیر بیٹھ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

کہا جاتا ہے کہ دو ہم مزاج اور ہم فطرت لوگ آپس میں ایک مضبوط تعلق بنا سکتے ہیں مگر بعض اوقات دو ہم مزاج اور ہم فطرت لوگ ایک دوسرے کے سب سے بڑے حریف بھی ثابت ہوتے ہیں' حفصہ اور سنبل کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ بنیادی طور پر دونوں ہی کھری اور صاف گو تھیں' ان دونوں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کی اگر چاپلوسی کر کے جان بھی مانگ لی جائے تو وہ دینے سے دریغ نہ کریں اور جو اگر ان کی کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا جائے تو وہ اس بات کو منوانے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ ان کی فطرت میں حسد' جلن اور مقابلہ بازی نہیں تھی یہ بس اپنے اپنے وجود کو ایک دوسرے سے منوانے کی جنگ تھی جس میں سب سے زیادہ نقصان خود ان کی ہی ذات کو پہنچ رہا تھا۔

حفصہ گھر میں بڑی تھی اور بس ایک ہی چھوٹا بھائی تھا ماں کی وفات کے بعد اس کے والد نے تقریباً" گھر کا سیاہ و سفید اسی کے ہاتھ میں دے رکھا تھا یوں اسے صرف اپنی حکمرانی کی عادت تھی۔ خوش قسمتی سے شادی بھی ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں روک ٹوک اور اپنی چلانے والا کوئی نہیں تھا۔ کم و بیش یہی صورت حال سنبل کے ساتھ بھی تھی۔ وہ ایک بہن اور بھائی میں سب سے بڑی تھی۔ ہمیشہ بہن اور بھائی نے بڑی بہن کی حیثیت سے اس کی ہر جائز اور ناجائز بات مانی تھی' رضیہ نے بھی اس بات کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ شادی کے بعد بھی سنبل نے اپنی اس عادت پر قابو نہیں پایا اور نتیجتاً" حفصہ سے مقابلہ شروع کر دیا۔

اظفر اور ستارہ کا رشتہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ حفصہ کا خیال تھا کہ بہن کو اس کے بھائی سے منسوب کر کے سنبل کی اکڑ میں خاطر خواہ کمی آجائے گی جبکہ سنبل اس بات پر مزید شیر ہو گئی تھی کہ اس کی خوبیوں اور اعلا صفات کی وجہ سے اس کی بہن کے ساتھ رشتہ جوڑا گیا ہے اور جب رشتوں اور تعلقات میں شرائط آجائیں تو پھر دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

دونوں ہی خاموشی سے ان دراڑوں کو پڑتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ دن گزر رہے تھے' ان دراڑوں کو پاٹنے کی کوشش کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ ندیم اور سلیم آپس میں مل رہے تھے' ایمن اور عالیان اور ماہا بھی ایک دوسرے کے گھر جا رہے تھے۔ بس سنبل اور حفصہ تھیں جو ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھ رہی تھیں۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کی خیر خبر بھی نہیں لے رہیں اس کام کے لیے خالہ صفیہ سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ دونوں ہی جانتی تھیں کہ شوہروں سے تو وہ کچھ پوچھ نہیں سکتیں کہ ماشاء اللہ دونوں ہی پکے ہیں بھاپ تک نہیں نکالیں گے زبان سے دونوں ہی اپنے اپنے شوہر سے ہر ممکن طور پر ایک دوسرے کا ذکر کرنے سے مکمل پرہیز کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شب برات آچکی تھی' محلے کے دوسرے بچوں کے ساتھ پٹاخے جلاتے ہوئے عالیان کا ہاتھ بری طرح جھلس گیا تھا۔ سلیم اور ندیم فوراً" سے بیشتر محلے کے دوسرے چند مردوں کے ساتھ اسے لے کر ہسپتال بھاگے تھے۔ سنبل یہ خبر پا کر فوراً" ہر بات بھلا کر حفصہ کے گھر چلی گئی۔

وہاں تقریباً" سارے ہی محلے کی خواتین جمع تھیں' وہ بھی حفصہ کے برابر میں جا کر بیٹھ گئی جس کا رو رو کر برا حال تھا۔ اس نے حفصہ کو گلے سے لگا لیا۔

وہاں بیٹھی سب ہی خواتین نے اپنے اپنے انداز میں حفصہ کو تسلی دی تھی' اسے چپ کروانے کی کوشش کی تھی۔ صرف سنبل تھی جس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا وہ بس حفصہ کو سینے سے لگائے بیٹھی رہی۔ کچھ ہی گھنٹوں بعد عالیان کو لے کر وہ لوگ واپس آگئے تھے۔ ڈاکٹر نے پٹی کر دی تھی اور چند احتیاطی تدابیر بھی بتائی تھیں۔

کچھ لمحوں بعد سنبل اٹھ کر واپس اپنے گھر چلی آئی اور آتے ہی کچن میں گھس گئی۔ آٹا گوندھا اور خاموشی سے روٹیاں پکا کر دسترخوان میں لپیٹ دیں۔ وہ اپنے لیے تو روٹیاں پکا ہی چکی تھی۔ ایک چھوٹی ڈش میں سالن نکال کر اس نے ٹرے میں ڈش اور روٹیوں والا دسترخوان رکھا اور کچن سے نکل کر صحن میں بائیں جانب دیوار کے قریب چلی آئی اور وہیں کھڑے ہو کر دیوار پار ندیم کو پکارا جو ابھی تک سلیم کے پاس بیٹھا تھا۔ محلے کی خواتین اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں ندیم اس کے پاس آگیا۔ وہ خاموشی سے کچن میں چلی آئی اور کھانے سے سجی ٹرے اٹھا کر شوہر کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

"بھابھی تو پریشانی میں کچھ پکائیں گی نہیں اور ویسے بھی کھانے کا ہوش ہے ہی کسے؟ پھر بھی پیٹ روٹی تو مانگتا ہی ہے اس لیے بس کھانا بھجوا رہی ہوں اور ہاں آتے ہوئے ایمن کو بھی لیتے ہوئے آئیے گا۔ بھابھی کی پوری توجہ عالی کی طرف ہونی چاہیے کہیں ایمن انہیں پریشان نہ کرے اور ساتھ ساتھ ایمن کا یونیفارم اور بیگ بھی لیتے آئیے گا۔"

وہ سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے ندیم کو بے حد خوب صورت لگی۔ اس نے احساس تشکر سے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہیں سکا اور ٹرے لے کر گھر سے نکل گیا۔

دوسری جانب حفصہ نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ سنبل اس دن کے بعد دوبارہ اس کے پاس نہیں آئی۔ مگر باقاعدگی سے دوپہر اور رات کا کھانا بھجوا رہی تھی۔ عالیان بے حد چڑچڑا ہو رہا تھا اور ایک پل کے لیے بھی اسے اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دے رہا تھا۔ مزید حیرت ناک بات یہ تھی کہ سنبل بلا چون و چرا کیے نا صرف صبح جلدی اٹھ رہی تھی' ایمن کو اسکول خود تیار کر کے بھیج رہی تھی بلکہ ان لوگوں کا ناشتا بھی بھجوا رہی تھی۔ ستارہ' رضیہ بیگم اور فرحان بھی عالیان کو دیکھنے آئے تھے۔ ستارہ اسے کچھ کچھ بجھی ہوئی لگی تھی۔ وہ وجہ پوچھ نہیں سکی کیونکہ وجہ وہ جانتی تھی۔

کہتے ہیں کہ کوئی بھی پریشانی کبھی بھی تنہا نہیں آتی۔ ایک پریشانی کے بعد دوسری پریشانی خود بخود تعاقب کرتے ہوئے آدھمکتی ہے۔ پریشانیاں لہروں کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک لہر ساحل سے ٹکرا کر پلٹتی نہیں ہوتی کہ دوسری چلی آتی ہے اور پہلی لہر سے زیادہ شوریدہ سر ہوتی ہے انسان کے قدم آپ ہی آپ متزلزل ہونے لگتے ہیں۔ عالیان کا ہاتھ مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ ندیم کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا۔ وہ ایک پرائیوٹ فرم میں ملازم تھا جو کہ پارٹنر شپ کی بنیاد پر قائم کی گئی تھی اور کچھ عرصے سے نقصان میں جانے کی سبب پارٹنر شپ ختم ہو گئی تھی اور سارا نزلہ بے چارے ورکرز پر گرا تھا۔

ندیم اور سنبل دونوں ہی پریشان تھے۔ سلیم نے سنبل کو کھانا بھجوانے سے منع کر دیا تھا ہر چند کہ ندیم کی فیملی انتہائی مختصر تھی اور بظاہر کوئی لمبے چوڑے اخراجات بھی نہیں تھے ایک چھ ماہ کی بچی تھی مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں تھا کہ اس مہنگائی کے عالم میں دو افراد کا خرچہ بھی اچھا خاصا تھا۔

"اور خرچ کرو روپیہ اللے تللوں میں' بے کار میں روپیہ محض مقابلہ بازی کے لیے دونوں ہاتھوں سے اڑایا تھا نا اب بھگتو' اگر وہی رقم آج جمع کی ہوتی تو کام آجاتی تاوقتیکہ مجھے دوسری ملازمت نہیں مل جاتی مگر نہیں ہماری بیگم صاحبہ خود کو توپ سمجھتی ہیں۔"

وہ الٹا اس پر گرم ہو رہا تھا اور وہ بیٹھی آنسو بہا رہی تھی وہ دل سے یقین کر رہی تھی کہ ندیم جو بھی کہہ رہا ہے غلط نہیں کہہ رہا۔ واقعی اس نے کفایت شعاری اور سمجھداری کا مظاہرہ کیا ہوتا تو آج مستقبل کا سوچ کر اس کا دماغ خراب نہ ہوتا۔

حفصہ گھڑی دو گھڑی کے لیے اس کے پاس آئی تھی مگر خاموش ہی رہی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ پے در پے آنے والی پریشانیوں نے دونوں کے ہی دماغ ٹھکانے لگا دیے تھے اور دونوں ہی حتی الامکان زبان کے استعمال سے پرہیز کر رہی تھیں۔ دونوں ہی کو اپنی

اپنی خامیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں کا ادراک ہو رہا تھا اور دونوں ہی یہ سوچ رہی تھیں کہ اب ان غلطیوں کو ٹھیک کیسے کریں ایک جانب انا تھی جو پیش قدمی سے روک رہی تھی۔ دوسری جانب انسانیت تھی جو کلیجہ چیر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آدھا سامان میں نے الگ نکال کر شاپر میں رکھ دیا ہے آپ ندیم کے گھر دے آئیے گا۔" حفصہ کمرے کے اندر آتے ہوئے بولی۔ سلیم کچھ ہی دیر پہلے مہینے کا سودا سلف لے کر گھر آئے تھے۔

"مطلب؟" وہ نا سمجھی سے بولے۔

"بھئی رمضان کی آمد آمد ہے آج کل میں چاند نظر آنے ہی والا ہے اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی تنخواہ ہمارے اخراجات کے لحاظ سے بہت مناسب ہے یہ تو میں ہی تھی جو بے جا اسراف میں پڑ گئی تھی۔" وہ آرام سے بولی۔ یہ پہلی بار تھا جو وہ میاں کے سامنے اس طرح مسکراتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کر رہی تھی۔

"میں نے سامان کی لسٹ بناتے ہوئے زیادہ مقدار میں چیزیں اسی لیے منگوائی تھیں کہ بعد میں ان کو آدھا آدھا برابر حصوں میں تقسیم کر کے اس کو بھجوا دوں گی اب سنبل رمضان کے روزے رکھے گی عبادت کرے گی یا اس فکر میں مبتلا رہے گی کہ ندیم کو نوکری کب ملے گی اور خرچہ کس طرح پورا ہو گا۔" وہ سنجیدگی اور مدبرانہ انداز سے بولی۔ سلیم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں۔

☼ ☼ ☼

رمضان کا چاند نظر آ چکا تھا، ندیم سلیم کے ساتھ تراویح پڑھنے کے لیے جا چکا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد چاند نظر آتے ہی محلے کے لوگوں نے مبارکبادیوں کا سلسلہ گھر گھر جا کر شروع کر رکھا تھا۔ مسجدوں سے آتی ہوئی نماز، تراویح میں پڑھی جانے والی آیتیں ماحول کو بے حد خوب صورت اور پر کیف بنائے ہوئے تھیں۔ تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"السلام علیکم رمضان کا چاند مبارک۔" دوسری جانب ستارہ تھی۔

"وعلیکم السلام تمہیں بھی مبارک۔ امی کہاں ہیں؟" اس نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"ساتھ بیٹھی ہیں۔ بلاتی ہوں۔" کہہ کر ستارہ نے ریسیور نیچے رکھ دیا۔

"ہاں بیٹی رمضان کا چاند مبارک ہو۔" کچھ لمحوں بعد رضیہ بیگم کی آواز گونجی۔

"السلام علیکم امی آپ کو بھی مبارک ہو۔ رحمتوں، برکتوں اور مغفرت کا مہینہ شروع ہو گیا ہے امی، ہمارے لیے دعا کیجیے گا۔" نہ جانے کیوں وہ بری طرح رو پڑی۔

"کیا ہوا سنبل؟ کیوں اس طرح رو رہی ہو۔" وہ پریشان ہو گئیں۔

"جی امی! میں تنہا ہو گئی ہوں کوئی بھی نہیں ہے گھر میں، ابا بھی سو رہی ہے، ہو کا عالم ہے گھر میں، سناٹا جیسے میرے گلے کو دبوچ رہا ہے۔ مسجدوں سے نماز کی بلند آوازیں گونج رہی ہیں اور پہلی بار مجھے خوف آ رہا ہے۔ خود سے اپنے انسان ہونے سے۔" وہ بری طرح روتے ہوئے بولی۔

"سنبل! میری بچی سنبھالو خود کو، میں یہ تو ہرگز نہیں کہوں گی کہ تم غلط سوچ رہی ہو، یہ تو حقیقت ہی ہے کہ تم نے خود کو تنہا کر لیا ہے اب اگر تم نے حفصہ بیٹی کے ساتھ اپنا برتاؤ ٹھیک رکھا ہوتا تو آج وہ اس وقت تمہارے ساتھ ہوتی دل کی وہ بھی بری نہیں دل تمہارا بھی خراب نہیں، دل میں چھپی ہوئی اچھائی کو باہر نکالو، راستہ دو اسے اپنے رویے سے اپنی زبان سے ابھی تم نے خود کہا کہ یہ رحمتوں، برکتوں اور مغفرت کا مہینہ ہے تو معافی مانگ لو اللہ سے، اللہ کے بندوں سے، رحمتیں، برکتیں تو برستی ہی رہیں گی مگر اس مہینے میں جتنا دامن بھر سکتی ہو بھر لو۔" وہ بے حد پیار سے آرام آرام سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔ ایک ایک لفظ سنبل کے دل میں امرت کی طرح اتر رہا تھا۔

"جی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی اور تھوڑی دیر بعد فون رکھ دیا اور آ کر صحن میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دل بری طرح بھر آ رہا تھا، آنسو ایک بار بھر آنکھوں سے جاری ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"حفصہ! ایک بات کہوں بیٹی۔" انہوں نے سلام اور مبارک باد دینے کے بعد تمہید باندھی۔

"جی کہیے۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"میں نے تم میں اور سنبل میں کبھی بھی فرق نہیں کیا تم دونوں کے ساتھ ایک جیسا رویہ رکھا عید بقر عید پر جو کچھ بن پڑا جیسا سنبل کے لیے کیا ویسا ہی تمہارے لیے بھی یہ نہیں سمجھتا کہ میں تم پر احسان کیا تھا اور آج میں اسے جتا رہی ہوں۔ میں نے جو بھی کیا بحیثیت ماں کے کیا، ابھی جو میں نے تمہیں فون کیا ہے وہ بھی ایک ماں کی حیثیت سے کیا ہے تمہیں سمجھاؤں گی وہ بھی ایک ماں ہونے کے ناتے ہی فرض پورا کروں گی ہر چند کہ مجھے یہ بہت پہلے کہنا چاہیے تھا۔ اتنی دیر کر دی میں نے یہ میری غلطی ہے۔ بہر حال بیٹی اگر تمہارے دل میں سنبل کے لیے کوئی بات ہے تو میں اس کی جانب سے معافی مانگتی ہوں۔" ان کے لہجے میں صرف شفقت تھی جانتی تھی حفصہ کا دل بری طرح پھڑپھڑایا۔

"نہیں آنٹی گناہ گار نہ کریں، ابھی آپ نے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہیں صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ تین سال میں آپ نے بارہا یہ ثابت بھی کیا پھر آپ مجھ سے معافی نہ مانگیں مجھے حکم دیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو ٹھیک ہے بیٹی میں تم کو حکم دیتی ہوں اس لیے کہ تم میری بڑی بیٹی ہو اور حفصہ اللہ اگر آپ کو کسی کی نوعیت سے بڑا بنا دے تو پھر آپ کو قدم قدم پر بڑا کرنا پڑتا ہے، ہر حال میں اپنی بڑائی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ تین سالوں میں تمہارے اور سنبل کے درمیان جو بھی محاذ آرائیاں ہوئی ہیں ان میں میں نے دخل اندازی نہیں کی صرف اس لیے کہ وہ تم لوگوں کا آپس کا معاملہ تھا۔ ہمارے معاشرے میں اکثر مائیں یہی غلطیاں کرتی ہیں کہ بیٹیوں کی سسرال میں ہو جانے والی اونچ نیچ میں بلاوجہ بیٹیوں کی طرف داری کرتی ہیں اور جانبدار ہو کر فیصلہ کرتی ہیں، بیٹیوں کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی ہیں، اللہ گواہ ہے کہ میں نے سنبل کی کبھی پشت پناہی نہیں کی، مگر میں تین سال سے خاموش رہی ہو تو صرف اس لیے کہ تم لوگ ایک دن خود ہی اپنا محاسبہ کرو گی، خود ہی اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کرو گی، اپنے اپنے قبلے خود ہی درست کرو گی کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" رضیہ بیگم نے اس کی رائے جاننی چاہی۔

"جی آپ بالکل درست فرما رہی ہیں۔" اس نے ناک سکیڑی۔

"مگر مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے کہ تم دونوں کو ہی اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے مگر پہل کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی، ادھر سنبل کا حال تم سے مختلف نہیں ہے۔ میں ہرگز یہ نہیں مان سکتی کہ تم دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ حالیہ دنوں میں جس طرح تم دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے وہ اس تاثر کی نفی کرتا ہے۔ مگر بیٹی کیا ضروری ہے کہ مشکلات اور پریشانیاں آئیں تب ہی انسان آپس میں یکجہتی کا مظاہرہ کرے، کیا عام حالات میں، سکھ کے دنوں میں انسان محبت اور خلوص سے نہیں رہ سکتا۔ بہر حال میں تم دونوں کو شرمندہ نہیں کروں گی، بس اتنا کہوں کہ آج سے ایک بابرکت مہینہ شروع ہو گیا ہے وہ مہینہ جس میں رحمتوں اور برکتوں کی کوئی گنتی ہی نہیں اور معافیوں کا بھی کوئی شمار نہیں باقی تم دونوں خود سمجھ دار ہو۔" انہوں نے نہایت ہی واضح اور مختصر الفاظ میں بے حد اہم بات کہہ دی۔ لفظ لفظ اس کے دل میں اترا تھا۔

"جی آنٹی، آپ آئیں گی کب ہمارے گھر، میرا مطلب ہے ہم دونوں کے گھر۔" حفصہ نے بہت آسانی سے انہیں جتا دیا کہ وہ ان کی باتوں کا مفہوم سمجھ

گئی ہے۔

"آؤں گی ضرور آؤں گی مگر تم دونوں کو باہمی طور پر میری دعوت کرنی ہوگی' میری بیٹیاں مجھے دعوت دیں گی تو کیوں نہیں آؤں گی؟" وہ انتہائی محبت سے بولیں۔

"ٹھیک ہے آنٹی میں سنبل سے مشورہ کرکے آپ کو مطلع کردوں گی۔۔۔ اور سنائیں ستارہ اور فرحان ٹھیک ہیں۔" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"ہاں اللہ کا کرم ہے۔ اچھا بیٹی اللہ حافظ۔" انہوں نے اجازت مانگی۔

"اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا کچھ دیر یونہی کھڑی جیسے کچھ سوچتی رہی پھر عالیان اور ایمن کو جھگڑا نہ کرنے کی ہدایت کرکے گھر سے باہر آگئی اور برابر کے ادھ کھلے گیٹ کو تھوڑا سا اور کھول کر اندر داخل ہوگئی اور دوسرے ہی لمحے چکرا کر رہ گئی۔ سامنے کرسی پر بیٹھی سنبل بری طرح رو رہی تھی۔

"کیا ہوا سنبل خیریت تو ہے؟" وہ تیزی سی تیزی سے اس کے پاس پہنچی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا۔" سنبل نے کہہ کر دوپٹے سے آنسو خشک کرنا شروع کردیے۔

"ماہا کہاں ہے؟"

"اندر سو رہی ہے۔" فوراً" جواب آیا۔

"تم یہ بتاؤ کہ کیوں رو رہی تھیں اکیلی' اگر میں نہ آتی تو نہ جانے کب تک یونہی بے وقوفوں کی طرح روتی رہتیں۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔ سنبل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آپ نے بھی تو آنے میں دیر لگادی۔" آپ ہی آپ شکوہ زبان سے پھسل گیا۔

"تم منتظر تھیں؟" حفصہ نے مدھم سے لہجے میں پوچھا۔

"میں۔۔۔" وہ گڑبڑائی۔

"نہیں آپ کے دیور کا گھر ہے آپ کا اپنا ہی گھر ہے جب چاہیں آسکتی ہیں۔" وہ لہجہ تبدیل کرتے ہوئے بولی۔ حفصہ خاموش رہی۔ دونوں ہی اس وقت معافی تلافی کے لیے جملے ترتیب دے رہی تھیں اور زندگی میں پہلی بار انہیں احساس ہو رہا تھا کہ کبھی کبھی بولنا بھی دشوار ہوا کرتا ہے۔

خاموشی کا وقفہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں یونہی دل گھبرایا تو چلی آئی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیسے کہہ دیتی کہ آئی تو تم سے معافی مانگنے تھی۔

"ٹھیک ہے بھابھی میں آؤں گی سحری میں پراٹھے اور آملیٹ بنا کر آپ کچھ نہ کیجیے گا۔" وہ بھی کھڑے ہوتے بولی۔

"نہیں نہیں سنبل میں کرلوں گی' صبح صبح تمہیں باورچی خانے میں جانا پسند نہیں اور پھر رات کو ماہا بھی تمہیں پوری نیند نہیں لینے دیتی میں کرلوں گی پریشان نہیں ہو اور ہاں ایسا کرنا کہ صبح سحری تم لوگ ہمارے ساتھ ہی کرنا اور افطاری بھی۔" اس نے پیار سے کہا۔

"اب دیکھو منع نہیں کرنا بڑی بھاوج ہوں تمہاری" وہ اسے منہ کھولتا دیکھ کر ٹوک کے بولی۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً" بات مان لی۔ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی گھروں میں ہونے والی مخصوص چہل پہل' تاریکی میں مسجدوں سے گونجتے ہوئے مختلف اعلانات اور اعلانات کے دوران نعتوں نے ماحول کو بے حد معطر' پاکیزہ اور خوب صورت بنایا ہوا تھا۔ سنبل' ندیم سوئی ہوئی ماہا کو ساتھ لیے وہاں پہنچ چکے تھے' حفصہ سحری کے لیے پراٹھوں کا آٹا گوندھ چکی تھی' آملیٹ کا آمیزہ بھی تیار تھا' میٹھا کھانا چونکہ سنت ہے اس کے لیے بھی حلوہ کرکے وہ فریج میں رکھ چکی تھی۔ کام زیادہ نہیں رہ گیا تھا پھر بھی سنبل نے اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود ہاتھ بٹانا شروع کردیا۔ نہایت خاموشی سے تمام نفوس نے سحری کی اس خاموشی میں محسوس کیا جانے والا سکون تھا۔ مسجدوں سے سحری کا وقت ختم ہونے کے اعلانات شروع ہوگئے تھے۔ اذان فجر کی آواز بلند ہوتے ہی ندیم اور سلیم نماز کے لیے گھر سے نکل گئے۔ ان دونوں نے جھوٹے برتن باورچی خانے میں رکھے اور وضو کرکے نماز کی ادائیگی کی۔ ندیم نماز پڑھ کے آکر سو گیا تھا جبکہ سلیم آفس جانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران ان دونوں نے برتن وغیرہ دھوئے۔ اس تمام عرصے میں ان دونوں کے درمیان بالکل بھی بات چیت نہیں ہوئی۔ کام سے فارغ ہوکر سنبل بھی گھر آکر سو گئی۔

شام میں عصر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ حفصہ کے ہاں چلی گئی۔ جبکہ ماہا کو ندیم سنبھال رہا تھا۔ افطاری پر کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا جتنا کہ وہ دونوں پہلے روزے کو کرنے کی عادی تھیں۔ تقریباً" ساری ہی چیزیں گھر میں تیار کی گئی تھیں۔ پکوڑے' چھولے اور فروٹ چاٹ۔ بس حفصہ نے مہنگائی کا رونا رونے کے بجائے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کا گر بالآخر سیکھ ہی لیا تھا۔ جتنے روپے وہ ایک دن کی افطاری میں بازار سے منگوا کر خرچ کرتی' اس سے کم روپوں میں اس نے ساری چیزیں گھر میں تیار کرلیں اور اس بات کا بھی خیال رکھا کہ روزہ اللہ کے لیے رکھا ہے خود کو زبان کے چٹخاروں کے لیے نہیں۔

افطاری کے بعد مغرب کی نماز ادا کرکے تمام لوگوں دسترخوان پر بیٹھے باقی ماندہ بچ جانے والی چیزوں پر ہاتھ صاف کررہے تھے۔

"بھئی واہ بجیا مزا آگیا۔ چھولے بہت ہی لذیذ بنے تھے۔" ظفر نے چھولوں سے بھرا چمچہ منہ میں لے جاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی سنبل واقعی تم نے چھولے بہت لذیذ بنائے ہیں۔" حفصہ نے بھی بھائی کی تائید کی۔ ندیم اور سلیم ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ ان کے خیال میں اب جنگ ایک بار پھر شروع ہونے کو تھی۔

"شکریہ بھابھی! آپ نے بھی تو پکوڑے کتنے خستہ اور کرارے بنائے واقعی مزا آگیا۔" سنبل کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی۔ لگاوٹ بھی نہیں تھی۔ زندگی میں شاید پہلی بار دونوں نے دل سے ایک دوسرے کی تعریف کی تھی۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کے اچھے کام' اچھے عمل کی تعریف ہو اور جب دوسرے لوگ بخل سے کام لینے لگیں تو زندگی میں جو اتھل پتھل ہوتی ہے اس کا تصور بھی انسان نہیں کرسکتا۔ حالانکہ کوئی اتنا مشکل کام بھی نہیں بس دل بڑا کرنا پڑتا ہے۔ ظرف کے دہانے کھولنے پڑتے ہیں۔ زبان سے ایک چھوٹا سا جملہ کہ "بہت اچھا کیا ہے آپ نے" ادا کرکے انسان اپنی ذات کو تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔ خواہ ایسا آپ محبت کی وجہ سے کریں' لالچ کی وجہ سے یا نظریہ ضرورت کی بنیاد پر زندگی بہرحال آسان ہوجاتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم یوں کرتے ہیں کہ ایک دن سحری اور افطاری کا اہتمام میرے گھر اور ایک دن سنبل کی طرف کرتے ہیں مل کر کھانے پینے سے محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور عبادتوں میں بھی بے حد سکون ملتا ہے۔" حفصہ نے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا۔

"بالکل بھابھی میری بھی یہی رائے ہے۔" سنبل نے فوراً" تائید کی۔

"کیوں ندیم؟" اور ساتھ ہی شوہر کی رائے بھی جاننی چاہی۔

"بھئی جو آپ دونوں کو منظور۔" ندیم نے بات سمیٹی۔

☼ ☼ ☼

"واقعی امی کا سمجھانا دونوں آپاؤں کی سمجھ میں آگیا ہے۔ یعنی کہ امی کا میدان عمل میں اترنا رائیگاں نہیں گیا۔" ساری روداد سننے کے بعد وہ بولی۔

"کیا مطلب؟" ظفر نے حیرانی سے پوچھا۔

"بھئی امی نے دونوں کی باری باری کلاس لی تھی اور اپنے بڑے ہونے کا حق بالکل درست وقت پر استعمال کیا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔ اور پھر ساری بات جو رضیہ بیگم نے حفصہ اور سنبل سے کہی تھی اسے بتائی۔

"واہ واقعی آنٹی نے نہایت سمجھ داری اور عقل مندی کا ثبوت دیا۔" وہ سراہتے ہوئے بولا۔

"لیکن ستارہ اگر یہ کام وہ کئی سال پہلے کر لیتیں تو آج یقیناً" پکی پکی بہنیں بن چکی ہوتیں وہ دونوں۔" اس نے ایک نقطہ اٹھایا۔

"ہاں یہ سوال میں نے بھی امی سے کیا تھا تو انہوں نے کہا وہ چاہتی تھیں کہ وہ خود سے اپنی غلطیوں کو سدھاریں، لیکن ایسا وقت پر نہیں ہوا اور پھر جب حالات سازگار ہوئے تو انہوں نے ضرب لگادی، بقول امی کے دونوں ہی سمجھ دار اور حساس ہیں بس صحیح سمت اور تھوڑی سے گائیڈنس کی ضرورت تھی جو امی نے دی، اللہ اللہ خیر صلا۔" وہ کھلکھلائی وہ جواباً" مسکرا دیا۔

"خیر آپ سنائیں اسکول کہاں تک پہنچا؟" اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"ابھی تک تو کہیں نہیں پہنچا، عمارت کہیں مل نہیں رہی تھی لہٰذا میرے پارٹنر دوست نے اپنی امی اور بہن کو میرے گھر رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور اب اس کے ڈبل اسٹوری گھر کو ہم اسکول کی شکل دے دیں گے، رجسٹریشن کے لیے بھی کاغذات جمع کروا دیئے ہیں۔ پبلسٹی کے لیے پمفلٹس چھپوانے ہیں اس کے علاوہ ہماری باجیاں تو ہیں ہی اور ان کی قائل کرنے کی صلاحیت کے تو ہم سب معترف ہیں۔ اس کے علاوہ فرنیچرز اور دوسری ضروری چیزوں کا آرڈر بھی دے دیا ہے۔ بس ان شاء اللہ عید کے فوراً" بعد ہم صرف شام میں ٹیوشن سینٹر سے شروعات کریں گے اور پھر نئے تعلیمی سال کی ابتدا سے شروع کریں گے اسکول۔" وہ نہایت آرام سے ایک ایک تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔

"اور اظفر ان تمام باتوں میں آپ ایک انتہائی اہم چیز بھول رہے ہیں۔" اس نے ٹوکا۔

"ہوں۔" وہ چونکا۔

"وہ کیا؟"

"ٹیچرز۔" یک لفظی جواب دیا گیا۔

"ارے یار ظاہر سی بات ہے اب کام شروع کر رہے ہیں اور بنیادی چیز بھول جائیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ بہرحال طے یہ کیا گیا ہے کہ میں ایڈمنسٹریشن کا شعبہ سنبھالوں گا جبکہ میرے دو دوست فی الحال اساتذہ کے فرائض نبھائیں گے اور ایک مزے کی بات سنو، ندیم بھائی بھی میری اکیڈمی میں بحیثیت استاد ذمے داری نبھانے پر راضی ہو گئے ہیں۔" وہ بے سکون سے بولا۔

"اظفر! تم جو اتنے مطمئن ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت نقصان ہو جائے۔" وہ اندیشے میں گھر کے بولی۔

"یار اللہ ہے نا اور پھر اگر نقصان ہوا بھی تو کتنا ہوگا رسک تو لینا ہی پڑتا ہے اور پھر دوسری بات کہ تم منفی سوچوں ہی کیوں؟ میں ہمیشہ مثبت پہلو پر ہی سوچتا ہوں یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اگر آپ کو خود اپنی صلاحیتوں پر ہی کامل یقین نہ ہو تو پھر آپ واقعی کچھ نہیں کر سکتے۔" وہ تسلی آمیز انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے ویسے اظفر تمہارا کیا خیال ہے استانی میں بھی بن سکتی ہوں۔" وہ سنبھل سنبھل کر بولی مبادا وہ برا مان جائے۔

"ہاں خیال تو نیک ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"چلو ٹھیک ہے تم واحد استانی ہو گی ہمارے ادارے کی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اور تمہیں پتہ ہے میں نے ادارے کا نام بھی سوچ لیا ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نیا سویرا۔"

"واہ زبردست، بہت ہی یونیک ہے۔" اس نے سراہا۔

"نام کے ساتھ کام بھی یونیک کرنا ہے میڈم یہ مشکل ضرور ہے نا ممکن نہیں، میں واقعتاً" اس معاشرے میں نیا سویرا لانا چاہتا ہوں جو تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔" وہ پرعزم تھا۔

"اللہ کامیابی عطا کرے گا۔" اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔

"خیر! ہو سکتا ہے میں رات کو فون کروں، تراویح کے بعد گھر واپس آکر اب بجیا اور آپا کے سامنے بات کرنا کچھ عجیب لگتا ہے اور یقیناً" تم بھی مصروف ہو گی۔" اس نے بات سمیٹی۔

"جی ہاں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"او کے پھر اللہ حافظ، اپنا خیال رکھنا، سحری ٹھیک سے کرنا اور افطاری بھی ٹھیک سے۔" اس نے تاکید کی۔ وہ اسی طرح اس کا چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا تھا۔

"جی اللہ حافظ۔" کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ مغرب کی اذانیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ نماز کے لیے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

پہلا عشرہ اختتام پذیر ہو چکا تھا اور دوسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا روزوں کے ساتھ حفصہ کا پروگرام تھا کہ اس بار وہ جلد از جلد عید کے لیے کپڑوں، چوڑیوں اور مہندی اور دوسرے کھانے پینے کے لوازمات خرید لے گی اور اس حوالے سے اس کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی دن جا کر ساری چیزیں لے آئے گی ملک کی سیاسی اور معاشی حالات کے پیش نظر اور پھر سنبل کی گھریلو پریشانیوں کے باعث اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اس بار عید نہایت سادگی سے منائی جائے۔ لہٰذا وہ پندرہویں روزے کو دوپہر میں ہی سلیم کے ساتھ جا کر اپنے، ندیم، سلیم، سنبل، تینوں بچوں اظفر اور ستارہ کے لیے بھی ایک ایک جوڑے اور دیگر ضروری انتہائی ضروری اشیا خرید کر لے آئی۔

سنبل سے اس نے پوچھا بھی تھا کہ وہ شاپنگ پر کیوں نہیں چل رہی مگر اس نے بہانہ بنا کر ٹال دیا۔ حفصہ نے اسے مجبور نہیں کیا۔

اس دن وہ ظہر کی نماز پڑھ کر اور بچوں کو کھانا کھلا کر برتن دھو رہی تھی جب خالہ صفیہ اندر داخل ہوئیں۔

"اے حفصہ کہاں ہو؟" صحن سے ان کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"جی یہاں ہوں خالہ برتن دھو رہی ہوں۔" اس نے باورچی خانے سے ہی جواب دیا۔

"آپ بیٹھیے میں آتی ہوں۔"

وہ برتن دھو کر ان کے پاس آئی تب تک وہ صحن میں ہی رکھی کرسی پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہیں، وہ رمضان کے مہینے میں بھی اپنے گیارہ مہینوں کی روٹین میں ردوبدل نہیں کرتی تھیں۔ رمضان میں بھی ان کی دوپہریں تیرے میرے گھر میں عیب جوئیاں کرتے لگائی بجھائی کرتے اور کرید اور ٹوہ لینے میں گزرتی تھیں۔ تسبیح کے دانے گراتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ وہ زبان بھی خوب تیز چلاتی تھیں۔ ہاں اس دوران وہ نمازیں تقریباً" ساری پڑھتی تھیں۔ تین بیٹیاں تھیں جنہیں وہ بیاہ چکی تھیں ایک بہو تھی جو سارا دن گھر میں گھسی رہتی، جسے دروازے پر آنے کی اجازت نہ تھی۔ مجال تھی جو کوئی ان سے ان کے گھر کے اندرون خانہ معلومات حاصل کر لیتا۔

ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے مخصوص رازدارانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"حفصہ میں نے سنا ہے کہ سنبل کے گھر کا سارا خرچہ تم اٹھا رہی ہو یہاں تک کہ عید کی تیاری بھی تم نے کی ہے وہ بھی اس مہنگائی کے دور میں، شاباش بچی اعلا ظرفی اسے ہی کہتے ہیں اور وہ سنبل۔"

حفصہ جو سٹپٹاتے ہوئے ان کے ارشادات سن رہی تھی انہیں بیچ میں ہی ٹوک گئی۔

"نہیں خالہ! ایسی تو کوئی بات نہیں، ویسے آپ نے کس سے سن لی یہ باتیں۔" اس نے بات بنائی۔ جھوٹ وہ بول نہیں سکتی تھی، سچ بتانے پر وہ خود کو تیار نہیں پا رہی تھی۔

"ارے کسی اور سے کہاں سنی ہے وہی اپنی سنبل ہی بتا رہی تھی کہ بھابھی نے اس بار زکوٰۃ اور فطرہ نکالنے کے لیے ہمارا گھر چنا ہے۔ دیکھیے گا بعد میں کس کس طرح نیچا دکھائیں گی وہ مجھے۔" انہوں نے زہر اگلنا شروع کر دیا۔

"بس خالہ۔" اس کی ہمت جواب دے گئی۔

"پہلی بات تو آپ مجھ سے سنبل کی تو کیا کسی کی بھی غیبت نہ کریں اور دوسری بات میں مان لیتی ہوں کہ سنبل نے ایسی ویسی کوئی بھی بات آپ سے کہی ہے پھر بھی آپ کو مجھے وہ باتیں آکر نہیں بتانی چاہئیں۔ اس نے آپ پر بھروسہ کرکے ہی کہا ہوگا جو بھی کہا ہوگا اور آپ مجھے بتا کر اس بھروسے کو ٹھیس پہنچا رہی ہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولتی چلی گئی۔

"اے لو! مجھے کیا پڑی ہے جو میں کسی کی غیبت کروں، میری نہیں عادت اور میں تو سچ بول رہی ہوں اب تمہیں سچ برداشت نہیں تو کیا کیا جاسکتا ہے اور تم تو یوں بول رہی ہو جیسے تم دونوں کو لڑوانے میں ہمیشہ میرا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔" الٹا چور کوتوال کو کس طرح ڈانٹتا ہے آج حفصہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو تمہاری ہمدردی میں تمہارے ہی بھلے کی بات کر رہی تھی۔" وہ بلند آواز میں بولیں۔

"ایسا کیا کہہ دیا خالہ آپ نے میں بھی تو سنوں۔" دیوار پار سے سنبل کی آواز گونجی اور دوسرے ہی پل اس کا چہرہ دیوار پر نظر آیا۔

"ہاں تو خالہ! کیا کہہ رہی تھیں آپ بھابھی کی ہمدردی میں؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ خالہ صفیہ کیا جواب دیتیں ان کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی حالت ہو رہی تھی۔ زندگی میں وہ کبھی رنگے ہاتھوں نہیں پکڑی گئی تھیں جس طرح آج موقع واردات پر پکڑی گئی تھیں۔

"میں اس بار! تو یہ کہہ رہی تھی کہ سنبل تو..." وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگیں۔

"خالہ کہہ رہی تھیں کہ سنبل نے کہا ہے کہ بھابھی نے اس بار زکوٰۃ ہمیں دی ہے اس طرح جس طرح بھیک دی جاتی ہے اور اب میں اس مدد کا تذکرہ ہر آئے گئے کے سامنے کروں گی اور تمہارا مذاق بنواؤں گی۔" حفصہ نے ان کی بات کاٹی۔

"اچھا خالہ!" نہایت حیرانی سے کہا گیا۔

"جو بات انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی وہ آخر آپ کو پتہ کیسے چل جاتی ہے؟ آج تو اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیں آپ۔" سنبل نے بھی گھیرا تنگ کیا۔

"میں چلتی ہوں، بہو نے کہا تھا میری کہ جلدی آئیے گا ویسے بھی روزے کی حالت میں مجھ سے زیادہ دیر کہیں بیٹھا نہیں جاتا۔" کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے بیٹھیے ناں خالہ! اتنی جلدی کاہے کی ہے ابھی میں نے بھی تو سنبل کی ان باتوں پر تبصرہ کرنا ہے میں نے بھی تو بتانا ہے آپ کو کس طرح سنبل میرے ہر اچھے عمل کے جواب میں کم ظرفی دکھاتی ہے۔" حفصہ نے بھی آستینیں چڑھائیں۔

"اور ہاں خالہ! آپ نے تو یہ بھی بتانا ہے بھابھی کو میں ان کے خلاف کتنے خطرناک عزائم رکھتی ہوں، ان کی نیکیوں کے جواب میں، میں نے کتنا زہر اگلنا ہے۔" سنبل نے ناک کروا رکیا۔

"اور ویسے بھی بقول آپ کے، آپ سے زیادہ ہم دونوں کا ہمدرد اور غم گسار دنیا میں کون ہے۔" حفصہ نے ایک اور تیر چھوڑا۔ خالہ صفیہ سے بھاگتے ہی بنی۔

"دیکھا سنبل۔" حفصہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دروازہ پار کرتی خالہ صفیہ کی جانب اشارہ کیا۔

"دیکھ لیا اور سن بھی لیا، بھابھی روزے سے ہوں جھوٹ نہیں بولوں گی باخدا میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ بھابھی واقعی بہت اچھی ہیں یہ میری ہی بدقسمتی تھی جو میں ان کو سمجھ نہیں سکی۔" سنبل صفائیاں دینے لگی۔

"ارے چھوڑو سنبل! تم بھی کس کی باتوں کو دل سے لگا رہی ہو، اچھی طرح جان گئی ہوں میں خالہ کی فطرت کو اور سچی بات ہے کہ ان جیسے لوگوں کو خود سے کھیلنے کا موقع ہم ہی دیتے ہیں، ہماری ہی غلطی تھی جو ہم ان کو اپنا رازدار سمجھ کر اپنا دل ہلکا کرتی تھیں اور ان کو موقع مل جاتا تھا۔ بس سنبل کچھ لوگ ہوتے ہیں شکم پورے، نہ جانے دوسروں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کروا کے ان کی کون سی حس کی تسکین ہوتی ہے خیر" اس نے بات پلٹی۔

"ندیم کہاں ہے؟"

"ظفر کے پاس گئے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ابا کہاں ہے؟" فوراً سوال کیا گیا۔

"ابھی سلایا ہے اس کو، ساری رات جگایا تھا اس نے میں اس کو سلا کر کوڑا گلی میں پھینکنے ہی جا رہی تھی کہ خالہ کی آواز سنی، نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں کان لگا کر کھڑی ہو گئی دیوار سے، وہ تو قسمت ہی اچھی تھی جو میں نے آج خود ان کی اصلیت اپنے کانوں سے سن لی اللہ توبہ۔" سنبل نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"چھوڑو سنبل! وہ اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں اس وقت، کیوں ہم ان کی غیبت کرکے اپنے گناہ بڑھائیں۔ تم ایسا کرو سو جاؤ پھر عصر کے وقت اٹھا دوں گی میں تمہیں۔" اس نے رسان سے ٹوکا۔

"ٹھیک ہے بھابھی۔" وہ کہہ کر دیوار سے ہٹ گئی۔

حفصہ دروازہ بند کرکے اندر چلی آئی۔

آخری عشرے کی شروعات ہوا ہی چاہتی تھیں عصر کی اذان کے بعد ہی مسجدوں میں اعلانات ہونا شروع ہو گئے تھے معتکف ہونے والے روزے داروں کا ——— جوش و خروش دیدنی تھی۔ بازاروں میں رونقیں دوچند ہو چکی تھیں۔ چیزوں کی قیمتیں دوسرے آسمان سے ہو کر ساتویں آسمان پر پہنچ چکی تھیں اور مہنگائی مہنگائی کا شور مچانے والی عوام عبادت کرنے کے بجائے بازاروں کی خاک چھانتی پھر رہی تھی اور زندگی میں پہلی بار حفصہ کو اس بات کا شدید احساس ہوا تھا۔ وہ اعتکاف میں بیٹھ رہی تھی لہٰذا حفصہ بیگم نے سنبل، ندیم اور اظفر سمیت انہیں بھی افطار پر ایک دن پہلے بلایا تھا۔ دوسرے دن سے حفصہ نے اعتکاف میں بیٹھنا تھا۔

روزہ افطار کرنے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ ندیم، سلیم، اظفر اور فرحان بھی نماز پڑھ کر مسجد سے گھر واپس آچکے تھے۔ ستارہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ تب ہی حفصہ اپنے ساتھ لائے شاپر زاٹھاتے ہوئے بولی۔

۲ نئے ناول

دل دیا دہلیز

دفعت سراج کا ناول جو چار سال اور دو مہینوں تک خواتین ڈائجسٹ میں چھپتا رہا۔ کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔ بہنیں منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتی ہیں۔

قیمت ۔/600 روپے

شعاع میں چھپنے والا ماہا ملک کا ناول

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

جو بے حد پسند کیا گیا۔ اب بہنوں کی فرمائش پر کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔

قیمت ۔/150 روپے

اس پتے پر خط لکھیں۔
مکتبہ خواتین ڈائجسٹ۔ اردو بازار کراچی

یا

پتہ ذیل سے دستی خریدیں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37۔ اردو بازار کراچی

فون:۔ 216361

"آنٹی یہ لیجیے۔" اس نے شاپرز ان کی جانب بڑھائے۔

"ان شاپرز میں کیا ہے؟" وہ چونکیں سب نے ہی اپنی نظریں ان شاپرز پر مرکوز کرلیں۔

"ان شاپرز میں سنبل، ندیم اور ماہا کے کپڑے ہیں جبکہ دوسرے شاپر میں ستارہ کی عیدی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"مگر بھابھی آپ نے تکلف کیوں کیا؟" سنبل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

"کوئی تکلف نہیں کیا ہے میں نے تم سے کئی بار کہا تھا کہ عید کی خریداری کے لیے چلو میرے ساتھ بازار، مگر تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے تھے اس لیے پھر میں نے خود ہی خریداری کرلی، ہاں ساتھ میں تمہاری اور ماہا کی چوڑیاں اور مہندی بھی ہے، خیر اب مہندی تو ہم دونوں گھر میں ہی چاند رات کو لگالیں گی۔" حفصہ کے لہجے میں صرف اور صرف محبت تھی۔

"شکریہ بھابھی۔" ندیم تشکر سے بولا۔

"مار کھاؤ گے تم ندیم۔" حفصہ ڈپٹ کے بولی۔

"میں بڑی بہو ہوں اگر ہماری ساس حیات ہوتیں تو کیا وہ اپنی بہوؤں کو عید کی تیاری نہ کرواتیں اب مانا کہ مہنگائی بہت ہے، حالات بھی بے حد خراب ہیں مگر مایوس نہیں ہونا چاہیے اچھے دن ضرور آتے ہیں بس میں نے کہہ دیا ہے کہ اس بار ہم عید نہایت سادگی سے منائیں گے، ویسے بھی میانہ روی اور سادگی کا درس دیا ہے اللہ نے، بے جا نمود و نمائش کرکے ہم کو کیا حاصل ہو جائے گا؟ ایسے بھی لوگ ہیں اس شہر میں جن کے لیے دو وقت کا کھانا بھی پورا کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے، کیوں ہم انہیں احساس کمتری میں مبتلا کریں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"بھئی لگتا تو یہ ہے کہ ہماری بیگم آنے والے وقت میں الیکشن میں کھڑی ہونے والی ہیں۔ ان کی لیڈر شپ کے معترف تو ہم پہلے ہی ہیں۔" سلیم کی بات پر سب ہی ہنس پڑے۔

"جی نہیں جناب! مستقبل میں ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہوں میں، پچھلے کچھ دنوں میں اپنا محاسبہ کیا ہے میں نے اور اسی نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ہم خود ہی اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں، کوئی اور آکر ہماری زندگی کو گلزار نہیں بناتا۔ ہمیں خواہشات پالنی چاہئیں، ان کو پورا کرنے کی تگ و دو کرنی چاہیے اور اگر ناکامی ہو تو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے حالات کا جائزہ لے کر لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے پر الزامات دھرے جائیں کیوں آنٹی؟" وہ مدبرانہ لہجے میں بولی۔

"بالکل درست کہا بیٹی! میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ کہیں بھی کوئی خرابی ہوتی ہے تو اپنی اپنی جگہ پر سب ہی اس میں برابر کے حصے دار ہوتے ہیں کچھ چلا کر شور مچا کر تو کوئی خاموش رہ کر ہر طرح سے برابر کا ذمے دار ہوتا ہے خیر۔" انہوں نے رسان سے کہتے ہوئے بات پلٹی۔

"یہ بتاؤ کہ تم اعتکاف میں کب بیٹھ رہی ہو اور کیا تمہارے اعتکاف میں بیٹھنے سے سلیم بیٹے اور بچوں کو پریشانی تو نہیں ہوگی؟" انہوں نے سوال کیا۔

"نہیں امی پریشانی قطعاً نہ ہوگی۔" جواب سنبل کی جانب سے آیا۔

"سحری اور افطاری میں بنالیا کروں گی، بچے تو خیر شروع سے ہی اللہ جلد ہیں مجھ سے کسی قسم کی کوئی پریشانی ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھے گا ان شاء اللہ۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"اور عید کے پہلے روز سب کی دعوت ہوگی میری طرف۔" حفصہ نے اعلان کیا۔ ستارہ بھی برتن دھو کر ہاتھ خشک کرتے ہوئے وہیں آکر بیٹھ گئی۔

"اور میں یقین سے کہتی ہوں کہ اعتکاف ختم کرنے کے بعد ہم سب کی زندگی انتہائی مختلف ہوگی بالکل ویسی ہی جیسی کہ ہم نے اس بار رمضان کے پورے مہینے میں گزاری ہے۔ چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرتے، بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہوئے زبان کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے۔" وہ جذب کے عالم میں بولتی چلی گئی۔

"ان شاء اللہ۔" سب یک زبان ہو کے بولے۔

"آنٹی وہ سفید رنگ کا شاپر دیجیے گا۔" ایک خیال آنے پر حفصہ نے رضیہ بیگم سے کہا۔ انہوں نے اپنے پاس رکھے شاپرز میں سے اس کا مطلوبہ شاپر اٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

"لو بھئی ستارہ۔" اس نے شاپر ہاتھ میں لیتے ہی ستارہ کی جانب بڑھا دیا۔ وہ حیران نظروں سے دیکھنے لگی

"بھئی حیران نہیں ہو۔" وہ اس کی نظروں کو سمجھتے ہوئے بولی۔

"اس میں کوئی بم نہیں ہے یہ تمہاری عیدی ہے اگر کو میری اکلوتی بھابھی ہو تم۔" وہ کھلکھلائی۔ سنبل نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ مطمئن نظر آئیں۔ وہی خاموش رہی اظفر بھی شاکڈ تھا۔

"ویسے بیگم شاپر میں تو نہیں ہاں تم نے جو بات کہی ہے وہ واقعی بم سے کم نہیں ہے۔" سلیم مسکراہٹ دباتے ہوئے بولے۔ جبکہ ندیم نے بھائی کی بات پر قہقہہ لگایا۔ سنبل اور حفصہ بری طرح جھینپ گئیں۔

"آنٹی مجھے آپ سے ایک اور ضروری بات کرنی ہے۔" کچھ لمحوں بعد حفصہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بولو بیٹی۔" وہ محبت سے بولیں۔

"میں اب باقاعدہ طور پر آپ کی اجازت سے ستارہ اور اظفر کا نکاح کرنا چاہتی ہوں، منگنی کی تو ویسے بھی شرعی حیثیت نہیں، رخصتی ستارہ کا ماسٹرز مکمل ہونے کے بعد ہو جائے گی تب تک اظفر کا اسکول بھی ان شاء اللہ چل نکلے گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر ٹھوس لہجے میں بولی۔

"ارے بھابھی! آپ تو انتہائی روایتی انداز میں رشتہ مانگ رہی ہیں۔ اب ہم بھی روایتی انداز میں سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔" سنبل خوشی سے کھلکھلاتے ہوئے بولی۔

"مگر میرا خیال ہے مجھے زیادہ سوچنے کے لیے وقت کی ضرورت نہیں۔ ڈیڑھ سال سے تو ان کی منگنی کسی طرح چل ہی رہی تھی خیر۔" رضیہ بیگم نے رائے دی۔

"میرا فیصلہ تو یہی ہے کہ عید کے تیسرے دن نہایت سادگی سے نکاح کی رسم ادا کردی جائے باقی تم دونوں کو جو منظور۔" انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"مجھے تو منظور ہے کیوں سنبل؟" حفصہ نے سنبل کی جانب دیکھا۔ ستارہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ارے دلہنیا اپنی عیدی تو لیتی جاؤ، تمہاری نند نے بڑے پیار سے بنائی ہے۔" حفصہ کو جواب دینے کے بجائے سنبل نے جاتی ہوئی ستارہ پر جملہ پھینکا۔ وہ مزید تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور اپنے کمرے میں پہنچ کر پیچھے سے گونجنے والے قہقہوں کو سن کر خود بھی مسکرا دی۔

"کیوں میاں دولہا؟ آپ کن سوچوں میں ہیں کچھ تو بولیے۔" ندیم نے اظفر کو چھیڑا جو شاکڈ سا بیٹھا تھا۔

"کچھ نہیں سوچ رہا۔" وہ چونکا۔ "میں چلتا ہوں عشاء کی اذان ہونے والی ہے۔" وہ کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھئی آج تو اظفر بھی شرما رہے ہیں۔" سلیم نے پھبتی کسی وہ مسکراتا ہوا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ حفصہ نے محبت پاش نظروں سے بھائی کو جاتے ہوئے دیکھا جس کی خوشی اس کی آنکھوں سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

اظفر جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا ابھی اسے ستارہ سے بات بھی کرنی تھی، بہن کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔ جبکہ لاؤنج میں بیٹھے نفوس نکاح کے حوالے سے پلاننگز کرنے اور مبارکبادیاں دینے میں مشغول ہو چکے تھے۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ خوش اور مسرور تھے۔

"یقیناً" اس بار عید زندگی کو مزید خوب صورت اور حسین بنا دے گی، وہ زندگی جسے ہم اپنے اپنے طور پر خوب صورت بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں مگر بعض اوقات اپنے غلط رویوں اور غلط فیصلوں کی وجہ سے ہماری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں اور تب ہم اللہ سے شکوہ کرتے ہیں، ناشکری کرنے لگتے ہیں۔"

اپنے بیڈ پر بیٹھی ستارہ سوچ رہی تھی، باہر سے آنے والے قہقہوں اور آوازوں پر چونکی اور مسکرا دی۔

☆ ☆

شائستہ ثمرین

ارمان

رئیسہ بیگم کو بیٹیوں کا بے حد ارمان تھا مگر وہ اس نعمت سے محروم تھیں۔ اسی لیے ان کو ہر وقت یہی گلہ رہتا۔

"کاش میری دو اولادوں میں سے کوئی ایک تو لڑکی ہوتی۔" شروع شروع میں پہلے بچے کی ولادت سے قبل انہوں نے ڈھیروں ڈھیر جھبلے اور فراکیں سی ڈالیں وہ بھی خوب شوخ و شنگ جبکہ ان کی ساس نے سمجھایا کہ "اللہ کی رضا میں راضی رہنا سیکھو اللہ جو دے خوشی خوشی اپنے دامن میں سمیٹ لینا کسی بھی خواہش میں جنون کی حد تک نہ جاؤ۔" پھر ہنستے ہوئے کہتیں کہ "لوگ تو بیٹوں کی آرزو کرتے ہیں اور تم بیٹی کی۔" تو وہ بس ایک ہی جواب دیتیں۔

"ارے واہ ساری عمر مجھے گڑیاؤں سے کھیلنے کا شوق رہا مگر ابا ہمیشہ یہی کہتے کہ یہ مورتیاں ہرگز گھر میں نہیں آئیں گی فرشتے نہیں آتے اور سکینہ نے کتنے دھوم دھام سے اپنی گڑیا کا بیاہ رچایا تھا میں تو اپنی جیتی جاگتی گڑیا پر سارے ارمان پورے کروں گی' اسے شہزادیوں کی طرح رکھوں گی۔" پھر اپنی اماں کی گود میں سر رکھ کر بڑے لاڈ سے کہتیں۔

"اماں بیٹیاں تو ویسے بھی رحمت ہوتی ہیں اور پھر میں کیوں اللہ کی رحمت سے منہ موڑ لوں۔ بیٹیاں تو ماں باپ کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہیں۔" عجیب ہی نرالی منطق تھی۔

مگر ارمغان کو دیکھ کر وہ زیادہ دیر خفا ہی نہ رہ سکیں۔

"چلو آئندہ سہی۔" اور ارمغان تھا بھی سرخ و سفید گوگلو بچہ پھر نعمان کی پیدائش کے بعد رئیسہ بیگم بہت روئی تھیں۔ مگر اللہ کے حضور کی گئی دعائیں رائیگاں نہیں گئیں۔ اللہ نے ان کے دونوں بیٹوں میں احساس ذمہ داری ڈال کر' اماں کی نیک فطرت دے کر ان کی خفگی کم کردی تھی۔ ارمغان اور نعمان دونوں ہی بہت حساس تھے شروع ہی سے اپنی اماں کے ساتھ چھوٹے موٹے کام کروانے میں لگے رہتے ہیں۔

اسکول سے آکر کپڑے تبدیل کرکے دستر خوان لگانا اور پلیٹیں سجانا' پانی رکھنا الغرض چھوٹے چھوٹے تمام کام بہت خوش اسلوبی سے دونوں بھائیوں نے بانٹ لیے تھے اور پھر بڑے ہوتے ہوتے یہ چھوٹے موٹے کام بڑے بڑے کاموں میں تبدیل ہوتے گئے۔

نعمان ابھی یونیورسٹی سے آکر رئیسہ بیگم کے پاس بیٹھا ہی تھا تو اماں کہنے لگیں۔

"بیٹا! کھانے کے بعد برتن دھو لینا۔ آج کمر میں بڑا درد ہے۔"

"کیوں اماں! خیریت کیا کپڑے دھوئے ہیں؟" پھر الگنی پر ٹنگے کپڑوں پر نظر پڑتے ہی کہنے لگا۔

"اماں منع بھی کیا تھا کہ کپڑے مت دھوئیے گا مگر آپ بھی عجیب ہیں صبر نہیں ہوتا۔ اتوار میں دو تو دن رہ گئے ہیں۔"

"ارے نہیں بیٹا! ارم بیٹا صبح اپنی بنیان ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے سوچا ساری بنائیں میلی ہیں۔ بہتر ہے کہ مشین لگالوں۔"

"اماں ارم بیٹا نہیں بیٹی زیادہ سوٹ کرتا ہے۔"

نعمان ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

ارمغان جو کچن میں کھڑا کھانا نکال رہا تھا تیزی سے باہر آیا اور کہنے لگا۔

"اماں اچھا بھلا میرا نام ہے ارمغان اس کو اتنی بری طرح نہ بگاڑیں مجھے اری کہہ لیں یا منی کہہ لیں۔"

"اور چاہیں تو مکھی کہہ لیں۔" نعمان نے جھٹ سے ٹکڑا جوڑا۔

"ارے ارے زیادہ مت پھیلو پاندان!"

"چلو بھائی پاندان تو پھر بھی مذکر ہے آپ فیصلہ کریں مذکر یا مونث یا پھر ففٹی ففٹی؟"

"اماں! اپنے لاڈلے پاندان کو سمجھالیں۔" ارمغان نے اماں سے کہا۔

"تم دونوں ہی میرے لاڈلے ہو۔ بیٹا بہت سارے نام لڑکے اور لڑکیوں کے ایک جیسے ہوتے ہیں جیسے انجم شہناز۔۔۔"

"مگر اماں شبانہ' نوشین' ارم یہ سارے تو لڑکیوں کے نام ہیں اور آپ کے ارم کہنے سے لوگ میری جنس پر شک ہی نہ کرنے لگیں۔"

"اور کیا اماں اتنا خوبرو جوان ہے' میرا بھائی کوئی شک کی بنیاد پر لڑکی دینے سے منع نہ کردے۔"

"نومی! تم چپ کرو ہر وقت اوٹ پٹانگ بولتے رہتے ہو۔" اماں نے نعمان کو تنبیہہ کی۔

"میں خود اپنے لاڈلے کے لیے زبردست سی دلہن لاؤں گی اور کسی کی کیا مجال جو میرے گھبرو جوان پر شک کی نگاہ ڈالے اور پھر میرا ڈھیر ڈھیر پیار ہے جو اس ارم نام کے ساتھ جھلکتا ہے۔"

ارمغان یہ سوچ کر کہ سادہ لوح اماں کو کون سمجھائے کھانا نکالنے چلا گیا۔

"ویسے اماں یہاں پر بھی آپ نے بھائی کا چانس مار لیا یعنی شادی بھائی کی اور دلہن آپ کی پسند کی۔"

"بس چپ کرو ہر وقت بے پر کی ہانکتے ہو بہت فرماں بردار ہے وہ میرا اور تم بھی کسی خوش فہمی میں

مت رہنا۔"

"لو جی اپنا بھی چانس گیا۔"

☼ ☼ ☼

نارتھ ناظم آباد کے اسی چار سو گز کے مکان میں اماں بیاہ کر آئی تھیں' جہاں وہ ابھی تک رہائش پذیر تھیں۔ آس پڑوس سب سے بہت اچھی واقفیت تھی۔ سب ہی جانتے تھے کہ رئیسہ بیگم بہت سادہ لوح ہیں کئی سال تک بیٹوں پر بیٹیوں والے ارمان پورے کیے ہیں سینے پرونے میں ثور رئیسہ بیگم ویسے ہی ماہر تھیں دو ڈھائی سال تک خود اپنے کپڑوں سے بچی کترنوں سے دیدہ زیب فراکیں سی کر پہنائی تھیں حالانکہ بھی کبھی ایا خفا بھی ہوتے کہ "نیک بخت یہ بچے ہیں ان پر ایسے کپڑے بھلے نہیں لگتے۔" تو اماں کہتیں "مجھے زندگی میں رنگ چاہئیں کیا ہوا جو ان بچوں کو رنگ برنگے کپڑے پہنا کر تھوڑا سا شوق پورا کرلوں جب بڑے ہوں گے تو تھوڑی پہناؤں گی۔"

جب ابا نے بڑے بیٹے کا نام ارمغان رکھا تو رئیسہ بیگم کو یہ نام کافی مشکل لگا' وہ ارمغان کو ارم کہہ کر پکارنے لگیں۔

بچپن میں باہر کھیلتے ہوئے بچے ارمغان کو کبھی ارم تو کبھی لڑکی کہہ کر چھیڑتے تو وہ روتے ہوئے اماں کے پاس چلا آتا مگر اماں اسے پیار سے چمکارتیں بہلاتیں۔

"بیٹا کسی کے کچھ بولنے سے تم لڑکی نہیں بن جاؤ گے۔ بس ان کی اپنی زبانیں گندی ہوں گی جب تمہیں کوئی چھیڑے تو سنی ان سنی کردیا کرو۔ وہ سارے خود ہی تھک کر چپ ہوجائیں گے۔"

ویسے بھی اللہ نے رئیسہ بیگم کو بہت سمجھدار بیٹے عطا کیے تھے۔ شاید یہ اماں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ دونوں مطیع و فرماں بردار تھے۔

کتنے ہی لوگ یہ محلہ چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو چکے تھے۔ کچھ فیملیز بیرون ملک چلی گئیں اور کچھ دوسرے پوش ایریے کی طرف۔ مگر رئیسہ بیگم کو اس گھر سے بہت محبت تھی حامد صاحب کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی کہیں اور شفٹ ہونے پر راضی نہیں ہوئیں۔

آخر تھک ہار حامد صاحب نے گھر کے دو پورشن کروا کر آدھا کرایہ پر چڑھا دیا اور آدھے پر خود رہائش پذیر رہے پرانے کرائے داروں کے جانے کے بعد حامد صاحب نے جو نئے کرایہ دار رکھے وہ لوگ ہلے گلے کے شوقین تھے' ان کے چار بچوں دو لڑکے اور دو لڑکیوں میں سے چھوٹا بیٹا تو نعمان کے ساتھ ہی NED میں پڑھتا تھا آئے دن تو تقریبات ہوتی رہتیں۔ کبھی کسی کی سالگرہ تو کبھی کسی کے پاس ہونے پر تقریب۔ اس طرح لڑکے بھی سارا دن اودھم مچائے رکھتے۔ بڑا بیٹا جو کہ فزکس میں ماسٹرز کر رہا تھا ہر وقت تیز آواز میں ڈیک لگا کر پڑھتا۔

رئیسہ بیگم محلے داری نباہنے کے خیال سے دم کا قیمہ پکا کر نئے پڑوسی عرف "کرایہ دار" کے ہاں جا پہنچیں حال احوال پوچھ کر جلد ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں بہن اب مزید نہیں بیٹھ سکتی ارم کو انتظار ہو گا آج کہیں لنچ پر جانا ہے۔ اف!" اماں نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی ہزار کوششوں کے باوجود ارمغان کے بجائے عادتاً" ان کے منہ سے ارم نکل جاتا۔

احمر کرایہ دار کا بڑا بیٹا جو یونیورسٹی سے آکر سیدھا اماں کو سلام کرنے آیا تھا ارم کا نام سن کر رک گیا۔ یقیناً" ارم ان کی بیٹی ہوگی آنٹی خود اتنی حسین ہیں اس عمر میں اور بیٹے بھی انتہائی خوبرو تو پھر بیٹی تو یقیناً" ملکہ حسن ہوگی۔

"ارے آنٹی بیٹھیں نا آپ تھوڑی دیر" اس نے اصرار کیا' پھر رئیسہ بیگم کے انکار پر کہنے لگا۔

"اگر کبھی کوئی کام ہو' کچھ منگوانا ہو تو آواز دے دیجیے گا آخر ایک دیوار کا ہی تو فرق ہے۔" احمر کی اس سادگی اور فرماں برداری پر اس کی مما کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا کہ کہاں تو ہل کر ایک گلاس پانی نہیں پیتا اور کہاں....

"ارے نہیں بیٹا! میرے دونوں بیٹے کبھی ایسی

ضرورت ہی نہیں آنے دیتے ہاں اگر کبھی ایسی ضرورت پڑ گئی تو ضرور زحمت دوں گی۔ خوش رہو۔"

"ارے نہیں آنٹی! آخر پڑوسیوں کے بھی تو حقوق ہوتے ہیں۔" وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چل دیں۔

☼ ☼ ☼

رئیسہ بیگم اور نعمان لان میں چیئر پر بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ اچانک ہی نعمان کی نظر احمر پر پڑی جو بے حد جانفشانی سے تیار شیار سیٹی پر کسی انڈین گانے کی دھن بجاتا ٹہل رہا تھا۔ جب وہ مسلسل اپنا رخ روشن دان کے پورشن پر کیے ٹہلتا رہا تو نعمان کا ماتھا ٹھنک گیا۔

"اماں.... آج کیا کیا باتیں ہوئیں نئی کرایہ دار آنٹی سے؟"

"ارے بس بیٹا وہی گھریلو عورتوں والی باتیں۔"

"اماں کہیں آپ وہاں اپنی مسکین سی ارم کا ذکر تو نہیں کر آئیں۔"

"بس بیٹا! کیا بتاؤں یہ چمڑے کی زبان عین موقع پر پھسل جاتی ہے جلدی میں منہ سے نکل گیا ارم کو دیر ہو رہی ہے۔"

"ہوں اب سمجھا جب ہی تو یہ ہیرو صاحب اوپر ٹہلا رہے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں میری بھولی بھالی والدہ ماجدہ۔" نعمان اماں کے گال کھینچتے ہوئے بولا۔ پھر اندر کی جانب منہ کر کے زور سے بولا۔

"ارے بھئی ارم اب گرم گرم پکوڑے لے بھی آؤ۔"

احمر جو مایوسی سے اندر کی جانب جا رہا تھا فوراً" منڈیر پر آگیا۔

"ارے بیٹا! ارمغان گھر پر نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں والدہ ماجدہ میں کون سا بھائی کو آواز دے رہا ہوں' میں تو تفریح کر رہا ہوں۔" پھر دوبارہ اندر کی طرف منہ کر کے زور سے بولا۔

"ارے بھئی ارم اب ایسا بھی کیا پردہ! اچھا چلو میں اور اماں اندر ہی آرہے ہیں۔" پھر چھت کی طرف نظر کر کے احمر کو آنکھ مار کر اندر بڑھ گیا اور احمر اس کے آنکھ مارنے پر کھسیا کر اندر بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اچانک اماں کو ایک نئی ضد ہوگئی کہ مجھے تو اپنے ارمغان کی شادی کرنی ہے میرا بیٹا انجینئر ہے' اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ہے۔ ابا جو روز روز اماں کے بھونا مہ سے تنگ آچکے تھے۔ کہنے لگے۔

"صرف پلاننگ کر کر کے مجھے تنگ کرو گی یا کچھ عمل بھی کرو گی' اچھا چلو ایسا کرو پہلے اپنے چھوٹے سے دماغ کو اتنا مت خرچ کرو' خاندان میں ہی پہلے نظر دوڑالو۔" اماں بھی شاید اسی انتظار میں تھیں' جھٹ عظیم ماموں کی بڑی بیٹی نوشابہ کو پسند کرلیا۔

شعبان کا مہینہ شروع ہوئے ابھی دو روز ہی ہوئے تھے مگر اماں کو ابھی سے ہی شاپنگ کی فکر لگ گئی۔

"ارے بھئی نعمان' ارمغان وقت نکال کر مجھے بازار لے چلو' خاندان میں دینے دلانے اور ہزاروں طرح کی شاپنگ کرنی ہے۔ پھر نوشابہ کی عیدی بھی تو جائے گی۔"

"اماں! آپ بھی نا بس ہوائی گھوڑے میں سوار رہتی ہیں ابھی پورا مہینہ پڑا ہے۔" دونوں بھائیوں کا ایک ہی جواب تھا۔

"پورے کے چکر میں تم لوگ شعبان نہ نکال دینا معلوم بھی ہے کہ رمضان میں روزے رکھ کر میری ہمت ختم ہو جاتی ہے اور اگر کہیں بازار چلے جاؤ تو بس بستر کے ہی ہو جاؤ اور پھر ڈھنگ سے عبادت بھی نہیں کی جاتی۔"

اماں کی شاپنگ سے تو پہلے ہی دونوں بھائی بے زار ہوتے تھے مگر اب واقعی اماں نے دن میں تارے دکھا دیے۔

"اماں اب بس بھی کریں اس قدر سامان۔"

"ہاں' ہاں بھئی آخر ارم کی...." اماں نے

بے ساختہ زبان منہ میں دبالی۔

"بولیں کیا بھائی کی؟"

"کچھ نہیں تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہر سال میں خاندان کی بچیوں کو تحفہ دیتی ہوں' مگر اس دفعہ تو نوشی (نوشابہ) کے لیے بہت ساری عیدی کا سامان لیا ہے اور پھر اس کی دوسری بہنوں امامہ اور روحانہ کے لیے بھی خریداری کی ہے۔"

"قسم سے اماں بھائی کا اسی طرح خرچہ کرواتی رہیں تو پھر۔۔۔ ایسا کرتا ہوں کہ یہیں کہیں بھائی کے لیے کوئی چوراہا دیکھ لیتا ہوں۔"

"وہ کس لیے بیٹا۔" اماں بڑے بھولپن سے بولیں۔

"وہ پارٹ ٹائم جاب کے لیے۔" وہ چہرے پر فکر مندی کے آثار دکھاتے ہوئے بولا۔

اللہ اللہ کر کے خریداریاں ختم ہوئیں تو اماں کو فکر ہو گئی کہ "بھئی کسی دن مجھے عظیم بھائی کے گھر لے چلو مجھ سے یہ سامان سنبھالا نہیں جا رہا۔ سامان دے دلا کر فارغ ہو جاؤں۔"

"نیک بخت! کتنی بار کہا ہے کہ پرسکون رہا کرو تمہیں تو ایک کام کے بعد دوسرے کام کا ہوا سوار ہو جاتا ہے۔" ابا نے اخبار سائیڈ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی بس حد کرتے ہیں اتنے ارمانوں سے تو میں یہ سامان لائی ہوں اور اب اپنی بیٹی کو جلد سے جلد دے کر خوش ہونا چاہتی ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے پرسوں اتوار ہے صبح سے چلیں گے تمہارے میکے۔" ابا نے میکے کو کھینچتے ہوئے کہا۔

اماں کے آنے کی خبر سن کر اوپر کے پورشن سے نعیم ماموں بھی اپنے اہل و عیال کے ہمراہ نیچے آ پہنچے۔ پھر اماں کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر سامان دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

"ارے بہنا اتنا ڈھیر سارا سامان کیا بری لائی ہو۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں خوشی خوشی تمہارے گھر بیاہتا۔ کیوں نوشی ادھر آؤ۔" پھر پیار سے اس کے کان کھینچتے ہوئے کہنے لگے۔

"خبردار! میری اتنی پیاری بہن کا کبھی دل دکھایا۔"

"بالکل میں بھی اپنی بیٹی سے یہی امید رکھتا ہوں کبھی اس کی طرف سے کوئی شکایت نہ آئے۔" ماموں بولے۔

☼ ☼ ☼

آج انتیسواں روزہ تھا۔ ابھی سب لوگ افطار اور نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ نعیم ماموں عظیم ماموں' امامہ اور روحانہ اپنے خالہ زاد بھائی ہمراہ جو آج ہی ابوظہبی سے عید کر کے آیا تھا۔ سب مل کر آج الوداع نعمان کی عیدی لے کر آئے تھے اماں تھیں کہ مہمانوں کے آگے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔

"پھوپھو اب ہمیں اجازت دیں مجھے' نوشابہ اور زوہیب کو پارک ٹاور بھی جانا ہے۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے امامہ' ارمغان سے تو مل بس ابھی آتا ہو گا ارم بیٹا چائے۔۔۔" اماں بے اختیار چپ ہو گئیں شاید انہیں اس اہم موقعہ پر اپنی غلطی احساس ہو گیا تھا۔

اور ابوظہبی پلٹ فراز صاحب جو کھڑے ہو رہے تھے ارم کا دیدار کرنے رک گئے اور بیٹھ کر پانی پینے ابھی زوہیب صاحب نے پانی کا گھونٹ بھرا ہی تھا ارم عرف ارمغان صاحب چائے کے لوازمات کے ساتھ حاضر ہو گئے اور اماں سے کہنے لگے۔

"اماں کتنی بار منع کیا ہے کہ۔۔۔"

"بس بیٹا! زبان پھسل گئی۔"

زوہیب کی نظر جب چھ فٹ لمبے مونچھوں والے ارم پر پڑی تو انہیں اچھو ہو گیا۔

ادھر زوہیب کا کھانس کھانس کے اور نعمان اور امامہ کا ہنس ہنس کے برا حال تھا۔

اماں نے پھر ہتھیلی پر ایسی سرسوں جمائی کہ بقر عید کے فوراً بعد ہی نوشابہ کو بیاہ کر لے آئیں۔

اور اب نوشابہ اور ارمغان کی شادی کے بعد پہلی عید تھی اور ساتھ خوشخبری بھی اور اماں وہ تو خوشخبری

اتنی خوش ہوئیں کہ مت پوچھیں نمازیں تو پہلے ہوتی تھیں۔ اب مزید لمبی ہو گئیں اگر کبھی کوئی میں پوچھتا۔

"ہاں بھائی کیا چاہیے بیٹا یا بیٹی۔" تو اماں کچھ نہ کہیں خاموش رہتیں یا پھر جواب دیتیں کہ "جو اللہ کی مرضی۔"

اماں جو عرصہ ہوا کپڑے سینا چھوڑ چکی تھیں کتنی ہی خوب صورت اور دیدہ زیب فراکیں سی ہیں۔ جو چیز لاتیں سب میں شوخ رنگ نمایاں نعمان ہنستے ہوئے کہتا۔

"اماں کیا آپ کو پوتی کا الہام ہوا ہے؟" تو اماں سے کہتیں۔

"اے کیوں؟ ایسا میں نے کب کہا۔"

"ظاہر ہے تمام رنگ اور چیزیں تو آپ لڑکیوں لاتی ہیں اب یہ دیکھیں یہ کاٹ اس میں بھی گڑیا ہوئی ہے جبکہ اور بھی دوسرے ڈیزائن تھے۔"

"ارے نہیں بیٹا! بچوں پر تو شوخ رنگ اچھے لگتے کیوں نوشی بیٹا۔" اور نوشی اپنی پھوپھو کی بات پر کر کہتی۔

"بالکل پھوپھو۔"

مگر نعمان اماں کو چھیڑنے سے باز نہیں آتا اور کبھی ان کو مخاطب کر کے کہتا۔

"بھائی! خوش ہو جائیں مستقبل قریب میں سچ مچ ارم آنے والی ہے اور آپ صرف ارمغان رہ جائیں گے۔" جس پر ارمغان مسکرا کر رہ جاتا۔

اماں آخر ایک دن نعمان کے چھیڑنے سے تنگ آ کہنے لگیں۔

"تم لوگوں نے تو بیٹی کی خواہش کو مذاق ہی بنا لیا ہے اماں تو ماں باپ کے لیے باعث رحمت ہوتی ہیں مجھے لڑکیوں کی اچھی پرورش کر کے جنت حاصل کرنے کا شوق تھا' کیونکہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے پرورش کی دو یا تین بیٹیوں کی یا دو تین بہنوں کی تا آنکہ وہ اس سے جدا ہو جائیں (بیاہ' شادی کے بعد) یا فوت ہو جائیں تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے (جس طرح یہ دو انگلیاں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

ایک مرتبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعے آزمایا جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے آزمائش میں کامیاب ہو تو لڑکیاں قیامت کے روز جہنم کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی (مشکوٰۃ)

☼ ☼ ☼

عید کے دن ہی رئیسہ بیگم دو جڑواں پوتیوں کی دادی بن گئیں۔ اور ان کے قدم خوشی سے ٹک ہی نہیں رہے تھے اور ادھر نرس برے برے منہ بنانے اور آپس میں کہنے لگیں۔

"ایک بھی نہیں دو دو لڑکیاں ہوئی ہیں۔ یہاں سے تو خوشی کے پیسوں اور عیدی کی کوئی امید نہیں اگر ایک بھی لڑکا ہوتا تو کچھ امید ہوتی چلو دوسری پیشنٹ کی طرف چلتے ہیں شاید وہاں سے کچھ مل جائے۔"

رئیسہ بیگم نے جو شکرانے کی نماز میں مشغول تھیں فارغ ہو کر جاتی ہوئی دونوں نرس کو آواز دی۔

"ادھر آؤ خوشی کے موقع پر چہرا کیوں اترا ہوا ہے! کیا بات ہے؟ کوئی بھی بات بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو جب ہمارے مذہب میں عورتوں کا اتنا بلند مقام ہے خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی اتنی اچھی تربیت کی تو پھر جہاں اتنی سنتیں پوری کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں تو پھر یہاں پر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں کرتے اور ویسے بھی میرے مولا نے مجھے روزوں کا صلہ اس خوب صورت عید تحفے کی صورت میں دیا ہے خبردار کوئی غلط بات منہ سے نکالی میری ان دونوں گڑیاؤں کے لیے دعائیں کرتی رہنا۔" اور ساتھ ہی دونوں نرس کے ہاتھ میں ہزار ہزار روپے تھما دیے۔

☼ ☼

لبنیٰ جدون

انتہا ہے وہ ساحل پر

بھلا اس کے دکھوں کی رات کا کوئی مداوا ہے
وہ ماں جس کو کبھی کھویا ہوا بچہ نہیں ملتا
"اس کا نام تم لوگوں نے یوسف رکھا اور اوپر والے نے اس کا مقدر یوسف جیسا بنا ڈالا۔ بکنا اس کا مقدر تھا یوسف تو ہمیشہ بکا ہے۔ کبھی مصر کے بازاروں میں اور کبھی تمہارے ان قبیلوں میں۔ کبھی بھائیوں کی نفرت اور کبھی ماں باپ کی محبت میں، کبھی سکوں اور کبھی سوتیلوں کے ہاتھوں کبھی زمین کے چند ٹکڑوں کے عوض اور کبھی باپ کی زندگی کے لیے۔ کیوں رکھا تھا تم

ناولٹ

نے اس کا نام یوسف۔۔۔ بولو خان زرخان کیوں رکھا تھا تم نے اس کا نام یوسف۔"

وہ زرخان کو جھنجھوڑتے ہوئے پھٹ پڑی۔ وہ کیا جواب دیتا۔ چپ چاپ آنسو ہاتھوں پہ گرنے لگے مگر رونا تو اب ان کا مقدر تھا رونا تو عمر بھر کا تھا ان کی قسمت ہی میں کہر میں لپٹی محبت تھی۔

ایک ماں کی گود اجڑی تھی رسموں کے بھینٹ ممتا چڑھی تھی۔ کون کس کو قصوروار ٹھہراتا۔ زرخان۔۔۔؟ وہ تو خود ہی تڑپ رہا تھا دکھ ایک تھا بھی تو نہیں۔ تڑپ تو پورے وجود کے اندر تھی۔ باپ کی محبت فریاد کر رہی تھی اور اس پہ یہ ستم کہ وہ قربان بھی تو اس لیے ہوا کہ اس کے باپ زرخان کی زندگی بچ جائے۔ ماں نے ترازو کے پلڑے میں بیٹے کو رکھا اور دوسری طرف اپنے مجازی خدا کو اور ممتا ہار گئی اور اس کی گود سے ننھا یوسف مخالف قبیلے کو خون بہا میں چلا گیا۔

دادا اور دادی بوڑھے ہاتھوں اور کانپتے وجود کو بمشکل سہارا دیتے تھے۔ دونوں پھیپھیاں زندہ بینہ اور سانگہ مٹی کا مادھو ہو گئی تھیں۔

وہ جو زرخان کے پھپھو زاد اور ماموں زاد کزنز تھے اس کے دکھ سکھ کے ساتھی تھے وہ زرخان کو لے کر زنان خانے میں آ گئے۔

زوار، شمل، ارباز، ارزم ہر کوئی ان سے نظریں چرا رہا تھا کیونکہ انہوں نے زرخان سے وعدہ لے رکھا تھا کہ وہ اس کے بچوں کو اس رسم کے بھینٹ نہیں چڑھنے دیں گے۔ مگر حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ زرخان کی زندگی بچانے کی واحد صورت ہی یہی رہ گئی تھی اور پھر قندیل نے خود فیصلہ سنا ڈالا تھا۔ اس نے خود یوسف کو ان کی گود میں لا ڈالا تھا۔

"کیوں زوار یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ کیوں مجھے اپنے جرم کی سزا سے بچا کر دوسری آگ میں دھکیل دیا یہ آگ تمام عمر میری ہستی کو جلاتی رہے گی۔

زوار اگر قربان ہی کرنا تھا تو یوسف ہی کیوں؟ وہ تو ابھی قندیل کے بنا سو بھی نہیں سکتا۔"

زرخان نے کہا تو زوار سے کچھ نہ بولا گیا۔

البتہ شمل نے حوصلہ کر کے اسے تھاما اور چارپائی پہ بٹھایا۔ اس کے دل کی حالت وہ خود ہی جانتا تھا مگر کسی نے تو ہمت کرنی تھی نا۔

"زرخان حالات بہت نازک ہو گئے تھے زوار کا خیال تھا مراد۔۔۔ مگر بھائی نہیں مانیں انہوں نے خود

یوسف کو آگے کردیا۔ یقین کرو ہم سب ان کے آگے کھڑے ہوئے مگر انہوں نے تمہاری محبت میں سب کر ڈالا۔ وہ بہت بہادر ہیں۔ بہت بڑا دل ہے ان کا۔"

شمل نے کہا تو وہ تڑپ اٹھا۔

"مگر شمل میں کیسے اس کا سامنا کروں۔ میں نے اسے سوائے دکھوں اور تکلیفوں کے دیا ہی کیا ہے۔ مگر اب جو زخم اس کا نصیب ہوا ہے وہ بالکل ہی بکھر گئی ہوگی۔"

"ہاں زرخان اور اب کے اس کے کرچی کرچی وجود کو سمیٹنا تمہارا کام ہے اپنے زخمی ہاتھوں سے اس کے وجود پہ لگے نہ دکھنے والے زخموں پہ مرہم رکھنا کہ موت تو صبر ہوتی ہے مگر زندہ کھو جانے والے عمر بھر کا روگ دیتے ہیں۔"

زوار نے کہا اور اسے تھام کے خود سے لگالیا اور وہ کھل کے رو دیا کہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔

حویلی کے مردان خانے اور زنان خانے میں لوگوں کا رش لگا تھا کہ آخر زرخان حویلی لوٹا تھا رات بارہ بجے وہ باہر سے فارغ ہوا اور اندر زنان خانے کے بڑے ہال میں داخل ہوا۔

بی بی ماں تخت پوش پہ افسردہ سی بیٹھی تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔ زری، نگی، پلوشہ اور دوسری لڑکیاں الگ بیٹھی تھیں ہر ایک کے چہرے پہ اداسی کے ڈیرے تھے۔ پھپھو جانی اور چچی جان بی بی ماں کے پاس تھیں۔

"آئیں لالا۔"

وشے اور نگی بھی اٹھیں۔ وہ مردہ قدموں سے ماں اور پھپھو جانی کے پاس آن بیٹھا۔

"زرخان بیٹا خود کو سنبھالو اب جو ہو گیا ہے اسے برداشت کرو۔"

"پھپھو جی اب صبر کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

آنکھیں بند کر کے بولا۔ تو وہ بھی ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئیں۔

"وشے اندر کمرے میں کوئی ہے۔"

زرخان نے ہمت کر کے بہن سے پوچھا۔

"نہیں لالا بھابی اکیلی ہیں۔"

جواب پلوشہ کی طرف سے آیا۔

وہ اٹھا اور اندر آگیا۔ جہازی سائز بیڈ پہ وہ کھوئی کھوئی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں گم تھی۔ چہرے کے گلاب مرجھا چکے تھے۔ لباس کی شکنیں گواہ تھیں کہ اس نے دو دن سے نہیں بدلے۔ آنکھیں بالکل ویران مگر ناامید نہ تھیں۔

"زرخان..." وہ دھیرے سے اٹھی اور اس کے سینے سے جا لگی۔

"قند... یل..." زرخان نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تو اس نے تڑپ کے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"مجھے معاف کر دینا زرخان تمہاری غیر موجودگی میں مجھ سے تمہاری امانتیں سنبھالی نہ گئیں۔ میں کمزور پڑ گئی تھی زرخان، میری گرفت میرے بچے پہ کمزور ہو گئی میرا یوسف میرے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ میری محبت میری ممتا سے جیت گئی میرا یوسف چلا گیا... میرا یوسف۔"

کہتے ہوئے وہ شدت سے رو دی۔

♥ ♡ ♥

خدا نصیب کرے ان کو دائمی خوشیاں
عدم وہ لوگ جو ہمیں اداس رکھتے ہیں

"سلطان لالا۔" زہرہ خانم بھائی کے راستے میں آگئی۔

جو جرگے سے کچھ دیر پہلے سرخرو لوٹے تھے۔ وہ مخالف قبیلے سے ایک معصوم کو شکار کر لائے تھے۔ گناہ کس کا تھا جرم کس نے کیا اور سزا کا حق دار کون ٹھہرا، جسے نہ گناہ کا پتا ہے اور نہ ثواب کا ادراک۔ جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ماں کی گھنی چھاؤں سے محروم ہو گیا ہے۔

"کیا بات ہے زہرہ خانم! بولیں۔"

"سلطان لالا، کبھی نہ بولنے اور کچھ نہ مانگنے والی یہ بہن آپ کے سامنے دامن پھیلا کے کچھ مانگنا چاہتی ہے۔" وہ ہمت کر کے بولیں۔

"ارے ایسی کیا بات ہے زہرہ خانم۔"

انہیں بھی حیرت ہوئی بہن کو یوں راہ روکتے دیکھ کے۔ زہرہ خانم نے تو اپنی زندگی کا ہر فیصلہ انہیں کی زبان سے سنا تھا اور کبھی شکوہ نہ کیا، چاہے فیصلہ گھاٹے والا کیوں نہ ہو۔

"سلطان لالا آپ کی روایات کی بھینٹ ایک معصوم بچہ چڑھ گیا ہے اور میں چاہتی ہوں بلکہ میری فریاد ہے کہ اسے میری جھولی میں ڈال دیں۔"

دل کی حالت غیر ہو رہی تھی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

"زہرہ خانم۔" سلطان خان کی آواز حیرت سے پھٹی بہن کی فرمائش پہ۔ وہ تو انہیں اس وقت انوکھی لاڈلی لگیں جو کھیلنے کے لیے چاند کی خواہشمند تھیں۔

"لالا میری زندگی بہت تنہا ہو گئی ہے اگر آپ میری جھولی میں یہ بچہ ڈال دیں گے تو میری زندگی کو سہارا مل جائے گا۔ میری عمر بھر کی تپسیا کا صلہ مل جائے گا۔ میں نے اپنی زندگی کے ہر اچھے برے فیصلے کو اپنی تقدیر کا لکھا سمجھ کے قبول کیا ہے لیکن اگر آج آپ میرا مان رکھ لیں تو شاید مجھے احساس جاگے کہ یہ میں جو گزار رہی ہوں وہ زندگی ہے۔"

آج وہ اپنے اندر کی اگن نکال دینا چاہتی تھیں۔ اسی دوران گل بھابی بھی وہاں آگئی تھیں۔

"لیکن زہرہ خانم یہ تو خون بہا میں آیا ہوا ہے۔ یہ تمہاری گود میں کیسے پل سکتا ہے۔" وہ جھنجلا کے بولے۔

"اسی لیے تو مانگ رہی ہوں جھولی کے پھیلانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ میں بھی ترسی ہوئی ہوں اور یہ بھی ان رسموں سے روایات سے ڈسا گیا ہے۔"

وہ آج لڑنے کے لیے تمام ہتھیار آزمانے کے لیے سامنے آگئی تھیں۔

"کیا سوچ کے تم نے یہ بات کی ہے زہرہ خانم۔ تم نہ تو ان قبیلوں سے ناواقف ہو اور نہ خود باہر سے آئی ہو۔"

وہ کہہ کے بڑھنے لگے تو وہ دامن پھیلا کے پھر سامنے آگئیں۔

"سلطان لالا۔ آپ کے سامنے ایک سوالی ہے اور اس حویلی کی یہ شان نہیں کہ سوالی کو مایوس لوٹا دیں۔"

"بعض سوالی ایسے ہوتے ہیں زہرہ خانم جس کو خالی لوٹانے کو من نہیں مانتا مگر تشکول میں اپنی عزت وغیرت نہیں ڈالی جا سکتی۔ رشتے قابل احترام ہوتے ہیں مگر پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتے۔ آپ کے ساتھ روایات نے کوئی ناانصافی نہیں کی۔ قبیلے میں جو آپ کے جوڑ کا تھا اس کے ساتھ ہم نے آپ کی شادی کی۔ اب اگر موت نے اسے آپ سے دور کر دیا تو اس میں روایات کو دوش دینا مناسب نہیں۔" وہ بولے چلے گئے

"لالا اس وقت میں اپنی بات نہیں کرنے آئی بلکہ۔"

"بلکہ جو بات کرنے آئی ہو اس کے لیے میں تمہارا مان نہیں رکھ سکتا۔"

وہ بے دردی سے کہہ کے اندر چلے گئے اور وہ بے دم ہو کے صوفے پہ گر گئیں۔

گل بھابی آگے آئیں اور بنا کچھ بولے انہیں خود سے لگالیا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
میرے ہمدم میرے دوست
فرحت اشتیاق
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

"بھابی مجھ سے بھاگوں والی تو بخشتے مائی کی گود ہے۔ میں تو ہوں ہی نامراد۔"

وہ کہہ کے اٹھیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

گل بھابی اس کے لیے سوائے دکھی ہونے کے کچھ نہ کر سکتی تھیں۔

"اماں اماں۔"

ڈیڑھ سالہ وصی خان کمرے سے نکل کے ماں کے پاس آ کے بولا تو وہ چونکیں۔

"ارے آپ اٹھ گئے وصی خان۔ آئیں ہم آپ کو ویٹا بکس کھلاتے ہیں۔" وہ بیٹے کے پیار میں بہل گئیں۔

مگر زہرہ خانم کے بہلنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ چودہ سال کی عمر میں بچپن سال کے بوڑھے سے ان کی شادی کر دی گئی تھی۔ وہ شادی کے ایک سال بعد ہی بیوہ ہو کے باپ اور بھائی کے در پہ آن بیٹھیں۔ تب سے اب تک عمر عزیز کی بقایا بہاریں تلسی کے پودے کی مانند باپ کی اس حویلی کے آنگن میں بتا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں یوسف تجھے رلنے نہیں دوں گی۔" انہوں نے خود سے عہد کیا۔

اگلے دن انہوں نے بخشتے مائی کو کمرے میں بلایا۔

"جی خانم۔" وہ تو نسلوں کے تابعدار تھے۔ صرف سر جھکانے کے ہنر سے واقف تھے اگر کبھی جو سر اٹھانے کی ہمت کر لیتے تو آج ایسی زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔

"بخشتے جب سلطان لالا حویلی میں نہ ہو تو یوسف کو میرے پاس لے آیا کرنا اور اس کے لیے جو کچھ چاہیے ہو مجھ سے لے لینا۔"

"جی خانم۔ جیسے آپ کا حکم۔"

جو وصی خان کے لیے پکتا وہ یوسف کے لیے بھیجتیں۔

"بخشتے یہ پورا اس کو کھلانا وہ کافی کمزور ہے اور سن کل فلاحی مرکز جانا اور پولیو کے قطرے بھی پلوانا اسے۔ اور ہاں آج رات کو اسے چپکے سے میرے کمرے میں لے آنا۔ میں نے گل بھابھی سے اس کے لیے شہر سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور جوتے منگوائے ہیں۔ وہ پہنا کے دیکھوں گی کہ پورے ہیں۔"

"اچھا۔" بخشتے کو اپنی خانم پاگل لگی۔ اس کے نزدیک یوسف ایک بچہ تھا اسے ویسے بھی بھول ہی جاتا تھا پھر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

یوسف چار سال کا ہو گیا۔ نہ جانے اس نے یہ چار سال کیسے گزارے تھے۔ زہرہ خانم نے شاید اس کو پھر قیمتی دن مہینے دیے تھے۔ وہ بھی اس مانوس چہرے میں کچھ تلاش کرتا تھا۔

سلطان خان نے کئی بار حویلی کے اندر اسے کھیلتے دیکھا تھا۔

انہوں نے یوسف کی آوازیں کئی دفعہ زہرہ خانم کے کمرے سے سنی تھیں مگر انہوں نے بڑے طوفان کے خوف سے وقتی چپ سادھ لی۔ کہ زہرہ خانم شاید اب مزید نہ سہہ سکیں وہ اٹھ کھڑی ہو سکتی تھیں پردے میں بھرم رہ جاتا ہے۔

حویلی میں ایک اور بیٹی نے جنم لیا۔ اللہ نے سلطان خان، وصی خان کے پانچ سال بعد نگاہ خانم کی صورت رحمت دی۔

وہ خوش تھے مگر گل بھابھی اور زہرہ خانم ایک اور بیٹی کو روایات کی قیدی کے روپ میں دیکھ کے اپنی خوشی میں چند آنسو بہا لیتی تھیں۔ یوسف پہ نظر پڑتی تو خوفزدہ ہو کے اپنے بچوں پہ اپنی گرفت مضبوط کر لیتیں کہ کہیں کوئی ظالم لمحہ انہیں نہ ان رواجوں کی زنجیر پہنا دے۔ یوسف بھی ایسا ہی لاڈلا ہو گا اس کی ماں نے بھی تو اسے جدا کرتے سے اپنی ممتا کا قتل کیا ہو گا۔

"اے اللہ مجھے اور میرے بچوں کو آزمائش سے بچانا۔" وہ جب بھی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتیں ایک ہی دعا مانگتیں۔

☼ ☼ ☼

گل خانم نے جائے نماز دیوار میں بنی لکڑی کی خوبصورت الماری میں رکھتے ہوئے مڑ کے دیکھا تو سلطان خان کمرے میں داخل ہوئے۔

"آپ آ گئے خان۔"

"ہاں بہت تھک گیا ہوں ایک کپ چائے چاہیے۔" وہ سر دبا کے بولے تو وہ مسکرا کے باہر گئیں اور کچھ دیر بعد چائے کے ساتھ تیل بھی لے آئیں۔

"ارے یہ کیا" سلطان خان تیل دیکھ کے ہنسے۔

"خان آج کافی دنوں بعد مالش کر رہی ہوں۔ پھر بھی بھولی نہیں کہ آپ کے سر کا درد منٹوں میں دور ہو جاتا ہے میرے ہاتھ لگنے سے" وہ مسکرائیں۔

"اچھا۔" سلطان خان بھی مسکرا دیے۔ اور ساتھ ہی ننھے وصی اور چھوٹی سی گڑیا کو دیکھنے لگے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں خان" تیل ہتھیلی پہ ڈالتے ہوئے گل نے پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں میری گڑیا کتنی پیاری ہے۔ اور گل ہمیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہر خواب حسب خواہش پورا کیا۔" باپ کی تمام محبت بیٹی کے لیے عیاں تھی۔

"مگر خان مجھے ڈر لگتا ہے وقت سے، تمہارا یہ قبیلہ بہت ظالم ہے" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے خدشوں کو زبان پہ لے آئیں۔

"گل ہونی کو ہر حال میں ہونا ہوتا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ ہتھیلی میں قید وقت آنے والے خدشوں اور واہموں کے حوالے کر دینا عقلمندی نہیں ہے۔ اللہ سے اچھے کی امید رکھو۔" کہتے ہوئے انہوں نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

گل بھی تیل کی بوتل ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کے بیڈ پر آ گئیں۔

"اچھے کی امید برا ہو کے کیسے کی جا سکتی ہے خان۔ ہم لوگ خود جو چاہے کریں اللہ سے امیدیں اچھی ہی رکھتے ہیں حالانکہ انسان کو اس کے کیے کا پھل ملتا ہے۔" وہ طنز کرنے سے باز نہ آئیں۔

"تو پھر میں کیا کروں واجی سے ٹکرا جاؤں۔ صدیوں سے چلی آ رہی روایات سے اپنا سر پھوڑوں جان کے بدلے جان تو صدیوں کی روایت ہے۔" وہ جھنجھلا کے

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں اِنشاء جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: -/250 روپے

ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

بولے۔

"مگر خان جرم کسی کا اور جان کسی کی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ یوسف کے باپ نے جرم کیا تھا جرگے کو اسی کی جان لینی چاہیے تھی یہ چلک رکھنی ہی نہیں چاہیے تھی کہ اس کا بچہ اس کے جرم کی سزا ہے۔ آخر کیوں؟" کبھی کبھی وہ پھٹ جاتی تھیں۔

"یہ گھاٹے کا سودا نہیں کیا انہوں نے اگر مجرم کو سزا ہوتی تو اسے جرگے ہی میں گولیاں مار دی جاتیں خون میں متبادل دینے سے جان تو بچ جاتی ہے دونوں کی۔ اور خون بہا میں آئے ہوئے کو دوسرے قبیلے میں بھلے عزت احترام نہ ملے مگر اس کی جان کی حفاظت فرض ہوتی ہے۔ میں بزدل ہوں باپ دادا سے نہیں لڑ سکتا مگر میں اندھا تو نہیں ہوں گل دیکھ نہیں رہا کہ یوسف کے تن کے کپڑے' زہرہ خانم کی اس پر مہربانیاں سب جاری ہیں چپ ہوں تو اسی لیے کہ میں بھی انسان ہوں محسوس کرتا ہوں۔ چلو اگر اس بدنصیب کی جھولی میں چند ٹکے کی محبت ڈال کے اس کی پیاس بجھائی جارہی ہے تو کچھ آٹے میں نمک کے برابر کفارہ ہوجائے۔ باقی جرگے کے فیصلوں سے ٹکر لینا آسان نہیں اور پھر سزا تو ہونی بھی چاہیے تھی کہ انہوں نے بھی تو میرا جوان بھائی مارا ہے۔" آخر میں وہ پھر روایتی خان بن گئے۔

گل نے خاموشی سے سب سنا اور سر جھکا لیا۔

کیا کہتیں۔ کہنے کو کیا تھا ان کے پاس ہر بات کا جواب موجود ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت رکتا ہے اور نہ کوئی روک سکتا ہے۔ جب گزر رہا تھا تو ایک ایک لمحہ صدیوں کے برابر لگتا تھا۔ اور آج جب یوسف کی اس گھر اس حویلی میں عمر عزیز کی بائیس بہاریں گزر چکی تھیں تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت پر لگا کے اڑ گیا۔ وقت مٹھی میں قید ریت تھی جو مٹھی سے نکلتی چلی گئی۔

زہرہ خانم نے اسے اپنے دریدہ دامن سے بچی ہوئی ساری خوشیاں دیں مگر وہ بچپن سے ہی خاموش طبع تھا سو وہ خاموشی کی مہر لبوں پہ سجاتے جوان ہو گیا۔

لبوں پہ خاموشی کے قفل ضرور تھے مگر دل کی فریادیں ہر لمحہ اندر سے وجود کو چیرتی تھیں۔

ہزاروں شکوے تھے جو اس کے وجود کی دیواروں سے سر ٹکراتے تھے۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر کون سنتا اس کے بین' اسے ماں کی گود کی ضرورت آج بھی اتنی ہی تھی جتنی کسی نئے جنم لینے والے بچے کو ہوتی ہے۔ کون تھا کیا تھا جاننے کی خواہش کو کچل دیتا تھا کہ آگہی عذاب ہوتی ہے۔ تڑپ بڑھ جاتی ہے کبھی کسی سے کچھ جاننے کی خواہش ہی نہ کی تھی بس اتنا پتہ تھا کہ اپنے باپ کی جان بچانے کی خاطر خون بہا میں اس قبیلے تک آیا تھا۔

اس کے ہاتھ اور دامن میں کچھ بھی نہ تھا سوائے ان تلخ یادوں کے جو وہ بچپن سے لڑکپن اور اب جوانی کی سیڑھی پہ قدم رکھتے ہوئے اس کے ہمراہ تھیں۔ اور ہاں منکر نہ تھا زہرہ خانم کی محبت کا جس نے زندہ ہونے کا احساس دیا تھا۔ اس زہرہ خانم نے اس کی اکلوتی میراث جو اسے ماں باپ سے جدا ہوتے سے ملی تھی کو اس کے ساتھ جوان کیا تھا ہاں اس امام ضامن کے دونوں سروں کو نئے دھاگے سے اس کے ساتھ لمبا کرتی رہیں جو آج بھی اس کی کل متاع کی صورت بازو پہ بندھا تھا۔

وہ بہت کم حویلی کے زنان خانے میں جاتا تھا۔ زہرہ خانم بلاتیں تو ان کے پاس چلا جاتا اور وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتیں اس کے لیے شامی کباب اور چائنیز رول بنواتیں کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ وہ بچپن سے دونوں چیزیں شوق سے کھاتا تھا۔

"اماں۔ آپ کیوں تکلف کرتی ہیں میں تو اس حویلی کا ملازم ہوں۔" وہ ان کی محبت کے جواب میں کہتا۔

"تم میرے بیٹے ہو یوسف میں بہت مجبور ماں تھی تیرے لیے لڑ نہ سکی۔ تیرے لیے تعلیم کا خواب دیکھا جب وصی خان اسکول جانے لگا تب ہاری۔ تجھے اپنی

گود دینا چاہی پھر بھی ناکام ہوئی۔ بہت کچھ چاہا تھا مگر ہار گئی۔ پھر بھی تو میرا بیٹا ہے۔ مجھ سے میری یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں تو نہ چھین تو ایک نوالہ لیتا ہے تو میرا وہ دن اچھا گزر جاتا ہے۔" وہ اس کے گھنے گولڈن بالوں میں انگلیاں پھیر کے محبت سے بولیں۔

"تو پھر یہ لو اماں" وہ رول اٹھا کے بولا اور مسکرا دیا۔

"بوبو جی کچھ پیار ہمارے لیے بھی رکھ لیں" دروازے میں کھڑی نگاہ ان دونوں کا پیار دیکھ کے مسکرا کے بولی۔

وہ جلدی سے اٹھا اور ایک سائیڈ پہ کھڑا ہو گیا۔ کچھ ہی تھا اس کی کچھ حدود تھیں جس کے اندر اسے رہنا تھا۔

"ارے یوسف تم بیٹھو نا کھڑے کیوں ہو گئے" وہ یوں ہی بلا جھجک اس کا نام لے لیا کرتی تھی جس پہ زہرہ خانم اکثر ٹوک چکی تھیں۔ مگر وہ نام اس کی شخصیت کی طرح خوبصورت تھا لبوں سے خود بخود ہی نکل جاتا تھا۔ حالانکہ وہ تقریباً" اس سے پانچ سال بڑا بھی تھا مگر تھا تو گھر کا ملازم ہی۔ اور وفاداروں کو عزت دینا بھلا کہاں ممکن ہے۔

"اچھا اماں چلتا ہوں" یوسف اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ اور بنا کچھ سنے کمرے سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سر طاق نہ چراغ ہے پس بام و شب نہ سحر کوئی
اب ایک عرصہ درد ہے نہ گماں ہے نہ خبر کوئی

"بی بی ماں آج میرا یوسف پورے بائیس سال کا ہو چکا ہے نجانے کیسا جوان ہو گا وہ۔" قندیل بڑھاپے کی حد کو پہنچی بی بی ماں کے پاس آ کے بولیں۔ جنہیں اپنی خبر بھی نہ تھی۔ اسی سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے شوگر نے جسم پہ صرف ہڈیاں چھوڑ دی تھیں۔ قوت سماعت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ ہر وقت اپنے کمرے میں رہتیں۔

زرخان جو کبھی ان کی حالت دیکھتے تو رو پڑتے۔ باپ کے انتقال کے بعد بی بی ماں ہی تو تھیں سو وہ بھی دیمک سے چاٹے وجود میں ڈھل گئی تھیں۔

پھر بھی زرخان اور قندیل کو ایک آس تھی۔ حوصلہ تھا۔

"وہ یقیناً" بہت خوبصورت ہو گا۔ جب وہ پیدا ہوا تھا بی بی ماں تب بھی بہت خوبصورت تھا جیسے تازہ لسی سے مکھن کا پیڑہ نکالو ویسا میرے چاند کا چہرہ تھا تبھی تو اس کا نام بنا سوچے یوسف رکھ ڈالا تھا" قندیل کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے۔ مراد اور یوسف کے بعد اللہ نے ان کی گود میں آئزہ کو ڈالا تھا۔ مگر یوسف نے ان کی زندگیوں کو چاند گرہن کی مانند کر ڈالا تھا۔ ہر پل ہر لمحہ اس کی یاد ماں باپ اور بھائی بہن کے ساتھ رہتی تھی۔

زری اور نگی پھپھو کے ساتھ مراد اندر آ گیا۔ ہمیشہ سب یوسف کی سالگرہ پہ جمع ہوتے تھے زرخان کی حویلی میں۔

"اسے کب پتہ ہو گا کہ اس کی آج سالگرہ ہے؟" زری پھپھو نے اداس ہوتے کہا۔

"وہ آپ کی گود کا پھول نجانے کہاں جا کھلا۔ ہم تو اس کی خوشبو تک کو نہیں پہنچ سکتے۔" نگی پھپھو نے افسردگی سے کہتے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

زرخان ولی خان کا اکلوتا بیٹا دونوں بہنوں زرمینہ اور زرسانگہ کا لاڈلا بھائی آج کے دن کسی کو اپنا دکھ نہ بتلاتا۔

شمل خان کو بھی نہیں جو نا صرف اس کا پھپھو زاد تھا بلکہ اس کے دکھوں کی لمبی رات کے پل پل سے واقف تھا۔ شمل خان اور ارباز خان دو ہی بھائی تھے ایک دوست تھا شمل خان اور دوسرا بہنوئی جس کے سنگ اس کی بہن زرسانگہ کا نکاح ان حالات میں اس نے کیا تھا جب اسے یہ لگا کہ کہیں خون بہا میں اس کی بہن نہ مانگ لی جائے۔

زوار خان سے اس کی بڑی بہن زرمینہ کی شادی ہو چکی تھی۔ سب سے بڑی بات وہ زرخان کی پہلی بیوی کشمالا کا بھائی اس کے بیٹے مراد کا ماموں اور اس کا جگری یار تھا مگر آج کے دن کوئی اس کا کچھ نہ تھا آج

کا دن صرف یوسف کا تھا۔ زوار کے بھائی ارزم خان کی شادی اس کے ننھیالی رشتہ دار نیمل سے ہو چکی تھی۔

باہر وہ سب جمع تھے۔ مراد اندر آیا اور ہمیشہ کی طرح چہکتی ہوئی آواز میں بولا۔

"السلام علیکم حاضرین محفل۔ بھئی یہ محفل پہ اداسی کیوں ہے موقع خوشی کا اور چہرے اداس، بھئی یوسف برادر کی سالگرہ ہے آج۔" وہ بڑا سا کیک درمیان میں لا کے رکھتے ہوئے بولا۔ اور پھوہاں کی طرف بڑھا۔

"ماما مجھے یقین ہے یوسف ہم سے ضرور ملے گا۔ اس کے آنے تک آپ کو اپنے آپ کو سنبھال کے رکھنا ہے فریش رکھنا ہے تاکہ اس کی ماں تو لگیں آپ، آپ تو جانتی ہیں وہ کتنا خوبصورت ہو گا۔ اس لیے میری اماں جانی کو فریش رہنا ہے۔ اوکے"

"ان شا اللہ" انہوں نے کہتے ہوئے مراد کو سینے سے لگا لیا۔

"اور ماما میں نے عہد کر رکھا ہے کہ شادی اس وقت کروں گا جب وہ آئے گا۔" مراد نے جان بوجھ کے شرارت سے زری پھپھو کو دیکھ کے کہا جن کی بیٹی ہدی سے اس کی منگنی ہو چکی تھی۔

"میرا تو خود یہی پروگرام ہے۔" زرمینہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کر کے بولیں تو وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے۔ رے رے۔ یہ پھپھو جانی میں تو سمجھا تھا آپ میرے فیصلے کی مخالفت کر کے میری راہ صاف کر دیں گی۔"

"جانی بیٹا میں آپ کی پھپھو ہوں مگر یوسف کی ماں ہوں اوکے" وہ اس کی پیٹھ پہ ہلکی سے چپت لگا کے ہنسیں۔

"بالکل ٹھیک کہا زری خالہ آپ نے"۔ زرسانگہ کی بیٹی مرجانہ نے کہا۔ مراد جو پائلٹ بن چکا تھا مگر بالکل نوعمر لڑکوں والے تھے۔

☼ ☼ ☼

زرمینہ پھپھو کی ایک بیٹی ہدی اور دو بیٹے تھے بڑا بیٹا جمال خان میڈیکل کے فرسٹ ایئر میں اور چھوٹا کمال خان ایف ایس سی میں تھا۔

زرسانگہ پھپھو ——— کی تین بیٹیاں تھیں مرجانہ گل وش اور سبزری۔ وہ تینوں نگی پھپھو کی طرح بہت رکھ رکھاؤ والی تھیں۔ مرجان کی منگنی زری پھپھو کے بیٹے جمال خان سے ہو چکی تھی۔

مراد کے ننھیال میں اس کے وشے خالہ تھیں جن کی شادی زرخان کے پھپھو زاد شمل خان سے ہو چکی تھی۔ ان کے دو بیٹے ایمل خان اور نبیل خان تھے ان کی ایک بہن عبیرہ تھی۔

"آئزہ نے قہقہہ لگاتے ایمل کو دیکھا۔ اور اٹھ کے کچن میں آ گئی کہ دل کی دھڑکنوں نے تو آج بالکل ہی بغاوت کر دی تھی۔

"کوکی یہ شامی کباب کم ہیں اور بنا دو اور پلیٹ بھی بڑی رکھو اور سنو بی بی ماں کی چائے الگ رکھنا۔"

"جی چھوٹی بی بی۔"

ملازمہ کو بتا کے اندر آئی تو ایمل خان کی نظریں اس کی نظروں سے ٹکرائیں۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں ایمل خان کی بے تابی کو آئزہ کے ساتھ ساتھ مرجانہ اور ایمل خان کی ماما ——— نے بھی نوٹ کیا۔ وہ بیٹے سے بہت قریب تھیں۔ اس کے دل کا حال جاننے کے بعد ہی انہوں نے زرخان لالا سے آئزہ کو مانگ لیا تھا۔

آئزہ کے کانوں میں ایمل خان کی سرگوشیاں گونجنے لگیں۔

"آئزہ یقین کرو تم نے میری راتوں کی نیند لوٹ لی ہے۔ تم سے ملا تو دل نے جانا کہ محبت کیا ہوتی ہے آئزہ مگر نجانے کیا بات ہے دل کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کھو جانے کا"

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں ایمل۔ ابھی تو ہاتھ تھاما ہے اور لمبی ڈگر ہے نباہنا تو پڑے گا آپ کو" آئزہ مسکرا کے کہتی۔

مگر یہ وہ باتیں تھیں جو کبھی کبھار کی تنہائی انہیں مہلت دے دیتی تھی تو کر لیتے تھے ایک دوسرے کو

چپ چاپ تو اکثر دیکھنے کا موقعہ مل جاتا تھا۔

شام پہاڑی کے پیچھے والے جنگل میں اپنی مخصوص جگہ پہ ایمل مراد اور جمال خان ایک ڈیڑھ گھنٹہ ضرور گزارتے تھے اور ڈھیروں باتیں کرتے تھے۔ مگر کبھی بھی رشتوں کے احترام میں فرق نہ آیا تھا کہ تینوں رشتوں کی ڈور سے بندھے تھے۔ جمال کی بہن ہدی مراد سے منسوب تھی اور مراد کی بہن آئزہ ایمل خان کی منگیتر تھی۔

اکثر زرخان، شمل اور زوار خان ہنستے اور خوش ہو کے بتاتے کہ ان کے بیٹوں نے ان کی طرح تکون برقرار رکھی اور دوستی کی دیواریں مضبوط کیں۔

♥ ♡ ♥

نگاہ نے اسے اندر زنان خانے میں آتے دیکھا تو جیسے دل کی کلی کھل گئی ہو۔

آج تو اماں بابا جان بھی پھپھو سے ملنے گئے ہوئے تھے اور بوبو جی وصی لالا کے ساتھ شہر ڈاکٹر سے چیک اپ کے لیے گئی ہوئی تھیں۔

نگاہ خانم پیار کرنے لگی تھی یوسف سے۔ وہ جو سر جھکا کے زنان خانے میں آتا تھا زیادہ تر بوبو جی سے ملنے آتا وہ جس نے کبھی ایک نظر بھی ادھر ادھر نہ ڈالی تھی اگر ڈال لیتا تو نگاہ خانم کی آنکھوں میں چھپی بے قراری ضرور پہچان جاتا۔

"جی چھوٹی بی بی۔ اماں سے ملنے آیا تھا مگر وہ شاید کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

اس نے سیدھا جواب دیا۔ اس کے تو وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ چھوٹی بی بی کا دل اس کے لیے دھڑک اٹھا ہے۔

"بوبو جی تو وصی لالا کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔"

نگاہ کو خود پر تھوڑا کنٹرول کرنا پڑا۔ خود کو سمجھانا پڑا کہ ضبط دل کو بے لگام نہ ہونے دے۔

"کیا ہوا اماں کو" ڈاکٹر کا سن کے وہ پریشان ہوا ایک وہی تو تھیں اس کی زندگی گزارنے کی وجہ، ورنہ تو بالکل بے رنگ رہتی۔

"ان کا بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا ہے۔"

"مگر انہوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

وہ بے طرح پریشان ہو گیا۔

"ایک وہی تو ہیں جن کے دم سے میرے دل کو سکون ہے۔"

دوسرا جملہ زیر لب بولا۔

"اگر یوسف تم ارد گرد دیکھو تو شاید تمہیں بوبو جی کے علاوہ ایک اور ہستی بھی اپنی راہوں میں ملے گی۔"

نگاہ نے دل میں کہا۔

"مگر چھوٹی بی بی وصی خان ہمیشہ جب بھی شہر جاتے ہیں مجھے ساتھ لے کے جاتے ہیں تو پھر آج کیوں نہیں لے کے گئے۔"

پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ نگاہ کیا کہہ رہی تھی سنا ہی نہیں۔

"یوسف تم پریشان نہ ہو۔ بوبو کا مکمل چیک اپ تھا۔"

نگاہ نے کہا تو وہ پلٹنے لگا۔ نگاہ تیزی سے اس کے سامنے آ گئی۔

"یوسف میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔"

وہ جھجک کے بولی۔ ساتھ ساتھ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی مسل رہی تھی۔

"جی چھوٹی بی بی حکم کریں۔"

وہ تابعداری سے بولا۔

"یوسف تم مجھے یہ چھوٹی بی بی نہ کہا کرو۔"

"تو... تو پھر کیا کہوں۔"

اسے جھٹکا لگا۔ وہ تو ایک لکیر میں چلنے والا انسان تھا۔

مردان خانے سے وہ لکیر زہرہ خانم تک اور ان سے واپس مردان خانے تک چلی جاتی تھی۔ وہ بھلا کیا جانتا تھا کہ دل محبت کی تال پہ کیسے محو رقص ہوتا ہے اس کی کتاب زیست میں محبت کا کوئی سبق نہیں تھا۔

"تم میرا نام کیوں نہیں لیتے۔ میں بھی تو تمہارا نام لیتی ہوں آخر۔"

وہ جلدی سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔
"اب تو ما لکن ہیں نام لے سکتی ہیں اور میں تو۔۔۔"
"تم بھی تو مالک ہی بن گئے ہو۔"
نگاہ بات کاٹ کے بولی کہ کب تک اس کی محبت کو سینے کے اندر دبائے رکھتی۔
"مالک بن گیا ہوں۔ اچھا۔۔۔" وہ تمسخر سے ہنسا۔
"وہ بھلا کیسے؟"
"یوسف ضروری تو نہیں کہ مالک وہی ہو جس کے پاس دولت، جاگیر، جائیداد ہوں۔ کچھ لوگ دل کی جاگیر کے بھی تو بلا شرکت غیرے مالک بن جاتے ہیں جیسے۔۔۔"
وہ رک گئی تو یوسف جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ وہ اتنے واضح اشارے کو بھلا کیسے نہ جانتا۔ اس نے کتابیں نہیں پڑھی تھیں مگر زمانے نے اسے ہر سبق پڑھنا سکھا دیا تھا۔
"چھوٹی بی بی" وہ سختی سے بولا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔
نگاہ اس کے قدموں کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ انجان نہ تھی ناواقف نہ تھی کہ اس راہ کی سختیوں کو نہ جانتی ہو۔ یہ تو اندھیری راہیں تھیں تاریکی کا سفر تھا۔ جس کی نہ منزل کا پتہ تھا اور نہ ہم سفر کا۔ مگر وہ کیا کرتی اس کا دل اس کے اندر کہیں بغاوت کر رہا تھا۔ اس کے وجود کو اندر سے کمزور کر رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کو یوسف کے سپنے دیکھنے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ اپنے آپ کو کانٹوں کی راہ گزر پہ ڈال رہی تھی مگر وہ مجبور تھی وہ دانستہ یہ سب کچھ نہیں کر رہی تھی۔ وہ بے خود ہو رہی تھی۔ اسے خود سے ڈر لگنے لگا تھا۔ اسے اپنی بے خودی سے ڈر لگنے لگا تھا۔ اور یوسف میں ایسا سحر تھا کہ انسان بے خود ہونے لگتا تھا۔ اس کی شخصیت میں جادو تھا۔ وہ غلام تو جسمانی تھا۔ مگر کوئی نگاہ خانم سے پوچھتا کہ وہ کیا ہے۔

جب آنکھ میں شام اترے
پلکوں پہ شفق پھولے
کاجل کی طرح میری
آنکھوں کو دھنک چھو لے
اس وقت کوئی اس کو
آنکھوں سے مری دیکھے
پلکوں سے میری چومے
"یوسف۔۔۔"

نگاہ نے اس کا نام زیر لب دہرایا اور میٹھی سی خمار وادی میں چلی گئی۔ آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے باہر دالان میں آ گئی۔ بابا جان اور اماں آ چکے تھے۔
"السلام علیکم"
اس نے دوپٹہ سر پہ جماتے ہوئے مؤدبانہ کہا۔
"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" سلطان خان نے دعا دی۔
"آپ لوگ کس وقت آئے۔"
اس نے ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے۔ تم سو رہی تھیں کیا؟"
"جی اماں آنکھ لگ گئی تھی۔ آپ لوگوں کے لیے چائے لاتی ہوں۔"
ماں کو جواب دے کے اٹھتے ہوئے کہا۔
"جیتی رہو۔ اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔"
"بابا جان وصی لالا ابھی تک نہیں آئے مجھے فکر ہو رہی ہے۔"
چائے پینے کے بعد نگاہ نے گھڑی پہ آٹھ بجتے دیکھے تو کہا۔
"میرا رابطہ ہوا ہے بس آنے والا ہے۔"
انہوں نے جواباً مطمئن کیا۔ ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ گیٹ سے جیپ اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ گیٹ سے مرکزی دروازے تک درختوں کے درمیان راستہ تھا۔ سائیڈ روڈ سے ہو کے مرکزی دروازے کے شیشوں سے نظر آتی وہ جیپ ان کی نظروں کے سامنے آ گئی۔
ان کے ساتھ ہی وہ اندر آ گئی۔ اماں بابا نے وصی خان سے تمام تفصیلات پوچھیں۔
"بس بابا جان یہ میڈیسن ریگولر لینی ہیں اور بلڈ

پریشر کے لیے نمک کی احتیاط کرنی ہے۔ اماں آپ خود ان کو بتا دیں کہ کھانے میں نمک کم ڈالیں۔"
وصی خان نے ماں کو کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اچھا بھئی تم لوگ باتیں کرو میں تھک گئی ہوں آرام کروں گی۔" زہرہ خانم نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"مگر زہرہ خانم کھانا تو کھا لیں پھر خالی پیٹ دوا تو نہیں لے سکتیں نا۔"
کل بھابی نے زہرہ خانم کو روکا اور خود فوراً اٹھیں اور باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئیں تو بخشے مائی کو یوسف کو بلانے کے لیے کہا معلوم ہوا وہ حویلی میں نہیں اسی دوران نگاہ اندر آ گئی۔
"آؤ بیٹی آؤ۔" زہرہ خانم نے اسے پاس بٹھایا۔
"کیا بات ہے کچھ چپ چپ لگ رہی ہو۔" زہرہ خانم اس سے اچھی طرح واقف تھیں۔
"بوبو جی میرا دل بہت تنگ رہتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کے بولی۔
"ارے کیوں میری جان کیا ہے تیرے دل میں جو تنگ کر رہا ہے۔"
وہ اس کے انداز گفتگو پہ پریشان ہو گئیں۔
"بوبو جی کاش ہم لوگ قبیلوں اور ان اونچی اونچی دیواروں والی حویلیوں کی بیٹیاں نہ ہوتیں۔ اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کے زندگی گزارنا۔ دل کی باتیں لبوں تک نہ لانا یہ کیسی زندگی ہے بوبو جی۔ آپ کی زندگی کیا ہے ویران و برباد۔ ایک شمع ہے جو گھنے اندھیرے میں جل رہی ہے مگر اس کی روشنی سے فیض پانے والا کوئی نہیں۔ اور پھر ایک دن یہ شمع اپنی ہی موم میں چپ چاپ دفن ہو جائے گی۔ آپ کے بعد میری اور میرے بعد کسی اور بیٹی کی باری آ جائے گی۔"
"ارے نگاہ یہ اتنی سی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں بیٹا تو اپنے من کی بات اپنا غبار اپنی ماں سے اپنی بوبو جی سے کہا کر مگر سوچ کے اس دیمک کو اپنے وجود سے چپکنے نہ دینا ورنہ یہ تجھے کھوکھلا کر دے گا۔"
زہرہ خانم اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔
"بوبو جی ہماری ان حویلیوں کی دیواریں جتنی موٹی ہیں ان سے کئی گنا موٹی دیواریں ہر رشتے کے درمیان موجود ہیں۔ ماں بیٹی کے رشتے میں، باپ بیٹی کے رشتے میں، بھائی بہن کے درمیان ہر جگہ یہ دیواریں ہیں جو ایک دوسرے کے حال سے واقف ہی نہیں ہونے دیتیں۔ ہاں آپ کے آگے کوئی دیوار نہیں ہے۔"
نگاہ نے کہا۔ تو زہرہ خانم افسردہ ہو گئیں۔ چند ثانیے کے توقف کے بعد خود پہ ضبط کر کے بولیں۔
"میرے ہاتھ میری جان اتنے مضبوط تھے ہی نہیں کہ دیوار بنا سکتے میں بنا دیواروں کے اس چھت کے نیچے بیٹھی ہوں مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ تو کیوں اندر سے اتنی کھوکھلی ہے۔ کیا تجھے اپنی بوبو جی میں وہ چہرہ نظر نہیں آتا جو تیرے دل کو ہلکا کر سکے۔"
وہ اس کا چہرہ اپنی طرف کر کے بولیں۔ جس سے آنسو گالوں کو بھگو رہے تھے۔
"کیوں بیٹی۔ مجھے نہیں بتائے گی۔"
"کیا بتاؤں بوبو جی۔ بتانے کے لیے تو کچھ بھی نہیں البتہ ایک سوال ہے۔ اجازت ہو تو پوچھوں۔" وہ اٹھتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
"پوچھو میری جان۔۔۔"
"بوبو جی آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے آپ کا سہارا چاہیے میں بہت کمزور ہوتی جا رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میری بات سننے کے بعد آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔ مگر میں پھر بھی آپ سے اپنے دل کی ساری باتیں کروں گی۔ کیونکہ اگر نہیں کروں گی تو جانتی ہوں گھٹ کے مر جاؤں گی۔"
وہ ان کے ہاتھوں کو تھام کے بولی۔
"بولو۔۔۔ جو پوچھنا ہے پوچھو۔"
"بوبو جی کچھ عرصے سے میرا دل کسی کو بار بار دیکھنے کا خواہش مند رہنے لگا ہے۔" ہمت کر کے اس نے

کہہ ہی ڈالا۔

"کیا... کیا مطلب...؟" انہیں جھٹکا لگا۔ ابھی وہ پورے اٹھارہ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ سرخ و سفید رنگت گلابی ہونٹ' کھڑی خوب صورت ناک میں ہیرے کی لونگ۔ اس کی روشن ہلکے سبز رنگ کی موٹی موٹی آنکھیں۔ بلاشبہ اللہ نے اسے بہت خوب صورت بنایا تھا۔

"بوبو وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"کک... کون... کون اچھا لگتا ہے؟"

انہیں یوں لگ رہا تھا کہ کوئی ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اتار رہا ہے۔ وہ نگاہ سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ نگاہ اپنے رسموں رواجوں سے واقف ہونے کے باوجود انگاروں بھرے اس راستے پہ قدم رکھے گی۔

"کون ہے وہ نگاہ؟" انہیں اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوتی۔

"بوبو جی میں جانتی ہوں کہ میں دیواروں میں چنوائی جاؤں گی۔ میرا جرم ناقابل معافی ہے مگر میرا خود پہ قابو نہیں رہا۔" وہ سب جانتی تھی۔

"آپ میرے درد کی درماں بن جائیں میرے سہارا بن جائیں۔ پلیز بوبو جی۔"

"بیٹی تو ابھی نا سمجھ ہے۔ زندگی کی قیمت سے واقف نہیں۔ بہت مشکل ہے اس درد کو لے کے چلنا ان چلتے قدموں پہ زنجیر باندھ لو۔ خود کو روک لو۔ یہ دیکھو میرے جڑے ہوئے ہاتھ خود کو روک لو ورنہ بکھر جاؤ گی۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔ تو وہ ان سے لپٹ کے رو دی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو نگاہ کے دل کی دھڑکنیں تھمنے لگیں۔ زہرہ خانم بھی اس دستک سے بخوبی واقف تھیں۔

نگاہ فوراً سیدھی ہو کے اٹھی اور تیزی سے دروازہ کھولا۔ توقع کے عین مطابق سامنے وہی تھا۔ نگاہ کی نظریں جھک گئیں۔

"اماں ہیں اندر۔"

اس نے پوچھا تو وہ ایک طرف ہو گئی اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور پھر خود کمرے سے نکل گئی۔

"السلام علیکم اماں۔" وہ ان کے آگے جھکا تو انہوں نے دعا دیتے ہوئے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"جیتے رہو۔"

"کیسی طبیعت ہے آپ کی کیوں ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"ارے بالکل ٹھیک ہوں۔ وصی خان زبردستی خوامخواہ ہی لے گیا تھا۔"

اس کی پریشانی پہ وہ مسکرا کے بولیں تاکہ اسے تکلیف نہ ہو ورنہ پچھلے کچھ عرصے سے ہر وقت دل و دماغ پہ بوجھ رہتا تھا۔

"اچھا کیا وصی خان نے۔ آپ کا رنگ بھی خراب ہو رہا تھا۔"

انہوں نے یوسف کے پریشان چہرے کو دیکھا تو اندر کی پیاس بجھی۔

"اچھا اب چلتا ہوں رات کافی ہو گئی ہے۔ آپ آرام کریں۔"

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا تو انہوں نے دعاؤں میں رخصت کیا۔

بستر پہ آئیں تو دھیان پھر نگاہ کی طرف مڑ گیا۔

"نگاہ یہ کیا کر بیٹھی ہے تو۔ ایسی راہ چل پڑی ہے کہ جس پہ چل کے تیرے پاؤں لہولہان ہو جائیں گے۔ تو منزل بھول کے اپنے زخموں کو گننے لگے گی وہ تو ملے گا نہیں زخم بے بہا ملیں گے۔ کبھی ایک زخم سے ٹیس اٹھے گی اور کبھی دوسرے سے۔ میری گڑیا تو کیسے سہے گی۔ اور وہ... وہ کون ہے جو تیری چاہ بن گیا ہے تو تو حویلی سے قبیلے تک کے لوگوں سے ملنے تک بہت کم جاتی ہے پھر کہاں کیسے تیری نظر بہک گئی۔ نہیں میری بیٹی تجھے اپنی آنکھوں کے خواب نوچنے ہوں گے۔ تجھے اپنے دل پہ پہرہ بٹھانا ہو گا۔ میں تجھے لٹتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں تمہیں روک لوں گی۔ میں تمہیں ان راہوں سے لوٹنے پہ مجبور کر دوں گی۔" انہوں نے فیصلہ کر لیا۔

♥ ♡ ♥

ہاں ہم سے نہ کر ترک تعلق کا ارادہ
ہم کر لیں اگر عہد تو کرتے ہیں عمل بھی

"ماما آپ کو پتہ ہے زری پھپھو جمال بھائی کی شادی کی بات کر رہی ہیں۔ اللہ کتنا مزا آئے گا نا۔" آئزہ ماں کا ہاتھ پکڑ کے خوشی سے بولی۔

"ہاں تمہارے زوار ماما جی نے زرخان سے بات کی تھی۔ زری پھپھو نے بھی آ کے بتایا ہے مگر تمہاری نگی پھپھو کچھ تاخیر چاہ رہی ہیں۔" قندیل نے کہا۔

"کیوں ماما... نگی پھپھو کیوں ایسا کر رہی ہیں؟"

"دراصل مرجانہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہ رہی ہے۔"

"وہ تو جمال لالا نے کہا ہے نا کہ شادی کے بعد انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے مرجانہ جتنی چاہے تعلیم حاصل کر لے۔ تو پھر کیوں خوامخواہ مرجانہ مسئلہ کر رہی ہے آپ کو پتا ہے نا جمال لالا غصے کے کتنے تیز ہیں۔ مجھے ان سے ڈر لگتا ہے اللہ نہ کرے غصے میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر لیں۔ آپ جانتی ہیں نا جمال لالا کو۔"

آئزہ بہت پریشان ہو گئی۔

"ایک بات کان کھول کے سن لو۔ تم وہ کرو گی جو میں کہوں گا۔"

جمال لالا نے کتنے غصے سے کہا تھا اور جواباً" مرجانہ نے کیسے جمال لالا کو غصہ دلایا تھا۔

"جمال خان منگنی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تم میرے مالک بن چکے ہو۔"

"تو پھر منگنی کا کیا مطلب ہے ہاں' سمجھاؤ گی مجھے۔"

درمیان میں آئزہ کا گلا خشک ہو رہا تھا اور وہ دونوں اپنے اپنے محاذوں پہ ڈٹے ہوئے تھے۔

"جمال پلیز مجھے تنگ مت کرو۔" مرجانہ کی آواز پھٹ گئی۔

"کون کسے تنگ کر رہا ہے مرجانہ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ بہرحال میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے تم مانو گی اور ضرور مانو گی۔"

وہ کہہ کے چلے گئے تو مرجانہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

بات کچھ بھی نہ تھی۔ مگر معاملہ دونوں کے درمیان انا کا آ گیا تھا مرجانہ نے اپنی دوست کے ساتھ ایوب میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لینا چاہا مگر جمال خان نے اسے ہر حال میں خیبر میڈیکل کالج میں ہی داخل ہونے کا کہا جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان تناؤ پیدا ہو گیا۔ معاملہ کافی بڑھ گیا بات بڑوں تک پہنچ گئی۔

اب زرمینہ اور زرسانگہ دونوں بہنیں تھیں۔ زرخان بھی کافی پریشان تھا وہ دونوں ضد میں اپنی زندگیاں برباد کر رہے تھے۔

زرخان' زوار اور شمل خان کے سمجھانے پر جمال خان نے سر جھکا لیا مگر پھر مرجانہ نے اپنی راہ ہی بدل لی۔ وہ جو ڈاکٹر بننے کے خواب بچپن سے دیکھتی چلی آئی تھی نے اپنا ارادہ بدل لیا اور بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا۔

ماں تک کی بات نہ مانی اور ایڈمیشن گزر گئے۔

آئزہ' مرجانہ کے بہت قریب تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی بہت اچھی دوستیں تھیں وہ جانتی تھی کہ مرجانہ کیوں ـــ بالکل خاموش ہو گئی۔ اسے جمال خان کی بے رخی مار گئی۔ وہ اسے روایتی مرد کے روپ میں ہی نظر آیا۔

اس بات کو آٹھ نو ماہ گزر چکے تھے۔ مرجانہ کے تھرڈ ایئر کے ایگزیمز ہو گئے تو ایک دفعہ پھر ان کی شادی کا ذکر چل نکلا مگر مرجانہ کی ضد تھی کہ وہ پہلے اسٹڈیز مکمل کرے گی تب شادی ہو گی۔ مگر اب کے اس کی ایک نہ چلی اور شادی کی تاریخ فکس ہو گئی پورے ایک ماہ بعد شادی طے ہو گئی۔

"آئزہ جمال خان نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد میرا دل اس کی طرف سے بہت خراب ہو چکا ہے۔ اس نے میرے سارے خواب چکنا چور کر ڈالے ہیں۔"

آئزہ اور مرجانہ دونوں واک کرتے ہوئے مالٹوں کے باغ میں آ کے بیٹھ گئیں۔

"ایسے نہ کہو مرجانہ۔ وہ بہت اچھے ہیں بس تب تم دونوں کو ہی ضد ہو گئی تھی۔ وگرنہ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں بہت پیار کرتے ہیں اور تم بھی لاکھ چھپاؤ مگر انکار نہیں کر سکتیں۔"

آنزہ نے کہا تو وہ لمحے بھر کے لیے بالکل چپ رہی۔

"آنزہ جن سے بہت توقعات ہوں وہ دل توڑیں تو انسان ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اور جمال نے مجھے بہت بری طرح توڑا ہے۔ اس نے میرے بچپن کے خواب کو چکنا چور کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

آنزہ نے اسے رونے دیا کہ اندر کا غبار نکل جائے مگر بدگمانیاں دن بہ دن بڑھتی چلی گئیں۔ آنزہ بہت خوف زدہ تھی کہ نہ جانے یہ دونوں آگے کیا کریں گے۔

"مراد لالا آپ جمال لالا کو سمجھائیں نا۔ یقین کریں مرجانہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر ابھی وہ کچھ بدگمان ہے۔"

آنزہ بھائی کے پاس آ کے بولی کہ وہ جانتی تھی کہ مراد، جمال خان سے بہت قریب تھا۔

"تم بے فکر رہو آنزہ' مرجانہ نے جو بالکل ہی میڈیکل کی لائن تبدیل کر ڈالی تو دکھ جمال کو بھی بہت ہوا ہے۔ بلکہ وہ خود اس معاملے میں کافی شرمندگی محسوس کرتا ہے اسے مرجانہ سے بہت محبت ہے دیکھنا دونوں بالکل سیٹ ہو جائیں گے۔"

مراد نے تسلی دی تو وہ مطمئن ہو گئی۔

مگر سب ٹھیک نہ ہوا۔ مرجانہ نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔

جمال خان کسی رسم و رواج کی پروا کیے بنا دندناتا ہوا مرجانہ کے کمرے میں چلا آیا۔ اس دن مرجانہ کے کپڑے ٹانکے جا رہے تھے۔ اس کے قبیلے کی تمام لڑکیاں اور کزنز بھی موجود تھیں۔ ڈھولکی بج رہی تھی۔ وہ کسی بات پہ آنزہ کے ساتھ مسکرا رہی تھی کہ وہ دروازہ جھٹکے سے کھول کے اندر آیا۔ سب کے چلتے ہاتھ اور زبانیں رک گئیں سب پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ سیدھا اس کے سامنے آیا۔

"تم نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

وہ مرجانہ کے سامنے کھڑا ہو کے بولا۔ وہ چپ رہی۔

"میری بات کا جواب دو مرجانہ۔" جمال سختی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" وہ انکار نہ کر سکی۔

"وجہ....."

"میری مرضی۔" وہ کندھے اچکا کے بولی۔

"سزا دینا چاہتی ہو مجھے۔"

جمال نے اس کے بازو کو یوں پکڑا جیسے کسی شکنجے میں پھنس گیا تھا۔ وہ چپ رہی۔

"تو پھر ایک فیصلہ میرا بھی سن لو۔ میں تم سے شادی سے انکار کر رہا ہوں۔ تم میرے ناکردہ گناہ کو معاف نہیں کر رہی ہو تو پھر میں جانتا ہوں ہم دونوں کی زندگی خراب ہو گی۔ میری تو دونوں صورتوں میں ہی خراب ہے مگر میں تمہاری زندگی خراب نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری طرف سے آزاد ہو۔"

کہہ کے وہ جانے لگا تو وہ بھاگ کے اس کے سامنے آئی اور چلا کے بولی۔

"جمال خان تم صرف اپنی منوانا جانتے ہو۔ تم نے میرے خواب کی راہ روکی۔ اب تم دوبارہ پورے قبیلے کے سامنے مجھے رسوا کرنا چاہ رہے ہو تاکہ ہر کوئی مجھے کہہ سکے کہ مرجانہ کو جمال خان نے ٹھکرایا ہے۔ میرے ماں باپ کو ذلیل کرنا چاہ رہے ہو تم مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ ٹھیک ہے جو چاہتے ہو تم وہی کروں گی۔" اس نے ہار مان لی کہ وہ جمال خان کے آگے خود کو ثابت قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ بار بار اس کے آگے ہار جاتی تھی۔ اپنے ماں باپ اور خاندان کو رسوا

نہیں کر سکتی تھی۔

جمال خان وہاں سے نکل گیا تو مرجانہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آئزہ نے لمبی آہ بھری۔

"توبہ۔۔۔ یہ جمال لالا تو بڑی دھانسو قسم کی چیز ہیں۔ کسی بات سے نہیں ڈرتے جو دل میں آتا ہے کر گزرتے ہیں۔" گل وش نے کہا۔

"سچا بھی تو ہے جمال لالا پہ غصہ۔" عبیرہ تو تھی ہی رومینٹک اور افسانوں کی دنیا میں رہنے والی لڑکی اسے اس طرح کے ہیرو ٹائپ لڑکے پسند تھے۔

سب نے شکر ادا کیا کہ وہ خیر خیریت سے رخصت ہو کے جمال خان کی حویلی چلی گئی۔

ولیمہ کی دعوت انتہائی شاندار تھی اور وہ دونوں بھی مطمئن لگ رہے تھے ان دونوں کو خوش دیکھ کے سب خوش اور مطمئن تھے کھٹکا جو دل میں تھا وہ نکل چکا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو منوا چکے تھے۔ غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ جب مرجانہ سے آئزہ کو پتا چلا تو ایک سکون دل میں اترا۔

"خوامخواہ ہم لوگوں کا خون خشک کر رکھا تھا۔" سب نے ہی لتے لیے ان دونوں کے۔

* * *

"یوسف۔"

دروازہ بجا کے وصی خان نے آواز دی تو وہ اپنی چارپائی سے فوراً اٹھا اور کنڈی کھولی اور باہر آگیا۔ ان کے کمرے حویلی کی پچھلی طرف تھے۔

"جی وصی خان۔"

"سو تو نہیں گئے تھے۔" وصی خان نے پوچھا کہ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار نظر آرہا تھا۔

"نہیں ابھی جاگ رہا تھا۔ کوئی کام ہے کیا۔"

"ہاں صبح میں نے اور چھوٹی بی بی نے پشاور جانا ہے کام سے۔ بی بی کے رول نمبر کا مسئلہ ہے تم تیار رہنا صبح نماز کے بعد جلد ہی نکلنا ہے۔"

وصی خان نے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"کھانا کھالیا تم نے۔" جاتے جاتے وصی خان پلٹا اور پوچھا۔

"نہیں بھوک نہیں ہے۔ بس سر درد ہے سونا چاہ رہا ہوں۔" وہ ماتھے کو دبا کے بولا۔

"پھر تو کھانا کھاؤ تاکہ گولی لے سکو۔" وصی خان کے دل میں کہیں کوئی ہمدردی اس کے لیے موجود تھی۔

خوب صورتی بھی ایک خوب صورت ہتھیار ہوتا ہے دشمن کو بھی لچک کے دائرے میں لے آتا ہے۔

وصی خان نے واپسی پہ سوچا۔

صبح طبیعت خرابی کے باوجود ناشتے کے بعد وہ جلدی جلدی باہر آگیا۔ وصی خان اسی وقت باہر آیا نگاہ سفید چادر میں نکلی۔ یوسف نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولنا چاہا تو نگاہ کا ہاتھ اس سے پہلے ہی دروازے تک پہنچ گیا۔

یوسف نے گھبرا کے وصی خان کی طرف دیکھا مگر وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ رہا تھا۔ یوسف نے نگاہ کے بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پہ آگیا۔

گاڑی دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ وصی خان اس کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا وہ بھی کبھی جواب دے دیتا یا پھر چپ چاپ سن لیتا۔

"ارے میں بھول گیا یوسف تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" وصی خان کو اچانک اس کی طبیعت کا خیال آیا۔

"بہتر ہوں اب۔" مین ہائی وے پہ گاڑی ڈالتے ہوئے اس نے کہا اور ساتھ ہی بیک ویو مرر پہ پیچھے سے آنے والی ٹریفک پہ نظر ڈالی تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نظریں ٹکرائیں تو اس نے گھبرا کے سامنے دیکھا۔

"اوہو یہ چھوٹی بی بی کیوں میری آزمائش بن رہی ہیں۔" وہ دل میں خود سے بولا۔

"ایک منٹ یوسف ذرا سائیڈ پہ روکنا۔"

وصی خان کے موبائل پر کال آرہی تھی۔

یوسف نے گاڑی سائیڈ پہ روکی تو وصی خان اتر کے ذرا سائیڈ پہ ہو گیا۔

"یوسف کیا ہوا ہے تمہیں۔" نگاہ نے موقع سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ سنجیدہ ہو کے بولا اور ساتھ ہی اسٹیئرنگ پہ اپنا بازو رکھ کے سر رکھ لیا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے ہو تمہارا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ یہ پانی پیو۔"

وہ اپنی منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھا کے بولی تو وہ گھبرا گیا۔

"اللہ کے لیے چھوٹی بی بی کچھ خیال کریں وصی خان بھی ہمارے ساتھ ہے۔" وہ لفظ دبا دبا کے آہستگی سے بولا۔

"اچھا جلدی سے یہ ٹیبلٹ کھالو۔"

وہ اپنے پرس سے ڈسپرین کی ٹیبلٹ نکال کے بولی۔ مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

"مجھے نہیں لینا تی بی۔"

"پلیز یوسف۔ تم یہ لے لو میں باقی کچھ نہیں کہتی تمہیں۔"

کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی مگر وہ پتھر دل بن گیا اور خاموشی سے باہر دیکھنے لگا۔ نگاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ محبت کی طلب گار اور وہ بے زار تھا۔

اتنے میں وصی خان بھی آگیا۔

"ہاں چلو بھئی جلدی۔" وہ دروازہ بند کر کے بولا۔

"اور سنو یوسف واپسی پہ میں رکوں گا یہیں تم چھوٹی بی بی کو لے جانا۔"

نگاہ خانم کا دل کھل اٹھا جب کہ وہ اندر ہی اندر گھبرا گیا۔

وہ نگاہ خانم سے ڈرنے لگا تھا اور اب یہ ایک لمبا سفر اس کے ساتھ بتانے کا سوچ کے گھبراہٹ ہونے لگی۔ مگر اب وہ کیا کر سکتا تھا۔

نگاہ اور وصی خان یونیورسٹی کے ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ چلے گئے اور وہ گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگا کے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"پڑھے لکھے لوگوں کی ٹور ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ کاش میں بھی پڑھ سکتا۔" دل میں حسرت جاگی۔

دور سے دو لڑکیاں چلتی ہوئی سیدھی اس کی طرف آرہی تھیں۔

"یہ میری طرف کیوں آرہی ہیں۔" ابھی بات منہ ہی میں تھی کہ وہ دونوں اس کے پاس سے گزر کے ساتھ والی گاڑی کے پاس رک گئیں۔ دونوں کسی بات پہ بری طرح ہنس رہی تھیں۔

"قسم سے آئزہ میرا تو دل ابھی تک دھک دھک کر رہا ہے۔" مریم نے کہا۔

"ظاہر ہے دل دھک دھک تو کرے گا ہی آخر کو تم وصی خان سے ٹکرائی ہو شکر کرو پاش پاش نہیں ہو گئیں۔"

وصی خان کے نام پہ یوسف کے کان کھڑے ہوئے۔

"کتنا اسمارٹ لگ رہا تھا آج۔"

"وہ تو ہے وصی خان۔"

یوسف خان نے دل ہی دل میں ان کی تائید کی۔

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

آپ کے ستارے

تیسرا ایڈیشن

ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔

☆ خوبصورت سرورق

☆ دیدہ زیب چھپائی

☆ آفسٹ پیپر ☆ مضبوط جلد

قیمت صرف =/150 روپے

ڈاک خرچ =/30 روپے

آج ہی =/180 روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں

کتاب کے ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

آمنہ رشید سندھو

محبت اور نہیں آتی

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے درختوں کو جھومنے پر مجبور کر رہے تھے شام کا دھندلکا چھا رہا تھا ہر چیز سرخی مائل محسوس ہو رہی تھی آفتاب نیلگوں آسمان پر اپنی منزلیں طے کرتا ہوا اب افق میں سرخی بکھیر کر غائب ہونے کو تیار تھا پرندے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے اردگرد لگے بے شمار اونچے اونچے درخت لاکھوں پرندوں کو پناہ مہیا کیے ہوئے تھے۔ چڑیوں کی چوں چوں اب زور پکڑ گئی تھی۔

مکمل ناول

وہ صحن میں کھڑی اس سارے منظر کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اندھیرا اب پھیلنے لگا تھا صحن کے دوسری طرف بنے کچن میں ماما شام کا کھانا بنانے میں مصروف تھیں چمگادڑیں ادھر ادھر اڑنا شروع ہو گئی تھیں کچھ تو اس کے سر کے بالکل پاس سے اڑ جاتیں اس نے تھوڑا خوف محسوس کیا اور مغرب کی نماز کی تیاری کرتی دادو کی طرف دیکھا یہاں آئے اسے تھوڑے دن ہی ہوئے تھے ایک دم گرمی کا احساس بڑھ گیا تھا وہ بھی مغرب کی نماز پڑھنے کمرے میں آ گئی۔

نماز سے فارغ ہو کر وہ باہر آ گئی اونچے اونچے درخت جو کچھ دیر پہلے بہت خوب صورت لگ رہے تھے اب بہت ڈراؤنے محسوس ہو رہے تھے ان کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے وہ چارپائی بچھانے لگی۔ ڈیڈی کے آنے کا وقت ہو گیا تھا وہ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کر کے ہی گھر آتے کچھ دن پہلے ہی ان کا ٹرانسفر یہاں ہوا تھا آرمی میں میجر تھے فوجیوں کی تربیت کے لیے انہیں یہاں ٹرانسفر کیا گیا تھا اشتیاق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور گاؤں کے ماحول کو نزدیک سے دیکھنے کا شوق لیے وہ یہاں موجود تھی بی ایس سی ایگریکلچر کر اب اسے فراغت ہی فراغت تھی ماما اور دادو بھی اسے لیے اس کے ساتھ آ گئی تھیں کہ گاؤں کے لوگوں کا رہن سہن اور رسم و رواج کو قریب سے دیکھا جائے۔

ویسے اپنا آبائی گھر تو ملتان میں تھا ڈیڈی کے ٹرانسفر کی وجہ سے ماما اور دادو اکثر آبائی گھر میں ہی رہتیں کبھی کبھار ساتھ بھی چلی جاتی تھیں۔

رات کا کھانا بلب کی پیلی روشنی میں کھایا گیا کھلے صحن میں سونے کی اگرچہ اسے عادت نہیں تھی لیکن ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے فوراً" نیند کی وادی میں لے جاتے رات کے کسی پہر آنکھ کھلنے پر ڈینگروں کی آوازیں اور اندھیرا اسے تھوڑی دیر کے لیے خوف میں مبتلا کرتے پھر نیند کی دیوی مہربان ہو جاتی ویسے بھی حالات کے مطابق خود کو ڈھال لینا اس کی عادت تھی یہاں کے لوگ عموماً" نمازوں کے اوقات کے ساتھ اپنا ٹائم ٹیبل سیٹ کیے ہوئے تھے۔

صبح واک کرتے ہوئے اس کی ملاقات ایک کالی خوب صورت لڑکی سے ہوئی۔ اس لڑکی کا نام شمع تھا اس کا باپ مزارع تھا اس کی ماں کا دو سال قبل انتقال

ہو چکا تھا تین بہنیں اور دو بھائی تھے وسب سے بڑی تھی مختصر سے تعارف کے بعد اس سے اجازت لے کر اچانک وہ اٹھ گئی تھی۔

"میرا ابا اٹھ گیا ہو گا میں تو جاؤں کل پھر آؤں گی۔ آپ آؤ گی نا بی بی؟" وہ جاتے جاتے اس سے کل آنے کا وعدہ لے کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

حسب معمول چڑیوں کی بے تحاشا چہچہاہٹ پر اس کی آنکھ کھلی تھی ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا وہ فریش ہوا کو محسوس کرتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔ نماز اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد وہ ماما کو بتاتے ہوئے واک کرنے نکلی سامنے بنا بنگلہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا وہ آم کے قطار میں لگے درختوں کے درمیان بنی چھوٹی سی سڑک پر تیز تیز قدم اٹھانے لگی اس طرف آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا ذیلی سڑک ہونے کی وجہ سے کوئی پیدل یا سائیکل سوار ہی یہاں سے گزرتا وہ اپنے دھیان میں چلتی ہوئی گھاس کے خوب صورت قطعہ کے پاس پہنچ گئی تھی نہر کے کنارے درخت لگے ہونے کی وجہ سے سڑک پر سورج کی کرنیں چھن چھن کر پڑتیں تو منظر کی خوب صورتی بڑھ جاتی وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی خوب صورت اور بے تحاشا پھول نکھرے نکھرے لگ رہے تھے اسے یہ سب چیزیں بہت دلچسپ لگنے لگیں۔

نہر کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈبوتے ہوئے اسے جھرجھری سی آئی لیکن پھر ایڈونچر خوف پر غالب آگیا پانی میں ڈوبتے ابھرتے لچکیلی شاخوں والے پھول دیکھ کر اسے "ورڈز ورتھ" کی "ڈیفوڈل" یاد آگئی جو اسے بہت پسند تھی "ہاؤ" کسی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا تھا اس کا دل اچھل کر حلق تک آگیا اس منظر میں وہ اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ کسی کی آمد کی خبر تک نہیں ہوئی شمع کھلکھلاتی ہوئی اب اس کے پاس پاؤں پسار کر بیٹھ گئی۔

"ڈرا دیا نا! کہاں گم تھیں بی بی تم۔" وہ ہنستے ہوئے پوچھنے لگی مسکان کا دل ابھی تک معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔

"اگر میں نہر کے پانی میں گر جاتی تو۔" وہ خفگی سے شمع کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابو میں گر جاتی میں نے کندھوں سے اچھی طرح تھاما تھا تمہیں کیسے گر جاتیں۔"

وہ لاپرواہی سے بولتی ہوئی پھولوں کے گچھے ہاتھوں میں — لیے پاؤں ٹخنوں تک پانی میں ڈال کر ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم مجھے بی بی نہ کہا کرو میرا نام لے کر بلا لیا کرو۔" مسکان نے پانی پر نظریں جماتے ہوئے کہا اسے لگا

"نہ نہ میں کیوں نام لوں تمہارا تم تو شہرن ہو اس لیے تمہیں بی بی کہتی ہوں تم کہتی ہو تو نہیں کہوں گی باجی کہہ لیا کروں؟"

وہ اپنا پرانہ جھلاتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کہہ لیا کرو بابا، تمہارے ابا نے کل تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟"

مسکان اس کا دھیان بٹانے کو بولی۔

"ہاں بہت بولا میرے اتنی دیر لگانے پر میں نے سب باتیں سن لیں پھر تمہارا بتایا تب کہیں ٹھنڈا ہوا میں نے تو ابا کو یہ آس بھی لگا دی ہے کہ میں شہرن بی بی سے پڑھنے لکھنے بھی جاؤں گی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں تم پڑھ لیا کرو۔ انگلش بھی پڑھنا سکھاؤں گی۔"

مسکان فوراً" آمادہ ہو گئی۔

"تم بہت معصوم ہو باجی۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے دُہری ہو گئی مسکان اس کے بے تحاشا ہنسنے پر حیران ہوئی۔

"اگر میں تمہارا نام نہ لیتی تو ابا کبھی مجھے یہاں نہ آنے دیتا تمہارے آنے سے تو مجھے سہولت ہو گئی ہے"

وہ تفصیل سے بولی اب سورج کی کرنیں ان کے چہروں پر پڑنے لگی تھیں چمکتا ہوا شفاف پانی دیکھتے

ہوئے مسکان پھر حیران ہوئی تھی وہ اس شوخ و چنچل محنت مند سی لڑکی کو سمجھ نہیں سکی تھی۔

"تم پھر ادھر کیا لینے آتی ہو؟"

پانی سے پاؤں باہر نکالتے ہوئے مسکان نے پوچھا وہ اٹھنے کی تیاری کرنے لگی تھی۔

"تم پہلے یہ بتاؤ تمہارے ابا کیا کرتے ہیں یہاں کیا لینے آئے ہیں؟" وہ کمال ہوشیاری سے اس کا سوال گول کر گئی۔

"میرے ڈیڈی تو آرمی میں ہیں وہ تھوڑے فاصلے پر بنگلے کے ساتھ فوجی چوکی ہے آج کل وہاں ٹریننگ کے لیے فوجی آئے ہیں ان کا ڈائرکٹ سفر یہاں ہوا ہے، لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو اور تم نے میرے سوال کا جواب بھی نہیں دیا؟"

وہ بولتے بولتے شمع کو دیکھنے لگی جو بہت انہماک سے چوکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یوں جیسے سب فوجیوں کو دیکھ کر چھوڑے گی مسکان کے لیے اس کا انہماک حیرت انگیز تھا اس لیے اب اکتا کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی دوپٹہ سلیقے سے لیتے ہوئے وہ جوتا پاؤں میں ڈالنے لگی اس کے اٹھنے پر شمع کا انہماک ٹوٹا تھا۔

"یہ فوجی لوگ کیسے ہوتے ہیں باجی؟ میرا مطلب ہے ان کے مزاج وغیرہ۔"

وہ اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی مسکان اسے چوکی کے متعلق بتا کر پچھتا رہی تھی اب وہ سوال کر کر کے اس کا سر کھائے گی وہ چلنا شروع ہو گئی تھی۔

"مجھے کیا معلوم میں کوئی ان کے ساتھ تھوڑی رہتی ہوں۔"

مسکان نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا ہے کیسے ہوتے ہیں۔ تمہیں کیا بتاؤں بڑے کھلے ہوتے ہیں ہر بات منہ پر کہہ دیتے ہیں۔"

وہ اب شرم سے انگلیاں مروڑتی سرخ چہرہ لیے اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

"اب تو تمہیں پتا چل ہی گیا ہو گا کہ میں روز ابے سے بہانے بنا کر کیوں یہاں آتی ہوں صبح صبح فوجی ورزش وغیرہ کرنے ادھر کھیتوں میں نکل آتے ہیں اس دن میں صبح ہی صبح ابے کو چوہدری کے کھیت پر بلانے گئی تھی وہ رات کو گھر نہیں آیا تھا چاچی نے سویرے ہی مجھے اس کی تلاش میں دوڑایا تھا کھیتوں سے پہلے فوجیوں کی چوکی ہے نا وہاں اتنا سوہنا فوجی تھا وہ میں کیا بتاؤں میں تو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی جیسے کسی نے منتر پڑھ کر مجھے پتھر کر دیا ہو، ہے تو بے چارہ پتلا سا لیکن وردی میں بہت من موہنا سا لگ رہا تھا میں نے دھیان دیا تو وہ آنکھیں چھپکائے بنا مجھے دیکھ رہا تھا مجھے ایک دم بہت شرم آئی، ایسے دیدے پھاڑ کر تو کبھی کسی نے مجھے نہ دیکھا میں پاس سے گزرنے لگی تو میرے کلائی پکڑ لی میری تو مانو جان ہی نکل گئی اگر ابا مجھے دیکھ کر ادھر آنکلتا تو میرے ہڈیاں پسلیاں ایک کر دیتا۔"

وہ سانس لینے کو رکی اور جیسے اپنے آپ کو منظر کا حصہ سمجھنے لگی مسکان نے لکڑی کے دروازے کو دیکھا

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
اِک نُکتۂ ایمان
سعدیٰ حمید چودھری
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

جہاں اسے جانا تھا۔

"پھر کیا ہوا جلدی بتاؤ میرا گھر آگیا ہے۔"

وہ دلچسپی سے شمع کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولی۔

"پھر کیا ہونا تھا میں کوئی شہزن تھوڑی تھی جو اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اس کے ساتھ چل پڑتی۔"

مسکان نے اس کی بات پر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"سب کی بات نہیں کر رہی ہوں اور تم تو بہت اچھی ہو۔"

شمع اس کی ناگواری محسوس کر کے اس کی ٹھوڑی چھو کر پیار سے بولی۔

"میں نے اپنا بازو کھینچا کمبخت آہستگی سے ہنس پڑا ایسی پیاری ہنسی تم نے بھی کبھی پہلے نہ سنی ہوگی بولا۔"

"تم کہاں سے رستہ بھول آئیں شہزادی۔"

"اپنے ابا کو لے کر ابھی آتی ہوں پھر بتاؤں گی۔"

میں نے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے کہا اور ڈیرے کی طرف چل دی ابا تو نہ ملا وہ کچھ دیر پہلے دوسرے رستے سے گھر جا چکا تھا میں الٹے قدموں واپس آگئی۔

اب روز میرا وہاں جانے کو دل کرتا اب تو ہماری اچھی خاصی دوستی بھی ہو گئی ہے اس کا نام فہد ہے کسی گاؤں کا رہنے والا ہے اس کی بے بے اس کی شادی کے لیے بے چین ہے وہ کہتا ہے کہ واپس جا کر اپنی بے بے کو میرے ابا کے پاس بھیجے گا میں تو جیسے کسی ڈور میں بندھی ادھر چلی آتی ہوں۔" شمع بولتی چلی گئی شاید وہ پیٹ کی ہلکی تھی وہ دروازے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

"اچھا پھر ملیں گے تم بھی اندر آؤ۔"

مسکان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں جی چلتی ہوں۔۔۔ اچھا رب راکھا۔"

وہ بھی کہتے ہوئے فوراً" پلٹ گئی مسکان اس کی پشت کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"آج ہمارا بیٹا کافی دیر لگا آیا۔"

پاپا اسے دیکھتے ہی بولے وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"بس ڈیڈی وہ ایک لڑکی مل گئی تھی گاؤں کی اسی لیے دیر ہو گئی۔"

ناشتا کرنے سے لے کر شام سونے تک اس کے ذہن میں شمع کا خیال آتا رہا وہ غالباً" فوجیوں کی نیچر سے لاعلم تھی جو تھوڑے دن یہاں گزار کر اپنا بوریا بستر سمیٹ لے جائیں گے اس انجان سی لڑکی کو خبر تک نہیں ہو گی اسے سمجھانے کا ارادہ دل میں باندھ کر وہ سکون سے سو گئی تھی۔

اگلے چند دنوں میں شمع سے اس کی مختلف اوقات میں ملاقات ہوتی رہی تھی وہ اسے سمجھانے میں ناکام رہی تھی اپنی یک طرفہ محبت میں وہ اس قدر آگے نکل چکی تھی کہ مسکان تو کیا اس کا سخت گیر ابا بھی اسے ان راہوں سے واپس نہیں لا سکتا تھا وہ اتنے یقین سے فہد نامی فوجی کا ذکر کرتی کہ مسکان بے ساختہ اس کا یقین قائم رہنے کی دعا کرنے لگتی ان تھوڑے سے دنوں میں شمع بہت پیاری ہو گئی تھی یہ شاید فہد کی باتوں کا اثر تھا اس کے چہرے پر سب سے قابل دید چیز اس کی لونگ تھی جو دھوپ پڑنے پر اس کے چمکتے ہوئے چہرے پر بہت خوب صورت نظر آتی گول مول سے چہرے پر شہابی گال اور مسکراتے لب بہت بھلے معلوم ہوتے آنکھوں میں جگنو سے چمکتے رہتے وہ شمع کو اس کے حال پر چھوڑنے کا ارادہ باندھتی لیکن دوبارہ ملنے پر نئے سرے سے اسے سمجھانے لگتی اسے اس لڑکی سے ہمدردی ہونے لگی تھی فہد کی شکل اگرچہ مسکان نے نہیں دیکھی تھی لیکن شمع کے منہ سے اس کا ذکر سن سن کر اب تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اسے پہچان لے گی۔

☼ ☼ ☼

وہ صحن میں ایک طرف لگی کیاریوں کو پھولوں اور پودوں سے بھر چکی تھی موتیے کے صاف شفاف پاکیزہ سے پھول اپنی خوشبو بکھیرتے اسے بہت اچھے لگتے، دادو کے لیے پھولوں کے گجرے بنا کر رکھنے کے بعد وہ کیاری کی صفائی کرنے لگی تھی فالتو پتوں کو نکالتے

ہوئے اسے دھوپ کا احساس تک نہ ہوا تھا ماما کولر لگائے کمرے میں تھیں اس کام سے فارغ ہو کر وہ صحن میں جھاڑو دینے لگی یہ شکر تھا کہ فرش کچا نہ تھا فرش دھوتے ہوئے اس کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ ہو چکا تھا۔

"یہ تم دھوپ میں کیا کر رہی ہو مسکان! اتنی گرمی پڑ رہی ہے اور تم دھوپ میں صفائیاں کرنے میں مصروف ہو اپنا چہرہ دیکھو کبھی فارغ تو تم رہ ہی نہیں سکتیں اتنی رف اسکن ہو رہی ہے تمہاری۔ چلو اندر ابھی لائٹ چلی گئی تو یونہی بیٹھی رہنا۔"

ماما نے اسے دیکھتے ہی پائپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہر وقت مصروف رہنے کا خبط سوار رہتا ہے اس کے سر پر کبھی جو سکون سے بیٹھی ہو یہ لڑکی۔"

وہ پائپ لپیٹتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں مسکان منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اندر کمرے میں چلی آئی۔

"واقعی اسکن تو کافی رف ہو رہی ہے۔"

وہ بیڈ پر پاؤں رکھتے ہوئے غور سے انہیں دیکھنے لگی ہاتھ بھی سخت سے ہو رہے تھے وہ بیگ سے مساج کریم نکال کر اس کام میں لگ گئی تھی ماسک اتارنے پر خود اپنا چہرہ اسے بہت فریش لگا تھا کھڑی ناک، خوب صورت باریک سے ہونٹ اور کشادہ پیشانی پہلے سے بہت بہتر حالت میں لگ رہے تھے۔

گرمی اب پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی کیاری میں لگے پودے مرجھانے لگتے وہ فوراً" بالٹی بھر پانی کیاری میں ڈال دیتی گھر کے پاس بھی سڑک کے کنارے آم کے بہت زیادہ درخت تھے اب تو ان پر کیریاں لگی صاف نظر آتی تھیں اس کے منہ میں پانی بھر آتا کالج میں آم کے درخت کو وہ اور اس کی دوستیں کیریاں اتارنے کے چکر میں زخمی کر دیتیں مالی دوڑا آتا وہ فٹ سے کینٹین میں چھپ جاتیں اس کے جانے کے بعد ہنستے ہوئے پھر سے وہی کارروائی شروع ہو جاتی اب ان کیریوں کو دیکھ کر بے اختیار انہیں اتارنے کو جی چاہتا لیکن اول تو وہ یہاں ایسی حرکتیں نہیں کر سکتی تھی دوم درخت بھی کافی اونچے تھے لڑکے بالے تو اس پر چڑھ جاتے کیریاں توڑ توڑ کر جھولیاں بھر لیتے وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے کیریاں نہ مانگتی۔

شمع کافی دنوں سے نہیں آئی تھی اس کے دن پہلے کی نسبت کافی بور گزر رہے تھے جب عمر کا فون آگیا تو وہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
عین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب ورق پیچ	سعدیہ آمل کاشف	150/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	150/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	400/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	400/-
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	180/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	150/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2216361

سنتے ہی شکایتوں کا دفتر کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیسے بھائی ہو تم اتنے اجاڑ بیابان سے علاقے میں مجھے بھیج کر خود وہاں یونیورسٹی میں مزے لے رہے ہو تم دونوں اور یہ خضر کہاں دفعان ہو گیا ہے اتنے عرصے میں تم پہلی دفعہ فون کر رہے ہو یہاں تو فون تک کی سہولت نہیں یہ تو سیل فون کا دم غنیمت ہے میں بہت بور ہو رہی ہوں جلدی سے تم دونوں پہلی فرصت میں یہاں پہنچو۔"

وہ سانس لینے کو رکی عمر دوسری طرف ہنس رہا تھا اس کے نان اسٹاپ بولنے پر۔

"علاقہ ترقی پذیر سہی لیکن تمہاری زبان کافی ترقی یافتہ ہو گئی ہے۔"

وہ مسکان کو چڑانے کے لیے بولا۔

"دیکھو میں کوئی فضول بات نہیں سنوں گی تم دونوں جلد روانہ ہو جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ اونچی آواز میں بولی۔

"تم سے برا پہلے بھی کوئی نہیں ہے یہ خضر سے بات کرو۔" وہ بات کر کے رفو چکر ہو گیا مسکان کا کرارا سا جواب سنے بغیر خضر کو بھی اس نے اچھا خاصا ڈانٹا تھا جذباتی کچوکے لگانے پر بالآخر وہ اتوار کو آنے کا وعدہ کروا کر ہی ٹلی تھی آج وہ بہت خوش تھی اتنے دنوں بعد لاڈلے بھائیوں کی آواز سنی تھی ان کے آنے کی ابھی سے خوشی ہو رہی تھی۔

"انہیں نادان سی شمع سے ضرور ملواؤں گی اور ہاں۔ فہد کے بارے میں بھی انہی کی مدد کی ضرورت پڑے گی یہ بھی کتنی کار آمد چیز ثابت ہو رہے ہیں مجھے اب احساس ہوا۔"

وہ کام کے ساتھ ساتھ مسلسل سوچوں میں غرق تھی ماما اس کی اسی عادت سے تنگ تھیں ہر وقت اپنے آپ میں مگن جانے کیا سوچتی رہتی تھی ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی فارغ نہیں رہ سکتا تھا وہ ساتھ لایا اسکرب چہرے پر رگڑنے لگی۔

☼ ☼ ☼

صبح واک پر جانا اس نے نہیں چھوڑا تھا نہ جانے اسے کتنے دن یہاں ٹھہرنا تھا جتنے دن وہ یہاں ہے کم از کم اتنے دن تو قدرتی مناظر کا لطف اٹھائے صبح کی اتنی ٹھنڈی میٹھی ہوا بھلا اور کہاں ملے گی وہ جاگنگ شوز پہننے کی بجائے کالی پٹیوں والی چپل ہی پہن لیتی نہر میں پاؤں ڈبونا اسے اچھا لگتا تھا اور چپل سے اس کا یہ شوق باآسانی پورا ہو جاتا تھا آج وہ معمول سے کچھ لیٹ ہو گئی ماما کو بتاتے ہوئے وہ گھر سے نکل کر سڑک پر آ گئی شمع کی فکر کرنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔

"اس کی قسمت میں اگر فہد کی محبت لکھی ہے تو اسے ضرور ملے گی اور اگر نہیں تو وہ کم از کم کچھ نہیں کر سکتی تھی۔"

وہ پل کے اس پار دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ دوڑ رہی تھی آم کے درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے بھی اس کا دھیان پل کے پار گاؤں کی آبادی پر تھا کوئی چیز بہت زور سے اس کے سر پر آن لگی تھی وہ بدک کر پیچھے ہٹی آنکھیں خوف سے باہر نکلنے کو تھیں ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی پتھر آن لگا ہو وہ سر پر ہاتھ رکھے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی لیکن چڑیوں کے علاوہ اسے کوئی پرندہ نظر نہ آیا جو پتھر جیسی بھاری چیز کو اٹھا سکتا دل پتے کی طرح لرزنے لگا تھا دور سے کوئی کسان سائیکل پر سوار گنگناتا ہوا اپنے دھیان میں مگن کھیتوں کی طرف جا رہا تھا یکایک اس کی نظر سڑک کے وسط میں پڑے کچے آم پر پڑی تھی ایک نظر آم کو دیکھتے ہوئے اس نے درخت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا وہاں کوئی ذی نفس نہیں تھا غالباً" بھاری ہونے کی وجہ سے یہ خود ہی ہوا کے جھونکے سے گر گیا ہے۔ وہ قیاس کرتے ہوئے کیری پکڑنے کو بڑھی تھی اپنی خوشی میں وہ دور سے آتی سیاہ مرسڈیز کو نہیں دیکھ پائی جو اس کی سمت ہی آ رہی تھی وہ آم پکڑ کر اسے ہاتھوں پر اچھالتے ہوئے خوشی سے آگے بڑھنے کو تھی جب نگاہ تیز رفتاری سے آتی گاڑی پر پڑی تھی گھبراہٹ میں اسے اتنا ہوش نہیں رہا تھا کہ ایک طرف ہٹ جائے وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے گاڑی کے گزرنے کا انتظار کرنے لگی آنکھیں تب کھلیں جب کار کے بریک بڑے زور سے

چرچرائے تھے گاڑی کا دروازہ کھلتے دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے بڑی بڑی مونچھوں والے اس شخص کو دیکھ کر اس کا دل چاہا کاش وہ پری ہوتی اور پھر سے اڑ جاتی اس کے سامنے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص اس کی گھبراہٹ پر محظوظ ہو رہا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں محترمہ سڑک کے بیچوں بیچ کہیں خودکشی کے ارادے سے تو نہیں نکلی تھیں؟" وہ اس کے سر پر پہنچ کر غصے سے بولا تھا مسکان نے اپنی رنگت اڑتی ہوئی محسوس کی تھی ٹانگیں الگ کانپنے لگی تھیں ہاتھ سے چھٹ کر دور جا گرا تھا اس نے زبان لبوں پر پھیرتے ہوئے کن انکھیوں سے آم کو دیکھا پھر اس مونچھوں والے کو۔

"میں تو واک کرنے نکلی تھی مجھے کیا معلوم آپ کی سواری یہاں سے گزرے گی۔"

وہ بہت ہمت کرتے ہوئے بولی۔

"اکیلے واک کرنے کا مشورہ آپ کو کس بے وقوف نے دیا محترمہ! میں پوچھ سکتا ہوں۔"

وہ ابھی اس شخص کی مونچھوں سے خائف کھڑی تھی اچھی خاصی شکل کو مونچھوں نے خوفناک بنا دیا تھا جب دوسری طرف سے ایک اور ہینڈسم شخص برآمد ہوا اس کی گھبراہٹ کو انجوائے کرتے ہوئے وہ عین اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا آم اب اس کے قدموں کے پاس پڑا تھا مسکان نے کن انکھیوں سے دوبارہ آم کو دیکھا۔

"مجھے ان سے ڈرنا نہیں چاہیے مجھے کھا تو نہیں جائیں گے قریب ہی تو گھر ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

میں اکیلی نہیں ہوں میرا اللہ تو میرے ساتھ ہے۔"

وہ تیزی سے بولتی چلی گئی ان دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا وہ حیرانی سے ان کو دیکھنے لگی لیکن پھر انہیں مزید ہنسنے اور باتیں بنانے کا موقع دیے بغیر وہ گھر واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"ٹھہریے۔"

وہ کافی دور پہنچ گئی تھی جب اس لمبے چوڑے شخص نے اسے پکارا اور اب تین چار قدموں کے فاصلے پر پہنچ چکا تھا مسکان رک تو گئی تھی لیکن پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا وہ اس کی سائڈ سے ہوتا ہوا اب اس کے سامنے آن کھڑا ہوا مسکان نے اپنے آپ کو اس کے سامنے کسی گڑیا کی مانند پایا وہ دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالنے لگا۔

"یہ لیجیے جس کے پیچھے آپ خوار ہو رہی تھیں صبح صبح۔" وہ آم ہتھیلی پر رکھے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے بولا مسکان تو ایک کی جگہ دو آم دیکھ کر ہی ششدر رہ گئی جادوگروں کی کہانیاں اس کے ذہن میں گھومنے لگیں۔

"لیجیے حیران کیوں ہو رہی ہیں؟"

وہ ہتھیلی اس کے آگے کرتے ہوئے بولا۔

"آجاؤ یار! ایلفی لگ گئی ہے کیا؟"

مونچھوں والے کی جھنجلائی ہوئی آواز پر مسکان نے آم فوراً" اس کی ہتھیلی سے اٹھا لیے اس کے اس ردعمل پر وہ شخص پھر مسکرایا تھا لیکن لب کھولے بغیر آنکھیں البتہ شرارت سے بھرپور تھیں وہ فوراً" نظریں چرا کر آگے بڑھنے لگی۔

"اکیلی مت نکلا کریں اب اتنا بھی سیف نہیں ہے وہ حصہ۔"

وہ اس قطعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا جس کا تھوڑی دیر پہلے مسکان نے بوکھلاہٹ میں ذکر کیا تھا اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا پلٹ گیا وہ اس کے قدموں کو دیکھتی رہ گئی اور فوراً" گھر واپس آ گئی تھی گاڑی میں سے اس شخص کا بائے بائے کرتا ہاتھ اسے دور تک نظر آیا تھا وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

بار بار شرارت بھری سیاہ آنکھیں اس کی آنکھوں کے پردے پر نمودار ہو جاتیں وہ لاکھ جان چھڑاتی لیکن اپنی سوچنے کی عادت کی وجہ سے مجبور تھی عمر اور خضر کے آنے کی خوشی کہیں گم ہو گئی تھی وہ دعا کرتے تھک گئی تھی کہ اس شخص کا دوبارہ اس سے سامنا نہ ہو۔

☼ ☼ ☼

عمر اور خضر کو سفری بیگ سمیت اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے خوشی سے چیخ ماری اور بھاگ کر ان سے لپٹ گئی آنکھوں میں خوشی کے باعث آنسو آ گئے تھے۔

"ارے یہ اپنی مسکراہٹ رونا کیوں شروع ہو گئی۔"

خضر شرارت سے اسے مسکراہٹ ہی کہتا وہ فوراً" آنکھیں صاف کرنے لگی "تم ہر بات میں مذاق ڈھونڈ لیا کرو۔"

وہ معمول کی ڈگر پر آ گئی۔

"میں تو اس گھر کی بلبل ہوں کیوں دادو!"

وہ دادو کو دیکھ کر فوراً" ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی عمر بھی دادو سے پیار لیتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"یہ عمر کچھ چپ چپ لگتا ہے۔"

خضر کے کان میں گھستے ہوئے مسکان نے سرگوشی کی۔

"بس تھوڑا صبر کرو خود ہی اگل دے گا۔"

خضر لاپرواہی سے بولا ماما تو جلدی سے کچن میں گھس گئیں بیٹوں کے آنے کی خوشی میں ان کی پسندیدہ ڈشز بناتے ہوئے آج شاید انہیں گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی مسکان کافی دنوں سے واک کرنے بھی نہیں گئی تھی اس انجانے سے شخص سے دوبارہ ملاقات ہونے کا خدشہ تھا وہ کسی طور اپنے آپ کو کمزور کرنا نہیں چاہتی تھی ڈیڈی کے پوچھنے پر اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا دیا تھا گھر میں اب ہر وقت رونق لگی رہتی عمر بھی اپنی پرانی جون میں لوٹ آیا تھا ہاسٹل کی کوئی ٹینشن تھی نہ وہ اب بھول چکا تھا یہاں کا ماحول ہی ایسا تھا وہ مسکان کے لیے کینوس پیپر زلایا تھا کلرز اور برش بھی نئے خریدے تھے اس کی بوریت دور کرنے کا یہ اچھا مشغلہ تھا لیکن وہ فی الحال ان کی کمپنی انجوائے کر رہی تھی ان کے جانے کے بعد پینٹنگ کا شوق پورا ہو سکتا تھا عمر کے کہنے پر اس نے بریانی پکانے کی تیاری کی تھی ناکافی سے سامان سے اگرچہ بریانی بنانا مشکل تھا لیکن وہ شروع سے قناعت پسند تھی اسی لیے جو موجود تھا اسے غنیمت جانا تھا۔

"باجی کہاں ہے پائی جان؟" پیاز کاٹتے ہوئے شمع کی شرمائی سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اس کے پائی جان کہنے پر جہاں مسکان کے لب مسکرا اٹھے وہاں عمر کا چھت پھاڑ قہقہہ اسے کھل کر ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا آنکھوں میں آئے پانی کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے وہ کچن سے باہر آئی تو شمع کو حیرت میں ڈوبے ہوئے پایا۔ خضر، عمر کے قہقہے سن کر فوراً" نہا کر نکلا تھا بالوں کو تولیے سے رگڑتا وہ شمع کے قریب ہی آن رکا۔

"کس سے ملنا ہے بی بی۔"

شمع ایک کے بعد دوسرے چھڑے کو دیکھ کر مزید حیران ہوئی آنکھیں حیرت سے کھولے وہ کبھی خضر کو دیکھتی کبھی عمر کو اور کبھی اپنا پراندہ ہاتھ پر لپیٹتی۔

"وہ باجی سے ملنا ہے آپ فوجی ہیں؟"

شمع اٹکتے ہوئے بولی اب مسکان کو انٹری دینی ہی پڑی۔

"ہائے باجی کہاں چھپ کر بیٹھی تھیں اور یہ کون آ گئے تمہارے گھر، تم نے بتایا تو نہیں تمہارے گھر فوجی بھی رہتے ہیں۔"

وہ کہتے ہوئے فوراً" مسکان کے گلے آن لگی عمر اب خضر کو گھور رہا تھا مصنوعی خفگی چہرے پر سجائے جیسے کہہ رہا ہو منحوس، تم تو منظر سے آؤٹ ہو جاؤ لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا تعارف کروائے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا۔

"ارے نہیں یہ تو میرے بھائی ہیں دونوں، یہ بڑا ہے مجھ سے اور یہ والا چھوٹا ہے۔" مسکان خضر کا اشارہ پا کر فوراً" ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شمع کو بتانے لگی۔

"تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا اور یہ تمہارے ساتھ سیر کرنے بھی کبھی نہیں گئے۔" شمع حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"یہ پڑھتے ہیں ابھی تھوڑے دن پہلے چھٹیاں گزارنے آئے ہیں واپس چلے جائیں گے تھوڑے دنوں تک۔"

وہ شمع کو کمرے میں لاتے ہوئے بولی۔

"اب آپ بھی ہوش میں آ جائیں پائی جان۔"

عمر، خضر کا کندھا ہلا کر اندر کی طرف لپکا معلوم تھا ابھی اس کا ردعمل شدید قسم کا ہو گا اس کا اعتبار بھی نہیں تھا جو چیز ہاتھ لگتی دے مارتا۔

شمع آج کافی پرجوش تھی مسکان کو گھر ساتھ لے جانے پر بضد تھی لیکن اتنی دھوپ میں مسکان کا باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور ویسے بھی بریانی ابھی تیار کرنی تھی شمع اس سے کل آنے کا وعدہ لے کر ہی ٹلی تھی۔

"اف کیا لٹائل تھا ظالم کا۔ قسم سے یہ لڑکی اگر یونیورسٹی چلی جائے یونیورسٹی کی ساری لڑکیوں کی پٹی کر دے۔" عمر کیوں پیچھے رہتا۔

"دیکھو اگر میری محبت میں پہلی دفعہ میرے گھر آ ہی گئی تھی تو تم اس کی اتنی مٹی پلید تو مت کرو اور یہاں سے نکلو ورنہ بریانی خود ہی بنانی پڑے گی اتنی شدید گرمی میں۔"

انہیں باہر دھکیلتے ہوئے مسکان نے شمع کی حمایت کی وہ دھمکی سنتے ہی باہر کھسک گئے تھے شام میں عمر اور خضر باہر جاتے ہوئے اسے بھی ساتھ کھینچ لائے تھے انہیں نہر کے کنارے لگے گھاس کے قطعے کی طرف لاتے ہوئے مسکان نے شمع کی محبت کی داستان ان کے گوش گزار کی تھی وہ دونوں کافی حیران ہوئے تھے۔

"تم لوگ فہد سے ملو تو سہی میں اسی لیے تو تمہارا اس قدر شدت سے انتظار کر رہی تھی میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ اس کے ساتھ فینٹو ہے یا ٹائم پاس کر رہا ہے۔"

وہ گھاس پر بیٹھتے ہوئے حسب عادت نہر کے پانی میں پاؤں لٹکاتے ہوئے بولی۔

"تم یہیں بیٹھو ہم اس سے مل کر آتے ہیں۔"

عمر بے چین طبیعت کی وجہ سے فوراً" اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم ہی جاؤ پائی جان میں تو یہیں انجوائے کروں گا کتنی اچھی فضا ہے مجھے تو نیند آنے لگی ہے۔"

خضر کسلمندی سے لیٹتے ہوئے بولا عمر غصے میں چھاؤنی کی طرف چلا گیا۔

"تم نے دیکھا کیسے جاسوسی کرنے کی عادت ہو گئی ہے اس کی، وہاں یونیورسٹی میں بھی یونہی میرے بارے میں تحقیقات کرتا پھرتا ہے۔" خضر دونوں بازوؤں کا تکیہ بناتے ہوئے بولا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن عصر کے وقت شمع اسے لینے آ گئی تھی ماما نے بھی اسے نہیں روکا تھا وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پہلی بار پل پر سے گزر رہی تھی تیزی سے پل کے نیچے سے گزرتا پانی جھاگ چھوڑتے ہوئے اسے خوفزدہ کر رہا تھا پل میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی تھے گاؤں میں پہنچ کر اس نے سکھ کا سانس لیا لوگ ایسی نظروں سے اسے دیکھتے جیسے پہلی بار ایسی لڑکی دیکھی ہو وہ ناگواری چھپاتے ہوئے شمع کے پیچھے اس کے گھر میں داخل ہوئی تھی چاچی صغراں خلوص سے ملی تھیں شمع کے بہن بھائی بھی بہت شوق سے اس کے لیے طرح طرح کی چیزیں لا رہے تھے اس کا ابا ابھی گھر نہیں آیا تھا تندور کی روٹی جس پر دیسی گھی لگایا گیا تھا اسے بھوک نہ ہونے کے باوجود کھانی ہی پڑی چاچی نے دوسرے فیملی ممبرز کے لیے بھی روٹیاں باندھ دی تھیں خوب صورت کڑھائی والا دوپٹا جو شاید چاچی صندوق سے نکال کر لائی تھی زبردستی اسے دیا تھا وہ ان لوگوں کے خلوص پر بہت خوش ہوئی تھی شمع اسے چھوڑنے آئی تھی مسکان اس کے بہانے خوب سمجھتی تھی لیکن اسے کچھ کہنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی تھوڑی دیر تھی وہ

جلدی سے چلتی ہوئی پل تک پہنچ گئی تھی فہد کی باتیں کرتے ہوئے شمع کی زبان بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ اپنے دھیان میں تیز چل رہی تھی جب اس کا جوتا آدھے پاؤں سمیت سوراخ میں پڑ گیا وہ پاؤں کو نکالنے کی کوشش کرنے لگی لیکن سوراخ چھوٹا تھا اور پاؤں نجانے کس رخ سے پڑا تھا کہ اب نکلنے کو تیار نہ ہو رہا تھا شمع بھی دو قدم آگے بڑھ چکی تھی تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے چیخ کر شمع کو متوجہ کیا وہ فوراً" اپنی زبان کو بریک لگاتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنے لگی لیکن پاؤں ٹس سے مس نہ ہوا مسکان وہیں بیٹھ گئی تھی پانی کی طغیانی کی آواز اسے مزید خوفزدہ کر رہی تھی دور سے گاڑی کو پل پر چڑھتے دیکھ کر شمع کی حالت دیدنی تھی مسکان کی اس طرف پشت تھی گاڑی سر پر پہنچ کر جھٹکے سے رکی تھی مسکان کے تو رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے تھے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھلا تھا مونچھوں والے کو ایک نظر دیکھ کر وہ دوبارہ آنکھیں بند کر چکی تھی۔

"چھوٹے صاحب یہ باجی کا پاؤں اس مورے (سوراخ) میں پھنس گیا ہے منحوس مارا نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔"

شمع فوراً" بولی تھی مسکان نے بھی ہمت کر کے آنکھیں کھول ہی لیں۔

"تم یہاں کیا کرنے آئی ہو تمہیں میں پہلے بھی یہاں آنے سے منع کر چکا ہوں۔" وہ شمع کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے غصے سے گھورنے لگا مسکان دوبارہ پاؤں نکالنے کی اپنی سی کوشش میں لگ چکی تھی۔

"آپ کی آئی سائیٹ ویک لگتی ہے شاید سامنے کی بڑی بڑی چیزیں بھی آپ کو نظر نہیں آتیں۔"

مانوس سے لہجے پر مسکان نے سر اٹھایا سامنے وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی اور آنکھوں میں شرارت لیے اسے دیکھ کر بولا سخت لہجہ کسی طور آنکھوں کے تاثر سے مماثلت نہیں کھا رہا تھا۔

"اب کھڑی بھی ہو جائیں کہ رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے۔ کیسے چلا گیا آپ کا پاؤں اس سوراخ میں!"

وہ دوبارہ سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا مسکان کی تو زبان ہی تالو سے چپک گئی تھی کوئی لفظ ہی ادا نہیں ہو پا رہا تھا۔

"اب رونے کا ارادہ ملتوی کریں اور زور لگائیں گھٹنے سے پکڑ کر کھینچیں۔" اب کے مونچھوں والے نے اسے رونے پر تیار دیکھ کر اس کے گھٹنے کی طرف اشارہ کیا نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں کے کٹورے چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"یا اللہ یہ عمر ہی کہیں سے نکل آئے۔"

دل میں دعا کرتی وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ کاٹنے لگی زور لگانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا شمع کو اشارہ کرتے ہوئے وہ خود پشت پر کھڑا ہو گیا اس کی کمر میں بازو ڈال کر شمع نے ایک جھٹکا لگایا تھا سینڈل کا اسٹریپ ٹوٹ کر رہ چکا تھا وہ سنبھل نہیں پائی تھی فوراً" پیچھے کی جانب گرتی چلی گئی جب دو مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام کر فوراً" سیدھا کیا تھا۔

"سنبھل کے۔" گمبھیر سی فکر مند آواز نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ مسکان نے فوراً" نظر چرائی تھی۔

"آپ بجر صاحب کی صاحبزادی ہیں؟"

اب کے مونچھوں والے نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"جی چھوٹے صاحب ان کے ابا فوج میں ہیں ادھر چھاؤنی سے پہلے ان کا گھر ہے۔" اس کا جواب سننے سے پہلے شمع فوراً" بولی تھی۔

"آپ اپنے بھائی وغیرہ کے ساتھ باہر نکلا کریں اس دن بھی میں نے آپ کو منع کیا تھا اکیلے نکلنے سے۔" زوہیب سنجیدگی سے بولا۔

"اب خیال رکھے گی پائی جان میں اسے چھوڑ آؤں گھر تک؟"

شمع نے شاپر زمین سے اٹھاتے ہوئے پوچھا وہ دو قدم چلی تھی لیکن پھر رکنا پڑا سینڈل ٹوٹنے کی وجہ سے

اب چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یہ چلے کیوں نہیں جاتے دونوں 'بدتمیز' میں بھلا جوتے کے بغیر چلتی اچھی لگوں گی۔"

وہ دل میں سوچ کر رہ گئی کچھ کہنے کی ہمت مونچھوں والے کی مونچھوں اور چہرے پر سختی کو دیکھ کر ختم ہو گئی تھی اللہ اللہ کر کے پل ختم ہوا اس نے غصے سے سینڈل سے پاؤں آزاد کیا اور اتار کر دور پھینک دی تھی۔

"ہائے باجی اسے کیوں پھینکا؟" شمع اس کے اس فعل پر تڑپ کر بولی۔

"تو اور کیا گلے کا ہار بنا لیتی۔"

وہ غصے میں بولی اور دوسرا پاؤں بھی جوتے سے آزاد کر دیا اور غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے تیزی سے چلنے لگی پاؤں میں گندگی اور چھوٹے چھوٹے پتھر الگ چبھ رہے تھے گھر قریب آچکا تھا عمر دروازے کے پاس کھڑا کسی سے باتیں کر رہا تھا وہ حیرت سے عمر کی بے تکلفی دیکھ کر رہ گئی عمر سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ لڑکا پیچھے مڑا تھا مسکان پہلے تو حیران رہ گئی پھر جان ہی نکلنے کے قریب ہو گئی۔

"یہ یہاں کیسے پہنچا؟" وہ خوفزدہ ہوتے ہوئے زوہیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

"کس کی بات کر رہی ہو باجی؟ ہائیں یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔"

پہلے تو شمع نے اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا نظروں کے تعاقب میں وہ بھی منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے بولی۔

"لگتا ہے تمہاری شکایت لگانے آیا ہے چھوٹے صاحب نے بھیجا ہو گا اسے لکھوا لو مجھ سے۔"

شمع پورے وثوق سے بولی اور مزید جان نکال دی۔

"اچھا اب تم جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" وہ پیچھے مڑتے ہوئے شمع سے بولی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔

"نا جانے کیا کچھ کہہ دیا ہو عمر سے عمر بھی کیا سمجھے گا میں اتنی بے وقوف ہوں۔"

وہ سوچتے ہوئے جلدی سے ہمت کر کے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"یہ تم ننگے پاؤں کون سی واک کرنے چلی گئی تھیں میں تو اب مسجد میں اعلان کروانے جا رہا تھا۔"

خضر کی زبان اسے دیکھتے ہی چلنا شروع ہو گئی وہ پہلے ہی تپی بیٹھی تھی جلدی سے پاؤں دھو کر چپل پہنی۔

"تمہیں اتنی عزیز ہوتی تو میرے ساتھ چلے جاتے۔ آرام سے یہاں سو رہے تھے اب مجھے دیکھ کر محبت جاگی ہے؟" وہ چور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اسی لمحے عمر دروازہ کھول کر اندر آگیا سورج غروب ہونے والا تھا سرخی مائل آسمان کو دیکھ کر اس نے عمر کی پشت پر اسے کھڑے دیکھا اللہ حافظ کے انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا مسکان کو اس پر شدید غصہ تھا اس کی آنکھوں میں شرارت اسے دور سے ہی نظر آگئی تھی وہ شوخی سے ہاتھ ہلاتا اب مڑ گیا تھا عمر دروازہ بند کر کے اندر آچکا تھا۔

"کون تھا؟" خضر نے مسکان کے منہ کی بات چھینی تھی اب تو کان اسی طرف لگے تھے۔ ماما اسے آواز دینے لگیں وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

"تیمور کو تو جانتے ہی ہو تم وہ لمبے سے قد والا۔" وہ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"لیکن یہ تیمور تو ہرگز نہیں تھا۔" خضر نے فوراً" بے چینی سے جواب دیا۔ ماما اب بھی اسے بلا رہی تھیں اسے بادل ناخواستہ اٹھنا پڑا۔

"یہ عمر بد تمیز بھی پہیلیاں بجھوا رہا تھا۔" اسے شدید غصہ آیا لیکن مجبوراً" اٹھنا پڑا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ یہ تیمور ہے یہ اس کا کزن ہے ایک دو دفعہ یونیورسٹی کے باہر ملاقات ہوئی تھی آج بھی مجھے دیکھتے ہوئے رک گیا اچھا لڑکا ہے۔"

وہ تفصیل سے بتانے لگا وہ ماما کی بات سن کر آئی تو عمر اس کے پیچھے پڑ گیا۔

"اور ہاں یہ تمہاری سینڈل کہاں گئی سینڈریلا کی طرح ننگے پاؤں کیوں آرہی تھیں یہ تو شکر ہے زوہیب کی نظر ان خوب صورت گرد سے اٹے ہوئے پاؤں پر نہیں پڑی اتنے ڈیسنٹ بندے کے سامنے میری تو خوب انسلٹ ہوتی۔"

"میری سینڈل ٹوٹ گئی تھی اتنا تو تم کر نہیں سکتے کہ

آتے ہوئے ایک دو سینڈلیں ہی لے آتے بس باتیں کرنی آتی ہیں۔" کہہ کر فوراً" کچن میں گھس گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

چھت پر پلنگ بچھے تھے واٹر کولر کی ٹھنڈی ہوا گرم ہوا کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ مسلسل سوچ میں گم تھا شاہ میر نیچے گیا ہوا تھا اس کا پلنگ زوہیب کے ساتھ ہی بچھایا گیا تھا وہ جب سے آیا تھا یہیں سو رہا تھا شاہ میر کے دوسرے بھائی دوسری منزل پر تھے چوہدری صاحب کا کمرہ نیچے تھا شاہ میر کے چار بھائی شادی شدہ اور بچوں والے تھے زوہیب کی ان سے ملاقات بس سرسری سی ہوئی تھی بھابھیاں ابھی تک زوہیب نے نہیں دیکھی تھیں ان کے ہاں پردہ بہت سختی سے کروایا جاتا تھا اپنی گاڑی کے علاوہ کہیں باہر جانے کی اجازت نہیں تھی بڑے سے برآمدے کے پیچھے نا جانے کتنے کمرے تھے زوہیب نے غور نہیں کیا۔

شاہ میر کی بہن کوئی نہیں تھی سننے میں تو یہی آیا تھا کہ وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی شاہ میر کی والدہ سے البتہ دو چار دفعہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا وہ بہت خوش اخلاق خاتون تھیں اسے بالکل شاہ میر کی طرح پیار کرتیں آج کل تو وہ اپنے تیسرے نمبر والے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں مصروف تھیں اکثر گھر پر خواتین کا جمگھٹا لگا نظر آتا کام والے گوٹے کناری والے اور موتی ستاروں والے کپڑے اکثر صحن میں چارپائیوں پر نظر آتے تھے وہ بھی شاہ میر کے اصرار پر چھٹیاں گزارنے یہاں چلا آیا تھا۔

ماما کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کے دماغ میں ایڈونچر کا کیڑا کلبلا رہا تھا اور ویسے بھی گاؤں کی شادیاں خاص طور پر چوہدریوں اور جاگیرداروں کی شادیوں میں تو شرکت کرنے کا اپنا ہی مزا تھا شاہ میر نے اپنے بڑے بھائیوں کی شادیوں کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا تھا کہ وہ اس کے دو تین دفعہ اصرار کرنے پر فوراً" راضی ہو گیا تھا۔

مہینہ بھر سے ڈھولک رکھی جا چکی تھی آتش بازی کا سامان بھی شاہ میر نے پہلے سے منگوا کر رکھ لیا تھا دن بھر زوہیب اس کے ساتھ ادھر ادھر انتظامات میں مصروف رہتا ڈیرے پر تو کبھی کبھار ہی چکر لگتا ڈیرے کا خیال آتے ہی زوہیب کے ذہن میں وہ نازک سی لڑکی آ گئی تھی اس کا خوفزدہ چہرہ اور کبوتر کی طرح بند آنکھیں اور پھر پانی سے لبریز آنکھیں اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئیں اسے سوچتے ہوئے خود بخود زوہیب حسن کے لب مسکرا اٹھے جب اس کے بھائی عمر سے باتیں کر رہا تھا اس کی متحیر نگاہیں اور ننگے پاؤں زوہیب کو کوئی شرارت کرنے پر اکسا رہے تھے لیکن عمر کا لحاظ کرتے ہوئے وہ فوراً" وہاں سے واپس ہو گیا تھا۔

اس دن جب وہ سڑک کے عین وسط میں آنکھیں بند کیے کھڑی تھی کتنا دلچسپ سین تھا زوہیب اس کا وہی روپ دیکھ کر اسے ابھی تک بھول نہیں پایا تھا اور ایک کی بجائے دو کیاں اس کی ہتھیلی پر دیکھ کر اس کی آنکھیں کیسے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں لیکن شاہ میر کی آواز پر فوراً" اس کی ہتھیلی سے کیاں جھپٹ لی تھیں یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ دوسری کہاں سے آئی وہ گاڑی میں پڑی تھی جو زوہیب اس کا شوق دیکھتے ہوئے اپنی جیب میں ڈال لایا تھا اسے سوچنا زوہیب کو اچھا لگ رہا تھا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دن میں کم از کم ایک بار تو اس سے ملاقات ضرور ہو لیکن شاہ میر کے ساتھ شہر سے شاپنگ کے لیے اتنے چکر لگانے پڑتے کہ شام ہوتے ہی وہ گھر واپس آتا آج کی سچویشن یاد کر کے زوہیب کھل کر مسکرایا تھا جب ایک دم کندھے پر کسی نے دھمو کا جڑ دیا تھا اس نے فوراً" آنکھیں کھولیں شاہ میر ساتھ والے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے میجر صاحب کو بھی انویٹیشن کارڈ نہ دے آؤں بلکہ بہتر تو ہو گا تم ہی دے آؤ میری طرف سے۔ اسی بہانے اس کا دیدار بھی ہو جائے گا۔"

شاہ میر کی بات پر وہ دل میں حیران تو بہت ہوا لیکن چہرے کے تاثرات بالکل نارمل رکھے اگرچہ کافی محنت

کی پڑی۔

"عمر کی بات کر رہے ہو تو آج میں اس سے مل آیا ہوں۔"

انجان بننے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اسے خاصی مشکل پیش آئی لیکن مقابل بھی شاہ میر تھا اس کی رگ رگ سے واقف۔

"عمر کا یہاں کیا ذکر میں تو ان کی صاحبزادی کا ذکر کر رہا ہوں۔"

زوہیب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شاہ میر ہنس پڑا زوہیب کو کہنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"میں تو گھر کی کوئی بات یاد کر کے ہنس رہا تھا تم نہ جانے کیا سمجھ رہے ہو۔" وہ اب بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"گھر کے بارے میں سوچو یا گھر والی کے بارے میں، کوئی پابندی تھوڑی لگا سکتا ہوں۔" وہ معنی خیزی سے کہتے ہوئے لیٹ گیا تھا۔

"صبح پھر انویٹیشن دینے چل رہے ہو نا!" شاہ میر نے آنکھیں بند کیے ہوئے بولا تھا۔

"کون؟ میں؟" زوہیب نے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے شاہ میر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم تو یہی چاہو گے کہ اکیلے ہی جاؤ لیکن سپریشن کون دیکھے گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا بھائی تم تو شاید رت جگے کا ارادہ رکھتے ہو میں تو سو جاؤں۔"

وہ ہنستے ہوئے کروٹ بدل گیا زوہیب اس کی پشت کو گھور کر رہ گیا تھا وہ اس کے اندر تک جھانک لیتا تھا یہ بات بھلا کیسے چھپی رہتی اور دونوں ملاقاتوں میں تو شاہ میر اس کے ہمراہ تھا، رات سہانے خوابوں میں بسر ہوئی تھی۔

صبح کافی ہلچل تھی شاہ میر کے اکثر رشتہ دار آ چکے تھے مردان خانہ علیحدہ ہونے کے باوجود رشتہ دار لڑکے زنان خانے کے چکر لگا رہے تھے شاہ میر سے بڑا علی میر، زوہیب کو عجیب سا محسوس ہوا تھا ہر لڑکی کو یوں گھورتا تھا اس سے پہلے لڑکی دیکھی نہ ہو اس کی بے باکی کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی شاہ میر کے بقول وہ شروع سے عجیب مزاج رکھتا تھا زیادہ وقت ڈیرے پر بسر کرتا برے دوستوں کی صحبت نے اس کی صحت پر بھی برے اثرات مرتب کیے تھے۔ دن کافی مصروفیت میں گزرا تھا میرج ہال یہاں کوئی نہیں تھا حویلی کے قریب ہی کھلی جگہ پر فنکشن کی تیاری ہو رہی تھی اتنی مصروفیت سے وقت نکال کر شاہ میر اسے لیے میجر صاحب کے گھر آیا تھا گھر کی پچھلی سائڈ پر اسے سرمئی آنچل لہراتا ہوا نظر آیا تھا جو اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا شاہ میر فوراً" اس سمت بڑھا لڑکیوں کا اور خاص طور پر اپنے علاقے کی لڑکیوں کا وہ خصوصی طور پر دھیان رکھتا تھا شاید انہیں دیکھ کر اسے اپنی لاڈلی بہن کا خیال آتا تھا وہ ان کی عزت کے بارے میں بہت سخت تھا اس کے پیچھے چلتے ہوئے سفیدے کے درختوں کے درمیان کھڑی مسکان کو دیکھ کر وہ فوراً" آگے بڑھا تھا وہ کینوس پر آم کے درخت بنانے میں اس قدر محو تھی کہ ان کے آنے کی اسے خبر تک نہ ہوئی۔

"ہیلو۔" شاہ میر کے اشارے پر زوہیب اس کے قریب جا کر بولا تو وہ اچھل پڑی لیکن اسے دیکھ کر فوراً" دوپٹہ سر پر جما لیا۔

"السلام علیکم۔" وہ برش کلر پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام۔" شاہ میر اور زوہیب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"آپ کا پاؤں تو ٹھیک ہے اب؟ اس دن کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی؟" زوہیب نے بات آگے بڑھانے کو کہا شاہ میر پینٹنگ کو یوں غور سے دیکھنے لگا جیسے اسی کام کے لیے بلایا گیا ہو۔

"ٹھیک ہوں تھینک یو۔ آپ غالباً" عمر سے ملنے آئے ہوں گے؟" وہ خوش اخلاقی سے بولی لہجے میں اعتماد شاہ میر نے بھی محسوس کیا۔

"جی ہاں اسی سے ملنے آیا ہوں اس وقت گھر پر ہی ہو گا۔" زوہیب فوراً" بولا شاہ میر نے ہنسی کا گلا مشکل سے گھونٹا تھا۔

"وہ تو صبح ہی یونیورسٹی کے لیے نکل گیا تھا خضر بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا اسی لیے تو میں یہاں آکر اپنا کام کر رہی ہوں میں نے سوچا آپ کو میرے گھر سے دور نہر کنارے جانے پر اعتراض تھا سو آج گھر کے پاس یہ جگہ ڈھونڈلی ہے کافی پرسکون جگہ ہے یہ بھی۔" وہ اعتماد سے بولتی زوہیب کو حیران کر رہی تھی کہاں تو گھبراہٹ میں آنکھیں ہی بند کر لینا اور کہاں یوں اسے بولنے کا موقع دیے بغیر پٹر پٹر بولنا۔

"آپ کے پاپا تو غالباً" گھر پر ہوں گے؟" اب کے شاہ میر کام کی بات کی طرف آیا۔

"ڈیڈی تو گھر پر نہیں۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"وہ واپس آگئے ہیں۔ آپ کو کوئی ضروری کام ہے ان سے۔"

وہ ڈیڈی کو گھر کی طرف جاتا دیکھ کر فوراً" بولی تھی شاہ میر کی جان میں جان آئی۔

"اتنا خاص بھی نہیں چلو زوہیب۔"

شاہ میر نے چلنے کے لیے قدم بڑھائے زوہیب نے دل ہی دل میں اسے صلواتیں سنائیں۔

"اتنا اچھا موقع۔ گھامڑ کہیں کا۔ خود ہی چلا جاتا ان کے پاس۔" وہ مجبوراً" اس کے پیچھے چل دیا پھر کچھ یاد آنے پر مڑا تھا۔

"ہم آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے آئے ہیں آپ ضرور آیئے گا ہمیں انتظار رہے گا عمر تو بغیر بتائے کھسک گیا ورنہ وہ بھی بہت انجوائے کرتا۔"

کہتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا شاہ میر کے پاس پہنچ گیا مسکان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے ناسمجھی سے اس کی پشت کو گھورا شاہ میر ڈیڈی سے بغل گیر ہو رہا تھا وہ کلر اور برش سمیٹنے لگی مغرب کی اذان ہونے ہی والی تھی پرندوں کی چوں چوں بڑھ گئی تھی سارا سامان سمیٹ کر وہ گھر کی طرف آئی وہ لوگ شاید اندر صحن میں جا بیٹھے تھے لکڑی کا دروازہ دھکیلتے ہوئے وہ اندر داخل ہونے ہی والی تھی جب دوسری طرف سے آتے زوہیب سے زوردار ٹکر ہو گئی برش اگرچہ صاف کیا گیا تھا لیکن ابھی گیلا تھا تھوڑے سے کلر بھی اس کی شرٹ پر ڈیزائن بنا گئے تھے مسکان شرمندہ سی نیچے گری چیزیں اٹھانے لگی

"سوری مجھے دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ اصل میں میرا دھیان شاہ میر کی طرف تھا۔" وہ نیچے گرا برش اٹھاتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"آپ اپنی فیملی کو ضرور ساتھ لائیے گا انکل۔ اس دل بی آگریٹ آنر فار دس۔" روانی سے بولتا شاہ میر ڈیڈی سے ہاتھ ملا کر پلٹا تھا شرمندہ سی مسکان اس کے پاس سے گزرتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی وہ مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"آگئیں مسکان بیٹا۔" میجر صاحب آواز آئی۔

"مسکان نام ہے بھائی میرے چلو اب گھر کی راہ لو" شاہ میر شرارت سے بولا وہ خجل سا اس کے پیچھے چل دیا۔

"یہ تم ہر جگہ جلدی کیوں مچا دیتے ہو۔ ادھر بھی کباب میں ہڈی بنے پاس ہی کھڑے رہے جاتے جاتے مجھے بلانا کیا ضروری تھا۔" وہ اس کے قدموں سے قدم ملاتا ہوا بولا۔

"تمہیں ہوش میں بھی تو میں نے ہی لانا ہوتا ہے لڑکی کا ابا سامنے ہو اور تم عشق بگھار رہے ہو کتنا اچھا سین ہو اور اس سین کا ڈراپ سین بھی بہت اچھا اور دلچسپ بھی خاص طور پر میرے لیے جب تمہارا ابا جان کے ہاتھوں پٹائی ہو رہی ہو۔"

وہ خوش دلی سے بولا زوہیب نے مکا اس کی کمر پر دیا۔

"ہائے مار دیا ظالم۔ اتنا تشدد پسند تو کب سے ہو گیا؟" شاہ میر نے تکلیف کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"جب سے تمہاری صحبت خاص میں آیا ہوں۔" زوہیب نے برجستہ جواب دیا تھا دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

☼ ☼ ☼

آج مہندی کا فنکشن تھا مزارعین کی عورتیں

ڈھولک پیٹ پیٹ کر بے حال ہو رہی تھیں اسٹیج بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا شاہ میر کی ہونے والی بھابھی اس کی کزن بھی تھیں بار بار بیرونی گیٹ کی طرف دیکھتا ہوا زوہیب شاہ میر کی نگاہوں سے نہیں بچ سکا تھا وہ اس کی حالت سے خاصا محفوظ ہو رہا تھا۔

"میرے خیال میں وہ لوگ نہیں آئیں گے۔"

اسے چھیڑنے کے لیے شاہ میر کو یہی بات سوجھی وہ سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو منہ اچھا نہ ہو تو بات ہی اچھی کر لیا کرو۔

"ادھر آؤ رسم ہونے والی ہے اور تم یہاں چوکیدار بنے کھڑے ہو۔"

اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے شاہ میر گیٹ سے باہر لے آیا مگر باہر کا منظر اس کے قدم روکنے کو کافی تھا مسکان اپنے ڈیڈی کے ہمراہ ادھر ہی آ رہی تھی اپنے دھیان میں مگن چلتے ہوئے شاہ میر کی اس نے اس زور سے چٹکی بھری تھی کہ وہ بلبلا کر مڑا اس کی حالت بھی زوہیب سے مختلف نہیں تھی۔

"یہ تو معجزہ ہو گیا یا تیری دعاؤں کا اثر ہے۔"

شاہ میر نے اس کے کان میں گھستے ہوئے کہا وہ لوگ جیپ سے اتر کر ادھر ہی چلے آ رہے تھے۔

"تھینک یو انکل آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی آیئے اندر آجایئے۔" شاہ میر نے گرم جوشی سے مسکان کے ڈیڈی سے مصافحہ کیا وہ شلوار سوٹ میں بہت سوبر اور عام حلیے سے مختلف لگ رہے تھے زوہیب بھی ان سے بغل گیر ہو گیا۔

"میری اماں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

شاہ میر کے لہجے میں سختی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا جو مسکان کو عام طور پر اس کے چہرے کا حصہ معلوم ہوتی مسکان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے زنان خانے کی طرف اشارہ کیا اور ڈیڈی کو لیے مردان خانے کی طرف چل پڑا زوہیب نے اس کے پیچھے جانے کی بجائے مسکان کے پاس کھڑے ہونے کو ترجیح دی تھی اسکائی بلیو کلر کے کاٹن کے کڑھائی والے خوب صورت سوٹ میں کاٹن کا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے وہ اس کے دل میں اتری جا رہی تھی لائیٹ سا میک اپ اسے تھوڑا مغرور بنا رہا تھا مسکان اندر آتی جاتی خواتین کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

"آپ کا نام بھی آپ کی طرح بہت پیارا ہے۔"

زوہیب کی زبان پھسلی تھی مسکان نے فوراً" مڑ کر اسے دیکھا سیاہ آنکھوں کے اندھیرے اسے اپنے اندر گم کرنے کو تیار تھے وہ شکریہ کہہ کر دوبارہ دوسری طرف دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔

"میری شکل اس قدر ڈراؤنی بھی نہیں ان خواتین سے تو کم از کم اچھا ہوں۔" مسلسل نظر انداز کیے جانے پر زوہیب چڑ کر بولا۔

"یہ میزبان صاحب کہاں رہ گئے؟"

وہ مردان خانے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کو کون بے وقوف اچھا کہتا ہو گا؟"

زوہیب نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا اس قدر اکڑ اسے پسند نہیں آ رہی تھی۔

"زوہیب بے وقوف۔" کہتے ہوئے وہ خود ہی ہنس دی اس کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی زوہیب حسن کا غصہ اور جھنجلاہٹ پل میں رفو چکر ہو گئے تھے۔

"میں تو آپ کو کافی معصوم سمجھتا تھا پہلی دفعہ اپنا اندازہ درست نہ ہونے پر مجھے افسوس ہے۔" زیر لب مسکراتے ہوئے زوہیب تاسف سے بولا وہ فوراً" سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

"اچھی میچنگ ہے نا۔" اس کے یوں دیکھنے پر زوہیب نے اپنی اسکائی بلیو کلر کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا جس میں ڈارک بلو لائنگ تھی وہ حیران رہ گئی۔

"آپ کو اتنا ویٹ کرنا پڑا۔ سوری مجھے ابا جان کے پاس تھوڑی دیر لگ گئی آپ تھک تو نہیں گئیں۔"

آخر شاہ میر آ ہی گیا اور اچھے میزبان کی طرح بولا زوہیب کچھ بدمزا ہوا۔

"آیئے آپ کو اماں جان کے پاس چھوڑ آؤں۔"

شاہ میر اسے لیے اندر کی طرف بڑھ گیا ہمیشہ کی طرح زوہیب اس کی پشت پر بکھرے بالوں دیکھ کر رہ

گیا۔

"یہ ابھی تک منہ کیوں لٹک رہا ہے ملاقات کا دورانیہ اتنا بھی کم نہیں تھا۔" رسومات سے فراغت پا کر شاہ میر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کافی مغرور واقع ہوئی ہیں محترمہ' اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتی ہے یوں نظر انداز کر رہی تھی جیسے میں وہاں موجود ہی نہیں تھا اب میں پاؤں تو پڑنے سے رہا محترمہ کے۔"

وہ بھی فوراً" دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

"تو تو عشق کا امتحان دینے سے پہلے ہی فیل ہو گیا چھوڑ یار وہاں یونیورسٹی میں لڑکیوں کی کمی ہے کیا' ایک سے بڑھ کر ایک مل جاتی ہے اور وہ نتاشہ تو تیری دیوانی ہے جب دیکھو تجھے ڈھونڈتی ہی نظر آتی ہے اسے دیکھ کر تو چھپ کیوں جاتا ہے یار۔"

شاہ میر نے اچھے دوستوں کی طرح اس کا دھیان بٹایا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے چھپنے کی وہ تو پوری چڑیل ہے پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔"

وہ جلے بھنے لہجے میں بولا' مسکان جلد ہی واپس چلی گئی تھی اماں جان نے اسے بالکل بور نہیں ہونے دیا تھا اور اس کو دادو کو ضرور لانے کا کہا تھا۔

دوسرے دن بارات تھی بے تحاشا آتش بازی مسکان کو گھر بیٹھے دہلا رہی تھی آج وہاں جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ماما بھی جانے کو تیار نہیں تھیں دادو کو اس نے چوہدرانی کا پیغام دے دیا تھا وہ بہت پرجوش ہو رہی تھیں۔

"ان کی بہو آئے گی آج' ہمیں تو ضرور جانا چاہیے اتنے خلوص سے بلایا ہے۔" دادو تو جانے کو تیار بیٹھی تھیں اس کے نہ نہ کرنے پر بھی دادو نے اسے تیار ہونے پر آمادہ کر لیا تھا وہ اکیلی تو جا نہیں سکتی تھیں اس نے دل میں زوہیب حسن سے سامنا نہ ہونے کی دعا کی تھی۔

شام سے کچھ پہلے ڈیڈی دادو کے اصرار پر اسے اور دادو کو ڈراپ کر گئے تھے دلہن آ چکی تھی آتش بازی کا یہ نظارہ مسکان نے پہلی دفعہ دیکھا تھا قطار میں آتی گاڑیوں میں سب سے آگے دولہا کی گاڑی تھی پٹاخے سن سن کر اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے ہوائی فائرنگ کرتا شاہ میر اسے نظر آیا تھا اللہ اللہ کر کے دلہن کو اندر لایا گیا تھا تیل ڈالنے سے لے کر اس کو کمرے تک پہنچانے میں انہیں تقریباً" آدھا گھنٹا لگا تھا اتنی بے شمار رسومات کو دیکھ کر تو مسکان بھی تھک گئی تھی دلہن کا کیا حال ہو گا دادو بہت خوشی سے شاہ میر کی اماں کے ساتھ ساتھ تھیں شمع کی بھی آج چھب ہی نرالی تھی بڑی بڑی بالیاں کانوں میں ڈالے وہ ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔

"باجی تم نے تو کوئی زیور شیور ہی نہیں پہنا۔"

دلہن کے کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ساری جیولری تو ادھر نہیں لائی مجھے کون سا کسی فیشن شو میں جانا تھا اور ویسے بھی ابھی ہم واپس چلے جائیں گے۔"

وہ لاپرواہی سے بولی شمع نا جانے کہاں سے موتیے کے پھولوں کا گجرا اور ہار اٹھا لائی تھی اور اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود دونوں گجرے اس کی کلائیوں پر پہنا دیے تھے کانوں میں بھی موتیے کے پھول پھنسا دیے تھے ہار پہننے سے اس نے صاف انکار کر دیا تھا بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر شمع نے اس پر ہار لپیٹ دیا تھا اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر بھی دوپٹہ سر پر جمائے دلہن کے پاس بیٹھی رہی ساتھ ہی دادو اپنے زمانے کی باتیں چھیڑ چکی تھیں۔

"شاہ میر کیا ڈھونڈ رہے ہو پتر اتنی جلدی میں۔"

کمرے میں شاہ میر کی موجودگی سے وہ بے خبر تھی وہ ایک طرف بنی الماری کھولے جلدی جلدی ہاتھ مارتے ہوئے کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں اماں وہ زوہیب کو ذرا چوٹ لگ گئی ہے فرسٹ ایڈ باکس یہیں پڑا تھا اب مل ہی نہیں رہا۔"

شاہ میر کی بات پر دلہن کا دوپٹا سیٹ کرتی مسکان کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے اور دل عجیب سے انداز میں دھڑکا

تھا۔

"کہاں سے چوٹ لگ گئی اسے۔ ڈاکٹر کو بلا لیا ہوتا۔" اماں فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"ڈاکٹر ہی تو مل نہیں رہا اب جیسا الٹا سیدھا مرہم پٹی کرنا مجھے آتا ہے وہی کر دیتا ہوں اب تو شہر بھی نہیں جایا جا سکتا۔" فرسٹ ایڈ باکس وہ نکال چکا تھا الماری بند کرتے ہوئے عجلت اور فکر مندی سے بولا۔

"مسکان تمہاری نرسنگ کب کام آئے گی بیٹا جاؤ بھائی کو دیکھ کہیں چوٹ زیادہ تو نہیں۔"

دادو نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا شاہ میر جاتے جاتے رک گیا تھا مڑتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھنے لگا وہ انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں پتر جاؤ بھائی کے ساتھ۔" شاہ کی اماں نے بھی فوراً" اسے دیکھتے ہوئے کہا وہ ناچار شاہ میر کے پیچھے چل دی تھی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے شاہ میر کی چوٹ کی نوعیت کا کچھ اندازہ نہیں تھا شاہ میر تیزی سے دو دو سیڑھیاں پھلانگتا سب سے اوپر والی سیڑھی پر پہنچ گیا تھا شاہ میر کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے بیڈ پر آلتی پالتی مارے زوہیب پر پڑی تھی وہ دروازے کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں تحیر امڈتے دیکھ کر شاہ میر نے مسکان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا مسکان کی نظر زوہیب کے بائیں ہاتھ میں دبے دائیں ہاتھ پر پڑی تھی اس نے تکلیف کی شدت سے ہاتھ کو زور سے دبوچ رکھا تھا۔

"پٹاخے چلانے کے شوق میں محترم ہاتھ جلا بیٹھے ہیں۔ یہ لیجیے فرسٹ ایڈ باکس اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ابھی دیکھ کر بتا دیجیے۔"

وہ بیڈ کے پاس کرسی رکھتے ہوئے فرسٹ ایڈ باکس اسے تھماتے ہوئے بولا وہ بھی فوراً" کرسی پر بیٹھ کر باکس کھولنے لگی تھی برنال تو اس میں موجود تھا روئی البتہ نہیں تھی شاہ میر اس کے کہنے پر فوراً" روئی لینے پلٹا تھا۔

"اب ہاتھ چھوڑ دیجیے یوں تکلیف کم تو نہیں ہوگی۔" زوہیب ابھی تک گزشتہ پوزیشن میں بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے جھنجلانے پر فوراً" ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا انگلیاں کافی حد تک جھلس گئی تھیں ہتھیلی پر بھی چھالے بن گئے تھے۔

"میں بھی سوچ رہی تھی اتنی آتش بازی سے میرا دل کیوں ہول رہا تھا۔" اس کی انگلیوں پر دوا لگاتے ہوئے مسکان کے منہ سے نکلا تھا۔

"سچ کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔"

زوہیب اس کے نرم و ملائم ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہوئے ذو معنی انداز میں بولا مسکان نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کے چہرے پر بہت خوب صورت مسکراہٹ جگمگا رہی تھی تکلیف کے باوجود۔

"آپ اتنے سمجھ دار ہوتے ہوئے بھی غلطی کر سکتے ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا۔" وہ خاموشی توڑتے ہوئے بولی۔

"میں تو جیسے اسی شوق میں بیٹھا تھا نا۔" وہ غصے سے بولا۔

"ہاتھ سیدھا کیجیے۔"

وہ اس کا غصہ نظر انداز کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے بولی ہتھیلی پر کافی بڑا چھالہ بن گیا تھا وہ فکر مند ہو گئی مضبوط ہتھیلی پر اس کا نازک سا ہاتھ دیکھ کر زوہیب حسن بے خود سا ہونے لگا تھا وہ ہتھیلی پر دوا لگاتی موتیے کی مہک اس کی سانسوں میں اتار رہی تھی کلیوں والے سفید کرتے پاجامے میں پھولوں کا خوب صورت زیور پہنے کسی معصوم پری کی طرح لگ رہی تھی کام کے دوران کلف لگا دوپٹا سر سے پھسل گیا تھا حرکت سے جوڑے پر لپٹے پھول زوہیب کی گود میں گرے تھے۔

پھولوں پر نظر پڑتے ہی مسکان کو کمرے میں اپنے تنہا ہونے کا احساس ہوا تھا زوہیب پھول مٹھی میں لیے انہیں ناک کے پاس لے جا کر سونگھ رہا تھا اس کی طرف دیکھنے پر اچانک مسکان کو اپنی نگاہیں جھکانی پڑی تھیں وہ اشتیاق آنکھوں میں لیے اسے غور سے دیکھ رہا تھا ہاتھ پر دوا لگی ہونے کی وجہ سے وہ دوپٹہ بھی سر پر نہیں جما سکتی تھی۔ شاہ میر کا انتظار اب وہ شدت سے

کرنے لگی اور ہاتھ پہلے سے زیادہ تیزی سے چلنے لگے۔

جب اوئی کی آواز اس کے کان میں پڑی تھی زوہیب کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر مسکان کو اس سے حقیقتاً" ہمدردی ہوئی تھی۔

"مجھے اندازہ ہے آپ کو بہت جلن ہو رہی ہوگی بٹ ڈونٹ وری کل پرسوں تک ہاتھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اس کی طرف دیکھے بنا کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھنے لگی لیکن پھر بیٹھنا پڑا اس کا ہاتھ زوہیب کی بند مٹھی میں مقید تھا اس کا دل یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

"ہاتھ تو چھوڑیے۔ یہ شاہ میر نہ جانے کہاں رہ گئے ہیں۔" وہ گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اب تو یہی آرزو ہے کہ یہ ہاتھ کبھی نہ چھوٹے۔" وہ اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے بے خودی سے بولا۔

"آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے کہیں کچھ پی وی تو نہیں لی۔" وہ اس کا واضح اقرار سن کر حیران رہ گئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غصے سے بولی۔

"یہ دلربا حسن دیکھ کر کس کافر کو کچھ اور پینے کی سوجھے گی۔"

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا اس کی تکلیف کا لحاظ کرتے ہوئے وہ اپنا ہاتھ نہیں چھڑا رہی تھی۔

"آپ کے منہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں چھوڑیے ہاتھ۔"

اب کے وہ پہلے سے زیادہ غصے سے بولی ساتھ ہی احتیاط سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا زوہیب نے فوراً" ہاتھ چھوڑا تھا ہاتھ برنال سے پیلا ہو گیا تھا اسے شاہ میر کا شدت سے انتظار تھا اپنا ایسا ہاتھ لے کر وہ نیچے جانا نہیں چاہتی تھی۔

"لائیے میں صاف کر دیتا ہوں۔"

اس کی گھبراہٹ انجوائے کرتے ہوئے زوہیب دوبارہ بولا مسکان کی پلکیں بے اختیار لرز اٹھیں زوہیب اس دلکش منظر کو دیکھے گیا وہ اس کی طرف سے رخ موڑے اب ہاتھ صاف کرنے کے لیے اپنے سفید دوپٹے کا پلو پکڑنے لگی زوہیب نے فوراً" دوپٹے کا پلو جھٹکے سے کھینچا تھا۔

"اتنے خوب صورت روپ پر کوئی داغ کم از کم مجھے برداشت نہیں ہوگا۔"

کہتے ہی فوراً" الٹے ہاتھ سے اپنی سفید قمیص کا دامن پکڑا تھا۔

"ویسے آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں فلاں دن فلاں کلر پہنوں گا۔"

اپنے دھیان میں وہ دروازے کی طرف دیکھ نہیں سکا جہاں شاہ میر آ رہا تھا مسکان کو بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔

"یہ آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا۔" مسکان کے ہاتھ دیکھ کر شاہ میر نے حیرت سے پوچھا۔

"دوا لگاتے ہوئے ہاتھوں پر لگ گئی ہے آپ اتنی دیر کہاں رہے؟" مسکان نے روئی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا ہاتھ صاف کر کے وہ فوراً" اٹھ گئی۔

"شاہ میر بھائی آپ ان کی ہتھیلی پر مزید دوا لگا دیجیے گا۔" کہتے ہوئے وہ فوراً" دروازہ پار کر گئی تھی اور زوہیب کو خوش فہمیوں میں مبتلا کر گئی تھی۔

"بڑی فکر ہے بھئی ان کو۔" شاہ میر فرسٹ ایڈ باکس بند کرتے ہوئے ان پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"مت پوچھو یار آج کا دن میری زندگی کا حسین ترین اور یادگار دن تھا۔" زوہیب تکلیف بھولے آنکھیں بند کرتے ہوئے نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا کچھ کہا تم نے اس سے۔" شاہ میر نے بے چینی سے اس کی ٹانگیں پیچھے کرتے ہوئے اپنی جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"باتیں بتانی ہوتیں تو روئی کیوں چھپاتا۔"

وہ روئی کا پیکٹ تکیے کے نیچے سے برآمد کرتے ہوئے بولا شاہ میر کو اب یاد آ رہا تھا کہ سائڈ ٹیبل پر روئی نیچے جانے سے پہلے وہ خود رکھ کر گیا تھا افراتفری میں

دماغ نے کام ہی نہیں کیا زوہیب اب ہنستا ہوا اسے زہر لگ رہا تھا۔

"اور میں پاگلوں کی طرح سب کو روئی ڈھونڈنے پر لگا تا رہا تم انتہائی خبیث انسان ہو۔"

وہ اس کی ٹانگ پر زوردار مکا مارتے ہوئے بولا۔

"دیکھا تم سے ہی سیکھا ہے اس قدر تشدد۔"

زوہیب تکلیف سے دوہرا ہوتے ہوئے بولا۔

"ویسے بائی واوے یونیورسٹی کب جانے کا ارادہ ہے؟"

وہ فوراً "سنجیدگی چہرے پر طاری کرتے ہوئے بولا۔

"تین چار دن مزید رک جاتے ہیں پھر اکٹھے ہی چلیں گے۔"

شاہ میر اٹھتے ہوئے بولا۔

"اب کدھر جا رہے ہو میں تو آج یہیں سو جاؤں گا۔"

شاہ میر کو باہر کی طرف بڑھتے دیکھ کر زوہیب چلایا۔

"ذرا مسکان صاحبہ کو گھر تک چھوڑ آؤں تم یہیں بیٹھو آرام سے۔"

زیر لب مسکراتے ہوئے شاہ میر نے سخت لہجے میں اسے ہدایت کی۔

"کیا؟ تم میرے رقیب بننے کی کوشش کر رہے ہو تمہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں کیسے منہ پھاڑ کر کہہ دیا مسکان صاحبہ، بھابھی ساتھ لگاتے زبان گھستی ہے کیا؟"

وہ غصے سے تلملاتے ہوئے سلیپر پہنتے ہوئے شاہ میر کے پیچھے دوڑا ہاتھ پر کرنٹ سا لگا تھا لیکن پروا کسے تھی شاہ میر آگے ہی آگے بھاگا جا رہا تھا اس نے بھی رفتار تیز کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اختتام پر اسے جا لیا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری بھابھی کا نام زلیخا ہے مسکان نہیں۔"

شاہ میر نے رکتے ہی اطلاع دی۔

"مجھے تمہاری بھابھی کے نام سے کوئی مطلب نہیں مسکان کدھر ہے؟"

وہ ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے شاہ میر کو ہنسنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"وہ تو میرے خوب صورت چہرے پر ہے۔" شاہ میر نے اس کی حالت سے مزا لیتے ہوئے جواب دیا ساتھ ہی چہرہ آگے کر دیا زوہیب غصے سے اسے گھورتا رہا۔

"مسکان اپنے ڈیڈی کے ساتھ واپس جا چکی ہے محترم مجنوں صاحب اب آپ اوپر تشریف لے آئیے"

شاہ میر کہتا ہوا سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔

"اللہ کرے تو سیڑھیوں پر سے قلابازیاں کھاتا ہوا میرے قدموں میں ڈھیر ہو جائے اور میں تجھے کک لگا کر چھت پر پہنچا دوں۔" زوہیب بد دعائیں دیتا وہیں کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے، بہت پریشان لگ رہی ہو۔"

اس دن کے واقعے کے بعد مسکان نے چوہدری ہاؤس نہ جانے کی قسم کھائی تھی زوہیب خود مٹھائی دینے آیا تھا لیکن وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی وہ دروازے سے ہی لوٹ گیا تھا کافی دن بعد موسم بہت ٹھنڈا ٹھنڈا سا تھا وہ شمع کے ساتھ آج پھر نہر کے کنارے آ گئی تھی نہر کا پانی اچھلتے ہوئے کنارے پر آتا پھر لہریں واپس لوٹ جاتیں شمع روہانسی سی شکل لیے اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"فہد جا رہا ہے واپس؟" شمع کی چپ پر مسکان نے پوچھا۔

"ہوں۔" شمع نے ہنکارا بھرا تھا۔

"یہ تو انڈر اسٹوڈ ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے واپس جانا ہی تھا اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" وہ دھیرج سے بولی۔

"ادھر یہ جا رہا ہے ادھر میری چاچی اپنے بھتیجے کے ساتھ میرا رشتہ جوڑ رہی ہے میرا تو جی چاہتا ہے نہر میں کود مروں۔" شمع گہری سنجیدگی سے بولی۔

"وہ کیسا ہے آئی مین تمہاری چچی کا بھتیجا۔" مسکان نہر میں بھنور بنتے دیکھ کر بولی۔

"اگر اچھا اور سوہنا ہے بھی تو مجھے اس سے کیا میں تو

فہد کے ساتھ ہی بیاہ کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"میری بات دھیان سے سنو شمع تمہاری چچی تمہارے بھلے کے لیے ہی یہ سب کر رہی ہے میرا تو خیال ہے تم فہد کا خیال دل سے نکال کر اپنی چاچی کی بات مان ہی لو ان فوجیوں کا کوئی ٹھکانا تو ہوتا نہیں تم کیوں اس کے پیچھے خود کو روگ لگا رہی ہو۔" شمع کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مسکان رسانیت سے بولی شمع نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"دیکھو میرا مطلب تمہیں دکھ دینا نہیں تھا، تم خود اب کافی سمجھ دار ہو گئی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے اپنی چاچی سے کچھ کہا یا نہیں؟"

اس کا سر گھٹنوں سے اٹھاتے ہوئے مسکان نے پوچھا۔

"میرا دماغ چل گیا ہے، جو میں پہلے سے سب اسے بتاؤں جب کچھ ہو گا اسے خبر ہو جائے گی۔"

مسکان کو اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے۔

"تم کم از کم انہیں اس رشتے سے تو انکار کر سکتی ہو بھلے فہد کے بارے میں نہ بتاؤ۔" مسکان بولی۔

"نہیں تم بھی بہت معصوم ہو باجی ایسی بات کروں تو میرا ابا سارے پنڈ کے سامنے مجھے سو چھتر نہ لگائے یہاں انکار کون سنتا ہے بس خود ہی بھیڑ بکریوں کی طرح جس کھونٹے سے چاہا باندھ دیا لیکن میں بھی اپنے نام کی ایک ہوں ان کے کیے کرائے پر پانی نہ پھیر دیا تو میرا نام بدل دینا۔"

شمع دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اپنے مخصوص ضدی پن سے بولی۔

"تم ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گی سمجھیں تم، میں خود ہی تمہاری چاچی سے بات کروں گی۔" مسکان اس کے ارادے بھانپ کر بولی۔

"نہ نہ تم کوئی بات کرنا میں خود ہی کچھ کر لوں گی۔ وہ دیکھو کالی گھٹائیں ادھر ہی آ رہی ہیں بارش ہو گی مینہ برسنے سے پہلے مجھے گھر بھی پہنچنا ہے۔"

شمع اٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "ویسے پائی جان کا کیا حال ہے؟"

مسکان کے ساتھ چلتے ہوئے اچانک شمع یاد آنے پر بولی۔

"وہ تو کافی دن ہوئے چلے بھی گئے دونوں۔" مسکان نے ہنستے ہوئے جواب دیا درخت اب باقاعدہ ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے جھول رہے تھے سرمئی بادل بڑی تیزی سے ان کے سر پر پہنچ رہے تھے۔

"ہائیں میں نے تو ابھی ان دونوں کو کل دیکھا تھا اس ڈیرے کے پاس کار میں بیٹھے تھے۔"

وہ حیرت سے قدم روکتے ہوئے بولی۔

"وہ کوئی اور ہو گا تم ڈیرے کی طرف یقیناً "فہد سے ملنے گئی ہو گی باز آ جاؤ شمع۔" مسکان نے اس کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے مذاق کیا۔

"تم مجھے اندھی سمجھتی ہو۔" دونوں باتیں کرتے ہنس رہی تھیں۔

"میں نے تو چھوٹے صاحب کی بوتھی پر ہنسی پہلی دفعہ دیکھی تھی۔"

مسکان نے اب کے قدم روک کر اس کی شکل دیکھی۔

"چھوٹے صاحب کا یہاں کیا ذکر تم تو عمر کا ذکر کر رہی تھیں۔"

"اوہ نہیں باجی میں تو چھوٹے صاب اور اس کے یار کی بات کر رہی ہوں تم واقعی اتنی معصوم ہو کہ بن رہی ہو۔" شمع نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے تو صاف لگ رہا ہے تم جان بوجھ کر ٹال رہی ہو، نہیں تو نہ سہی مجھے بھی خود ہی پتا چل جائے گا وہ کل تمہارا نام بھی لے رہے تھے مسکان نام ہے نا تمہارا۔"

شمع کے کہنے پر مسکان کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

"اچھا پھر ملیں گے اللہ حافظ۔" گھر قریب آنے پر مسکان نے فوراً "اندر جانے میں عافیت جانی تھی۔

"تمہیں دونوں کی باقی باتیں بھی بتاؤں گی۔"

شمع شوخی سے اونچی آواز میں بولی مسکان تب تک

دروازہ بند کر چکی تھی دروازے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ دھڑکن کو معمول پر لانے کی سعی کر رہی تھی ہاتھ پر کسی کا پرجوش حدت سے بھرپور لمس جاگا تھا وہ فوراً" ماما کی نظروں سے بچتی کمرے میں چلی آئی تھی بادل یکایک بہت زور سے گرجا تھا اس کا دل دہل گیا بارش کی رفتار کافی تیز تھی سرد ہوا کے ساتھ بارش کی پھوار اب اس پر بھی پڑنے لگی تھی وہ فوراً" بیڈ پر آن لیٹی تھی آج بارش میں بھیگنے کا اس کا موڈ نہیں تھا ماما اس کو سوتا پا کر حیران ہوئی تھیں وہ ہمیشہ بارش میں بھیگتی اور پھر دو دن تک بیمار پڑی رہتی لیکن اب کسی کی چاہت کی پھوار اسے بھگونے کو کافی تھی ماما کے جانے کے بعد اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور لب خود بخود مسکرا دیے۔

تیز بارش درختوں کے پتوں پر جلترنگ بجا رہی تھی بادل ابھی تک تیز ہوا کے دوش پر ادھر ادھر گھوم رہے تھے دوبارہ آنکھیں بند کرنے پر زوہیب کا چہرہ نگاہوں میں آن بسا تھا خوابوں کے سفر پر نکلتے ہوئے وہ بے اختیار ہو گئی تھی دل لاکھ صلواتیں سننے کے باوجود بغاوت پر آمادہ تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈیڈی کے ٹرانسفر کے آرڈرز آ چکے تھے فوجیوں کی ٹریننگ اب تقریباً" ختم ہو چکی تھی دل عجیب سے وسوسوں میں گھرا تھا وہ پیکنگ کا سامان لیے آج دوبارہ نہر کنارے آ گئی تھی خیال تھا شاہ میر اور زوہیب اب تک شاید جا چکے ہوں گے اس دن پینٹ کیا ہوا آم کا ادھورا درخت آج مکمل کرنا تھا۔ سارے منظر کو کینوس پر اتارتے اس کی نظر اچانک سامنے تیزی سے قدم اٹھاتی شمع پر پڑی تھی وہ گٹھری نما چیز اٹھائے گنے کی فصل کے پیچھے غائب ہو چکی تھی چھاؤنی سے کچھ پہلے گنے کی فصل شاید چوہدری ہی کی زمین پر بوئی گئی تھی گنے کی فصل اب تقریباً" چار پانچ فٹ لمبی ہو گئی تھی اس لیے شمع جلدی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی وہ اس کے انداز دیکھ کر چونکے بنا نہ رہ سکی اسے پکا یقین تھا کہ وہ چھاؤنی کی طرف گئی ہے۔

راستے میں پراسرار سا بنگلہ بھی آتا تھا اس کی چار دیواری دو تین جگہوں سے زمین بوس ہو چکی تھی لیکن عمارت اپنی پوری شان سے کھڑی تھی تجسس سے مجبور ہو کر مسکان سامان وہیں چھوڑے اس کے پیچھے آئی تھی حویلی کا گیٹ تو بند تھا لیکن دیوار ٹوٹی ہونے کی وجہ سے وہ اب بنگلے کے ویران سے لان میں کھڑی تھی سامنے والی دیوار بھی ٹوٹی تھی سامنے چھاؤنی کا منظر بہت واضح تھا وہ شمع سے تقریباً" پندرہ بیس منٹ لیٹ یہاں پہنچی تھی اب اس کے آثار بھی کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ عمارت کا کھلا دروازہ دیکھ کر فوراً" بنگلے سے دوسری طرف نکل گئی تھی دل کو کچھ عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا چھاؤنی کے بعد چوہدری کا ڈیرہ تھا کوئی اسے دیکھ کر شک میں بھی پڑ سکتا تھا لیکن اس وقت اسے خود سے زیادہ شمع کی فکر ہو رہی تھی اپنے پیچھے اسے نسوانی چیخ کی ہلکی سی آواز آئی تھی وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی وہاں کچھ بھی نہیں تھا اسے اپنا وہم سمجھتے ہوئے وہ تیزی سے چھاؤنی کی طرف آئی تھی شمع یقیناً" یہیں تھی سامنے سے آتا فہد ہاتھ میں کچھ پکڑے اسی طرف آ رہا تھا اسے چھاؤنی تک نہیں جانا پڑا تھا کچھ فاصلے پر ہی فہد موجود تھا اداس آنکھوں اور بڑھی ہوئی شیو اس کی پریشانی کی عکاسی کر رہے تھے ہاتھ میں شاپر پکڑے وہ اب اس کے مقابل آ گیا۔

"تم یقیناً" فہد ہو شمع کدھر ہے؟" وہ اسے دیکھ کر فوراً" بولی تھی۔

"مجھ سے تو وہ دو تین دن سے نہیں ملی میں آج اس کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔"

"آپ شمع کو کیسے جانتی ہیں؟"

وہ لہجے کی بے چینی پر قابو نہیں پا سکا تھا پہلی نظر میں ہی اسے شمع کی خوش قسمتی پر رشک محسوس ہوا تھا اس کی یہ حالت یقیناً" شمع کے فراق میں تھی۔

"ابھی میں نے اسے ادھر آتے دیکھا ہے اسی لیے تو پیچھے آئی ہوں۔" وہ فہد کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے ادھر ادھر فکرمندی سے دیکھنے لگی تھی۔

"ہم لوگ آج رات واپس جا رہے ہیں مجھے یقین ہے وہ میرا انتظار کرے گی میری بے بے جلد ہی اس کے گھر آئے گی آپ اگر اسے جانتی ہیں تو یہ اسے دے دیجیے گا میری اس سے ملاقات تو ہو نہیں پائی لیکن آپ اسے میری طرف سے اللہ حافظ کہہ دیجیے گا۔"

وہ شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تھا لہجے میں اداسی مسکان کو بھی اداس کر گئی تھی۔

"آپ اتنا ڈپریس مت ہوں اسے میں نے اپنی آنکھوں سے ادھر آتے دیکھا ہے آپ سے ملے بغیر وہ بھی نہیں رہے گی آپ اسے خود ہی دے دیجیے گا۔"

وہ شاپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"نہیں مجھے لگتا ہے جیسے اب میں اس سے مل نہیں پاؤں گا اچھا اللہ حافظ اگر اسے کہیے گا اپنا خیال رکھے میں کسی دن پھر آؤں گا۔" کہتے ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا بھی گیا تھوڑے فاصلے پر کھڑے زوہیب حسن نے اس منظر کو دیکھ کر اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس کی تھیں وہ بھی کل واپس جا رہا تھا شاہ میر اسے یہاں کھڑا کر کے اندر بنگلے میں گیا تھا مسکان واپس مڑ آئی تھی دکھی سا چہرہ لیے ہاتھ میں کسی اجنبی کی دی ہوئی اشیاء تھامے وہ دھیرے دھیرے بنگلے کی دیوار پھلانگتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اسے ایک دم اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا شاہ میر نے ہی اسے فوجیوں کے واپس جانے کی اطلاع دی تھی اور کسی فوجی سے الوداعی ملاقات کرتی مسکان کو دیکھتے ہوئے اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اس کے گریز اور نظرانداز کرنے کا مطلب اب اس نے خود ہی اخذ کر لیا تھا اسے شاہ میر کا شدت سے انتظار تھا مسکان بھی دوبارہ ادھر آتی دکھائی نہیں دی تھی لیکن اچانک فضا میں فائرنگ کی آواز گونجی تھی درختوں پر بیٹھے کوے چڑیا اور دیگر پرندے شور مچاتے اڑنے لگے تھے ایک دم زوہیب کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا بنگلے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس کے دماغ میں ہزاروں واہمے سر اٹھا رہے تھے شاہ میر کی جیب میں ہمہ وقت پسٹل موجود ہوتی تھی۔

"کہیں مسکان کو تو۔۔۔"

اس کے آگے زوہیب سوچ نہیں پایا تھا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ بنگلے کی ٹوٹی دیوار سے اندر داخل ہوا تھا مسکان ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھامے دوسرے ہاتھ سے اندرونی دروازے کے ساتھ بنے پلر کو تھامے کھڑی تھی اس کی کپکپاتی ٹانگیں زوہیب نے دور سے ہی محسوس کر لی تھیں اسے بے ہوش ہوتے دیکھ کر زوہیب نے فوراً" اسے گرنے سے بچانے کے لیے تھام لیا تھا وہ بے جان سی اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی اس کے ساتھ فرش پر بیٹھتے ہوئے زوہیب نے فوراً" اس کے گال تھپتھپائے تھے خوفزدہ ہرنی سی آنکھیں اسے امتحان میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"کیا بات ہے مسکان ہوش میں آؤ۔"

وہ سختی سے بولا تھا اس کے اتنے قریب ہونے پر مسکان میں نا جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی اس کے بازو پیچھے کرتے ہوئے وہ ——— بہت تیزی سے بھاگتی ہوئی بنگلے سے نکل گئی تھی زوہیب اس کے پیچھے بھاگنا چاہتا تھا لیکن اندر سے نسوانی چیخوں کی آواز پر وہ فوراً" اندرونی دروازے سے کمرے کے اندر چلا آیا اندر کا منظر اسے بھی بے ہوش کرنے کو کافی تھا شاہ میر پسٹل ہاتھ میں پکڑے سامنے کھڑی شمع کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ مسلسل سامنے پڑی لاش کو دیکھتے ہوئے چیخ رہی تھی سامنے خون سے لت پت شخص پشت کے بل فرش پر پڑا تھا شاہ میر سکون سے پسٹل جیب میں ڈالتے ہوئے مڑا تھا۔

"تم اب یہاں کیا واویلا مچا رہی ہو دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔ اتنی دفعہ میرے منع کرنے کے باوجود تم نے اثر نہیں لیا اب سب کچھ ہاتھ سے نکلنے پر کیا پچھتاوا۔ گیٹ آؤٹ تمہاری منحوس شکل مجھے دوبارہ نظر نہ آئے۔"

شاہ میر حلق کے بل چیختے ہوئے زوہیب کا دل بھی دہلا رہا تھا شمع روتی بلکتی ——— آنسو صاف کرتی زمین پر پڑا دوپٹہ پکڑے باہر کی طرف بھاگتی چلی گئی زوہیب نے شاہ میر کا اتنا ظالم روپ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" حیرت کو چھپاتے زوہیب فرش پر پڑے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تمہیں اس کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں فورا" یہاں سے نکلو۔"

شاہ میر سختی سے کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا تھا اور گاڑی تک آیا تھا فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے زوہیب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔

"اس وقت تم مجھ سے کچھ مت پوچھو میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں اور اس بات کا کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں تم سمجھ رہے ہونا۔"

اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی شاہ میر سختی سے بولا تھا ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی پریشان سا زوہیب اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا تھا۔

دوسرا دن بہت منحوس ثابت ہوا تھا سرخ آندھی کے ساتھ زبردست طوفانی بارش ہو رہی تھی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی چوہدری کے بیٹے علی میر کی خون میں لت پت لاش چھاؤنی کے ساتھ والے بنگلے سے ملی تھی چوہدری کا غیض و غضب سے برا حال تھا ابھی تک معلوم نہیں ہو پا رہا تھا کہ قتل کس نے کیا دوسری طرف شمع کی لاش پنکھے کے ساتھ لٹکتی ہوئی پائی گئی تھی اس نے رات کے کسی پہر خودکشی کر لی تھی ایک ہی دن میں دو جنازے اٹھے تھے سارا گاؤں غم میں ڈوبا تھا شمع کی لاش کو دیکھ کر مسکان بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی صورت حال کا کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔

فہد اور دوسرے ساتھی رات کو ہی واپس جا چکے تھے اس کی دی ہوئی اشیا کا خیال آتے ہی مسکان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں رواں ہو گئی تھیں وہ شاپر تو وہیں بنگلے میں رہ گیا تھا وہ دیکھ بھی نہیں پائی تھی کہ اس میں کیا کچھ تھا اسے زندگی میں ان دونوں سے شدت سے ہمدردی ہوئی تھی جنازہ اٹھنے پر شمع کی چاچی کے دلدوز بین سن کر ہر کوئی آبدیدہ ہو گیا تھا وہ انہیں تسلیاں دلاسے دیتے ہوئے خود بھی رو دی تھی شمع کے گھر بہت تھوڑے لوگ تھے زیادہ تر لوگ چوہدری کے جوان جہاں بیٹے کی لاش دیکھنے چلے گئے تھے ان میں سے اکثر تو ایسے بھی تھے جنہوں نے علی میر کے مرنے کی ہزاروں دفعہ دعائیں کی تھیں اکثریت کا یہی کہنا تھا خس کم جہاں پاک لیکن چوہدری کا تو بیٹا تھا وہ قاتل کو تلاش کرنا چاہتا تھا ابھی بڑے بیٹے کی شادی کو بھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ گھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی مسکان گھر واپس آ کر بھی شمع کو بھول نہیں پا رہی تھی اس کے مذموم ارادے ـــــ اسے یاد آ رہے تھے اس وقت وہ کمرے میں اکیلی پڑی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی ماما کے کہنے کے باوجود وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی سونے سے پہلے اس کے ذہن میں ایک بار پھر بنگلے والا واقعہ تازہ ہو گیا تھا فہد کے دیے ہوئے شاپنگ بیگ کو صبح لانے کا ارادہ کرتے ہوئے اسے نیند نے آلیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مسکان بیٹا کدھر جا رہی ہو؟ یہ میرے ساتھ سامان پیک کرواؤ کل جانے کا ارادہ ہے تمہارے ڈیڈی کا۔" ماما ضروری اشیا پیک کرتے ہوئے بولیں وہ دروازہ کھولتے ہوئے مڑی تھی۔

"میں ابھی آئی ماما۔" چٹکی بجاتے ہوئے وہ دروازہ عبور کر گئی تھی ان راستوں پر چلتے ہوئے اگرچہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ اپنی ساری ہمت مجتمع کرتے ہوئے جلدی جلدی قدم بڑھا رہی تھی بنگلے کے پاس پہنچ کر وہ سانس لینے کو رکی اندر جانے سے پہلے اس کے دل نے خوف شدت سے محسوس کیا اپنی ساری طاقت صرف کرتے ہوئے دیوار کی ٹوٹی اینٹیں پھلانگ کر لان میں آ گئی اندرونی دروازہ آج بھی کھلا تھا وہ تیزی سے قدم بڑھاتی اسی جگہ پہنچی تھی جہاں کچھ دن پہلے بے ہوش ہو کر گری تھی پلو کے پاس فرش پر کاغذ کا ٹکڑا دیکھتے ہوئے مسکان نے کانپتے ہاتھوں سے اسے تھام لیا تھا دروازے کی جھری سے اندر کا منظر واضح تھا کمرے میں گاڑھا خون جما ہوا دکھائی دے رہا تھا دروازے کی اوٹ میں اسے ایک گٹھڑی نظر آئی تھی جو اس نے شمع کے ہاتھ میں دیکھی تھی اس نے ہاتھ بڑھا

کر گٹھڑی باہر کھینچ لی تھی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے گٹھڑی کی گرہ کھولی تھی نئے اور پرانے سوٹوں کے ساتھ اسے چھوٹی سی تھیلی نظر آئی اس کی ساری توجہ اب اس کی طرف مبذول ہو چکی تھی اس میں زیورات پڑے محسوس ہو رہے تھے کپڑوں کی گٹھڑی وہیں چھوڑ کر فرش سے کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر مٹھی میں دبوچے تھیلی کو دوسرے ہاتھ میں پکڑے وہ فورا" وہاں سے نکل آئی تھی۔

دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کی ہو جلد پہنچنے کے لیے اس نے تقریبا" بھاگنا شروع کر دیا تھا دروازے پر پہنچ کر اپنی سانسیں ہموار کر کے وہ گھر میں داخل ہوئی تھی ماما کسی کام کی وجہ سے دوسرے کمرے میں تھیں اس نے دونوں چیزیں فورا" اپنے بیگ میں ٹھونس دی تھیں ماما کے ساتھ پیکنگ کرواتے ہوئے اس نے دونوں چیزیں اپنی چیزوں کے ساتھ ہی رکھ لی تھیں کاغذ کا ٹکڑا پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا مسکان کا رزلٹ آؤٹ ہونے میں کچھ دن باقی تھے ڈیڈی کا ارادہ تھا کہ رزلٹ آؤٹ ہونے پر ایم ایس سی کیمسٹری میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا جائے ہوسٹل میں رہنے کی بجائے رہنے کے لیے اسے عمر اور خضر کے ساتھ ان کے فلیٹ پر رہنا تھا وہ دونوں یو ای ٹی سے انجینئرنگ کر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

مسکان کا شاندار رزلٹ اسے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوانے میں بہت ممد و معاون ثابت ہوا تھا عمر نے سارا کام خود ہی کر لیا تھا اس کے آنے کی خوشی میں وہ دونوں ابھی تک اس کے ساتھ ساتھ تھے ڈیڈی اب ماما اور دادو کو اپنے آبائی گھر لے جا رہے تھے وہ اگرچہ اداس تھی لیکن نئے ماحول، نئے کلاس فیلوز اور نئی دوستوں کی اٹریکشن اسے بہت زیادہ اداس نہیں ہونے دے رہی تھی فلیٹ میں آتے ہی اس نے صفائی کرنا شروع کر دی تھی عمر اور خضر نے تو الماری کو کباڑ خانے کا روپ دے رکھا تھا الماری کھولنے پر سارے کپڑے اس کے اوپر آ گرے تھے ان کی الماریاں سیٹ کر کے وہ اپنا بیگ کھول بیٹھی جب کپڑے نکالتے ہوئے مڑا تڑا کاغذ اور تھیلی ہاتھ میں آ گئی تھی وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بیرونی دروازہ لاک کر کے بیڈ پر بیٹھ گئی کاغذ کو سیدھا کر کے بیڈ پر بچھایا تھا۔

"پیاری شمع! سلام تمہیں معلوم ہی ہے کہ آج رات میں واپس جا رہا ہوں اس ٹریننگ کا میں جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے جس نے مجھے تم جیسی پیاری سی لڑکی سے ملوایا۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں لیکن تمہیں زبردستی حاصل کرنا نہیں چاہتا میں اپنے دل کے ساتھ اپنی بے بے اور بہنوں کی آمادگی بھی چاہتا ہوں تمہارے گھر سے بھاگنے کے ارادے پر اسی لیے میں ناراض تھا تمہارے گھر والے تمہارے لیے یقینا" دلوں میں سچی محبت رکھتے ہیں تمہارے گھر چھوڑنے پر نا صرف تمہاری بدنامی ہو گی بلکہ میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کرتا رہے گا اس کے علاوہ تمہاری جگہ میرے گھر والوں کے دلوں میں کم ہو جائے گی مجھے یقین ہے اگر تمہیں مجھ سے سچی محبت ہوئی تو تم میرا انتظار کرو گی میں جلد ہی اپنے گھر والوں کے ہمراہ تمہیں تمہارے گھر والوں سے مانگ لوں گا۔

اللہ حافظ فقط تمہارا فہد۔"

پڑھتے پڑھتے مسکان ٹھنڈک کے باوجود پسینے سے شرابور ہو گئی تھی ساری بات اب اس کی سمجھ میں آ گئی تھی یہ کاغذ فہد کے دیے ہوئے شاپنگ بیگ سے نکل کر گر گیا تھا شاپنگ بیگ اٹھانے والے کا اس کی طرف دھیان نہیں گیا تھا گٹھڑی (جو تھیلی کی شکل کی تھی) میں اسے پرانے زیورات دکھائی دیے تھے جو یقینا" شمع نے گھر سے بھاگتے ہوئے چرائے تھے واقعات اب ایک ترتیب اختیار کرتے جا رہے تھے شمع گھر سے فہد کے ساتھ جانے کے ارادے سے نکلی اور راستے میں وہ علی میر کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس نے اسے کسی اور کے قابل نہیں چھوڑا تھا چیخ و پکار سن کر پاس سے گزرتا شاہ میر یہ سب دیکھ کر برداشت نہیں کر

پایا اور سوچے سمجھے بنا اپنے بھائی پر فائر کھول دیا تھا۔

شمع کسی کو منہ دکھانے کے قابل تو نہیں رہی تھی اس لیے خودکشی میں ہی عافیت جانی تھی اس سارے واقعہ نے اسے زوہیب کی یاد دلا دی تھی وہ آتے ہوئے بھی اس سے مل نہیں سکی تھی دونوں کے درمیان کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک عجیب سا بندھن پیدا ہو گیا تھا نازک سے ہاتھ پر کسی کا گرم جوش سا لمس چھپر جاگا تھا وہ ایسی بے خودی کو نہیں مانتی تھی اپنی انا اور خودداری اسے ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی وہ اگر اس سے کوئی ناتا یا تعلق رکھنا چاہتا تو اس سے ملے بغیر کبھی نہ جاتا اور نا صرف مل کر جاتا بلکہ آگے رابطے کے لیے کوشش بھی کرتا وہ یہ سب یقیناً" ٹائم پاس یا ایڈونچر کے طور پر کر رہا تھا اس نے سوچتے سوچتے زیورات تھیلی میں واپس رکھے اور اپنی الماری میں چھپا دیا تھا فی الحال اس کے بارے میں کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی جب ڈوبتے بیل پر سوچوں کا سلسلہ موقوف کر کے وہ دروازہ کھولنے اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اب اٹھ بھی جا یار سارا دن پوستیوں کی طرح پلنگ توڑتا رہتا ہے میرا خیال ہے تجھے نتاشہ کو اتنا اگنور نہیں کرنا چاہیے اب بھی وقت ہے سدھر جاؤ۔"

شاہ میر نے زوہیب کا کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے یار ہر وقت سر پر سوار رہتے ہو اگر نتاشہ سے تمہیں اتنی ہی ہمدردی ہے تو خود ہی نبٹ لو اس سے، میرے سامنے کسی لڑکی کا نام مت لیا کرو۔"

وہ کمبل واپس لیتے ہوئے بے زاری سے بولا۔

"تیرے ساتھ مسئلہ کیا ہے جب سے گاؤں سے واپس آیا ہے یونہی منہ سر لپیٹے پڑا رہتا ہے مجھے آنٹی انکل کو انفارم کرنا ہی پڑے گا۔" اب شاہ میر اس کے پاس بیڈ کے سرہانے بیٹھتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

"مجھے تو لگتا ہے تو مسکان کو بھول نہیں پا رہا۔"

شاہ میر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جو مسکان کے نام پر فوراً" کھلی تھیں زوہیب نے فوراً" نظریں چرائی تھیں۔

"میرا مسکان سے کوئی تعلق نہیں سمجھے۔" وہ چبا چبا کر بولا۔

"وہاں تو بڑے ڈائیلاگ بولے تھے اب تو یہ تمنا ہے کہ یہ ہاتھ کبھی چھوٹنے نہ پائے۔"

شاہ میر نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے اس کی نقل اتاری۔

"کیا کہا؟ تجھے یہ سب کیسے پتا چلا؟" وہ حیرت سے چیخا۔

"تو نے مجھے اتنا الو سمجھ رکھا ہے کیا، میں نے سب سن لیا تھا دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر۔" وہ حفظ ماتقدم کے طور پر بیڈ سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا۔

"تجھ جیسا چالاک بندہ میں نے اب تک نہیں دیکھا۔" زوہیب غصے سے بولا۔

"تم بات کو ٹالو مت یہ بتاؤ آتے ہوئے مسکان سے کہاں ملے تھے۔ مجھے ساتھ لیے بغیر۔" شاہ میر کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"مجھے اس سے ملنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔" زوہیب منہ پھلاتے ہوئے بولا۔

"وائے؟ تمہارے بقول وہ تمہارا آئیڈیل تھی جسے تم کسی صورت کھونا نہیں چاہتے تھے۔" شاہ میر نے فوراً" پوچھا تھا۔

"وجہ جاننا چاہتے ہو تو تمہیں ابھی پتا چل جائے گا۔"

کہتا ہوا زوہیب الماری کے نچلے دراز کی طرف بڑھا تھا اور ایک شاپنگ بیگ نکال کر شاہ میر کے سامنے ٹیبل پر پٹخ دیا تھا شیشے کے ٹیبل سے ٹکرا کر کچھ چوڑیاں ٹوٹی تھیں شاہ میر نے جھپٹ کر اسے تھاما اور اپنی گود میں الٹ دیا سرخ سرخ کانچ کی چوڑیاں، بڑی بڑی بالیاں، خوب صورت جھالروں والا پراندہ اور موتیوں والی پازیب دیکھ کر شاہ میر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملیں؟" شاہ میر حیرت سے بولا۔

"یہ مجھے مسکان کے ہاتھ سے ملیں جو اسے اس کا کوئی عاشق دے کر گیا تھا۔" زوہیب نے زہر خند لہجے میں بولا۔

"پہیلیاں مت بجھواؤ سیدھی طرح ساری بات بتاؤ میری غیر موجودگی میں یہ چیزیں تم نے کس وقت اٹھالیں، تمہیں یقیناً" کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور ویسے بھی مسکان مجھے ایسی لڑکی نہیں لگتی۔" شاہ میر نے چیزیں دوبارہ شاپنگ بیگ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جب تم علی میر پر فائر کر رہے تھے وہ نا جانے کہاں سے آ کر دروازے میں کھڑی سارا منظر دیکھ رہی تھی یہ چیزیں اس کے ہاتھ میں تھیں پریشانی میں وہ بے ہوش ہو کر گر گئی تھی اور یہ چیزیں ہوش میں آنے پر گھبراہٹ میں بھول گئی تھی میں نے اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے ایک فوجی کے ہاتھ سے اسے یہ چیزیں لیتے دیکھا تھا وہ میری موجودگی سے بے خبر تھی۔" زوہیب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔

"تم نے مسکان سے پوچھا کہ یہ سارا کیا چکر ہے؟" شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے اس سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں اور ویسے بھی جب میں نے ہر کام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس سے پوچھنے کی کوئی گنجائش نہیں بچتی۔"

زوہیب غصے میں آتے ہوئے بولا۔

"یہ سب چیزیں سنبھالنے کا حق ہے تمہیں؟"

شاہ میر نے سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"تمہیں اب تک اس سے محبت ہے یہ تمام چیزیں تم نے اسی لیے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں کہ شاید زندگی میں کسی موڑ پر وہ تمہیں ملے اور تم اسے اپنی وفا اور اس کی بے وفائی کا ثبوت دے سکو میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں زہیب۔" شاہ میر صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔

"مجھے کسی سے محبت نہیں اور نہ ہی مستقبل میں ایسا کوئی واقعہ ہو سکتا ہے تم اس قصے پر مٹی ڈالو میں اب کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔" شاپنگ بیگ دوبارہ الماری میں رکھتے ہوئے زوہیب غمگین سے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسکان کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں وہ بہت محنت کر رہی تھی زیادہ فرینڈز اس نے کبھی نہیں بنائے تھے آج افراتفری میں ناشتا بھی نہیں کیا تھا کیفے ٹیریا کی طرف جاتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے لان میں بیٹھے لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھا سموسے اور چائے لیے وہ کونے والی ٹیبل پر چلی آئی تھی تھوڑی دیر میں اگلی کلاس شروع ہونے والی تھی وہ جلدی سے کھاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی سامنے سے آتے شاہ میر کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی تھی شمع کی چاچی کے زیورات واپس کرنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا وہ جلدی سے چائے کا آخری گھونٹ چڑھاتے اٹھ کھڑی ہوئی شاہ میر دو تین لڑکوں کے ہمراہ بیٹھ چکا تھا خوب صورت ترشی ہوئی مونچھیں اسے کافی ڈیسنٹ بنا رہی تھیں اور اب اس سے ڈر بھی نہیں لگ رہا تھا وہ فوراً" اس کی ٹیبل کی طرف بڑھی پریڈ شروع ہونے میں ابھی پانچ منٹ تھے وہ ٹائم دیکھتے ہوئے اس کے سر پر پہنچ گئی۔

"ایکسکیوزمی۔" اس کے بولنے پر سب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ شاہ میر کو لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے اور آنکھیں کھولنے پر مسکان غائب ہو جائے گی وہ فوراً" کرسی گھسیٹتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے ہیں شاہ میر بھائی؟"

مسکان نے خوش اخلاقی سے اسے دیکھ کر پوچھا شاہ میر نے ایک نظر اپنے گروپ کے لڑکوں کو دیکھا جو مسکان کو بہت معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے دوسری نظر سر پر سلیقے سے دوپٹا جمائے مسکان کو دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے بہت ضروری لیکن اکیلے میں۔" مسکان نے لڑکوں کی نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں، آئیں ادھر لان میں چلتے ہیں۔" شاہ میر نے فوراً" باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"جی اب سنائیں آپ کیا کر رہی ہیں یہاں؟"

لان کی گھاس پر بیٹھتے ہوئے شاہ میر نے پوچھا۔

"میں تو آپ کو یہاں دیکھ کر حیران ہوں میں یہاں ایم ایس سی کیمسٹری کر رہی ہوں۔"

وہ کلائی پر بندھی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہم لوگ تو رخصت ہونے والے ہیں اب ایم سی ایس فائنل ایئر ہے آپ کی کلاس شروع ہو گئی ہے شاید۔" شاہ میر نے اس کے چہرے پر عجلت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں آپ سے دوبارہ مل سکوں گی یا نہیں؟ مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی۔" مسکان نے فوراً" کہا۔

"شمع کو تو آپ جانتے ہی ہیں اس کی امانت ہے میرے پاس اس کے گھر تو جا نہیں سکتی آپ کو دیکھ کر فوراً" کام یاد آگیا۔"

"اس نے سوسائڈ کر لی ہے۔" شاہ میر نے اپنی طرف سے دھماکا کیا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

مسکان نے اطمینان سے کہا۔

"میں اس کی چاچی کے زیورات واپس کرنے ہیں جو شمع نے گھر سے بھاگتے ہوئے چرائے تھے۔"

اب کے بار دھماکا مسکان نے کیا تھا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ وہ گھر سے بھاگی تھی۔" شاہ میر حیرانی چھپاتے ہوئے بولا۔

"میرے پاس اس لڑکے کا خط موجود ہے جس کے ساتھ وہ بھاگنا چاہتی تھی۔" مسکان نے ایک اور دھماکا کیا۔

"میں وہ چیزیں آپ کو لا کر دے دوں گی آپ سے دوبارہ کب اور کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟" مسکان نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

شاہ میر سے مل کر جہاں مسکان کو اطمینان ہوا تھا وہاں زوہیب کی یاد بے چین کر گئی تھی وہ اس کی یاد کو دل سے کھرچ دینا چاہتی تھی لیکن خود کو بے بس پا رہی تھی انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ شاہ میر سے اس کے بارے میں پوچھ نہیں پائی تھی اور آئندہ بھی اس کے بارے میں پوچھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا عمر اور خضر کے ساتھ ڈنر کے بعد وہ حسب معمول قریبی پارک میں آگئی تھی لیکن پہلے کی طرح شوخی اب مفقود تھی وہ خاموشی سے واک کرتے ہنستے مسکراتے بھائیوں کو دیکھتے ہوئے سنگی بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"اف اللہ کیا لڑکی ہے یار۔" عمر کی آواز پر مسکان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا خضر تو پیٹ پر ہاتھ رکھے دوہرا ہو رہا تھا۔

"تم کیوں رکوع میں جا رہے ہو۔" عمر نے پوچھا۔

"کیا کہا اس نے تم سے۔" عمر نے پھر انکوائری کی۔

"کچھ نہیں۔" خضر سیدھا ہو کر بولا۔

"تو تم کس بات پر دوہرے ہو رہے تھے۔" عمر نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں تو تمہاری طرف دیکھ کر ہنسا تھا وہ لڑکا تھا یار جسے تم لڑکی کہہ رہے تھے۔" کہتے ہوئے خضر دوبارہ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو گیا مسکان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"مسکان مجھے تمہارا یہ بھائی کچھ کھسکا ہوا لگتا ہے۔" خضر پھر بولا تھا عمر اب اس پر پل پڑا تھا لوگ مڑ مڑ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کا ہنسی کے مارے برا حال ہو رہا تھا مسکان کے کہنے پر وہ بمشکل گھر کی طرف قدم بڑھا پائے تھے۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم شاہ میر بھائی۔" شاہ میر نے سلام کا جواب دیتے ہوئے غور سے اس خوب صورت سی معصوم چہرے والی لڑکی کو دیکھا اور اپنے دوست کی قسمت پر رشک کیا۔

"کیسی ہیں آپ؟ آیئے ادھر بیٹھ کر سکون سے بات کرتے ہیں۔" وہ اسے اشارہ کرتے ہوئے لان کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ لیجیے اپنی امانت شمع کی چاچی کو دے دیجیے گا یہ آپ پہ ڈیپنڈ کرتا ہے کہ آپ انہیں اصل بات بتائیں یا کوئی بہانہ کر دیں۔" مسکان نے شولڈر بیگ گھاس پر رکھ کر کھولا۔

"تمہیں یہ یقین ہے کہ شمع گھر سے بھاگنے کے ارادے سے نکلی تھی؟" شاہ میر نے الجھے لہجے میں استفسار کیا۔

"جی مجھے سو فیصد یقین ہے اور ویسے بھی یہ خط اس چیز کا واضح ثبوت ہے اس میں فہد نے اسے گھر سے نہ بھاگنے کا مشورہ دیتے ہوئے اپنی محبت کا یقین دلایا ہے لیکن وہ بہت ضدی ثابت ہوئی مجھے اس کے اس انجام پر افسوس رہے گا۔" مسکان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ خط آپ کو کہاں سے ملا؟" زیورات مسکان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"شمع کو دینے کے لیے اسی لڑکے نے مجھے کچھ چیزیں ایک شاپنگ بیگ میں دی تھیں مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا تھا لیکن دوسرے دن اسے ڈھونڈنے پر مجھے صرف یہ کاغذ ملا میرا خیال ہے یہ اسی شاپنگ بیگ سے نکل کر گر گیا تھا۔" مسکان نے خط اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ کی کافی علیک سلیک ہو گی اس فوجی لڑکے سے۔" شاہ میر نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"نہیں مجھے آرمی والے کچھ خاص پسند نہیں یہ تو شمع نے اتنا اچھا نقشہ کھینچا کہ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی وہ بھی مجھ پر یقین کر کے یہ چیزیں تھما کر چل دیا میں نے بھی شمع کو کسی غلط اقدام سے منع کیا تھا لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔"

وہ دکھی لہجے میں بولی۔ شاہ میر کی نظروں میں زوہیب والا شاپنگ بیگ گھوم گیا اگر وہیں کھڑے کھڑے بات کلیئر ہو جاتی تو زوہیب اس قدر دکھی نہ ہوتا۔ زوہیب کی ٹینشن کا سوچتے ہوئے شاہ میر نے مسکان کی طرف دیکھا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
نیا خوبصورت ناول
میرے دل میرے مسافر
نسیم سحر قریشی
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق * مضبوط جلد * آفسٹ چھپائی
قیمت: -/250 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے
منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں،
ملنے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

"یہ رنگ غالباً" آپ کی انگیجمنٹ کی ہے۔" شاہ میر نے کاغذ تہ کر کے پینٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے مسکان کے نرم و نازک ہاتھ کو دیکھا اتنی پرسنل بات پر مسکان نے شاہ میر کے تاثرات دیکھے۔

"یہ میرے ڈیڈی نے رزلٹ پر گفٹ کی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے شاہ میر کو کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور کر گئی دور سے آتے زوہیب نے شاہ میر کو کسی لڑکی کے ساتھ کھڑے ہنستے ہوئے دیکھا اسی لیے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پر پہنچ گیا لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی وہ اس کا چہرہ دیکھ نہ پایا اور وہ مڑ کر چلی بھی گئی۔

"سارے ڈیپارٹمنٹ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا اور تو یہاں موج مستیاں کر رہا ہے یہ لڑکی کون تھی جلدی سے اگل دے میرے آنے سے پہلے اسے فرار کر دیا۔" زوہیب جارحانہ عزائم لیے اس کی طرف بڑھا مانوس سی آواز پر مسکان نے دور سے سر اٹھا کر دیکھا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"بہت اچھی لڑکی ہے یہ اس کا خیال رکھنا یار۔" شاہ میر مسکان کی پشت گھورتے ہوئے بولا۔

"میرا اس سے کیا تعلق تم مجھے سیدھی طرح کچھ بتاتے کیوں نہیں، پہلی بار تمہیں کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر بولتے دیکھ کر میری حیرت ختم نہیں ہو رہی۔"

اب شاہ میر کو گھورتے ہوئے زوہیب کچھ جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"بتاؤں گا ذرا گھر تو چل لیں۔" شاہ میر اس کا تجسس بڑھاتے ہوئے خود بھی آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

مسکان کے فلیٹ کے پاس گاڑی روک کر شاہ میر نے مسکرا کر زوہیب کو دیکھا۔

"تو اگر نہ آتا تو بہتر تھا ہو سکتا ہے تجھے دیکھ کر وہ ہتھے سے اکھڑ جائے آنٹی انکل اور میں ہی کافی ہوں تیری وکالت کے لیے۔" شاہ میر نے اترتے ہوئے زوہیب کے کان میں سرگوشی کی۔

"ویسے سچ مچ وہ یہیں رہتی ہے کہ تم یونہی خوار کروا رہے ہو۔" زوہیب کو بے یقینی نے آگھیرا۔

"شاہ میر کا کام کرتا ہے تم شاید نہیں جانتے لیکن تھوڑی دیر میں جان جاؤ گے یار۔" شاہ میر سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تم دونوں کون سے راز و نیاز کر رہے ہو اب چل بھی چکو۔" بیگم نزہت کی آواز پر دونوں ہوش میں آئے اور شاہ میر آگے آگے چلنا شروع ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

ڈور بیل کی آواز اتنی اچانک تھی کہ مسکان چونک کر بیڈ سے اٹھی خضر اور عمر کدھر گئے وہ سوچتے ہوئے لاؤنج میں آئی خضر دروازے کے پاس کھڑا ہنس رہا تھا ایک تو ان کے دوست ہر وقت سر پر سوار رہتے ہیں وہ بے زاری سے سوچتے ہوئے مڑی لیکن پھر وہیں رکنا پڑا دوست تو اندر ہی گھستے چلے آ رہے تھے وہ چھپاک سے کمرے میں گھسی اور دروازے کی جھری سے دیکھ کر وہ جیسے خواب سے جاگی شاہ میر اور زوہیب ڈرائنگ روم کے دروازے کے پاس کھڑے ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے خضر کسی خاتون اور انکل کو لیے ان کے پیچھے تھا وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے سب کچھ سمجھ گئی۔

"یہ زوہیب یہاں کیسے آدھمکا خضر اور عمر کیا سوچیں گے؟" وہ بیڈ کی سائڈ پر ٹک گئی۔

"مسکان کدھر ہو بھئی یہ آنٹی اور انکل تمہیں یاد کر رہے ہیں۔" لاؤنج سے خضر کی کراری آواز اسے کھڑا کرنے کے لیے کافی تھی وہ فوراً" واش روم میں گھس گئی اتنے خراب اور گھریلو سے حلیے میں وہ کسی کے سامنے جانے کی پوزیشن میں کہاں تھی فوراً" چہرہ دھویا اور کپڑے چینج کر کے وہیں کھڑی رہی دروازہ زور سے بجا تھا۔

"اب نکلو بھی اگلے جہان تو نہیں پہنچ گئیں مسکان بی بی۔" خضر کی آواز پھر آئی وہ فوراً" باہر آئی تھی۔

"میرے دوست کی فیملی ہے تم ذرا جلدی سے چائے وغیرہ لے آؤ میں ان کے پاس ڈرائنگ روم میں ہوں۔" جب وہ چائے کے لوازمات لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی بیگم نزہت نے فوراً" بیٹے کی پسند کو سراہا تھا سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے نازک سی مسکان لائٹ پرپل سوٹ میں بہت پیاری لگی۔

"ادھر آؤ بیٹا۔" زوہیب کے سامنے والے صوفے پر بیگم نزہت بیٹھی تھیں فوراً" اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ "کیا کر رہی تھی ہماری بیٹی؟" وہ یوں پیار سے بولیں کہ برسوں کی شناسائی ہو۔

"آپ کے بیٹے کو یاد کر رہی تھی۔" وہ سوچتے ہوئے خاموش رہی۔

"تمہاری ممی ڈیڈی تو گھر پر نہیں ہیں شاید؟" وہ بولنے پر اکسا رہی تھیں اور مسکان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے۔

"وہ آبائی گاؤں میں رہتی ہیں ہم تو یہاں پڑھائی کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں ویسے یہ گھر بھی اپنا ہی ہے۔" خضر اس کے حصے کا جواب دے گیا چائے سرو کر کے وہ اٹھ گئی تھی کچن میں کھڑی وہ دھڑکنوں کو معمول پر لانے کی سعی کرتی رہی لیکن دل تھا کہ پاگل پن پر اترا ہوا کسی طور قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"میرے خیال میں اب شادی پر ہی ملاقات ہو سکے گی۔" زوہیب کی آواز پر وہ چونکی وہ کچن کے دروازے پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے سوچا جاتے جاتے اللہ حافظ ہی کہہ دیں کہ تو ہمارے پاس بیٹھنے کی روادار نہیں ہیں۔"

"بس کر یار مجنوں، آنٹی انکل نیچے گاڑی میں تیرا انتظار کر رہے ہیں۔" شاہ میر نے بروقت انٹری دے کر مسکان کی مشکل آسان کی۔

"تو ہمیشہ برے وقت پر آ کر سارا مزا کرکرا کر دیتا ہے مجھے بات تو کر لینے دیتا وہ تو گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی ہے کچھ پھوٹتی ہی نہیں۔"

اس نے شاہ میر کے قریب ہو کر سرگوشی کی مسکان کو خاک سمجھ نہیں آئی۔

"آپ اسے معاف کر دینا مسکان صاحبہ!" شاہ میر نے مسکان سے بولا۔

"ابے کس چیز کی معافی مانگ رہا ہے تو کام کی بات کر ورنہ واپس چلو میں فون پر خود ہی بات کر لوں گا۔" شاہ میر کے قہقہہ لگانے پر مسکان نے اسے دیکھا پھر زوہیب کو جو اپنا منہ تقریباً" اس کے کان میں گھسائے کھڑا تھا۔

"آنٹی انکل کے آنے پر پھر ملاقات ہو گی ڈیئر سسٹر یہ گھامڑ تو اب نہیں آسکے گا آخر آپ کو اس سے پردہ تو کرنا ہی ہے۔" شاہ میر نے الوداعی نظر اسے دیکھا اور پھر زوہیب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا مسکان کا چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا اس کا خوب صورت سا روپ زوہیب کو جانے نہیں دے رہا تھا۔

"اللہ حافظ اپنا خیال رکھنا مسکان جلد ہی فون پر تفصیلی بات ہو گی اب تو مستقبل قریب میں بہت گہرا تعلق بننے جا رہا ہے۔"

شاہ میر کے گھسیٹنے پر زوہیب اونچی آواز میں بولتا دروازہ پار کر گیا اور مسکان وہیں کچن میں بیٹھی اپنی قسمت کی مہربانی پر حیران ہوتی رہی شمع کا خیال اتنا اچانک آیا کہ وہ خوش بھی نہیں ہو پائی اگر وہ تھوڑا انتظار کر لیتی تو میری طرح وہ بھی آج کتنی خوش ہوتی لیکن جو گزر گیا اسے کیا یاد کرنا ماضی کی روشنی میں مستقبل کو روشن کرنا چاہیے نہ کہ ماضی کے غم میں حال کو بھی فراموش کر دیں آنے والے خوب صورت دنوں کی امید لیے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ائیر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے،

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

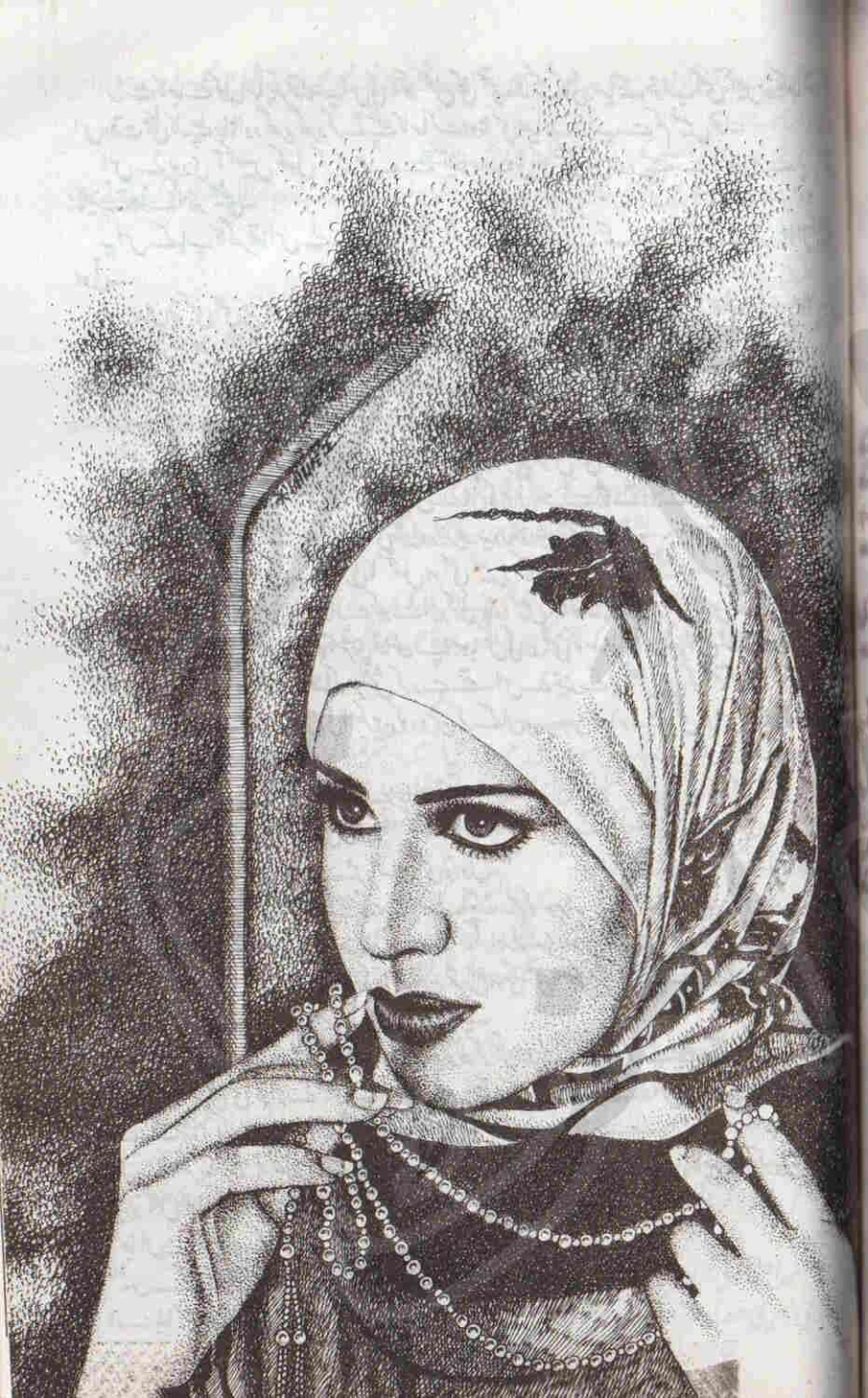

رابعہ رزاق

خواہش اور زندگی

راجہ ہاؤس شہر کے ہنگاموں سے دور فطرت کے حسین نظاروں کے درمیان راجہ طارق محمود نے جدید سہولتوں کے ساتھ آباد کیا ہے۔ ان کا بیٹا عاشر عباس، محکمہ جنگلات میں اعلا عہدے پر فائز ہے اور اسی علاقے میں تعینات ہونے کے باوجود ان سے فاصلے پر ہے۔ وہ راجہ ہاؤس کے بجائے سرکاری رہائش گاہ میں مقیم ہے۔ جہاں اس کا پڑوسی کاشف کیانی جو ایک دستاویزی فلم ساز کمپنی سے وابستہ ہے وہ آج کل کسی نئے موضوع کی تلاش میں ہے۔ ان کی ملاقات قدسیہ ہوتی ہے۔

راجہ طارق محمود کامیاب کاروباری شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی کاموں میں بھی خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کی شہرت کا دائرہ خاصا وسیع ہے لیکن ازدواجی زندگی ناکامی کا شکار رہی۔ شمائلہ کمال نے ان سے طلاق لے کر منیر کمال سے شادی کی تھی اور عاشر عباس کو بھی ممتا کے جذبے سے محروم کر دیا تھا۔

"شمائلہ کمال" اس وقت تھیٹر اور کلاسیکل رقص کی دنیا کا بڑا نام ہے لوگ اس کے فن اور حسن کو بلا مبالغہ سلام پیش کرتے ہیں مگر وہ اب بھی مطمئن نہیں ہے۔

خولہ اور کشمالہ کمال، راجہ طارق محمود کے سایہ شفقت میں پل کر جوان ہوئیں۔ بہت عرصے تک عاشر عباس انہیں راجہ طارق محمود کی سگی اولاد سمجھتا رہا مگر اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ دونوں جڑواں بہنیں ان کی سگی بیٹیاں نہیں ہیں۔ یہ اسرار آج بھی برقرار ہے کہ ان دونوں کا پس منظر کیا ہے۔ خولہ کمال ایف ایم ریڈیو کی جانی پہچانی آواز ہے اور کشمالہ کمال بھی ایک بین الاقوامی براڈ کاسٹنگ کمپنی سے منسلک ہے ان دونوں نے پاکستان کا دورہ پہلی مرتبہ کرنے

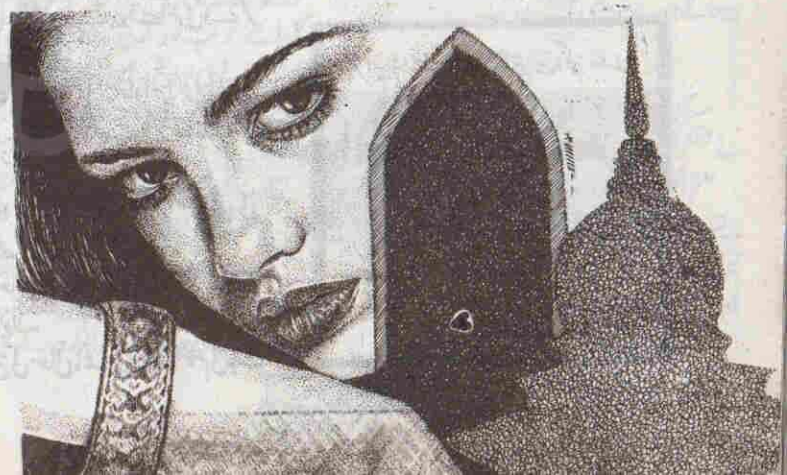

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی تھی حالانکہ کوئی بھیانک خواب بھی نہیں دیکھا تھا مگر اس وقت بجلی کا چلے جانا اور گھر گھر کرتے پنکھے کا ساکت ہونا کسی بھیانک خواب سے کم نہیں تھا۔

اس نے پوری آنکھیں کھول کر اندھیرے سے آشنا ہونے کی کوشش کی اور پسینے سے تر بتر چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

یہ اس کے باپ کا گھر تھا اس لیے بے بسی لازم تھی اگر ماں کا ہوتا تو وہ اب تک جنریٹر آن نہ ہونے کا رونا ڈال چکی ہوتی۔

اور یہاں تو کسی بھی چیز کا رونا ڈالنا نری حماقت تھا لیکن مسئلہ یہ تھا اس آزمائش میں پڑنے کا فیصلہ اس کا اپنا تھا اس لیے وہ اپنے صبر و شکر کو داد دیتے ہوئے اس اسٹور نما کمرے کی مستقل مکین بن چکی تھی۔ جس کا بیرونی دروازہ چھت پر کھلتا تھا جو وہ عدم تحفظ کے باعث بند بلکہ لاکڈ کر کے سوتی تھی۔

نعمان اکثر چھت پر ٹہلتا پایا جاتا تھا اور اسے تائی کی نظروں سے بہت خوف آتا تھا۔

پتا نہیں کیوں انہیں کسی پر بھی اعتبار نہیں ہوتا تھا' صوفیہ کو ان پر ترس بھی آتا تھا اور بعض اوقات ہنسی بھی۔

گرمی اور حبس کے باعث سانس لینا محال تھا اس نے پانی کی بوتل منہ سے لگاتے ہوئے دروازے کی طرف بے چارگی سے دیکھا' اس کمرے میں ہوا اور روشنی کا واحد ذریعہ یہ دروازہ ہی تو تھا۔

یہ کمرہ اپنے سائز کے حساب سے کھڑکی کا متحمل ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ پانی پی کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کھولے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا گو کہ چھت پر بھی حبس تھا' ہوا بالکل بند تھی لیکن اس کمرے کی گھٹن سے تو بہتر ہی تھا' وہ اپنے موبائل کی روشنی کو سہارا بنا کر باہر آگئی' سناٹے میں صرف کتے اور بلیوں کے لڑائی جھگڑے فضا کو مرتعش کر رہے تھے۔ اس نے نیند کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے لیے تین گہرے سانس لیے اور موبائل کی اسکرین کو روشن کر کے ان میسجز کا جائزہ لینے لگی جو اس کے سونے کے بعد موصول ہوئے تھے۔

سب سے آخری میسج شجاع کا تھا' وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"میری چڑیا کو بہت جلدی نیند آگئی کیوں؟"

"کبھی چڑیا' کبھی بلی' کبھی بندریا..... میں انسان بھی تو ہوں۔"

اس نے جوابی پیغام ٹائپ کیا اور بھیجنے سے پہلے صرف ایک لمحے کو سوچا۔

"میں بھی تو جاگ گئی ہوں..... وہ کیوں سو تا رہے۔" مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

اور چند لمحوں بعد ہی اس کے موبائل کی وائبریشن شروع ہو گئی تھی اسکرین پر شجاع کا نام بلنک کر رہا تھا۔

اس نے یس کا بٹن پش کیا اور موبائل کانوں سے لگا لیا۔

دوسری طرف شجاع نے لیٹے لیٹے موبائل تکیے پر رکھ کر کان اس کے قریب کر لیے تھے وہ گہری نیند میں تھا مگر میسج بیل کی سریلی سی آواز نے شعور کے دروازے پر دستک دی تھی کہ رات کے اس پہر اس کی زندگی میں اپنی توجہ کے رنگ شامل کرنے والی صوفیہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس نے تقریباً" بند آنکھوں سے میسج پڑھا تھا اور اب انہی بند آنکھوں میں اس کا چہرا سمو کر وہ نیند سے بھاری بوجھل آواز میں اس سے مخاطب تھا۔

"جاناں..... آر یو اوکے۔" صوفیہ کی سماعتوں میں رس گھلنے لگا تھا۔

"یس..... آئی ایم اوکے بٹ..... مجھے نیند نہیں آرہی لائٹ جو چلی گئی ہے۔"

ارے بابا' جنریٹر آن کر لو....." وہ جھنجلا کر بولا۔

"کہاں سے آن کر لو..... یہاں یہ عیاشی نہیں۔" وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولی تو شجاع کے سارے ہی حواس بیدار ہو گئے۔

اس نے پوری آنکھیں کھول کر ٹائم دیکھا تین بج رہے تھے۔

وہ اے سی کی خنکی میں اچھی خاصی موٹی چادر لپیٹے پرسکون نیند کے مزے لے رہا تھا اور صوفیہ کو گرمی نے ستایا ہوا تھا۔

دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا' وہ چادر پرے کھسکا کر اٹھ بیٹھا۔

"صوفی! تم کہاں پر ہو..... آئی مین سب لوگ سو رہے ہیں' یا جاگ رہے ہیں۔"

"مجھے کسی کا کچھ نہیں پتا' میں چھت پر ہوں' میرا کمرہ چھت پر ہے اور یہاں میرے علاوہ کوئی نہیں ہوتا۔" وہ رنجیدہ سی ہو چلی تھی اور شجاع کو اس کے لہجے کی اوس اپنے اردگرد محسوس ہو رہی تھی۔

"پاگل' احمق' کیوں چھت پر اکیلی سوتی ہو۔ ان گلی محلوں کے گھر بھی کتنے ان سکیور ہوتے ہیں..... بس کرو یہ حماقتیں' صبح پہلی فرصت میں واپس آجاؤ' میں گاڑی بھجوا دوں گا۔"

وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کا مطالبہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

صوفیہ نے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی ورنہ گاڑی پوچھتے ہی شجاع سمیت اس گھر کے دروازے پر ہوتی جہاں ابھی اسرار کے در کھلنے باقی تھے۔

کوئی کہتا تھا' اس کی ماں یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی تب اس کے باپ نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

کوئی کہتا تھا بلکہ جتلاتا تھا بار بار کہ اس کی ماں ایک بے وفا عورت تھی' اپنے شوہر کی بیماری کا بوجھ نہ سنبھال سکی۔

ہار گئی۔

اور جانے کیوں اس کے باپ کی موت بھی معمہ ہی تھی انہیں کینسر تھا یا کوئی اور بیماری.....

اس سوال کا جواب کوئی بھی تسلی بخش انداز میں نہیں دیتا تھا۔

"بیماریوں کے علاج بھی ہوا کرتے ہیں' مگر تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا' ہم نہ ہوتے تو جانے کتنی بھیانک موت مرتا۔"

ایک بار تائی نے تاسف اور تلخی سے بھرپور لہجے میں کہا تھا اور وہ اندر سے باہر تک سلگ گئی تھی مگر اس کے پاس اپنی ماں کی صفائی کے لیے دلائل نہیں تھے اسی لیے چپ چاپ پی گئی کسی مناسب وقت کے انتظار میں۔

وہ مناسب وقت جانے کب آتا تھا۔ تب تک وہ یہاں کی گرمی' تلخی اور بے ترتیب شب و روز پر جھنجلا جھنجلا کر ہی ختم ہو جاتی۔

اگر ان حبس آلود دنوں میں شجاع کا ساون برساتا لہجہ اس کے دل و دماغ کی تپش کم نہ کرتا تو جانے کیا ہوتا' وہ یہ سب سوچ کر ہی بدحواس ہو جاتی۔

"بہت تنگ کیا ہوا تم نے..... نہ سونے دیتی ہو نہ جینے دیتی ہو' دن بھر بھی دھیان تمہاری طرف لگا رہتا ہے' پتا نہیں کیا کھایا ہو گا' کس سے لڑائی کی ہو گی سپاگل کر دو تم تو مجھے....." وہ اپنے لہجے میں پیار بھری خفگی دانستہ لانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے اس کے انداز میں دنیا بھر کے جذبے خود بخود سمٹ آتے تھے۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں' ابھی بھی میں بور ہو رہی تھی اس لیے فون کرنے کا سوچا' اگر آپ ڈسٹرب ہوئے تو سوری' ویری سوری۔"

وہ سارے ترپ کے پتے کھیل کر بری الذمہ ہو گئی تھی شجاع نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر ایک گہری سانس لی اب تو اس سے ڈھیر ساری باتیں کیے بغیر چین ہی نہیں تھا۔

"یوں کہو نا..... چین نہیں ہے میرے بنا۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ اس کے دلکش وجود کو سامنے بٹھا کر.....

"خوش فہمی سرکار' یہ تو لائٹ جانے کے بعد والی بے چینی ہے۔" وہ بمشکل ہاتھ آتی تھی۔

"ذرا اپنے دل سے پوچھ کر بتاؤ فوراً....."

"شجاع! کتنی بے تکی باتیں کرتے ہیں آپ..... ہر وقت دل کی گواہی۔" وہ اس کے سامنے سمٹ سمٹ کر کھل جاتی تھی شاید یہ ہی اس رشتے کا مان ہوتا ہے۔

"کیوں ڈر لگتا ہے..... سچائی سے۔" وہ کبھی اس کا مان کبھی نہیں توڑتا تھا اس پر عیاں بھی ہوتا تھا اسے سمیٹنا بھی تھا۔

"نہیں..... آپ کے پاگل پن اور اپنی بے بسی سے ڈر لگتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی اور اس کی شرارت دہائی دینے لگی۔

"جب تک تمہیں خود میں جذب نہ کرلوں یہ پاگل پن تو فریاد کرے گا نا!"

"شجاع....." وہ چیخ ہی تو پڑی۔

"آپ مجھ سے اتنی فضول باتیں مت کیا کریں۔" دل کی دھڑکنوں کو اعتدال پر لا کر اس نے اپنا احتجاج رجسٹر کروایا جس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ مدمقابل شجاع تھا جس کی شرارتیں کمرے کی سونی فضا سے ہم آہنگ ہو کر آدھی رات کو چڑھتے دن کا سماں پیدا کر چکی تھیں۔

وہ ادھر مکمل بے دار ہو چکا تھا' پیپسی کا ٹن کھول کر منہ سے لگاتے ہوئے وہ اس کی جھنجلاہٹ کا تصور کر رہا تھا۔

"تو بولو نا..... رات کے اس پہر میں اپنی جاناں سے کیا سیاست پر تبصرہ کروں اتنا بے حس اور ظالم تو نہیں ہو سکتا نا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا' تو جذبوں سے بوجھل آواز کا روھم' صوفیہ کے بدن میں سنسناہٹ سی پھیلا گیا تھا۔

وہ ایک ٹوٹی ہوئی کرسی کے کنارے پر ٹک گئی اور نظریں یوں جھکا لیں جیسے وہ اس کے سامنے ہی تو بیٹھا ہے۔

"سب جھوٹ ہے..... میں فون کروں' میں ایس ایم ایس کروں تو تب یہ ڈرامے شروع ہو جاتے ہیں ـــ پورا دن گزر جاتا ہے خود کوئی پروا نہیں کرتے۔" معمول کا شکوہ تھا' معصومیت اور محبت کا اظہار اپنے اندر سمیٹے ہوئے۔

"دیکھو..... میری پروا کے انداز سے تم جلد ہی گھبرا جاتی ہو' فون پر تو بات ہوتی نہیں تم سے' کبھی قریب آ کر میں نے پروا شروع کر دی تو تمہاری جان مصیبت میں پڑ جائے گی۔"

"پھر ڈانیلاگ۔"

"ارے بابا..... یہ ڈانیلاگ نہیں زندگی کی عظیم سچائی ہے' میرا بس چلے تو صبح سے شام کر دوں صرف تمہیں دیکھتے ہوئے' یہ تو آ کر میری آنکھوں سے پوچھو کیا گزر جاتی ہے ان پر جب دل تمہیں پکارتا ہے اور تم انہیں نظر نہیں آتی ہو۔"

اس کے لفظ لفظ میں جذبوں کی شدتیں مچل رہی تھیں صوفیہ کو بہت دور بیٹھ کر بھی بخوبی احساس ہو رہا تھا اس کے کان کی لویں جھلسنے لگی تھیں۔

اس کے لہجے کی سچائی کے لیے کسی گواہی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ صوفیہ کی بے تاب دھڑکنیں ان دو دلوں کی حکایت پر خود ہی ایمان لے آئی تھیں۔

وہ اگر اپنی بے چینیوں کا اظہار کر دیتا تھا تو اس کی فطری حیا ان بے چینیوں پر پردے ڈال دیتی تھی معصومانہ سی خواہش اور شکایت کی صورت میں، ورنہ اس کا بھی دل چاہ رہا تھا۔ گزرتی رات کے ہر لمحے کو گواہ بنا کر کہے اور بہت زور زور سے کہے۔

"میرا دل چاہتا ہے اس خود ساختہ قید سے نکل بھاگوں توڑ ڈالوں اس قفس کو..... اور اپنی عمر کی ہر محرومی ہر تشنگی کو ان مضبوط بانہوں میں چھپا لوں جو صرف میری ہیں..... جنہیں قدرت نے صرف مجھے انعام کیا ہے۔"

"شجاع! آئی مس یو....."

سوچ کو، احساس کو لفظوں کی طاقت نہ چاہتے ہوئے بھی عطا ہو گئی تھی اس کی مدھم مگر شدتوں سے بھرپور آواز بمشکل شجاع کی سماعتوں تک منتقل ہوئی تھی۔

"مس یو لاٹ، واپس آجاؤ نا..... سب تمہیں بہت مس کرتے ہیں۔ میرے کمرے کی ہر چیز تمہارے بارے میں پوچھتی ہے۔ نہ کرو، خود پر، مجھ پر ہماری زندگی پر یہ ظلم....."

وہ یکدم بہت بے چین ہو گیا تھا اس کی آواز میں بے قراری کے ساتھ التجا بھی تھی۔

صوفیہ کے دل کو کچھ ہوا تھا اور ذہن کے کسی گوشے سے یہ صدا بھی بلند ہوئی تھی کہ ہاں وہ ظلم تو کر رہی ہے اپنی اس کی زندگی پر۔

ایک لاحاصل مشقت کا انجام، سوائے بدگمانی نفرت اور اذیت کے کچھ نہیں ہو گا۔ مگر وہ یہ اذیت اٹھانے کا سامان اپنے ہاتھوں سے کر رہی تھی۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ مجھے کون سا یہاں تمام عمر رہنا ہے....." جانے کیوں اس نے سوچا مگر بول نہ پائی۔ ابھی خود کو بہت مضبوط دکھانا تھا، بہت ساری باتیں اظہار کے مرحلے سے گزرنے کے بعد آپ کی کمزوری بن جاتی ہیں۔

"ایٹ لیسٹ..... تم آفس تو آؤ نا..... تمہیں دیکھنا اب بہت ضروری ہو گیا ہے، سکون نہیں ملتا پلیز....."

اس کی خاموشی شجاع کے حوصلے بڑھا رہی تھی اس کے لہجے میں بے چینی سے زیادہ استحقاق کھلا ہوا تھا۔

"پتا ہے شجاع میرا آفس آنا، میرے مسائل میں اضافہ ہی کرے گا، میں جن لوگوں کے ساتھ آج کل رہ رہی ہوں، ہر پل ایک نیا روپ نظر آرہا ہوتا ہے ان کا..... آپ کو پتا ہے انہیں اب میرا کھانا پینا رہنا سہنا بھاری لگنے لگا ہے، ہو سکتا ہے وہ مجھ سے ایک دن اس کا خرچہ بھی مانگ لیں، سو اب یہاں رہنا بلکہ دھڑلے سے رہنا اپنے باپ کے حصے پر حق جتانا میری ضد بن گیا ہے۔ جس کے لیے مجھے آپ کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، آئی مین آپ ہی مجھے مضبوط بنا سکتے ہیں۔"

اس نے شاید پہلی بار اس گھر کے ذاتی مسئلے پر پہلی دفعہ بات کی تھی ورنہ وہ ہمیشہ ٹالتی ہی رہتی تھی شجاع کو ان ساری باتوں کی توقع تو تھی لیکن آج اس کے منہ سے سن کر یہ اطمینان قوی ہو گیا تھا وہ حالات و واقعات کی ترتیب کو حقائق کی آنکھ سے دیکھ رہی ہے۔

کیونکہ جو کچھ شجاع جانتا تھا وہ صوفیہ نہیں جانتی تھی لیکن وہ صوفیہ کو اپنے الفاظ میں کبھی کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا تاکہ وہ ہر طرح کی بدگمانی اور احساس محرومی سے باہر نکل کر اس کی زندگی کا حصہ بنے۔

اس کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا کہ اب وہ اس سے اپنے چھوٹے چھوٹے مسئلے بھی شیئر کرنے لگی تھی۔

"دیکھو، صوفی ہم ہمیشہ زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں جی سکتے، کبھی کبھی زندگی کو اس کی شرائط کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وقت ثابت کرتا ہے کہ کون سا فیصلہ درست تھا اور کس فیصلے نے ہمیں تھکا دیا۔

مجھے یقین ہے کہ تم تھکو گی نہیں بلکہ اس فیصلے کے اختتام پر سرشاری تمہارے حصے میں آئے گی اور بالفرض تم

لگیں تو..... میں اپنے حصے کا سارا آرام تمہارے نام کر دوں گا۔

صوفی یہ جو محبت ہوتی ہے نا یہ اظہار سے زیادہ ان رویوں کی محتاج ہوتی ہے جو ہم ایک دوسرے کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے روا رکھتے ہیں۔

پتا ہے صوفی، کبھی کبھی ہم خود اپنے لیے نایاب ہوتے ہیں، خود کو دستیاب نہیں ہوتے مگر یہ جو دل سے جڑے رشتے ہوتے ہیں نا یہ خود ہمک کر دامن جکڑ لیتے ہیں اور پھر من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے، ہمارا دل فوراً گواہی دینے لگتا ہے کہ کون کس کی چاہ کر رہا ہے۔" وہ اپنی بھاری آواز اور مضبوط لہجے میں زندگی کا ساز سنا رہا تھا۔

اس کا ایک ایک لفظ صوفیہ کے ارد گرد بجھے منے روشنی کے دیوں کی طرح جگمگا اٹھا تھا۔

اس نے اپنی خوش بختی پر تشکر کے لیے بے ساختہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تھی۔

یہ سچ ہی تو تھا کہ ان دونوں کے درمیان قربتوں اور رابطوں کا تسلسل قائم ہی نہیں ہو پایا تھا مگر دل نے بارہا اس باطنی احساس کی گواہی دی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے اندر سانس لینے لگے ہیں۔

"شجاع! مجھے تو آپ کی طرح اچھی باتیں بھی نہیں آتیں، مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ جب میں تھکنے لگتی ہوں، اس ناپسندیدہ ماحول میں جھنجلانے لگتی ہوں تو آپ کے ہونے کا احساس، مجھے خوشبوؤں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔" وہ مدھم سے انداز میں اپنی چاہت کا یقین دلاتے ہوئے سرتاپیر پسینے سے بھیگ گئی تھی۔

وہ نہ شجاع کی طرح بہت زیادہ بول سکتی تھی اور نہ اس کی طرح جذبوں کی شدتوں کو بلا جھجک عیاں کر سکتی تھی لیکن جدائی کے اس مرحلے سے گزرتے ہوئے اتنا ضرور جان گئی تھی کہ یہ جو شوخ شنگ زندگی سے بھرپور باتیں کرنے والا دلربا سا شخص ہے وہ کسی مہربان سایہ دار بادل کی طرح جب جب اس کی زندگی پر اپنی شدتوں کی بارش برسائے گا وہ سیراب ہونا شروع ہو جائے گی۔

اس کی ذات کا صحرا کسی گلستان کا روپ دھار لے گا۔

وہ تھوڑی دیر پہلے جس گھٹن اور جس سے تنگ آکر زندگی سے بے زار ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

اس وقت وہی زندگی اسے بہت قیمتی اور بامقصد لگ رہی تھی۔

"ہے تو پاگل پن مگر کیا کیا جائے اب تو ہو گیا نا۔"

وہ یہ ہی کچھ سوچ رہی تھی اور شجاع لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ رات کے سناٹے کو توڑتی بے ریا شفاف ہنسی جیسے چاند بادل سے نکل کر چاندنی بکھیرنے لگا ہو۔ شجاع نے یہ منظر پوری جزئیات کے ساتھ محسوس کیا تھا۔

"اس کو کہتے ہیں دوریوں میں قربتوں کا احساس..... اب سنسان راتیں اتنا تنگ نہیں کرتیں پتا ہے کیوں.....؟" وہ مسکرا دیا تھا اس کے تصور سے مخاطب ہو کر۔

"کیوں....." وہ جانتی تھی کوئی انوکھی بات ہی ہو گی۔

"اپنی جاناں کی یادوں کا کمبل اوڑھ کر سو جاتا ہوں۔" وہ مزے سے بولا تھا وہ ایک بار پھر ہنس پڑی تھی۔

"اب آپ یہ ڈائیلاگ بند کر دیں، لائٹ تو کیا آئے گی البتہ گراؤنڈ فلور والے جاگ جائیں گے اور میری شامت آجائے گی۔"

"بھیگی بلی..... ڈرتی ہے نا۔"

"ڈریں میرے دشمن..... یہ لوگ سامنے آکر لڑائی نہیں کرتے اور مجھے مزا نہیں آتا چھپ چھپ کر لڑنے میں۔"

"کیا حال ہے تمہاری اس کزن کا، جس کی شادی کا ذکر کیا تھا تم نے....."

"کوئی خاص حال نہیں آج وہ اپنی کسی دوست کے گھر گئی ہوئی ہے' مجھ سے تو وہ بات کرتی نہیں البتہ میں نے اسے سنا تھا کسی سے بات کرتے ہوئے۔

لیکن مجھے تو کوئی گڑبڑ لگتی ہے' اس لڑکے کے گھر والے آئے تھے..... اور تائی کچھ عجیب سی باتیں کر رہی تھیں ہماری ذات برادری کے نہیں۔

ہمارے شریف خاندان سے ان میراثیوں کا کیا واسطہ.....

شجاع! یہ میراثی بھانڈ ٹائپ کے لوگ کیا ہم سے بہت الگ ہوتے ہیں' کیا وہ ہم سے رشتے ناتے نہیں کر سکتے۔"

وہ عجیب سی کشمکش میں تھی ایک طرف سعدیہ سے ہمدردی بھی تھی اور دوسری طرف اس کی پسند اور فیصلے پر افسوس بھی۔

"دیکھو صوفی! یہ جو ذات برادری قبیلہ خاندان کا ٹیگ ہوتا ہے نا ہم اس سے مکمل طور پر انحراف نہیں کر سکتے' بے تحاشا ترقی اور بدلتے وقت کے ساتھ بھاگنے کے باوجود ہمیں اپنی شناخت اور اپنا نام بچانے کے لیے اس طرح کے ٹیگ کا سہارا لینا پڑتا ہے اور یہ کوئی انتہا پسندی نہیں بلکہ ہر کسی کو اپنی انفرادی حیثیت میں جینے کا حق ہے۔

اگر کوئی اپنے خاندان کی روایتوں پر ناز کرتا ہے تو کرے لیکن اسے دوسرے کو محض اس بات پر لیکٹ ڈاؤن کرنے کا حق نہیں کہ وہ ان سے برتر ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں تائی نے ان کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لی تھی اور ویسے بھی ان کا انداز مجھے تو ہر وقت انسلٹنگ لگ رہا ہوتا ہے۔"

"تمہیں تو کچھ نہیں کہتیں۔"

"مجھے کیا کہیں گی' میں تو ان کے لیے پزل بن گئی ہوں۔" وہ اس ادھوری کرسی پر بیٹھ کر تھک گئی تھی جس کا احساس شجاع کو بھی ہو گیا تھا۔

"گڈ' اب اگر مادام اجازت دیں تو میں صبح ہونے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤں' وقت پر آفس نہ پہنچا تو میری باس مجھے کوئی بھی سزا سنا دیں گی۔"

"آپ بالکل سو سکتے ہیں کیونکہ مجھے بھی نیند آ رہی ہے اور لائٹ بھی آ گئی۔"

"تو تم مجھے اتنی دیر سے پاگل کیوں بنا رہی تھیں۔"

"ارے بابا! ابھی ابھی آئی ہے۔"

"اچھا اوکے گڈ نائٹ' ٹیک کیئر' مس یو۔" وہ اپنی بات ہمیشہ ایسے ہی ختم کرتا تھا۔

"گڈ نائٹ ٹیک کیئر۔" صوفیہ اس کے بعد سکون کے جھولے میں جھولنے لگتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو' سویٹی تم اگر مجھ سے یوں بھاگو گی تو مجھے زبردستی کرنا پڑے گی' پھر نہ تمہیں مزا آئے گا اور نہ میری آگ بجھے گی۔

میں جانتا ہوں آگ تمہارے اندر بھی آ لگی ہے اور وہ جو تمہارا یار ہے نا کیا نام ہے اس کا..... وہ کبھی نہیں بجھا سکتا"

اس نے ایک موٹی سی گالی دی اور بے ہنگم انداز میں صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر پہلے وہ اس محفل کے سب سے خوب صورت مرد کے روپ میں اس کے سامنے آیا تھا اور اس وقت وہ اپنے بدترین روپ میں اس کے سامنے ڈھیر تھا۔

سعدیہ کا بس نہیں چل رہا تھا اس کمرے سے غائب ہو جائے۔

ہر طرح کی آسائشات اور لوازمات سے آراستہ یہ خوب صورت آرام دہ کمرہ اس وقت اسے دنیا کا بھیانک ترین

روپ دکھا رہا تھا۔

وہ صرف و صرف اس لمحے اپنی آبرو بچ جانے کی دعا مانگ رہی تھی اس کا ضمیر' اس کے اندر کی بزدل اور کم فہم لڑکی ابھی اتنی بھی باغی اور اخلاقی پستی کا شکار نہیں ہوئی تھی کہ اسے اپنی عزت و عصمت داؤ پر لگ جانے کا خوف نہ ہوتا۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ عورت کی آبرو ہی اس کا غرور ہوتا ہے اور اگر آج یہ غرور ملیا میٹ ہو گیا تو وہ برباد ہو جائے گی۔

"پلیز' آپ مجھے جانے دیں' میں وہ نہیں ہوں جو آپ نے سمجھا' میں تو پہلی بار ڈانس پارٹی میں آئی تھی صرف دیکھنے کے لیے۔

اظہر میرا منگیتر ہے' وہ مجھ سے پیار کرتا ہے میں بھی اسے پسند کرتی ہوں ہماری شادی ہونے والی ہے۔ دیکھو میرے ساتھ ظلم مت کرو' تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔"

اس نے اچانک چیخ کر کہا اور پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی' چہرے پر بے بسی' وحشت' آنسو' خوف کیا کچھ نہ تھا۔

سرمد بخاری ایک زوردار قہقہہ لگا کر کھڑا ہو گیا اور اس کا قہقہہ بھی ایسا تھا کہ سعدیہ کا دل پتے کی طرح لرزنے لگا۔

"یا اللہ! میں کس مشکل میں پھنس گئی تو ہی میری مدد فرما۔" آج وہ بہت بے قراری سے اللہ کو یاد کر رہی تھی۔ ورنہ تو اسے اللہ سے اکثر شکوے ہی رہتے تھے۔ یہ نہیں دیا' وہ نہیں دیا' یہاں کیوں پیدا کر دیا' ساری دنیا کے پاگل ہماری جھولی میں ڈال دیے۔

"دیکھیں آپ مجھے جانے دیں' میں تو اب اظہر کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی آپ مجھے اچھے آدمی لگے تھے اس لیے آپ کے ساتھ بات بھی کر لی تھی' پلیز میری بات سن لیں۔ مجھے جانے دیں۔" وہ اب مستقل یہ ہی کہہ رہی تھی۔

اس کے بے ربط جملے ہچکیوں میں ڈھل گئے تھے۔

سرمد بخاری بغور اسے دیکھ رہا تھا ورنہ بہت عرصے سے وہ صرف عورت دیکھتا تھا اس کا چہرہ نہیں مگر پتا نہیں کیوں سعدیہ کے لیے اس کی نظر میں وہ ہوس اور شیطانی چمک نہیں تھی جو اس کی مردانگی کا تقاضا تھی شاید اسی لیے سعدیہ بھی اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور اس سے جان بخشی کی منت کر رہی تھی۔

"دیکھو تمہیں جانے دیا تو میرا کیا ہو گا' تم جانتی نہیں ہو اس وقت میری ضرورت صرف تم ہو' میری آگ صرف تم بجھا سکتی ہو' میں نے تمہیں اس پورے ہال سے چنا ہے' ورنہ شمائلہ تو مجھے پتا نہیں کہاں لے کر جا رہی تھی۔"

اس کے منہ سے شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے اور وہ اتنا زیادہ پینے کے باوجود اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑا پورے حواسوں کے ساتھ بات کر رہا تھا البتہ لفظوں کی لڑکھڑاہٹ سعدیہ کے لیے خطرے کا بگل تھی جو اس کے سر پر بج رہا تھا اور اس کے حواس مختل کیے دے رہا تھا۔

رونے سے اس کی آنکھوں کا کاجل ڈھل چکا تھا' اب اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں صرف خوف کے سائے تھے جو سرمد بخاری کی برداشت کا امتحان لے رہے تھے۔

اس نے کبھی کسی کو اتنا ٹائم نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس کاروبار میں کسی کے پاس ان صحبتوں کے لیے وقت ہوتا ہے۔ اس کاروبار میں دونوں فریق ایک دوسرے کی مصروفیات کو جانتے ہیں اس لیے سودا طے ہوا اور شناسائی ختم مگر یہاں صورت حال میں دلچسپی کا عنصر سعدیہ کی غیر کاروباری صلاحیت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا جس

کے لیے حیرت انگیز طور پر سرمد بخاری جیسے خریدار کو لطف کی ایک نئی کیفیت سے گزرنا پڑ رہا تھا۔
وحشی خونخوار جانور کے ہاتھ اگر زندہ انسان لگ جائے تو پہلے مرحلے پر وہ صرف اسے بھنبھوڑتا ہے اور پھر اسے اپنے شکنجے میں کر کے اسے ستانے کا وقت بھی دیتا ہے اور ضروری تو نہیں کہ وہ اپنے مردار کا سارا گوشت ایک ہی وقت میں کھالے۔
سرمد بخاری نے آگے بڑھ کر کمرے کی ملگجی روشنی بھی گل کر دی تھی اور سعدیہ چیخ مارتے ہوئے کسی دیوار کے سہارے جا لگی تھی' اس وقت کی اس کی فریادیں یا تو اس کمرے کے در و دیوار سن رہے تھے یا پھر وہ خود کیونکہ سرمد بخاری کے اندر سیاہ خونخوار کتوں نے اب اپنے شکار کے لیے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔
ملگجی روشنی گل ہوئی تو سعدیہ نے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں' اس نے جان لیا تھا اس کمرے کی تاریک رات اب اس کی پوری زندگی پر سیاہی کی چادر تان دے گی۔
وہ دیوار میں ضم ہونا چاہتی تھی اس سے پناہ مانگ رہی تھی مگر اینٹ اور پتھر کی اس مضبوط دیوار میں اس کی عافیت کا کوئی روزن نہیں تھا۔ اس کی نادانی اور نافرمانی کے لیے سزا کا عمل اتنی جلدی شروع ہو جائے گا۔
وہ ایک بار پھر اپنی قسمت سے اپنے اللہ سے شاکی ہو چلی تھی۔
ایک طرف وہ سنگی دیوار تھی اور ایک طرف وہ سنگدل بے حس انسان جس سے اس نے شناسائی کی بڑی بھاری قیمت چکائی تھی' وہ فرش پر نڈھال سے انداز میں بیٹھتی چلی گئی اور سرمد بخاری کا خوفناک سایہ اس کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تھا۔
"آؤ نا جان من..... دیکھو گھبراؤ نہیں..... یہ جو ملن کی پہلی رات ہوتی ہے نا اس کا مزا ساری دنیا کی دولت دے کر بھی نہیں ملتا تم مجھ سے ڈرو مت..... میں تمہارا دوست ہوں..... تمہارا یار ٹنر....."
"میں نے ایسا کیا کیا تھا جو میرے نصیب میں بے بسی اور یہ رسوائی لکھی تھی' اے اللہ تو کہاں ہے.....؟" وہ ایک بار پھر چیخنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی سرمد بخاری کے ہاتھ اس کے چہرے اور گردن پر رینگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

نانو گھر آ گئی تھیں اور عاشر ان کا سایہ بن گیا تھا' اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ انہیں ساری دنیا سے چھپا لے اور ساری دنیا میں فی الوقت کشمالہ اور خولہ سے زیادہ کوئی نہیں تھا' جو نانو کی یوں خدمت اور دل بستگی پر معمور تھیں جیسے وہ ان کی سگی بیٹیاں ہی تو ہوں۔
کاشف کے لیے یہ منظر چونکا دینے والا تھا' وہ عاشر اور راجہ صاحب کے اصرار پر یہاں رک گیا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ وہ بہت دنوں کے بعد گھر کا سکھ اور چہل پہل دیکھ رہا تھا اس لیے بھی اپنا کام فی الوقت روک کر یہاں رک گیا تھا۔
کشمالہ اور خولہ ایک دوسرے کی ہم شکل' سراپا اور لب و لہجہ مغربی اور انداز و آداب مشرقی۔
اس کی قوت مشاہدہ کے لیے ایسے نظارے فیول کا کام دیتے تھے اس کی تخلیقی صلاحیت کو توانائی ملنا شروع ہو جاتی تھی جب وہ اپنے ارد گرد رنگ برنگے کرداروں کی دنیا کو دیکھتا تھا۔
"یار عاشر! تو نے مجھے کبھی نہیں بتایا' تیری بہنیں بھی ہیں۔"
عاشر اس کے ساتھ نانو کے لیے میڈیسن' فروٹس وغیرہ لینے نکلا تھا دونوں نے گاڑی کے بجائے درختوں سے گھری ہوئی سڑک پر واک کرنے کو ترجیح دی تھی۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ اور پتوں کی سرسراہٹ سے محظوظ ہوتے وہ دونوں قریبی سپر اسٹور کی طرف رواں دواں تھے۔ جب کاشف نے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا۔
"وہ راجہ صاحب کی بیٹیاں ہیں۔" عاشر نے سنجیدگی سے کہا۔
"اور راجہ صاحب کا بیٹا تو ہے نا پھر وہ تیری کیا ہوئیں..... میرے خیال میں اس رشتے کو بہن ہی کہتے ہیں۔" اس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا تھا۔
اسے کبھی کبھی یہ چھ فٹ دو انچ کا خوبرو جوان ڈھائی سال کا بچہ لگتا تھا وہ اس کی ڈاکیومینٹری سیریز کا حصہ بنتا نہ بنتا مگر اس کا جگری دوست ضرور بن گیا تھا جس کا اظہار عاشر کی طرف سے تو نہیں ہوا تھا لیکن کاشف کے لیے اپنے دل کی شہادت ہی کافی تھی۔ ہماری چاہت ہمیشہ بدلے میں چاہت کی متمنی نہیں ہوتی' یہ رشتہ غرض کی زنجیر میں بمشکل قید ہوتا ہے۔
"میں نانو کا بیٹا ہوں' تمہیں ہزار دفعہ بتایا ہے اور تم ہو کہ ہر دفعہ نئی کہانی لے کر بیٹھ جاتے ہو۔" وہ جھنجلا کر بولا۔
"نانو کا بیٹا کیا آسمان سے ٹپکا تھا' اس کا کوئی باپ تو ہو گا نا۔" وہ دوبدو بولا۔
"میرا اپنے باپ سے کوئی واسطہ نہیں۔" وہی مرغے کی ایک ٹانگ کاشف بھی سنجیدہ ہو گیا۔
"یہ تمہاری خوش فہمی ہے' جنہیں قدرت نے ان رشتوں کو دے کر چھین لیا ہو کبھی ان سے محرومی پوچھنا۔" وہ جانے کیا باور کرانا چاہ رہا تھا۔
"مجھے بھی یہی لگتا ہے' قدرت نے یہ رشتہ مجھے صرف اس لیے دیا تھا کہ میں دنیا میں آ جاؤں اور بس..... بلکہ مجھے ماں کا رشتہ بھی اسی لیے ملا تھا' آدر وائز' میں ان کی خواہش یا چاہت نہیں تھا۔"
"کبھی کبھی حالات اور واقعات کی ترتیب وہ نہیں ہوتی جو ہمارے دائرہ نگاہ میں ہوتی ہے' اب دیکھو ہو سکتا ہے تمہیں یہ ٹنڈ منڈ درخت بہت پیچیدہ اور بھیانک لگے لیکن میرے لیے یہ قدرت کی صناعی کا ایک مختلف نمونہ ہے اس کی تراش خراش اتنی متوازن ہے کہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔"
"دراصل جہاں تم کھڑے ہو اور زندگی کا تجزیہ کرتے ہو وہاں سے تمہیں اس درخت کا بدنما چہرہ اور اکیلا پن نظر نہیں آ سکتا' تمہاری سمت الگ اور میری سمت الگ ہو سکتی ہے میں تمہاری جگہ ہوں تو میری بھی سوچ بدل جائے۔"

"اور تم میری جگہ آنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ تم اپنے مقام سے جڑے ہو اور میں اپنے..... اصل مسئلہ یہ ہے' لیکن برادر یہ زندگی گزارنے کا سلیقہ تو نہیں۔ سوچو اگر زندگی ہمیشہ ہماری خواہش کے مطابق عطا کرتی رہے تو پھر زندگی کیوں کہلائے..... انسان ہمیشہ ایک ہی جیسے حالات سے گزرتا رہے تو اس کی فطرت کو سکون کیونکر ملے جو اول روز سے تبدیلی کا تقاضا کر رہی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو آج بھی ہم پتوں کا لباس پہن کر پتھر سے آگ جلا کر خوش رہتے نا۔"
کاشف سے باتوں میں بھلا کون جیت سکتا تھا۔ عاشر نے ایک گہری سانس بھری اور سپر اسٹور کی طرف اشارہ کیا۔
"ہم منزل پر پہنچ گئے....." یہ کاشف کے فلسفے کا اثر تھا مگر بول کر پھر اس کے شکنجے میں آ گیا تھا۔
"نہیں ہماری منزل ابھی ہمارے گمان کی مہمان ہے وہ حقیقت کا روپ اس دن دھارے گی جب ہم راستوں کا تعین کر لیں گے۔ ہم ابھی بے سمت چل رہے ہیں۔"
وہ اس کے تھکے تھکے چہرے پر نگاہ ڈال کر بولا تھا۔ عاشر گزشتہ کئی راتوں سے جاگ رہا تھا اور سب سے بڑی

بات وہ گزشتہ کئی سالوں سے لڑ رہا تھا جس کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے۔

اس کو صرف ایک دفعہ راجہ طارق محمود کے سامنے بٹھانا تھا اور دونوں کو خوب کہنے اور سننے کا موقع دینا تھا اور اس کے بعد یہ بدگمانی، بے اعتنائی اس رشتے کے پیار اور مان میں ڈھل جاتی جو ان باپ بیٹے کے درمیان سب سے بڑی سچائی تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ اتفاق بھی تھا کہ کشمالہ، خولہ اور کاشف کے مشاغل اور دلچسپیاں ایک جیسے تھے اور تینوں کا پروفیشن بھی ایک ہی تھا اس لیے تکلف کی دیوار گرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

اس وقت بھی کشمالہ اور کاشف ڈھلتی شام کا نظارہ کرنے کے لیے ٹیرس پر چلے آئے تھے یہاں سے اس پوش ایریا کے خوب صورت گھر اپنی ترتیب اور تعمیر کے ساتھ نگاہوں کو بہت بھلے لگتے تھے۔

کشمالہ کی اکثر شامیں اس ٹیرس پر گزرتی تھیں اور اس منظر کی کھوج میں رہتی تھیں، جب کوئی محض نگاہ غلط ڈال کر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اور وہ اس نگاہ کی اسیر ہو گئی تھی۔

"ویسے کشمالہ مجھے آپ کے فیملی میٹر میں انوالو تو نہیں ہونا چاہیے لیکن کیا کروں عادت سے مجبور ہوں۔ ایک بات پوچھوں۔" کاشف سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

"اوہ شیور..... کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جو بڑی آسانی سے ہماری فیملی میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ اجنبیت کا احساس ہوتا ہی نہیں۔"

وہ سنہرے بالوں کو کلپ میں جکڑتے ہوئے بولی تو کاشف بھی سر ہلا کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا، بلا کی خوب صورت لڑکی تھی، ہر طرح سے حسن و وقار کا پیکر۔

"کیا راجہ صاحب آپ کے ریئل فادر ہیں....." وہ بلا تمہید پوچھ بیٹھا۔

"نو..... انہوں نے ہمیں ماں سمیت ایڈاپٹ کیا ہے۔" وہ اتنی ہی اسٹریٹ فارورڈ تھی کاشف کو خاص حیرت نہیں ہوئی اس جواب پر کیونکہ اس جواب کی وہ توقع کر رہا تھا۔ برین ووبیوٹی ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا جا رہا ہوتا ہے۔ اس نے سوچا اور الجھنے کے لیے ایک اور سرا ڈھونڈ لیا۔

"آئی مین آپ کی مدر کے ساتھ شادی۔" اس نے مزید کریدا۔

"لمبی کہانی ہے کبھی فرصت میں ضرور سناؤں گی، ابھی آپ مجھے یہ بتائیے کیا عاشر آپ کے پروجیکٹ میں کام کرنے کے لیے راضی ہے۔"

وہ اس سے عاشر کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کیونکہ آج کل وہی اس کے سب سے زیادہ قریب تھا نانو کے بعد۔

"وہ ابھی تک راضی نہیں ہے لیکن میں راضی کر لوں گا اسے، مجھے یقین ہے۔"

"مجھے اچھا لگا آپ کا پروجیکٹ اور اس میں عاشر کو شامل کرنے کا آئیڈیا کیونکہ ہم حقائق کی تلخیوں کو ڈسکشنائزڈ کرتے نہیں دکھائیں گے تو اسے ڈائجسٹ کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ہمارا کام اگر صرف تنقید کرنا رہ گیا تو لوگوں کو میڈیا بالکل اس طرح برا لگنے لگے گا جیسے ہمیں اپنا کوئی سخت اور ظالم ٹیچر برا لگتا ہے؟"

کاشف نے بھرپور تائیدی انداز میں اسے قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔

"آپ پہلی بار پاکستان آئی ہیں۔" کسی طور تو اس خوشگوار ماحول کا تسلسل برقرار رکھنا تھا۔

"لیکن میں نے پاکستان اور ہندوستان کے کلچر کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے، میں نے بے شمار پاکستانی اور ہندوستانی اسٹوریز پڑھی ہیں، ناول، ریسرچ آرٹیکل اور بھی بہت کچھ..... اس لیے مجھے یہ زمین، یہاں کے لوگ اور ان کا مزاج اجنبی نہیں لگتا۔ اور شاید اس لیے بھی نہیں کہ میری ماں کا تعلق ہندوستان سے تھا۔"

"مگر آپ کے فیچرز تو مکمل یورپین ہیں۔" کاشف نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ اللہ کی مرضی اور اس کی عطا ہے میرے پیرنٹس کا کوئی قصور نہیں۔" وہ بے ساختہ بولی تو کاشف ہنس پڑا۔

"ویسے آپ تو بہت باتیں کرتے ہیں اور آپ ہنستے بھی ہیں مگر آپ کا دوست ان دونوں چیزوں سے بھاگتا ہے کیسے گزارا ہوتا ہے۔" کوئی تو ہو جو اس کا ذکر کرے۔ اس کا نام لے۔ یہ جذبوں کی رو بھی کیسے کیسے حیلے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے۔

"دیکھیں جب ہمیں کوئی اچھا لگتا ہے پیارا لگتا ہے تو پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اسے ہم کیسے لگتے ہیں، ہماری غرض بس اتنی ہوتی ہے کہ ہماری کسی بات سے اسے تکلیف نہ ہو اور وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بنا رہے۔"

"اوہ..... ویری گڈ..... ویری انٹرسٹنگ..... مگر اس طرح اگر سب سوچ رہے ہوں تو یہ دنیا ہر تکلیف سے پاک ہو جائے۔" کشمالہ نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو کاشف کی دلچسپی سامنے کھڑی لڑکی میں بڑھنے لگی۔

"مگر اس طرح کوئی تو سوچے، کسی کو تو سوچنا ہو گا اور وہ میں کیوں نہیں ہو سکتا۔"

وہ یہ بات اس وقت اسے متاثر کرنے کے لیے بالکل نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اس کی زندگی گزارنے کے بارے میں ہمیشہ کچھ ایسی ہی رائے تھی، وہ معمول کے کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کشمالہ نے ایک توصیفی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر اس کے دوست کے بارے میں سوچنے لگی، جو سب سے الگ تھلگ رہتا تھا اور سب کو پیارا لگتا تھا۔

اس وقت بھی وہ نانو کو یوں گھیر کر بیٹھا ہوا تھا جیسے انہیں کوئی لے جائے گا، کشمالہ نے ٹیرس کی طرف آتے ہوئے ذرا سا پردہ اٹھا کر نانو کے کمرے میں جھانکا تھا اور پھر مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اوپر آ گئی تھی۔

اسے یقین تھا وہ سب سے زیادہ اسی سے خائف ہے کیونکہ اس کے بعد اگر نانو کسی کو پکارنے لگی تھیں۔ تو وہ کشمالہ تھی۔

کشمالہ کے چہرے پر اس لمحے بڑی من موہنی سی مسکراہٹ تھی۔

کاشف نے ایک پرسوچ نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر اس کے سینئر پروڈیوسر کی کال آ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

خولہ کافی وقت کے بعد میل باکس کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ جانتی تھی ڈھیر ساری ای میلز اس کی منتظر ہوں گی۔

ہیوسٹن کے دوست، پاکستانی فینز اور پھر دنیا کے ہر ملک میں اس کے نیٹ فرینڈز۔

وہ ذہنی طور پر تیار ہو کر بیٹھی تھی کہ آج بہت سارے لوگوں کو ریپلائی کرنا ہے لیکن پہلے ہی مرحلے پر اس کا ذہن قدرے بھٹک سا گیا تھا۔

سب سے اوپر خزیمہ کی تازہ میل تھی۔

ایک لمحے کو اس کا دل چاہا پڑھے بغیر ڈیلیٹ کر دے مگر پھر اس کا سبجیکٹ اتنا پاور فل تھا کہ وہ تھم سی گئی۔
بس ایک لفظ لکھا تھا سبجیکٹ کے آگے "زندگی۔"
اس نے اوپن پر کلک کیا۔

اس کی آنکھوں میں محبت کا ستارہ ہو گا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہو گا
زندگی اب کے میرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہ ہی کھیل دوبارہ ہو گا
یہ اچانک جو اجالا سا ہوا جاتا ہے
دل نے چپکے سے تیرا نام پکارا ہو گا
مجھ کو معلوم ہے جوں ہی میں قدم رکھوں گا
زندگی تیرا کوئی اور کنارہ ہو گا
کون رہتا ہے یہاں رات کے سناٹوں میں
میرے جیسا ہی کوئی ہجر کا مارا ہو گا

"اوہ نو۔۔۔ کس قدر فارغ آدمی ہے۔ بے وقوف۔۔۔"
وہ جھنجلا سی گئی اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ اسے کسی قسم کا ریپلائی کرے گی مگر اگلے ہی لمحے چیٹ باکس پر اس کی آئی ڈی بلنک کر رہی تھی' وہ اس وقت آن لائن تھا حیرت انگیز طور پر۔
اس کا ہاتھ بے ساختہ ماؤس پر گرفت مضبوط کر کے اوپن پر کلک کر گیا۔
ایک اور شعر اس کا منتظر تھا۔

تم سا کیا ہو گا یہاں خواب کوئی
مجھ سا کیا ہو گا کوئی خواب طلب

"میں اپنے خوابوں کی دنیا کو اتنی آسانی سے اجڑنے تو نہیں دے سکتا نا اس لیے پھر اس در پر دستک دے بیٹھا جس کے اندر حسن اور باہر اجنبیت کا دربان بیٹھا ہے۔"
خولہ اتنی مشکل باتیں پڑھ کر سر تا پیر سلگ گئی تھی۔ یہ شخص اس کی زندگی میں آنے والا اپنی نوعیت کا واحد کردار تھا۔
"ہیلو مسٹر! جب ہم غلط دروازوں پر دستک دیتے ہیں تو پھر ہمیں مایوس لوٹائے جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔"
وہ اسے جواب دے کر پھر میل باکس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ دستک غلط نہیں' مجھے نہیں پتا میرا دل کیوں مجھے بار بار ایک مغرور اور سر پھری لڑکی کی چوکھٹ پر لے آتا ہے' مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ وہ میرے بارے میں کس حد تک برا سوچتی ہے لیکن مجھے یہ ضرور پتا ہے کہ اس دن سچ بولتے ہوئے اس کی آنکھیں لبوں کی جنبش سے ہم آہنگ نہیں تھیں۔"
خزیمہ کی باتیں اسے انوکھی بھی لگتی تھیں شاید یہی تجسس اسے ہمیشہ اس کے مقابل لا کھڑا کرتا تھا۔
یا پھر فطرت کا تقاضا تھا کہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر اس کی بے ربط گفتگو' بے نام سی اپنائیت کے ساتھ استحقاق کا اظہار اس کے دل کی زمین پر نقش ڈال دیتا تھا۔
وہ عمر کے بہکا دینے والے دوراہے پر تو نہیں کھڑی تھی البتہ خواب دیکھنے کی عمر کے سارے موسم اس کے منتظر تھے۔ اور ان موسموں سے بھاگنے کی سعی کرنا حماقت ہوتی ہے البتہ سامنا کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔

"آپ کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے' آپ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں پلیز اسٹاپ دس۔"
وہ بھنا ہی تو گئی تھی' یہ ٹھیک ہے کہ وہ بہت خوب صورت لفظوں کے ساتھ محبت' عشق' دوستی' خواب' رشتے اور اس طرح کے کئی موضوعات پر بلا تکان گھنٹوں تک بول سکتی تھی ایف ایم پر..... لیکن جب کبھی وہ لفظ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر بلا مبالغہ چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔
سو خریمہ کے یقین اور اعتماد پر چھکے تو اس کے بھی چھوٹ گئے تھے اور اس کا اظہار وہ غصے کے پیرائے میں ہی کر سکتی تھی۔
"میرا وقت تو میری مٹھی پر یادوں کے جگنو سجا رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں اگر میرا دماغ خراب ہو گیا ہے تو اس کا اثر اس کے صحیح الدماغ ہونے پر ضرور ہو گا' وہ لڑکی اگر بہت خوب صورت ہے تو میرے دل کی طلب بھی آئینے کی طرح شفاف ہے اسے ایک دن اپنا چہرہ اسی آئینے میں دیکھنا ہو گا۔"
اس کے ہاتھ شاید کسی مشین کی طرح چل رہے تھے' کھٹ سے جواب حاضر ہوتا تھا اور اس پار حیرت انگیز طور پر خولہ کے مسحور کر دینے والے چہرے پر سجے گلابی لبوں کی کلیاں چٹک سی گئی تھیں۔ اسے کوئی مرد جذبات کے لیے لفظوں کا خوب صورت چناؤ کرتے ہوئے پہلی بار ملا تھا۔
"یہ تو پاگل ہے..... اس کی بڑبڑاہٹ بیرونی دروازے سے اندر آتی ہوئی کشمالہ کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔
"اب پھر کسی نے کچھ کہہ دیا۔" اس نے پیچھے سے آکر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تو خولہ نے اس کے ملائم ہاتھ پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تھا۔
"مالا یہ بندہ تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا ہے' میں ایگزاسٹ ہو رہی ہوں اس کی بکواس سے۔"
"کیا پتا وہ سچ بولتا ہو....." کشمالہ نے اس کے سنہرے لچھے انگلیوں سے سنوارنا شروع کر دیے تھے' کمرے کے مدھم سے اجالے میں اس کے بالوں پر روشنی کا عکس شاید کسی کھڑکی یا دروازے کی جانب سے آ رہا تھا جبھی سونے کے تار سے چمکتے محسوس ہو رہے تھے۔
"یہ دیکھو..... کیا لکھا ہے اس نے۔"
اس نے کشمالہ کی توجہ کمپیوٹر اسکرین کی طرف مبذول کی' جہاں نیا پیغام جگمگا رہا تھا۔
"دیکھیں میں جانتا ہوں یہ مشکل کام ہے لیکن کوئی تو یہ مشکل کام کرے گا اور آپ کو جیت لے گا وہ..... میں ایک دن یہ مشکل کام کروں گا۔"
کشمالہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔
"کس قدر مشکل بات کی ہے' اگر تم اس سے کوئی ریلیشن نہیں چاہتیں تو پھر اگنور کر دو' مت پڑھ پڑھ کر الجھو۔"
"ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں..... مجھے اس کو صرف اگنور کرنا چاہیے۔"
اس نے جیسے خود کلامی کی تھی اس احساس شرمندگی کے ساتھ کہ وہ کیوں ہر بار اس کی ای میل یا میسج کو پڑھتی ہے۔
"بند کر دو تھوڑی دیر کے لیے اور یہ بتاؤ..... ہم واپسی کا کیا کر رہے ہیں۔ تمہارا تو مسئلہ نہیں ہے لیکن میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" کشمالہ نے ریوالونگ چیئر قریب کی۔
"اچھا خاصا ہم اس دن پاپا کے گھر سے ہو آتے۔" خولہ بھی اس کی طرف گھوم گئی تھی۔
"لیکن اچھا ہوا نا' نانو کو ہمارے ہوتے ہوئے پرابلم ہوئی اور ہم نے اسے ہینڈل کر لیا راستے میں مشکل ہو جاتی تو....." کشمالہ نے رسانیت سے کہا۔

"نانو اب کافی حد تک سنبھل گئی ہیں پھر ان کے ساتھ عاشر بھی ہیں۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔" خولہ نے پر سوچ انداز میں کہا۔
"یہ جو عاشر صاحب ہیں ان کے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ ذکریا پر مسکرا دی تھی۔
"آپ کے صاحب جو ہوئے' لیکن ان کو کب پتا چلے گا کہ وہ آپ کے صاحب بھی ہو گئے۔" اس کی آنکھوں اور چہرے پر شرارت مچلنے لگی تھی۔
"ڈونٹ بی سلی خولہ!" وہ اپنی زندگی کے سارے فیصلے خود کرنے والی کشمالہ تھی پھر بھی اس کی معنی خیزیات پر سرخ سی ہو گئی تھی۔
"کیوں مالا..... کوئی تو یہ اسٹیپ اٹھائے گا نا' وہ تو کسی دوسرے سیارے کی مخلوق لگتا ہے' لیکن تم تو اس دنیا کی ہو نا' وقت ضائع کر دو گی یا وقت کو قید کر دو گی اس کے ساتھ جینے کے لیے۔" خولہ ہمیشہ کی جلد باز تو تھی ہی اور پھر حقوق نسواں کی بھی حامی۔
"تم جانتی ہو یہ اس سوسائٹی کا سب سے بڑا ڈرا بیک ہے کہ ایک لڑکی لڑکے کو پرپوز کرے اسے لائف پارٹنر چن کر اس کا اظہار بھی کرے۔ یہاں پر ہمیشہ مرد کی پہل کا انتظار کیا جاتا ہے اور اس کی طرف پہل نہ ہو تو سارے جذبے اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔"
"اور تم دنیا کو سبق پڑھاتی ہو کہ غلط قسم کے رواج ختم کر کے زندگی کو اس کے حق کے ساتھ سہل انداز میں جیو' لیکن خود تم اس رواج کا حصہ بننے جا رہی ہو۔ کتنی عجیب بات ہے۔"
"خولو! میرے خیال میں یہ قبل از وقت باتیں ہیں' وہ مجھے اچھا لگتا ہے آئی ایڈمٹ' مجھے اس کی ضرورت ہے کیونکہ وہی مجھے اپنا رائٹ مین محسوس ہوتا ہے لیکن یہ ون وے ٹریفک ہے۔
اس کو ٹووے بننے میں کتنا وقت لگتا ہے اور بنتا بھی ہے کہ نہیں..... سب باتیں طے شدہ وقت پہ بھی ہوں گی اور یہ طے شدہ وقت طے کرنا اور اس کی تصدیق ہونا ہمارا مسئلہ نہیں' اس کے لیے وہ بیٹھا ہوا ہے نا! ہمارا رب۔
ہماری شہ رگ سے بھی قریب تر..... ہمیں وہی دیتا ہے جس کی ہم طلب جذب دل کے ساتھ کرتے ہیں' اور میں اس کے فیصلوں پر دل و جان سے بھروسہ کرتی ہوں یہ بات تم جانتی ہو۔"
کشمالہ ہر چیز کے مثبت پہلو کو مد نظر رکھا کرتی تھی اس وقت اس کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا' خولہ اس کی آنکھیں بھی پڑھنے کی صلاحیت رکھتی تھی وہاں بھی کچھ ایسا ہی تاثر تھا۔ قدرے ناقابل فہم۔
"تم اس زمانے کی مخلوق نہیں ہو' ورنہ معجزوں کا دور گزر چکا۔" وہ مایوس نہیں تھی لیکن کچھ کرنے اور پھر نتائج کا سامنا ہونے پر یقین رکھتی تھی۔
"اچھا فی الحال ان باتوں کا وقت نہیں۔ اب فائنل کر لو ہم کب تک نکل رہے ہیں۔" وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔
"او کے' آئی ایم ریڈی پاپا سے بات کر لو' لیکن مالا کیا ہمیں کراچی نہیں جانا تھا' ہمارے شیڈول میں تو تھا نا پھر۔"
"ہم جا سکتے ہیں مگر زیادہ دنوں کے لیے نہیں....."
"اور ہمیں مما کے ریلیٹیوز سے ملنا ہے بلکہ انہیں ہم نے اب تک انفارم بھی نہیں کیا ہے۔"
"تمہیں پتا ہونا چاہیے ہمارے فادر کی فیملی اور ان کے ریلیٹیوز بھی وہیں ہیں۔"
"ڈیم کیئر۔" دونوں کا چہرہ اور لہجہ ایک ہی تاثر کا غماز تھا۔

♡

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

فوزیہ یاسمین

حاضر ہی زندگی ہیں

"کیا یہ ضروری ہے کہ عید کے دن جتنی بھی پارٹیز ارینج کی گئی ہوں تم وہ ساری کی ساری اٹینڈ کرو۔" عکاشہ نے پارس کے قریب آکر نہایت برہمی سے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ لیے تو وہ جو ریاض سے الوداعی کلمات کہہ رہا تھا ایک دم ہنس دیا۔

"میں ساری دنیا کی عید ملن پارٹیز اٹینڈ کرنے نہیں جا رہا۔ میرے اپنے گھر میں فنکشن ہے ممی تو مجھے آنے بھی نہیں دے رہی تھیں صرف تمہارا نام سن کر جانے دیا ہے اگر پارٹی تمہارے علاوہ کسی اور کے گھر میں ہوتی تو وہ کبھی پرمیشن نہ دیتیں۔" پارس نے

مکمل ناول

مسکراتے ہوئے صفائی دی تو عکاشہ کی چڑھی تیوریوں میں کچھ کمی آگئی مگر موڈ بدستور خراب رہا۔

"وہ تو مجھے پتا ہے کہ تمہاری ممی مجھے بہت پسند کرتی ہیں میرے انویٹیشن پر وہ تمہیں روک نہیں سکیں لیکن آنٹی کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ میرے گھر پر ہمارے کالج فرینڈز کی پارٹی ہے تم یہاں زیادہ انجوائے کر رہے ہو بانسبت اپنے گھر پر ہونے والے فیملی گیٹ ٹوگیدر کے۔"

"اتنی دیر سے انجوائے کر تو چکا ہوں اب کچھ فرض میرا فیملی کی طرف بھی بنتا ہے اور تم بے فکر رہو میں وہاں بھی بور نہیں ہوں گا میری فیملی میں میرے ہم عمر کزنز بہت ہیں۔" میں نے اطمینان دلانے والے انداز میں کہا تو اس کے پاس کھڑا ریاض فوراً بول پڑا۔

"اسی لیے تو اسے جانے کی اتنی جلدی ہے، تمہیں نہیں پتا عکاشہ اس کی ساری کزنز کتنی خوب صورت ہیں۔" ریاض کے شرارتی لہجے پر عکاشہ کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا اسی لیے وہ رکھائی سے کہنے لگی۔

"ارے چھوڑو، میں پارس کے آدھے سے زیادہ خاندان سے مل چکی ہوں ایک بھی لڑکی "خوب" کہلانے کے بھی قابل نہیں ہے خوب صورت تو بہت دور کی بات ہے بس ایک پارس ہی سب سے الگ ہے۔" آخری کا جملہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں تھوڑی نرمی آگئی تھی لیکن اپنی کزنز کے بارے میں اتنی غلط بیانی پارس سے ہضم نہیں ہوئی تھی تبھی کہنے لگا۔

"ہاں ممی بھی یہی کہتی ہیں کہ میں ان کے خاندان کا تو لگتا ہی نہیں بلکہ اپنی کلاس فیلو عکاشہ کی فیملی کا لگتا ہوں جیسے کوئی بچپن کے کھوئے ہوئے بہن بھائی۔" پارس کی بات پر عکاشہ کے چہرے کا رنگ جتنی تیزی سے تبدیل ہوا تھا ان کے گرد کھڑے تمام لڑکے لڑکیوں نے بھی اتنی ہی زور سے قہقہہ مارا تھا کہ عکاشہ کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں بجتا زور دار ڈیک بھی تھوڑی دیر کے لیے مدھم پڑ گیا۔

"شٹ اپ پارس بکواس بند کرو اور یہ ٹاٹا گڈ بائے کا سین بھی، تم نہیں نہیں جا رہے اینڈ ڈیٹس از فائنل" عکاشہ نے اپنے ازلی دھونس بھرے لہجے میں کہا اس کے حسین چہرے پر ایسے رعونت بھرے جملے بولتے وقت مزید کشش پیدا ہو جاتی تھی اور اس وقت

اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔

ویسے تو پارس کی کلاس کی ساری ہی لڑکیاں اس کی "کلاس" کی ہونے کے باعث ایک دوسرے کی ٹکر کی تیاری کر کے آئی تھیں مگر کسی کے پاس عکاشہ جیسا حسن نہیں تھا اور نہ ہی اس جیسا مزاج۔

کہنے کو وہ ان سب کی دوست تھی مگر سب کے ساتھ اس کا رویہ حکمیہ سا تھا خاص طور پر پارس کو تو وہ صرف اور صرف اپنی ملکیت سمجھتی تھی کیونکہ اس کی نظر میں صرف پارس ہی اس کی برابری کا تھا جبکہ پارس کا مزاج ایسا نہیں تھا وہ تمام دوستوں کے ساتھ یکساں دوستانہ رویہ رکھتا تھا اسی لیے عکاشہ کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اکثر اس کی باتوں کو مذاق میں اڑا دیتا ورنہ اگر اس کے جملوں کی گہرائی میں اترنا شروع کرتا تو ان کا اتنا اچھا گروپ دو منٹ میں بکھر جاتا اس لیے عکاشہ کی بہت ساری باتوں سے اختلاف ہونے کے باوجود وہ ان پر کبھی سنجیدہ نہیں ہوتا تھا پھر عکاشہ کی خوبیاں اس کی خامیوں سے زیادہ تھیں وہ بے پناہ حسن کی مالک، شہر کے بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی اور کلاس کی ہی نہیں کالج کی بھی مشہور ترین اسٹوڈنٹ تھی جس پر پارس اس سے متاثر تو نہیں تھا کہ یہ ساری خصوصیات خود اس میں بھی موجود تھیں مگر ان سب آسائشوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے وہ اس کے مزاج کے تیکھے پن کو کافی حد تک ایک فطری بات سمجھ کر قبول کر چکا تھا بلکہ اس کے گروپ کے لڑکے عکاشہ کی غیر موجودگی میں جب اسے کہتے کہ

"ایک دم روایتی حسینہ ہے، حسین، امیر اور مغرور۔" تو پارس بھی دل کھول کر ہنس دیتا مگر اتنی نرمی برتنے کے باوجود اس نے عکاشہ کو کبھی اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا تھا اس وقت بھی پارس اس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر سب لڑکوں سے مصافحہ کر کے اس کے گھر سے نکل گیا مگر اس کی کوٹھی کے باہر کھڑی اپنی گاڑی کے چاروں ٹائر پنکچر دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ جلدی چلا جائے گا پھر اس طرح اسے زبردستی مجبور کر کے روکنے کا کیا مطلب تھا۔

اس کا خون ابلنے لگا دل تو چاہا ابھی اندر جا کر عکاشہ کی طبیعت صاف کر دے مگر یہی تو وہ چاہتی تھی کہ پارس گھر جانے کی بجائے تھوڑی دیر اور یہاں رک جائے بھلے ہی اس کا یہ قیام جھگڑے کی نذر کیوں نہ ہو جائے۔

وہ اسے یہ خوشی ہرگز نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے دوبارہ اندر جانے کی بجائے پیدل چلنے لگا اس کا ارادہ فوراً ہی کسی ٹیکسی میں بیٹھ جانے کا تھا مگر اول تو یہ شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں رہنے والے ہر شخص کے پاس چھ چھ گاڑیاں ہوتی تھیں ایسے علاقے میں رہنے والوں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر کون ملنے آتا، دوئم عید کے دن خالی ٹیکسی ویسے ہی مشکل سے ملتی تھی مگر پارس کو ان تمام باتوں کا سرے سے کوئی تجربہ نہیں تھا اور پھر وہ تو غصے میں نکل کھڑا ہوا تھا اگر عقل کام کر رہی ہوتی تو وہ ریاض کو ہی ڈراپ کرنے کے لیے کال کر کے باہر بلا لیتا مگر یہ خیال اسے آدھے گھنٹے تک پیدل چلتے رہنے کے بعد آیا تھا لیکن اب وہ ریاض کو فون کر کے اپنا تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ ریاض کے لیے بھی وہاں سے اٹھنا آسان نہ ہوتا اور سچ بتانے کی صورت میں سب اس کے ابھی تک پیدل چلنے پر خوب ہنستے۔

وہ چلتے چلتے کوٹھیوں سے نکل کر کمرشل ایریا تک آ گیا تھا مگر بازار اور دوکانیں بند ہونے کی وجہ سے اسے اب بھی کسی سواری کا ملنا آسان نہیں لگ رہا تھا۔

آخر اللہ اللہ کر کے اسے روڈ کی دوسری جانب ایک خالی رکشہ نظر آ ہی گیا اتنی دیر بعد کوئی سواری نظر آئی تھی وہ اسے کسی طور گنوانا نہیں چاہتا تھا اس لیے رکشہ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے جب روڈ کراس کرنا چاہا تو اپنے بالکل قریب آ جانے والی تیز رفتار گاڑی پر دھیان ہی نہیں دیا اور اس کے بعد سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ دھیان دینے یا نہ دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہا۔

گاڑی اسے اڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی رکنا تو درکنار ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار بھی لمحہ بھر کے لیے کم نہیں کی تھی اتنی شدید تکلیف کے دوران پارس کو

اپنا دماغ ماؤف ہوتا لگ رہا تھا وہ ڈرائیور کی بے حسی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

پارس زمین پر لڑھکتا ہوا فٹ پاتھ سے ٹکرایا تھا مگر اس کے ہوش و حواس نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا حالانکہ سر میں اٹھتی شدید ٹیس پر اس کا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لے مگر ہاتھوں نے جیسے ہلنے سے انکار کر دیا اسے اپنے جسم کا ایک ایک انگ دکھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سڑک پر رواں دواں ٹریفک میں سے کسی نے بھی رک کر اس حادثے پر تشویش کا اظہار کرنے یا زخمی کی حالت پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی آخر عید کا مبارک دن تھا کسی کو کھانے پر پہنچنے کی جلدی تھی تو کسی کو مٹھائی خریدنے کی، ایسے مبارک وقت میں کون رک کر اپنا وقت خراب کرتا۔

پارس نے درد کی شدت سے بے جان ہوتے ہاتھ پاؤں کو بمشکل حرکت دینے کی کوشش کی تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنی جیب سے گر جانے والے موبائل پر پڑی تھی موبائل اس سے صرف چار قدم کے فاصلے پر تھا مگر پارس سے ہلا تک نہیں جا رہا تھا وہ کسی بھی طرح ریاض کو اطلاع کرنا چاہتا تھا وہ عکاشہ کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا وہ دس منٹ میں اس تک پہنچ سکتے تھے۔

اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے پارس نے موبائل کی طرف رینگنے کی کوشش کی وہ اوندھے منہ پڑا تھا کہنیوں کے بل اپنا وجود چار قدم کے فاصلے پر پڑے موبائل تک گھسیٹنا اسے دنیا کا سب سے مشکل کام لگ رہا تھا تھوڑا سا آگے کھسکنے کے بعد وہ نڈھال ہو کر ہانپنے لگا تب اس کے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لینا چاہا مگر اب بھی اس کی انگلیوں اور موبائل کے بیچ پورے دو بالشت کا فاصلہ تھا وہ دو بالشت دو سو میل سے کم نہیں تھے پارس کی بند ہوتی آنکھیں اپنے موبائل پر جمی تھیں تبھی اچانک کہیں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اگلے ہی پل سامنے دو بالشت کے فاصلے پر پڑا موبائل پارس کی بجائے اس ہاتھ کی گرفت میں چلا گیا پارس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنا چاہا وہ کوئی کم عمر سا لڑکا تھا جس کا حلیہ عجیب لفنگوں جیسا تھا سر پر کیپ لگائے اور گلے میں رومال باندھے اس لڑکے نے موبائل اٹھانے کے بعد دو چار بٹن دبا کر اسے جیب میں رکھ لیا تبھی اس کی نظر پارس پر پڑی اسے ہوش میں دیکھ کر وہ بغور اسے دیکھنے لگا پارس کا ہاتھ اب بھی ویسے ہی بڑھا ہوا تھا جیسے موبائل اٹھا لینے کی شدید خواہش اب بھی اس کے دل میں ہو، اس لڑکے نے جھک کر پارس کی کلائی پکڑ لی اور اس کی کلائی میں بندھی بیش قیمت گھڑی کھولنے لگا۔

یہ گھڑی کچھ ماہ پہلے ہی اس کے ڈیڈی نے لندن سے لا کر دی تھی پارس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس لڑکے کے منہ پر مکوں اور لاتوں کی بارش کر دے مگر وہ تو ہاتھ تک ہلانے کے قابل نہیں تھا اس نے کبھی خود کو اتنا لاچار نہیں جانا تھا تکلیف اور بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں دھند سی چھانے لگی جب سامنے کا منظر زیادہ ہی دھندلا ہوا تب اسے احساس ہوا کہ اس کے سر سے خون نکل رہا ہے جو سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش میں بہہ کر پیشانی سے ہوتا اب اس کی آنکھوں تک آ گیا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
دل اک شہر جنوں
آسیہ مرزا
قیمت ۔۔۔ -/400 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

اس لڑکے نے گھڑی اتارنے کے بعد بڑی لاپرواہی سے پارس کی کلائی چھوڑ دی جیسے کوئی ڈاکٹر دم توڑ دینے والے مریض کی نبض چیک کرکے اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے وہ لڑکا بھی ایسے ہی وہ گھڑی اپنے ہاتھ پر باندھتے ہوئے سیٹی پر کوئی دھن بجاتا واپس مڑ گیا۔

پارس کو لگا کوئی اس کے جسم سے جان آہستہ آہستہ کھینچ رہا ہو اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں پھر بھی اسے اپنے آس پاس مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آوازوں پر مشتمل مختلف لوگوں کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ارے کوئی اسے ہسپتال تو پہنچا دے۔"

"ہاں دیکھو کتنا خون بہہ رہا ہے۔"

"آج کل خون کی عجیب عجیب بیماریاں پھیلی ہیں اسے کون ہاتھ لگائے گا بھئی۔"

جب تک اس کا ذہن مکمل تاریکی میں نہیں ڈوبا اسے صرف آوازیں آتی رہی تھیں مگر کوئی ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھا تھا اتنی تکلیف اور بے ہوشی کے عالم میں بھی اس کے حواس اسے احساس دلا رہے تھے کہ اس کا چہرہ خون سے بھیگتا جا رہا ہے مگر کسی نے اس کے سر پر کوئی کپڑا تک باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی پارس کو اچانک اپنے والدین اور دادی کا خیال آیا تھا ان کے صدمے سے نڈھال چہرے اس کے ذہن کے پردے پر ابھرے اور پھر ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی۔

☼ ☼ ☼

آنکھیں کھولنے کے بعد کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے نامانوس ماحول کو دیکھتا رہا آخر جب اس کا ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تب اسے پتا چلا کہ وہ ہسپتال کے کمرے میں ہے۔ جس کی کھڑکی سے آتی روشنی دوپہر ہونے کا پتا دے رہی تھی تبھی ایک نرس دروازہ کھولتی کمرے میں داخل ہوئی۔

"سسٹر مجھے ہسپتال کون لایا تھا؟" سب سے پہلے اس کے منہ سے بے ساختہ یہی سوال نکلا تو سسٹر بولی۔

"ارے آپ کو ہوش آگیا اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" وہ اس کے بیڈ کے قریب چلی آئی۔

"پتا نہیں! سر بہت دکھ رہا ہے۔" پارس نے آہستگی سے

"جی ہاں آپ کے سر میں بہت گہری چوٹ آئی تھی شاید آپ کا سر فٹ پاتھ سے ٹکرا گیا تھا باقی چوٹیں تو زیادہ گہری نہیں تھیں مگر سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے آپ کا خون بھی بہت بہہ گیا تھا اگر آپ کو ہاسپٹل لانے والے نے تھوڑی دیر اور کر دی ہوتی تو..... خیر میں ڈاکٹر کو انفارم کرتی ہوں۔" سسٹر تیز تیز بولتی کمرے سے نکل گئی۔

اسے دو دن بعد ہوش آیا تھا حالانکہ اب وہ خطرے سے باہر تھا مگر اس کے ہوش میں آنے کی اطلاع پاتے ہی اس کے والدین اور دادی کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی کچھ ہی دیر میں وہ تینوں اس کے دیگر رشتے دار اور دوست سب ہسپتال پہنچ گئے تھے حالانکہ سب کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ملی اس کی دادی ممی ڈیڈی یا صرف ماموں اور پھوپھی آسکے تھے۔

ممی ڈیڈی اپنی اکلوتی اولاد کو صحیح سلامت دیکھ کر اتنے جذباتی ہوئے کہ ان سے زیادہ بات ہی نہ کی گئی اور دادی تو مسلسل اس پر پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہی تھیں ان کی اپنی طبیعت بہت گری گری لگ رہی تھی ڈاکٹر نے جلد ہی انہیں کمرے سے باہر جانے کے لیے کہہ دیا۔

پارس کو کچھ دنوں میں ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا اور ان کچھ دنوں میں سبھی اس سے ملنے آئے تھے مگر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق کوئی بھی اس کے پاس پانچ منٹ سے زیادہ دیر نہیں رکا تھا اس لیے گھر آکر جب اسے ریاض سے فرصت سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے پھر اپنا وہی سوال دہرا دیا۔

"تمہیں ہسپتال کون لایا تھا یہ بات تو گورنمنٹ ہسپتال کے اس عملے کو معلوم ہوگی جہاں تمہیں پہلے لے جایا گیا تھا وہاں ڈاکٹر عابد موجود تھے جو تمہیں دیکھتے ہی پہچان گئے انہوں نے جب انکل (ڈیڈی) کو فون کر

کے اطلاع دی تو فوراً امداد کے بعد باقاعدہ علاج کے لیے انکل تمہیں اس ہسپتال میں لے آئے تھے۔" ریاض کے تفصیل سے بتانے پر پارس اسے دیکھ کر رہ گیا مگر کچھ کہا اس لیے نہیں کہ جس اذیت سے وہ گزرا تھا اسے صرف وہی محسوس کر سکتا تھا کسی دوسرے سے اس کیفیت کو سمجھنے کی توقع رکھنا بے کار تھا ریاض نے اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے وضاحت دینے والے انداز میں کہا۔

"اصل میں ہم سب اس وقت اتنے ٹینس ہو گئے تھے کہ ان سب باتوں پر دھیان ہی نہیں گیا تمہارے ماموں نے یہ پتا کرنے کی کوشش ضرور کی تھی کہ وہ کار کون ڈرائیو کر رہا تھا مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

جب تمہارے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی تب ہم سب عکاشہ کے گھر سے جا چکے تھے اس لیے صرف چند ہی لوگ ہاسپٹل پہنچ سکے تب تک تمہیں لانے والا شخص جا چکا تھا اور پھر آتے ہی اتنی بری خبر سننے کو ملی کہ اور کچھ سوچنے اور پوچھنے کا ہوش ہی نہیں رہا۔

ڈاکٹرز نے کہا تھا تمہارے سر میں چوٹ لگی ہے ہو سکتا ہے تمہاری بینائی ختم ہو جائے۔" ریاض ایک دم چپ ہو گیا تو پارس آہستگی سے مسکرا دیا۔

"ہوں ڈیڈی نے بتایا تھا انہوں نے کتنے صدقے اور خیرات کیے تھے دادی پوری رات پورے دن مصلے پر بیٹھی رہی تھیں۔" پارس اطمینان سے بولا ظاہری بات ہے اب خطرہ ٹل چکا تھا لہٰذا اسے اس موضوع پر بات کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔

"جب ہمیں یہ بات پتا چلی تو ہم سب ہی شاکڈ رہ گئے مگر اس سے بھی زیادہ میں لوگوں کے رویے دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا عکاشہ نے سنتے ہی کہا تھا۔"

"او گاڈ اگر پارس اندھا ہو گیا تو کتنا عجیب لگے گا۔"

ریاض کے تاسف بھرے انداز پر پارس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا اسے یقین تھا ریاض سچ بول رہا تھا اسی لیے وہ اس کی بات پوری خاموشی سے سننا چاہتا تھا جو مزید کہہ رہا تھا۔

"تب عالیہ کہنے لگی اندھا ہونے سے تو اچھا ہے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے
☆ در کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 180 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 180 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے

شائع ہو گئے ہیں

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 2216361

پارس مر ہی جائے۔"

اس کی بات کسی حد تک حقیقت پر مبنی تھی جب میں نے اسے ٹوکا تو وہ مجھ سے ہی جرح کرنے لگی۔

"ریاض کیا تمہیں اندازہ نہیں پارس ہمارے کالج کا سب سے ڈیشنگ اسٹوڈنٹ ہے کتنے لوگ اس پر رشک کرتے ہیں اور کتنے جلتے ہیں جب وہ سفید چھڑی لے کر چلا کرے گا تو لوگوں کو کتنا سکون ملے گا۔"

تم یقین نہیں کر سکتے پارس میں نے کس طرح ان لوگوں کو وہاں سے ہٹایا ہے ان کی باتوں کو اگر ہم وقتی صدمے کا رد عمل کہہ کر نظر انداز کر دیں تب بھی ان کا بعد کا رویہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ عکاشہ تمہیں دوبارہ دیکھنے تک نہیں آئی بھولو تم ہوش میں نہیں تھے مگر تمہاری ماں سے اتنی اچھی سلام دعا ہونے کی وجہ سے اسے ان کے پاس تو آنا چاہیے تھا بلکہ وہ تو تمہارے بارے میں بات تک نہیں کرتی تھی تمہارے ہوش میں آنے کی اطلاع ملنے پر بھی اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"اس کی آئی سائیٹ تو ٹھیک ہے نا۔"

اگر خدانا خواستہ میرا جواب نہیں میں ہوتا تو مجھے یقین ہے عکاشہ سمیت بہت سے لوگ تم سے ملنے تک نہیں آتے۔" ریاض تلخی سے کہتے کہتے چپ ہو گیا پارس کے اپنے احساسات بھی عجیب ہو رہے تھے مگر وہ کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"چھوڑو یار لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں کم از کم اس حادثے کی وجہ سے تمہیں لوگوں کی اصلیت کا علم تو ہو گیا اور پھر ہم کیوں دوسروں پر اعتراض کریں ہم خود کون سے عظیم ہیں جو حادثہ میرے ساتھ ہوا اگر وہ عکاشہ یا کسی اور کے ساتھ ہوتا تو شاید میں بھی یہی کہتا کہ اس سے تو اچھا ہے وہ مر جائے۔"

پارس نے لاپرواہی سے کہا اسے وقتی طور پر افسوس ہوا تھا مگر بہت زیادہ غمگین ہونے والی کوئی بات نہیں تھی وہ عکاشہ کے لیے اتنا جذباتی نہیں تھا کہ اس کے انداز پر دل ٹوٹ جاتا وہ اسے پسند ضرور کرتا تھا کہ وہ تھی ہی اتنی پرکشش اور کلاس میں سب سے مشہور اور اہم اس لہٰذا سے وہ اس کی دوستی پر فخر بھی محسوس کرتا تھا کیونکہ وہ صرف مخصوص لوگوں کو ہی لفٹ کراتی تھی اور اس میں بھی وہ عکاشہ کی گڈ بک میں شامل تھا یہ سب باتیں اسے سرشار کرنے کے لیے کافی تھیں مگر وہ اس سے جذباتی طور پر وابستہ نہیں تھا اسی لیے ریاض کی اداسی محسوس کر کے اس نے فوراً" موضوع بدل دیا۔

☼ ☼ ☼

اسے ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا زندگی واپس معمول پر آ گئی تھی اس نے کالج جانا شروع کر دیا تھا اور سب سے بالکل پہلے کی ہی طرح ملتا تھا البتہ اس کے رویے میں ایک فرق ضرور آ گیا تھا وہ اپنے ممی ڈیڈی اور دادی کے لیے زیادہ حساس ہو گیا تھا اب وہ پہلے کی طرح دوستوں کو ان پر ترجیح نہیں دیتا تھا بلکہ وہ ان کا پہلے سے زیادہ احترام کرنے لگا تھا۔

دادی پہلے بھی اکثر بیمار رہتی تھیں اب ان کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی وہ مختلف چیک اپ کے لیے جو گھنٹوں ہسپتال میں گزارتی تھیں تو پارس کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہسپتال کا ماحول کتنا بوجھل ہوتا ہے۔ دواؤں کی مخصوص بو کے درمیان اردگرد مصروف سے سنجیدہ عملے کو دیکھ کر دل چاہتا ہے بس فوراً" یہاں سے بھاگ جائے۔

ان تمام باتوں کا احساس اسے اب ہوا تھا جب وہ خود ہسپتال میں بے کیف دن گزار کر آیا تھا بلکہ پہلی بار اس نے غور کیا کہ دادی کی زندگی میں تنہائی بہت ہے اس کی ممی کی کافی سماجی سرگرمیاں تھیں ایسے میں دادی گھر میں اکیلی پڑی رہتی تھیں ان کے گھر میں کوئی کل وقتی ملازمہ بھی نہیں تھی ایک چوکی دار تھا اور ایک خانساماں جو مستقل رہتے تھے ورنہ صفائی والی ماسی دوپہر تک چلی جاتی تھی۔

"دادی کے لیے کوئی عورت ہونی چاہیے جو ان کے چھوٹے موٹے کام کرے اور انہیں کمپنی بھی دے سکے۔" ایک دن پارس نے کہا تو ڈیڈی فوراً" تیار ہو گئے ممی نے بھی خاموش رہ کر رضامندی دے دی مگر دادی نے منع کر دیا۔

"نہیں بھئی کیا ضرورت ہے کسی عورت کو گھر میں رکھنے کی، حالات کتنے خراب ہیں۔"

"امی حالات تو واقعی خراب ہیں لیکن پارس کی بات بھی ٹھیک ہے آپ کے پاس کسی عورت کو ہونا چاہیے اور حالات کی آپ فکر مت کریں ہم کسی بھروسے کی عورت کو ہی رکھیں گے بلکہ پارس تمہارے دوست ریاض کی مدد نے پچھلے دنوں میرے ایک بزنس پارٹنر کے گھر پر ایک ملازم رکھوایا ہے ان کے آبائی گاؤں میں پشتوں سے ان کے بھروسے کے ملازم چلے آ رہے ہیں تم ریاض سے بات کر لو کہ وہ کسی سمجھ دار اور تمہاری دادی کے مزاج کے مطابق کسی مذہبی عورت کا انتظام کر دیں۔" ڈیڈی کہتے چلے گئے دادی نے انہیں منع کرنے کی بہت کوشش کی مگر ڈیڈی موبائل بجنے پر وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ گئے۔

ایک دن اتفاق سے پارس کا گزر اس گورنمنٹ ہسپتال کے سامنے سے ہوا تو وہ کار پارک کر کے اس شخص کا پتا معلوم کرنے کے لیے ہسپتال میں داخل ہو گیا جو اسے سڑک سے اٹھا کر جانے کیسے یہاں تک لایا ہو گا حالانکہ وہ اس کا پتا مل جانے کی طرف سے زیادہ پُرامید نہیں تھا مگر اس وقت اسے خوشگوار حیرت ہوئی جب ہسپتال کے عملے نے اس کی فائل میں سے کسی رفیق نامی شخص کا پتا نکال کر دے دیا۔

پارس اسی وقت اس شخص سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا گھر ڈھونڈنے میں اسے کافی دقت ہوئی تھی اس کا ایکسیڈنٹ شہر کے مہنگے ترین علاقے میں ہوا تھا مگر اسے ہسپتال لانے والا شخص بالکل نچلے طبقے کی کچی آبادی سے تعلق رکھتا تھا جہاں گھروں پر نمبر بھی باقاعدہ ترتیب سے نہیں تھے۔

پارس کو اس علاقے میں پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا کہ جو پتا ہسپتال کے فارم میں اندراج کرایا گیا تھا وہ کسی قدر نامکمل تھا اپنی بڑی سی گاڑی کو اونچی نیچی تنگ گلیوں سے بہت دور کھڑی کر کے وہ مختلف لوگوں سے رفیق ہاشم شخص کا پوچھتے ہوئے اندر بڑھتا چلا گیا۔

راستے میں گندے اور ننگے بچوں سے سامنا ہونے پر گلی میں سے گزرنے کی بھی جگہ نہیں بچتی تھی عجیب و غریب بو سے بھری ان گلیوں سے گزرتے وقت ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل میں یہ خیال نہیں ابھرا تھا کہ یہاں سے لوٹ جائے بلکہ جتنا وہ آگے بڑھ رہا تھا اتنا ہی یہ یقین اور پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ اسے ہسپتال پہنچانے والے شخص کے پاس گاڑی تو کیا سواری کے نام پر ایک ٹھیلا بھی نہیں ہو گا۔

جانے کس طرح اس نے خون سے بھرے پارس کے وجود کو اٹھا کر ہسپتال پہنچایا ہو گا سواری کا انتظام کرنے کی صورت میں جانے کتنے پیسے خرچ ہوئے ہوں گے۔

بہت دیر کی دوڑ دھوپ کے بعد آخر وہ ایک خستہ حال دروازے پر دستک دے رہا تھا کیونکہ بیل وغیرہ کا کوئی انتظام موجود تھا ہی نہیں شہادت والی انگلی کی پشت سے دروازہ بجاتے ہوئے وہ دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ یہی رفیق کا گھر ہو راستے میں جس طرح دو چار جاہلوں نے اسے پتا بتانے پر پریشان کیا تھا اس کے بعد اب وہ مزید کسی سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا تھا۔

"دروازہ کھلا ہے ازل بیٹی۔" اندر سے کسی بوڑھے مرد کی نحیف سی آواز ابھری تو پارس جیسے سوچ میں پڑ گیا کہ کیا جواب دے لیکن پھر بغیر کچھ بولے ہی دروازہ آہستہ سے دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

نہایت چھوٹے سے ورانڈے میں ایک طرف چھوٹا سا باورچی خانہ بنا تھا سامنے ایک کمرہ تھا اور ایک طرف بند دروازے کے پاس لگا واش بیسن اس دروازے کو غسل خانہ ظاہر کر رہا تھا اور انڈے کے عین درمیان میں ایک پلنگ رکھا تھا جس کے پاس بید کا موڑھا رکھا تھا اس کے علاوہ ورانڈے میں کوئی فرنیچر نہیں تھا پلنگ پر ایک بوڑھا شخص آنکھوں پر بازو رکھے دراز تھا۔

"آج بہت دیر ہو گئی ازل۔" اس شخص نے لیٹے

لیٹے پوچھا تو پارس گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

"بابا کیا رفیق صاحب یہیں رہتے ہیں۔" پارس کے پوچھنے پر وہ شخص چونکتا ہوا بستر پر اٹھ بیٹھا۔

"کون؟..... ارے تم وہی ہو نا جس کا عظمیٰ مارکیٹ کے سامنے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" وہ آنکھوں پر چھجا سا بناتے ہوئے بولا تو پارس حیرانی سے اس کمزور وجود کو دیکھنے لگا وہ تو سمجھ رہا تھا اس شخص کے بیٹے نے اسے ہسپتال پہنچایا ہو گا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری اس وقت تو تم خون میں نہا گئے تھے لیکن تم یہاں کیسے آئے؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ تو پارس نے پلنگ کے پاس رکھے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے مختصراً" اپنے یہاں آنے کا احوال سنا دیا اور کہنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا میں آپ کا شکریہ کبھی ادا کر پاؤں گا بھی یا نہیں ابھی تو آپ کو دیکھ کر مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ مجھے ہسپتال لے کر گئے تھے۔" اس کی بات پر رفیق بابا دھیرے سے ہنس دیا عجیب کھانستی ہوئی نقاہت بھری ہنسی تھی۔

"ارے ڈیڑھ مہینے پہلے میں اتنا بیمار نہیں تھا یہ تو اچانک ہی دل کا دورہ پڑا تو حالت بگڑتی چلی گئی مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں اٹھا کر ٹیکسی تک لے جانا میرے بس کی بات نہیں تھی حالانکہ وہاں اتنے جوان لڑکے کھڑے تھے مگر میرے ہزار بار کہنے پر بھی کوئی آگے نہیں بڑھا ویسے بھی عید کا دن تھا سارا بازار بند تھا ورنہ میں بازار میں دو کانوں پر چائے دینے کا کام کرتا ہوں اگر بازار کھلا ہوتا تو میرے لوگ ضرور آگے آتے میں تو محض ریسٹورنٹ کے مالک سے اپنی تنخواہ لینے گیا تھا ریسٹورنٹ کے پاس ہی اس کا گھر تھا اس مالک نے چائے کے چند گلاس ٹوٹنے پر میری پوری تنخواہ روک لی اب عید کے دن اچانک پیسوں کی ضرورت پڑی تو میں اس کے گھر چلا گیا اللہ کا کرم تھا کہ مالک کی بیوی نے پیسے دے دیے ورنہ میں تمہیں ٹیکسی میں بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔" وہ بوڑھا بیمار شخص شاید سارا دن گھر میں اکیلا پڑا رہتا تھا تبھی پارس کے آتے ہی ایسے بولنے لگا تھا جیسے کسی سے بات کرنے کے لیے ترس رہا ہو جبکہ پارس اس کی بات سن کر بولنا ہی بھول گیا تھا۔

اس غریب آدمی کی تنخواہ ہی کتنی ہو گی جبکہ ٹیکسیوں کے کرائے تو آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور عید کے دن تو معمول سے بھی زیادہ تقاضے کیے جاتے ہیں اس کی تو ساری تنخواہ لٹ گئی ہو گی مگر وہ شخص اس بات کی پروا کیے بغیر اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"اللہ اللہ کر کے ایک ٹیکسی ڈرائیور تیار ہوا تمہیں اٹھانے کے لیے تو ہسپتال پہنچ کر ہسپتال والوں نے ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا ٹیکسی ڈرائیور تو فوراً" بھاگ گیا اور ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔

یہ آدمی کہاں رہتا ہے؟

کس گاڑی نے ٹکر ماری تھی؟

نمبر دیکھا یا نہیں؟

حادثہ تھا یا کوئی سازش؟

میں نے کہا اللہ کا خوف کرو بھائی، پہلے اس کی پٹی تو کر دو مجھے نہیں پتا یہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ تمہارے پاس کوئی پرس یا والٹ بھی نہیں تھا جو تمہاری شناخت ہو جاتی" رفیق بابا بستر پر لیٹ کر ہانپنے لگا اتنا بول کر اس کا سانس اکھڑ گیا تھا پارس نے ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا اور باورچی خانے میں رکھے مٹکے سے پانی نکال کر لے آیا۔

"میرا والٹ حادثے کے بعد کسی نے چوری کر لیا تھا اس میں میرا آئی ڈی کارڈ اور لائسنس بھی تھا۔"

"ہاں لوگوں میں تو انسانیت ہی نہیں ہے ڈاکٹر نے تمہاری حالت دیکھ کر کہا تھا کہ اگر خون اور بہہ جاتا تو تمہاری موت بھی ہو سکتی تھی حالانکہ تمہیں چوٹیں اتنی نہیں آئی تھیں اگر کوئی فوراً" ہسپتال لے جاتا تو تمہارا اتنا خون ضائع نہ ہوتا میں بعد میں بھی تمہیں دیکھنے گیا تھا مگر پتا چلا تمہارے والدین تمہیں کسی بڑے ہسپتال لے گئے ہیں۔" رفیق بابا نے پانی پی کر کہا۔

"میں خود بھی کب سے آپ سے ملنا چاہ رہا تھا آپ

نے جو کیا اس کے لیے شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے آج میں صحیح سلامت کھڑا ہوں تو صرف آپ کی وجہ سے ورنہ ایکسیڈنٹ کے وقت مجھے یہی لگا تھا کہ میرا آخری وقت آگیا ہے اتنے لوگوں کی بھیڑ میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو مجھے بچانے کی کوشش کرتا وہ سب ایسے ہی کھڑے مجھے مرتا دیکھتے رہے۔

پہلی بار میں نے خود کو اتنا بے بس اور محتاج محسوس کیا تھا کہ میرے سامنے ایک شخص میری کلائی سے گھڑی اتار کر لے گیا اور میں زبان سے ایک لفظ نہ کہہ سکا" پارس خود کلامی کے انداز میں کہتا چلا گیا تو رفیق بابا بھی گہرا سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

"انسان تو بہت کمزور اور بے بس ہے اس کے اختیار میں ہے ہی کیا تمہیں پہلی بار ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اس لیے تمہیں اندازہ نہیں تھا ورنہ ہم جیسے تو روز ہر مقام پر خود کو لاچار محسوس کرتے ہیں اختیارات تو سارے بس اللہ کے پاس ہیں بس وہ بندے کو آزمائش میں نہ ڈالے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو آزمائش میں پورے اترتے ہیں اب دیکھو نا تمہاری زندگی تھی تمہیں زندہ رہنا تھا اگر کوئی اور آگے بڑھا ہوتا تو یہ اجر اس کے حصے میں آتا لیکن اللہ سبحان تعالیٰ کو یہ سعادت میرے نصیب میں لکھنی تھی جو میں چھٹی کے دن بھی بازار چلا گیا تمہیں میرا شکریہ ادا کرنے کی فکر نہیں ہونی چاہیے شکریہ ادا کرنا ہے تو اس پاک ذات کا کرو جس نے مجھے وسیلہ بنا دیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بابا مگر اس دن میں نے لوگوں کی بے حسی جو دیکھی ہے وہ میں بتا نہیں سکتا مجھ پر کیا بیتی ہے میں آپ کے کسی کام آنا چاہتا ہوں آپ کا احسان تو نہیں اتار سکتا لیکن آپ کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہو گی۔" پارس نے ممنونیت سے بھرپور لہجے میں کہا تو بابا مسکرا دیے۔

"میرے لیے دعا کرو بس یہی میری خدمت ہو گی۔"

بابا نے کہتے ہی ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں شاید انہیں تشکر سے لبریز جملے سننے کا شوق نہیں تھا پارس اپنے ساتھ اچھی خاصی رقم لے کر آیا تھا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ رقم انہیں کیسے دے اگر وہ اتنے غریب نہ ہوتے تو شاید پارس کو اتنی دقت نہ ہوتی اب تو اپنا یہ فعل اسے انہیں سراسر شرمندہ کرتا لگ رہا تھا۔

آخر جب انہوں نے کہا کہ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ آج کل کام پر نہیں جا رہے تب پارس نے نوٹوں کا لفافہ ان کے سرہانے رکھ دیا وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور اسے باقاعدہ ڈانٹنے لگے۔

"بابا آپ کا حق بنتا ہے لیکن چلیں آپ اسے قرض سمجھ کر رکھ لیں حالانکہ آپ مجھے ٹیکسی میں لے کر گئے تھے آپ کا اتنا کرایہ خرچ ہوا تھا اور آپ نے....."

"اگر تم واقعی میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو ان نوٹوں کو اٹھا لو۔" رفیق بابا نے سختی سے کہا تو پارس نے خاموشی سے لفافہ اٹھا کر جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا فوراً" ہی شفیق بابا کے تاثرات میں نرمی آگئی وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"دل چھوٹا نہیں کرو تم میرا گھر ڈھونڈتے آئے یہی بہت ہے ورنہ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو ہرگز اتنی زحمت نہ کرتا تم سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی اگر میرے لیے کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو کبھی کبھی مجھ سے ملنے آجایا کرنا۔" اس سے پہلے کہ پارس کچھ کہتا گھر کا دروازہ کھولتی ایک لڑکی تیزی سے اندر داخل ہوئی وہ پارس کی موجودگی سے بے خبر سر پر اوڑھی چادر سے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے اپنی ہی رو میں کہنے لگی۔

"بابا آج پھر بسوں نے ہڑتال کر دی دو گھنٹے پیدل چل کر آئی ہوں صبح تو سکینہ کے ساتھ چلی گئی تھی اگر صبح سکینہ کے ساتھ نہ گئی ہوتی تو میں آج جاتی ہی نہیں چلتے چلتے میری چپل بھی ٹوٹ....." وہ ایسے ہی بولتی رہتی مگر ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں تھی اور بیٹھنے کے لیے جب اس نے ورانڈے میں پڑے واحد موڑھے کو دیکھا تو اس کی زبان یک دم رک گئی ہاتھ سے چادر آگے کرتی وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم فیکٹری سے پیدل گھر آرہی ہو۔" رفیق بابا بستر

پر آدھا اٹھ بیٹھا تھا اس کی نظریں بیٹی کی چپلوں میں الجھ گئی تھیں۔

دوپٹی کی معمولی سی چپل کو اس نے انگوٹھے اور انگلی کو ملا کر زبردستی پکڑ رکھا تھا ورنہ دونوں پٹیاں تلے میں سے نکل کر باہر آگئی تھیں تلے میں چھید کافی بڑھا ہوا لگ رہا تھا جس سے ظاہر تھا کہ راستے میں اس نے کئی بار چپل اتار کر پٹیوں کو تلے میں وقتی طور پر پھنسانے کی کوشش کی ہوگی۔

"بابا میں اندر جا رہی ہوں۔" وہ مزید کوئی بات کیے بغیر چپل گھسیٹتی کمرے میں چلی گئی تو پارس بھی اجازت لیتا کھڑا ہو گیا۔

"ارے چائے تو پی کر جاؤ۔"

"نہیں بابا بہت دیر ہو گئی ہے مجھے آگے بھی جانا ہے۔" پارس نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر اگلی بار چائے پیے بغیر نہیں جاؤ گے۔"

انہوں نے بڑے مان سے کہا تو پارس صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا گھر اندر سے بھلے ہی بہت صاف تھا مگر یہاں جانے کون سا پانی اور کون سی پتی استعمال کی جاتی ہوگی جبکہ وہ منرل واٹر کے علاوہ اور کوئی پانی نہیں پیتا تھا مگر وہ کچھ بھی ظاہر کیے بغیر الوداعی کلمات کہتا گھر سے نکل گیا تو انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"تم سے مل کر بہت اچھا لگا دوبارہ ضرور چکر لگانا۔"

☼ ☼ ☼

بہت سارے دن بہت تیزی سے گزر گئے پارس سمسٹر میں اتنا مصروف ہوا کہ دوبارہ رفیق بابا کے گھر جا ہی نہیں سکا حالانکہ وہ ان سے ملنا چاہتا تھا وہ بہت بیمار تھے وہ ان کی عیادت کے لیے جانا چاہتا تھا مگر وقت جیسے پر لگا کر اڑ رہا تھا سمسٹر سے فارغ ہو کر وہ پورے ڈیڑھ ماہ بعد دوبارہ ان کے گھر گیا تھا۔

دستک کے جواب میں ایک نہایت موٹی عورت نے دروازہ کھولا تھا اندر کا منظر پہلے سے یکسر مختلف تھا دو سال سے لے کر دس سال تک کے ___ بچے ورانڈے میں بھاگ رہے تھے اور ورانڈے کی حالت نہایت ابتر تھی۔

"یہ رفیق صاحب کا گھر ہے نا؟" پارس نے حیرانی سے پوچھا جواب اس کی توقع کے مطابق نفی میں تھا مگر آگے کا جملہ اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔

"نہیں اب اس گھر میں میرا بیٹا، بہو اور بچے رہتے ہیں رفیق بھائی تو مر گئے۔"

"کیا؟ کب؟" پارس کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔

"ایک ماہ ہو گیا ہے۔" وہ کہہ کر دروازہ بند کرنے لگی تو پارس جلدی سے پوچھنے لگا۔

"ان کی ایک بیٹی بھی تو تھی نا وہ اس گھر میں نہیں رہتی تھی۔" اب کی بار وہ عورت بڑے مشکوک انداز میں سر سے پیر تک پارس کو دیکھنے لگی اس تنگ سے علاقے کی تنگ گلیوں میں رہنے والی وہ تنگ نظر عورت اس وقت کیا سوچ رہی ہوگی اس بات کا اندازہ ہونے کے باوجود پارس نے رتی برابر پروا نہیں کی کیونکہ رفیق بابا سے ادھر ادھر کی باتوں کے دوران اسے پتا چل گیا تھا کہ ان کی بیوی دس سال پہلے انتقال کر گئی تھی اور اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی اس لیے وہ بیماری کی حالت میں بھی کام کرنا چاہتے تھے۔

جب اس لڑکی کا کوئی بھائی وغیرہ بھی نہیں تھا تو وہ اکیلی کہاں رہ رہی ہوگی۔

بہت دیر تک تیوریاں چڑھائے پارس کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ کرایہ نہیں دے سکتی تھی اس لیے گھر چھوڑ دیا وہ کہاں ہے ہمیں نہیں پتا مگر تم کون ہو اس کے کوئی رشتہ دار وغیرہ تو ہیں نہیں۔" پارس اس کے جواب پر حقیقتاً" پریشان ہو گیا تھا" وہ اکیلی لڑکی کہاں گئی ہوگی جب ان کا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے جس لڑکی کے پاس راستے میں ٹوٹی چپل جڑوانے کے پیسے نہیں تھے وہ باپ کے کفن دفن اور گھر کے کرائے کا بندوبست کیسے کر سکی ہوگی۔"

"بتاؤ تو سہی کون ہو تم؟" اس عورت نے آنکھیں نچاتے ہوئے پوچھا پارس کا بے اختیار دل چاہا اس کے منہ پر ایک طمانچہ دے مارے وہ اتنا پریشان ہو گیا تھا اور اس عورت کو انکھیلیاں سوجھ رہی تھیں بڑی مشکل سے اس نے خود پر ضبط کرتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"عظمیٰ مارکیٹ میں میری دوکان ہے رفیق بابا ہمیں چائے دیا کرتے تھے ان کے کچھ پیسے مجھے لوٹانے ہیں وہ بہت دنوں سے آئے نہیں تو مجھے خود آنا پڑا، کیا آپ ان کی بیٹی کی فیکٹری کا نام بتا سکتی ہیں جہاں وہ کام کرتی تھی۔" پارس کے جواب پر وہ کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر جیسے اسے یقین آگیا اور اس نے یہاں سے کافی آگے بنی ایک فیکٹری کا نام بتا دیا پارس اس کا شکریہ ادا کرتا فوراً" آگے بڑھ گیا اور اسی وقت فیکٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔

رہ رہ کر اس کے سامنے رفیق بابا کا چہرہ گھوم رہا تھا اس کے وہاں سے نکلتے وقت ان کا آس سے بھرپور لہجے میں کہا وہ آخری جملہ اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔

"تم سے مل کر بہت اچھا لگا دوبارہ ضرور چکر لگانا۔"

ان کی اتنی نازک حالت دیکھ کر بھی اس نے کبھی سنجیدگی سے دوبارہ آنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک ملال سا اس کے اندر اترنے لگا اسے وہ وقت یاد آرہا تھا جب ایکسیڈنٹ کے بعد اس کا دل پہلے سے زیادہ نرم ہو گیا تھا اسی لیے اپنی وہ بے بسی یاد کر کے اسے رفیق بابا کا دکھ اور بھی محسوس ہو رہا تھا وہ بھی ایسی کسمپرسی کی حالت سے گزر رہے تھے وہ تو چند لمحوں کے لیے اتنا بے بس ہوا تھا جبکہ رفیق بابا جیسے لوگوں کی زندگی کا بیشتر حصہ محرومیوں میں ہی گزرتا ہے پھر بھی انہوں نے پارس سے پیسے لینے سے صاف انکار کر دیا حالانکہ انہیں پیسوں کی ضرورت بھی تھی مگر انہوں نے مانگا بھی تو کیا "بس کبھی کبھی ملنے آجایا کرنا" اور پارس نے وہ بھی نہیں کیا، صبح سے شام تک تنہا پڑے ایک بیمار شخص کی فرمائش میں کتنی التجائیں پوشیدہ ہوں گی بالکل ویسے ہی جیسے اس وقت سڑک کے کنارے پڑے پارس کو کسی مددگار کے آجانے کی شدید خواہش محسوس ہو رہی تھی۔

جتنا وہ سوچ رہا تھا اس کا پچھتاوا اتنا ہی بڑھ رہا تھا۔

اسی شرمندگی کے زیر احساس جب اس نے فیکٹری کے سامنے کار پارک کی تو وہ اس لڑکی کا نام نہ جاننے کے باوجود ذرا بھی نہیں ہچکچایا تھا۔

ریسپشن پر رفیق ہاشم کی بیٹی کے متعلق پوچھتے وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک ہی دن میں ایک کے بعد اسے دوسری بری خبر بھی سننی پڑے گی۔

ریسپشن پر موجود لڑکے نے بھی اس عورت کی طرح ان دونوں کے مابین رشتے کی بابت پوچھا تھا پارس نے جب وہی کہانی اس کے سامنے بھی دوہرا دی تب وہ کہنے لگا۔

"اسے آج ہی پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔"

"کیا۔" پارس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

"لیکن کیوں؟"

"اس نے فیکٹری کے مالک کے ساتھ بدتمیزی کی اور فیکٹری میں سے روپے چوری کرنے کی کوشش بھی کی۔" پارس ششدر سا کھڑا کا کھڑا رہ گیا وہ رفیق بابا کی بیٹی کو ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا اسے نہیں پتا تھا وہ کس ذہنیت کی ہے اور یہ کہ اس الزام میں کتنی سچائی ہے مگر سب سے بھیانک سچائی ایک لڑکی کا حوالات میں بند ہونا تھا اگر حالات سے مجبور ہو کر یا عادتاً" اس نے یہ سب کیا بھی تھا تب بھی اخلاقی طور پر پارس کو اسے باہر نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

پارس نے ریسپشن پر موجود لڑکے سے تھانے وغیرہ کی معلومات حاصل کرنے کے ساتھ جب فیکٹری کے مالک سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ایک درمیانی عمر کا شخص جو کچھ ہی فاصلے پر کھڑا تھا اس کے نزدیک چلا آیا۔

"آپ مالک سے ازل رفیق کے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی میں فیکٹری کے مالک سے اصل صورت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" پارس بولا۔

"میں یہاں کا منیجر ہوں اس لڑکی پر جو الزام لگا ہے وہ

سراسر جھوٹا ہے۔" وہ شخص کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آواز دبا کر بولا تو پارس ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"فیکٹری کا مالک اچھا آدمی نہیں ہے اس کی نیت ٹھیک نہیں تھی اس نے ازل کو فیکٹری کے ہاسٹل میں رہنے کی جگہ اسی ارادے سے دی تھی مگر ازل نے اس کے مطالبات رد کر دیے پہلے اس نے ڈرایا دھمکایا جب ازل نے جاب چھوڑ کر جانے کے متعلق بتایا تو اس نے غصے سے تلملا کر اسے جھوٹے کیس میں پھنسا دیا۔

اصل میں اس بے وقوف کو چپ چاپ جاب چھوڑ دینی چاہیے تھی مگر اس نے تنخواہ حاصل کرنے کے لیے نوٹس دے کر پراپر طریقے سے ریزائن کیا تھا اور یہی اس کی غلطی تھی اصل میں اسے رہنے کی جگہ بھی نہیں مل رہی تھی اکیلی لڑکی ایسے منہ اٹھا کر کہیں جا بھی تو نہیں سکتی۔"

"آپ بے فکر رہیں میں سب سنبھال لوں گا۔" پارس خود شاک میں گھرا تھا پھر بھی اس نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جو کرنا ہے جلدی کرنا وہ بڑی سیدھی لڑکی ہے دو گھنٹے ہو گئے ہیں اسے تھانے گئے ہوئے۔" منیجر کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے پارس مالک سے ملنے کا ارادہ ملتوی کرتا سیدھا پولیس اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

دسمبر کے اوائل دنوں میں تو شام ہوتے ہی سناٹوں کے باعث ہر طرف ویرانی ٹپکنے لگتی ہے اور اس وقت تو رات کے آٹھ بج رہے تھے اس لیے تھانے میں یہاں سے وہاں معلومات حاصل کرتے وقت ٹیوب لائٹ کی روشنی میں بھی اسے ہر سو تاریکی پھیلی محسوس ہو رہی تھی۔

کوئی اسے ازل رفیق کے متعلق بتانے کے لیے تیار ہی نہیں تھا اصل میں وہ کسی جلسے میں ہوئے ہنگامے کے کیس میں الجھے تھے ایسا لگ رہا تھا انہوں نے ازل رفیق کے کیس کے سلسلے میں ابھی کوئی کارروائی کی ہی نہیں تھی۔

ایک بار تو پارس کا دل چاہا ڈیڈی کو فون کر کے بلا لے مگر ان کا مزاج بہت مختلف تھا وہ فیصلے کرنے کے معاملے میں کافی جلد باز تھے وہ ایک انجان لڑکی کی مدد کرنے کی بجائے اس کی ذات سے ہی بدگمان ہو جاتے اور اگر ایسا ہوتا تو وہ خود تو کچھ نہیں کرتے اوپر سے پارس کو بھی ہاتھ پاؤں مارنے نہ دیتے جبکہ پارس اس کی مدد صرف اور صرف رفیق بابا کی وجہ سے کرنا چاہتا تھا حالانکہ اسے منیجر کی بات بالکل صحیح لگ رہی تھی ایک اکیلی لڑکی کے ساتھ ایسی صورت حال کا ہونا کوئی حیران کن بات نہیں تھی لیکن اگر منیجر نے یہ سب نہ بھی کہا ہوتا تب بھی پارس اسے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔

اس لیے آخر جب بڑی کوششوں کے بعد ایک انسپکٹر نے اس سے سیدھے منہ بات کرنا گوارہ کیا تو پارس نے بغیر لگی لپٹی رکھے اس لڑکی کو یہاں سے نکالنے کا معاوضہ پوچھ لیا انسپکٹر بھی موٹی آسامی کو فوراً تاڑ گیا اس لیے قانون کی باریکیاں سامنے رکھ کر کیس کو مشکل ترین ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر پارس کی جانب سے تمام تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے بعد اس نے واقعی ایک گمبھیر نکتہ اٹھا لیا۔

"اس فیکٹری کا مالک کوئی معمولی آدمی نہیں ہے وہ اگر بعد میں پوچھنے آ گیا تو میری وردی اتر جائے گی مجھے ایسا پکا کام کرنا ہو گا کہ بعد میں، میں بھی صفائی دے سکوں۔"

"ٹھیک ہے آپ پکا کام کرنے کا طریقہ کار بتا دیں میں ہر طرح کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔" پارس فوراً بولا۔

"ابھی اس لڑکی کے خلاف ایف آئی آر نہیں کٹی ہے تم اس لڑکی سے اپنا کوئی مضبوط رشتہ ثابت کر کے اسے یہاں سے لے جاؤ بعد میں اگر کوئی مسئلہ کھڑا ہوا تو ہم فیکٹری کے مالک کو عدالت میں ثبوت دے سکیں گے کہ اس کا رشتے دار اسے لے گیا ورنہ ہم پر بھی الزام آ سکتا ہے کہ ہم نے اسے غائب کر دیا۔" اس کی بات میں وزن تھا پارس سوچ میں پڑ گیا۔

"میرا تو اس لڑکی سے کوئی رشتہ ہی نہیں ہے مضبوط رشتہ کہاں سے ثابت کروں۔" وہ اتنی دیر سے ان پولیس والوں کی جہالت اور بدتمیزیاں جھیل رہا تھا اس کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔

انسپکٹر کچھ دیر اس کی شکل دیکھتا رہا پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"ہم قاضی بلا لیتے ہیں نکاح پڑھوا کر اسے لے جاؤ۔"

پارس کو لگا اس کے قریب کوئی زوردار دھماکا ہوا ہو وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے انسپکٹر کو دیکھے گیا جبکہ وہ اطمینان سے کہنے لگا۔

"نکاح نامے کی کاپی ہمارے پاس ہو گی تو ہم بھی فیکٹری کے مالک کی زبان بند کر سکتے ہیں اور تمہیں اور خاص طور پر اس لڑکی کو بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔" وہ تھوڑی دیر پارس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر صبح کورٹ کھلنے پر ہی آؤ اس لڑکی کو میں یہاں سے نکلوا دوں گا اس کی تم فکر مت کرو لیکن ابھی آج کے آج ہی اسے چھوڑ کر میں اپنی ملازمت خطرے میں نہیں ڈال سکتا کل ضمانت کے کاغذات لے آؤ ہم فوراً" اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔" پارس کے دماغ میں ایسی گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی جیسے کوئی ٹرین بالکل اس کے کان کے پاس سے گزر رہی ہو۔

وہ رات بھر کے لیے اس لڑکی کو ان پولیس والوں کے پاس چھوڑ کر جانے کے لیے کسی طور راضی نہیں تھا دوسرے اگر ایک بار وہ عدالت چلا جاتا تو ضمانت کے کاغذات بننے میں کئی دن لگ جاتے پھر عدالت بھی ضمانت منظور کرنے سے پہلے ان دونوں کے مابین کسی مضبوط رشتے کا سوال ضرور اٹھاتی اگر ڈیڈی اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے ضمانت حاصل کر بھی لیتے تب بھی اس کا نام ایف آئی آر میں درج ہو جاتا پھر کیس لڑنے کے لیے اسے عدالتوں کے جانے کتنے چکر کاٹنے پڑتے اور پھر سو باتوں کی ایک بات وہ اسے یہاں چھوڑ کر جانے کے لیے تیار ہی نہیں تھا بلکہ اب تو اسے اپنے ڈیڈی کو فون کرنا بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا اگر وہ یہاں آ جاتے تو وہ قانونی طریقے سے ہی اس کیس کو حل کرنا چاہتے اور ضروری نہیں تھا کہ اس کوشش میں وہ کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ان کے آنے کے بعد پارس بھی اس کی مدد کرنے سے قاصر ہو جاتا اور اس متبادل حل کے لیے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوتے۔

"آپ ابھی قاضی کو بلا دیں میں اسے نکاح کر کے فوراً" لے جانا چاہتا ہوں۔" اسے خود اپنی آواز اجنبی لگی تھی مگر اس ایک جملے کے ادا ہوتے ہی چاروں طرف بلند شور ایک دم تھم گیا بلکہ اتنی خاموشی چھا گئی جیسے اس کے اردگرد کا منظر بغیر والیم کے چلتی کوئی فلم ہو سب کچھ سلو موشن میں ہو رہا تھا۔

ازل رفیق کو بلا آخر بلا کر کونے میں رکھی ایک بینچ پر بٹھا دیا گیا وہ آج بھی اس دن کی طرح چادر میں لپٹی ہوئی تھی اس کا ہولے ہولے ہلتا وجود اس کے بری طرح خوفزدہ اور ہراساں ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

پتا نہیں اس نے پارس کو پہنچانا تھا بھی یا نہیں البتہ قاضی کے آنے پر اس نے کوئی سوال جواب کیے بغیر نکاح نامے پر دستخط کر دیے اس کی غیر ہوتی حالت کو دیکھ کر پارس کو لگ رہا تھا کہ اسے معلوم ہی نہیں ہو گا اس نے کن کاغذات پر دستخط کر دیے ہیں وہ تو بس انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹے کے طویل اعصاب شکن مرحلے کے بعد جب وہ دونوں تھانے سے نکلے تو اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش تھے۔

پارس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا سب سے پہلا سوالیہ نشان اس کے سامنے ازل کی رہائش کو لے کر تھا وہ اسے اس وقت گھر لے جا کر کسی تنازعے کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اسے گاڑی میں بٹھا کر پارس نے ریاض کا نمبر ملایا اور گاڑی سے قدرے دور ہٹ کر مختصراً" اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

کچھ لمحوں کے لیے تو ریاض بھی ششدر رہ گیا مگر وہ واقعی ایک مخلص دوست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک

سمجھدار انسان بھی تھا اس نے غیر ضروری باتوں کو چھیڑنے کی بجائے وقتی طور پر ازل کو اس کے ایک جاننے والوں کے ہوٹل میں ٹھہرانے کا مشورہ دیا تھا جس پر پارس صرف اس لیے راضی ہو گیا کہ فی الحال یہی ایک قابل عمل حل تھا ریاض اگر کہہ رہا تھا تو وہ واقعی قابل اعتبار ہوٹل ہو گا پھر ریاض نے خود فون کر کے اس کی رہائش کا انتظام کر دینے کا یقین دلا کر فون بند کیا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود رات کے ساڑھے دس بجے اس لڑکی کو اس طرح تنہا ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر جاتے ہوئے وہ بالکل مطمئن نہیں تھا اس پر وہ لڑکی خاموشی کی ایسی مورت بنی ہوئی تھی کہ پارس کو خود بھی اسے مخاطب کرنا یا کسی قسم کی تسلی دینا مشکل لگ رہا تھا پھر بھی اسے کمرے میں چھوڑ کر جاتے وقت پارس کو کہنا ہی پڑا۔

"آپ یہاں بے فکر ہو کر رہیں ابھی تھوڑی دیر میں آپ کے کمرے میں کھانا آ جائے گا اور باقی جس چیز کی بھی آپ کو ضرورت ہو گی اس کا انتظام صبح ہو جائے گا آپ آرام سے ساری سوچیں جھٹک کر سو جائیں۔"

جن حالات سے وہ گزر رہی تھی اس میں پارس کو خود بھی اپنے الفاظ بالکل کھوکھلے لگ رہے تھے وہ اب بالکل بھی نہیں رو رہی تھی شاید اس کے آنسو صدمے کے زیر اثر خشک ہو گئے تھے پارس کی بات سن کر بھی اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی وہ ویسے ہی بت بنی کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی رہی تو پارس کے لیے وہاں رکنا اور بھی دشوار ہو گیا لہٰذا وہ فوراً" کمرے سے نکل گیا۔

سارے راستے اس کا ذہن بری طرح منتشر رہا گھر آ کر اپنی اتنی طویل غیر حاضری کا وہ ممی کو کوئی تسلی بخش جواب بھی نہیں دے سکا اپنے کمرے میں بیٹھ کر وہ آئندہ کے حالات پر غور کرنے لگا۔

جیسے جیسے وہ اس شاک سے باہر نکل رہا تھا ویسے ویسے اس کے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے فعل پر اسے کوئی شرمندگی یا پچھتاوا نہیں تھا رفیق ہاشم کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے پارس نے جو کچھ بھی اس کے لیے کیا وہ اس کی پوری طرح مستحق تھی لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس نے اپنے ماحول اور اپنی حیثیت سے اتنے نچلے طبقے کی لڑکی سے شادی کرنے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اس لیے وقتی طور پر نکاح کا لفظ سن کر اس کا ذہن سن ہو گیا تھا مگر جیسے ہی اسے اپنے اقدام میں گنجائش کا احساس ہوا اس کی الجھن میں کمی آنے لگی۔

اس نے حالات سے مجبور ہو کر محض نکاح کیا تھا ضروری نہیں تھا کہ اس رشتے کو ساری عمر کے لیے اپنے اوپر مسلط کر لیا جائے وہ اس کے محسن کی بیٹی تھی اور وہ کوئی احسان فراموش نہیں تھا جو اپنے محسن کی بیٹی کو رلنے کے لیے چھوڑ دیتا وہ اس کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے جی جان سے تیار تھا مگر اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ اسے اپنی بیوی بنا کر اپنی زندگی میں شامل کرتا وہ اس کے لیے کوئی اچھا لڑکا تلاش کر کے اس کی شادی کر کے بھی اس فرض کو ادا کر سکتا تھا مگر وہ اس معاملے میں کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا آخر یہ ایک لڑکی کی زندگی کا سوال تھا اس میں وقت چاہے جتنا بھی لگے کام پوری خوش اسلوبی سے ہونا چاہیے تھا مگر تب تک اس لڑکی کو ایک محفوظ چھت مہیا کرنا بہت ضروری تھا۔

وہ اس کے لیے کوئی فلیٹ وغیرہ خرید کر اسے وہاں بھی رکھ سکتا تھا مگر اس کے ڈیڈی کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اگر کسی کو بھنک بھی پڑ جاتی تو سارے شہر میں ڈھنڈورا پٹ جاتا ویسے بھی یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں تھی وہ ایک بالکل تنہا لڑکی کو کسی بھی گھر یا فلیٹ میں ایسے ہی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے ریاض کے بتائے ہوٹل میں ٹھہرا کر جب وہ اتنا بے سکون تھا تو بھلا کوئی اور جگہ اس کے لیے تسلی بخش کیسے ہو سکتی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا وہ اپنے والدین کو اس ساری صورت حال

سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا جب وہ اسے چھوڑنے کا ارادہ کر ہی چکا تھا تو پھر کیا ضرورت تھی انہیں ساری تفصیل بتا کر مضطرب کرنے کی اور ابھی جو خیال اسے آیا تھا اس سوچ کے بعد وہ انہیں کچھ بتانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا ورنہ وہ خوامخواہ کے شک و شبہات میں مبتلا رہتے۔ وہ جیسے سارے فیصلے کر کے ایک دم مطمئن ہو گیا اور ایک بار پھر ریاض کا نمبر ملانے لگا۔

اگلے دن ناشتے سے فارغ ہو کر بظاہر وہ کالج جانے کے لیے نکلا تھا جبکہ اس کا رخ ہوٹل کی طرف تھا۔

ریاض سے سارے معاملات طے کر کے وہ بہت پر سکون ہو گیا تھا اسی لیے اب وہ اس لڑکی سے تفصیلی بات کرنا چاہتا تھا۔

ہوٹل پہنچتے ہی اسے اطلاع ملی کہ اس کا آرڈر کیا کھانا بیرا کل رات ایسے ہی واپس لے آیا کیونکہ اس لڑکی نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔

پارس نے جب اوپر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تب بھی اس نے کئی بار دستک دینے کے بعد دروازہ کھولا تھا۔

"بہت دیر لگا دی دروازہ کھولنے میں کیا سوچ رہی تھیں۔" اس کا چہرہ دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ رات بھر سوئی نہ ہو مگر اس کی خاموشی توڑنے کے لیے پارس کو کچھ تو کہنا ہی تھا وہ کچھ دیر اس کے سوال پر سر جھکائے خاموشی سے کھڑی رہی پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"آپ کا نام سن کر میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اور انجان لوگوں کے لیے میں دروازہ نہیں کھولتی۔" اس کا جواب سن کر پارس کچھ چپ سا ہو گیا کل رات اسے بہت دیر ہو گئی تھی اس لیے کھانا آنے تک اس کے پاس رک نہیں سکا اور وہ نہ جانے کب سے بھوکی ہونے کے باوجود بیرے کا لایا کھانا نہیں کھا سکی اس نے رات کو بھی اس لیے دروازہ نہیں کھولا ہو گا اپنی جلد بازی پر اسے افسوس تو ہوا مگر فوراً "بات بدلتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا آپ میرے بارے میں کچھ جانتی ہیں میرا مطلب ہے کہ کیا بابا نے میرے متعلق کچھ بتایا تھا۔" پارس کو احساس تھا وہ اچانک در آنے والی اس صورت حال سے کتنی پریشان ہو گی اس لیے وہ جلد سے جلد اس پر یہ ظاہر کر دینا چاہتا تھا کہ وہ ہر طرح سے اعتبار کے قابل ہے ورنہ اپنے فیکٹری کے مالک کے رویے کو دیکھنے کے بعد یقیناً "وہ اس کی جانب سے بھی شک و شبہات کا شکار ہو گی اور وہ اس کے سارے وہم دور کر دینا چاہتا تھا اس نے پارس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا شاید وہ جانتی تھی تبھی اس نے نفی نہیں کی تھی لیکن ظاہری بات تھی وہ حوالہ ایسا کوئی تفصیلی نہیں تھا کہ جس پر وہ اس سے متعارف ہونے کا دعوا کر سکتی لہٰذا پارس نے خود ہی کہنا شروع کر دیا۔

"آج سے تقریباً" ڈھائی تین ماہ پہلے آپ کے بابا نے میری جان بچائی تھی ان کا کہنا تھا کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے لیکن اگر تقدیر کے لکھے میں انسانی کوششوں کا کوئی عمل دخل ہے تو آج میں اللہ کے بعد صرف رفیق بابا کی وجہ سے یہاں زندہ اور صحیح سلامت کھڑا ہوں۔

میں ان سے ملنے صرف ایک بار آ سکا حالانکہ میں دوبارہ آنا چاہتا تھا انہوں نے جو میرے لیے کیا میں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر میں ان کا تہ دل سے مشکور ہوں اسی لیے میں کل ان سے دوبارہ ملنے ان کے گھر گیا تھا۔" پارس دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے کل کی ساری روداد سنانے لگا اور سب کہنے کے بعد اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ابھی تک دروازے کے پاس ویسے ہی کھڑی تھی بس اب اس کی نظریں زمین پر نہیں گڑی تھیں بلکہ وہ سر اٹھائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ڈیڑھ ماہ پہلے پارس نے اس کا چہرہ ٹھیک طرح سے نہیں دیکھا تھا جو ایک جھلک اس نے دیکھی تھی وہ اس کے ذہن سے کافی حد تک محو ہو گئی تھی اب اس کی جانب دیکھنے پر پارس کو احساس ہوا کہ وہ بہت کم عمر ہے ورنہ فیکٹری میں کام کرنے کی وجہ سے اس کے ذہن میں کسی ورکنگ ویمن کا خاکہ بن گیا تھا جبکہ وہ اٹھارہ انیس سال سے زیادہ کی نہیں لگ رہی تھی اور پھر اس کا چہرہ اس کے ماحول کی لڑکیوں سے کافی مختلف تھا اس

کے کپڑے بہت معمولی تھے اس لیے اس کی شخصیت ایک نظر میں بالکل واجبی سی لگی تھی ورنہ وہ اپنے ماحول کی چیخ چیخ کر ہاتھ نچاتے ہوئے لڑنے کے انداز میں باتیں کرتی لڑکیوں سے کافی الگ لگ رہی تھی کیونکہ اس کے چہرے پر ایک محسوس کی جانے والی کمی تھی اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں تیرتی سنجیدگی اسے بہت باوقار ظاہر کر رہی تھی اور پھر پارس نے ساری تفصیل بتانے کے بعد آخر میں اس کے والد کی تعریف کرتے ہوئے جب یہ کہا۔

"آپ اس فیکٹری کے مالک اور پولیس والوں سے بالکل خوفزدہ نہ ہوں میں آپ پر کوئی مشکل نہیں آنے دوں گا آپ کے والد بہت عظیم انسان تھے دنیا میں ان جیسے بہت کم لوگ ہوں گے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تمام انسانوں سے مایوس ہو جائیں۔"

پارس کا تسلی بھرا یہ انداز سن کر اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں وہ پلکیں جھپک کر آنکھوں میں آئی نمی کو پینے کی کوشش کرنے لگی پارس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا وہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ کیا کہنے آیا تھا اور اب نہ جانے کیوں اسے وہ سب کہنا مشکل بھی لگ رہا تھا تبھی اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر وہ مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگا۔

"وہاں پولیس والوں نے آپ کو آزاد کرنے کی یہی شرط رکھی تھی کہ میں نکاح کر کے ہی آپ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں مجھے اندازہ ہے آپ کے لیے بھی اچانک اتنا بڑا فیصلہ کرنا کٹھن رہا ہو گا میں نے بھی رات کو گھر پہنچ کر اپنے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا میرے گھر میں میرے ماں باپ اور میری دادی رہتی ہیں میں ابھی اچانک انہیں یہ سب نہیں بتا سکتا اور تب تک آپ کا اکیلے رہنا بھی کچھ مناسب نہیں اس لیے میں آپ کو اپنے گھر کسی اور حوالے سے لے جانا چاہتا ہوں۔" پارس کی زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا حالانکہ ریاض سے بات کر کے اسے سب کچھ بہت آسان لگ رہا تھا اس نے سوچا تھا وہ اس لڑکی کے پاس جا کر اس سے کہے گا کہ "میرے گھر والے اس شادی کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی میں انہیں یہ صدمہ پہنچانا چاہتا ہوں میری دادی کے لیے ہمیں ایک عورت کی ضرورت تھی جس کے لیے میں نے اپنے دوست سے بات بھی کی تھی اب میں تمہیں اپنے گھر یہی کہہ کر لے کر جاؤں گا کہ میرے دوست نے تمہیں دادی کے لیے رکھوایا ہے۔"

وہ جس علاقے اور ماحول کی لڑکی تھی اس کے لیے ایک بوڑھی عورت کی خدمت کرنا کیا مشکل ہو گا دادی کون سا بہت بیمار رہتی تھیں۔

مگر اب اس کے سامنے یہ سب کہتے ہوئے اس کا منہ نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ اپنے محسن کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد یہ کہے کہ میں تمہیں بیوی کی بجائے اپنے گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے لے جا رہا ہوں اس سے پہلے کہ اسے کوئی مناسب الفاظ ملتے وہ خود ہی دھیرے سے کہنے لگی۔

"اگر آپ کے لیے یہ سب گھر میں بتانا مشکل ہے تو آپ بتائیں ہی نہیں بلکہ مجھے اپنے گھر لے جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ بس مجھے کہیں ملازمت دلا دیں، رہنے کو تو میں دارالامان میں بھی رہ لوں گی بابا کے انتقال کے بعد سے میں گرلز ہاسٹل میں ہی رہ رہی تھی۔" اتنے برے حالات سے گزرنے کے باوجود وہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں بڑی رسانیت سے بول رہی تھی بلکہ بڑی حقیقت پسندی سے اس نے خود ہی اس رشتے کو بے جوڑ سمجھتے ہوئے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی نہ ہی اپنی ذمہ داری اٹھانے کے لیے اس کے سامنے اپنی بے بسی کا رونا رویا بلکہ اس کے برعکس اس نے بڑے اعتماد سے اپنا بوجھ خود اٹھانے کی یقین دہانی کرانی چاہی تھی۔

"اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی آپ پھر کسی گرلز ہاسٹل اور دارالامان جیسی جگہ پر جانا چاہتی ہیں۔" پارس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا مگر وہ جیسے انجان بنتے ہوئے کہنے لگی۔

"سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔" اپنی بات اسے خود بھی کھوکھلی لگی تھی تبھی اس کا اگلا جملہ بڑا ٹھوس

اور حقیقت پر مبنی تھا۔

"میری ماں کا بہت عرصہ پہلے انتقال ہو گیا تھا میرے ننھیال والے مجھ سے کبھی ملنے نہیں آئے اور بابا کے کوئی بہن بھائی نہیں تھے اگر خاندان میں دور پرے کا کوئی رشتے دار ہے بھی تو ان میں سے کوئی مجھے اپنے گھر رکھنے کے لیے تیار نہیں ہو گا اب ایسی صورت میں مجھے یہ نہیں دیکھنا کہ میں کہاں جانا چاہتی ہوں بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ میں کہاں جا سکتی ہوں۔"

وہ کچھ پل کے لیے لاجواب ہو گیا تھا وہ کافی سمجھ دار لڑکی تھی اس سے بات کرنا اتنا مشکل نہیں تھا پارس نے سب کچھ کہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بات شروع کی۔

"میں آپ کو کسی ایسی جگہ پر نہیں چھوڑ سکتا جہاں آپ کے غیر محفوظ ہونے کا ایک فیصد بھی امکان ہو آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں گی مگر آپ کے ماضی اور حال کے متعلق میرے گھر میں کسی کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے میری دادی بہت بیمار رہتی ہیں ہم لوگ ان کے لیے کوئی ایسی عورت رکھنا چاہتے تھے جو صرف نرس نہ ہو بلکہ ان کی تنہائی بھی شیئر کرے اب آپ وہ لڑکی بن کر جائیں گی اور ان کو اپنے بارے میں وہی بتائیں گی جو میں کہوں گا لیکن اس سے پہلے آپ کو میرے ساتھ بازار چلنا ہو گا آپ اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خرید لیں آپ کا پچھلا سامان جہاں کہیں بھی ہے وہ اگر ممکن ہوا تو بعد میں منگوا لیا جائے گا مگر آپ میرے گھر میں ایسے داخل ہوں گی جیسے بہت دور کے کسی گاؤں سے طویل سفر کر کے آئی ہیں۔" پارس حتمی انداز میں کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

وہ دن اس کی زندگی کا سب سے عجیب دن تھا اس نے ناشتا تو کمرے میں منگوا لیا جسے اس نے برائے نام ہی کھایا تھا مگر اسے بازار لے جانے کے لیے اس کے ساتھ باہر جاتے ہوئے پارس کو بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا وہ اسے جان بوجھ کر ایسی دوکانوں پر لے کر نہیں گیا جہاں اس کے کسی جاننے والے کے مل جانے کا امکان ہو ویسے بھی وہ اسے ایک گاؤں کی لڑکی کے طور پر ممی ڈیڈی کے سامنے لے جانے والا تھا اسی لیے اس کی خریداری بھی ایسی ہی ہونی چاہیے تھی کسی ٹاپ کلاس ماڈل جیسی نہیں۔ وہ ممی کو چونکنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا مگر اسے سلے سلائے معمولی سے کپڑے دلاتے ہوئے پارس کو شرمندگی بہت ہو رہی تھی لیکن ازل کے رویے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے پیسوں سے ایک چیز بھی خریدنے کے لیے آمادہ نہ ہو اور زبان سے انکار کی ہمت نہ ہو پارس نے اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دو گھنٹے کے اندر اندر اس کا بکس تیار کر دیا۔

ان کے لوٹنے تک ریاض بھی ہوٹل پہنچ گیا تھا بلکہ ریسپشن کے پاس کھڑا ان کا انتظار ہی کر رہا تھا پارس ازل کو کمرے میں جانے کا کہہ کر خود اس کے نزدیک چلا آیا تو وہ چھوٹتے ہی بولا۔

"یہ ہے رفیق بابا کی بیٹی؟"

"ہاں۔" پارس اس کے حیرت بھرے لہجے پر چونکا

"تم نے تو کہا تھا فیکٹری میں کام کرنے والی عورت ہے یہ تو بالکل لڑکی لگ رہی ہے۔"

"مجھے خود اندازہ نہیں تھا کیوں کوئی پرابلم؟"

"کئی پرابلمز" ریاض تلخ کر بولا۔

"کم عمر لڑکی کو تو کوئی بھی اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا اگر تمہاری دادی نے میری مما کو فون کر کے اس کا پورا بائیو ڈیٹا پوچھ لیا تو۔" ریاض کے پریشانی سے کہنے پر وہ خود بھی الجھ گیا۔

"تم نے تو کہا تھا گاؤں میں بہت ساری عورتیں ہیں جو تمہارے کھیتوں میں کام کرتی ہیں جن کا نام بھی تمہاری مما کو نہیں پتا ان ہی میں سے کسی کی رشتے دار بنا کر پیش کر دو کسی کو شک بھی نہیں ہو گا۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں یہ اگر کوئی تیس بتیس سال کی عورت ہوتی تو کسی کو شک بھی نہیں ہوتا اور تمہاری دادی کو تو وہ بھی نہ ہوتی لیکن اب اگر انہوں نے متجسس ہو کر میری مما کو فون کر لیا تو مما اس کا پورا شجرہ نسب معلوم کرنے کھڑی ہو جائیں گی اور اگر میں نے

زیادہ لاعلمی ظاہر کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے فوراً" گھر سے باہر کرنے کا مشورہ دے دیں گی تمہاری دادی کو بھی کون ذمہ داری لے گا ایک بالکل انجان لڑکی کی' وہ بھی ایسے حالات میں جہاں آئے دن اخبار میں نوکروں کے واردات کر کے فرار ہو جانے کی خبریں چھپتی رہتی ہوں۔" ریاض کہتا چلا گیا پارس بھی تھوڑا بہت پریشان ہو گیا تھا مگر اس نے یہ سوچ کر خود کو زبردستی اطمینان دلایا کہ دادی اتنی گہرائی میں نہیں جائیں گی بلکہ جاتے ہی وہ ازل کی ایسی دکھ بھری کہانی سنا دیں گے کہ دادی کا دل پسیج جائے اور وہ اسے فوراً" اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

☼ ☼ ☼

دوپہر کو پارس ایسے ہی گھر لوٹا جیسے کالج سے گھر آیا ہو اس کے آنے کے تین گھنٹے بعد اس کی ہدایت کے مطابق ریاض ازل کو ہوٹل سے پک کرتا اس کے گھر پہنچ گیا وہ دونوں ہی ازل کو اچھی طرح سمجھا چکے تھے کہ اسے کیا کہنا ہے لیکن پھر بھی جب وہ ریاض کے ساتھ آتی دکھائی دی تو اسے دیکھ کر پارس کو نئے سرے سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

آج ڈیڈی کی فلائیٹ تھی وہ کچھ دنوں کے لیے بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہے تھے اس لیے وہ سب ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لیے لان میں آ بیٹھے تھے ریاض کی گاڑی دیکھ کر چوکی دار نے گیٹ کھول دیا تھا مگر اس کے ساتھ کسی لڑکی کو پورچ میں اترتا دیکھ کر وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے ایک سوائے پارس کے جو اپنے والدین اور دادی کے تاثرات دیکھنے لگا تھا۔

ریاض نے قریب آ کر اس لڑکی کا تعارف کرایا تو ممی اور دادی خلاف توقع چپ رہیں البتہ ڈیڈی انگلش میں کہنے لگے تاکہ وہ لڑکی نہ سمجھ سکے۔

"بیٹے تمہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں ملا ہمارے گھر لانے کے لیے۔"

"کیوں انکل کیا ہوا؟" ریاض فوراً" نروس ہو گیا پارس بھی سانس روکے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تو بہت کم عمر لگ رہی ہے۔" ریاض نے ایک نظر پارس کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"میں نے کہا تھا نا۔" پھر ایسے بولنے لگا جیسے ڈیڈی کا مطلب نہ سمجھا ہو (یہ اور بات تھی کہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا)

"ارے انکل کم عمر ہونے کے باوجود یہ لوگ بہت ماہر اور تجربے کار ہوتے ہیں سب کچھ آسانی سے سنبھال سکتے ہیں۔"

"تم سمجھے نہیں' کسی لڑکی کو گھر میں رکھنا ایک ذمہ داری ہوتی ہے اور تم لائے بھی اتنی خوب صورت لڑکی کو ہو۔" ڈیڈی کچھ چڑ گئے تھے ریاض کی وضاحت پر' تب ہی بڑے صاف لفظوں میں انہیں سمجھانا پڑا تھا پارس کی نظریں بے ساختہ اس کی طرف اٹھی تھیں مگر راستے میں ہی پلٹ گئیں بروقت اسے احساس ہوا تھا جیسے ڈیڈی کن انکھیوں سے اس کی طرف متوجہ ہوں۔

ریاض کچھ دیر بڑی بے بسی سے کبھی انہیں اور کبھی پارس کو دیکھتا رہا پھر بڑی درد بھری آواز میں بولا۔

"انکل یہ بالکل بے سہارا اور مظلوم لڑکی ہے گاؤں میں میرے رشتے کی پھوپھی کی ہدایت پر اتنا لمبا سفر کر کے اکیلی آئی ہے' انہیں اس پر بڑا بھروسہ ہے تب ہی بھیجا ہے۔" ریاض کے منمنا کر کہنے پر ممی جو اتنی دیر سے خاموش تھیں ان دونوں کی طرح انگلش میں بولیں۔

"اب وہ لے آیا ہے تو رکھ لیں نا کچھ دنوں میں اندازہ ہو جائے گا کہ کیسے چال چلن کی ہے پھر فیصلہ کر لیں گے۔" ممی نے فیصلہ سنانے کے باوجود حاضرین کو رائے طلب نظروں سے دیکھا تو پارس نے ایسے کندھے اچکا دیے جیسے اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہ ہو دادی انگلش بول نہیں سکتی تھیں مگر سمجھ اچھی طرح لیتی تھیں انہوں نے بھی رضامندی دیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تو ڈیڈی "جیسے تمہاری مرضی" کہتے اٹھ گئے۔

پارس نے کب کا روکا سانس بڑی آہستگی سے باہر خارج کیا اور ریاض کو دیکھنے لگا ان دونوں نے ہی اپنے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری رکھنے کی کوشش کی ہوئی تھی پھر بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ دونوں ہی اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکے تھے۔

☼ ☼ ☼

ازل کو گھر لانے کے بعد پارس اتنا مطمئن ہوا تھا کہ اسے تقریباً" بھول ہی گیا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ازل نے خود کو دادی کے کمرے تک محدود کر لیا تھا تو دوسری وجہ پارس کا بے تحاشا مصروف لائف اسٹائل تھا وہ صبح اٹھتے ہی کالج چلا جاتا ناشتا کرنے کی اسے بچپن سے عادت نہیں تھی بس کالج پہنچ کر کچھ کھا لیتا کالج سے فارغ ہو کر وہ جم چلا جاتا وہاں سے چار پانچ بجے تک لوٹتا تو گھر میں سب کھانا کھا چکے ہوتے تھے وہ نہا دھو کر کھانا کھاتا' کچھ دیر سوتا اور پھر اٹھ کر دوستوں کی طرف نکل جاتا پھر رات تک کا سارا وقت ان ہی کے ساتھ گزرتا جس میں کمبائن اسٹڈی سے لے کر گھومنا پھرنا سب شامل تھا۔

ایکسیڈنٹ کے بعد سے اس معمول میں ذرا سا فرق آگیا تھا اب پچھلے کچھ مہینوں سے وہ کالج سے جم جانے کی بجائے ڈیڈی کے آفس چلا جاتا اس کا مقصد تو ان کا ہاتھ بٹانا تھا مگر ایک طرح سے وہ ابھی صرف کام سیکھ رہا تھا ان کے ساتھ لنچ کر کے وہ شام تک گھر آتا پھر کچھ دیر سونے کے بعد جم روانہ ہو جاتا وہاں سے واپس آکر ٹائم ملتا تو دوستوں کی طرف جاتا ورنہ سیدھا گھر آجاتا دوستوں کو اس سے شکایت تو ہوتی تھی مگر وہ زیادہ دھیان نہیں دیتا تھا اور پھر رات کے کھانے کے بعد سے لے کر سونے تک وہ سارا وقت گھر میں ہی گزارتا اور ان اوقات کار میں جب پورا گھر اکٹھا ہوتا تو ازل کبھی کمرے سے باہر نہ نکلتی اس کا بستر دادی کے کمرے میں ہی لگا دیا گیا تھا کھانا وہ عام طور پر کچن میں ہی کھاتی تھی ایک طرح سے پارس اگر اسے بھولا نہیں تھا تو بھی اس کی مسلسل غیر حاضری کی وجہ سے وہ اس کے ذہن سے محو ضرور ہو گئی تھی۔

لیکن جب اسے یہاں رہتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تب دادی نے اس کا ذکر کر کے نا صرف پارس کو چونکا دیا بلکہ پریشان بھی کر دیا۔

"پارس مجھے تمہارے دوست ریاض کی والدہ کا نمبر چاہیے۔" حسب معمول جب وہ رات کے کھانے کے بعد لان میں چہل قدمی کر رہے تھے دادی نے اچانک کہہ کر اسے الجھن میں ڈال دیا۔

"کیوں دادی۔"

"مجھے ازل کے بارے میں ان سے بات کرنی ہے۔"

پارس کے بڑھتے قدم اپنی جگہ تھم گئے۔

"کیا بات کرنی ہے۔" وہ ایسے بولا جیسے گہری نیند میں ہو۔

"یہی کہ اس لڑکی کو ملازموں والے کام پر کیوں لگا دیا۔" پارس کے رکنے پر دادی بھی رک گئی تھیں ممی ڈیڈی دور کھڑے اپنے باغبانی کے شوق کی تسکین میں لگائے جا بجا پھولوں کے مشاہدے میں مصروف تھے۔

"میں سمجھا نہیں دادی کیا آپ کو اس سے کوئی شکایت ہے۔" پارس تفکر سے انہیں دیکھنے لگا۔

"ارے نہیں بھئی۔ وہ اتنی نمازی' پرہیز گار لڑکی سے مجھے کیوں شکایت ہونے لگی ہم لوگ جو اس وقت لان میں چہل قدمی کر کے وقت برباد کرتے ہیں اور وہ اتنی سی بچی مجھ قبر میں پاؤں لٹکائی عورت سے زیادہ عاقبت اندیش' عبادت اور نوافل میں مشغول رہتی ہے پتا نہیں رات کو کب سوتی ہے صبح فجر سے بھی پہلے اٹھ جاتی ہے دن بھر میری دیکھ بھال تو چلو اس کی جاب ہے مگر وہ کچن میں گھسی خانساماں کی بھی مدد کرنے پہنچ جاتی ہے اتنی محبت کرنے والی سلجھی ہوئی لڑکی سے بھلا مجھے کیا شکایت ہو گی۔" دادی تو جیسے انتظار میں تھیں کہ کوئی اس کا ذکر چھیڑے اور وہ اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیں۔

"تو پھر آپ ریاض کی امی سے بات کرنا کیوں چاہتی ہیں؟" پارس کی سوئی ہنوز وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"اس لڑکی نے اپنے بارے میں کبھی کچھ بتایا ہو

نہیں وہ....."

"کیا جاننا چاہتی ہیں آپ اس کے بارے میں۔" پارس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے نروس سے انداز میں پوچھا۔

"وہی تو بتا رہی ہوں بولنے تو دو مجھے۔ آج میں ازل کو اپنے ساتھ بازار لے کر گئی تھی وہاں ایک دوکان پر کھڑی سیلز گرل اسے دیکھتے ہی پہچان گئی اور اس سے بات کرنے لگی مگر یہ ازل جانے اتنی بزدل کیوں ہے یہ آئیں بائیں شائیں کرتی وہاں سے بھاگنے لگی تو پہلے تو میرا ماتھا ٹھنکا اس لیے میں نے اس سیلز گرل سے پوچھا کہ وہ ازل کو کیسے جانتی ہے تب اس لڑکی نے تو مجھے خوش ہی کر دیا وہ ازل کے کالج میں پڑھتی تھی بلکہ حیران ہو رہی تھی کہ انٹر میں اتنے اچھے مارکس لانے کے باوجود اس نے پڑھائی چھوڑ کیوں دی وہ ازل سے پوچھ رہی تھی کہ کیا اس نے پرائیوٹ پڑھائی شروع کر دی ہے پھر تو اس نے سائنس چھوڑ کر آرٹس لے لی ہو گی مگر ازل صاحبہ ہوا کے گھوڑے پر سوار جا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

گھر آکر میں نے پہلے تو ازل کے خوب کان کھینچے لیکن بعد میں احساس ہوا ڈانٹ کی اصل حق دار تو ریاض کی والدہ ہیں ایک لڑکی جس نے ایسے حالات میں رہ کر بھی پڑھائی کی اور پڑھائی میں اتنی اچھی بھی رہی بجائے اس کے کہ وہ اسے آگے سپورٹ کرتیں انہوں نے اسے بالکل ہی ملازموں والے کام پر لگا دیا چلو کسی کام میں کوئی عیب نہیں ہوتا وہ رزق حلال ہی کما رہی ہے مگر جسے پڑھائی کا اتنا شوق ہو اسے ایسے کام میں ڈال دینا صریحاً" ظلم ہے۔" دادی کے لہجے میں ناراضی واضح تھی حیرانی تو پارس کو بھی ہوئی تھی مگر اس کی حیرانی پر پریشانی حاوی ہو گئی تھی۔

"مگر اس نے آپ سے کیا کہا؟ وہ کون سے کالج میں پڑھتی تھی کب پڑھتی تھی کیسے پڑھتی تھی۔" پارس کو خدشات کسی ناگ کی طرح ڈس رہے تھے یقیناً" یہ سارے سوال دادی نے ازل سے کیے ہوں گے کیونکہ ان کی نظر میں تو وہ گاؤں سے آئی تھی پھر شہر میں سیلز گرل کی جاب کرنے والی لڑکی اس کے کالج کی کیسے تھی کہیں ازل نے گھبرا کر سچ نہ بتا دیا ہو کہ وہ شروع سے اسی شہر میں رہی ہے اور یہ کہ اسے ریاض یہاں پارس کے کہنے پر لایا تھا۔

"کیا بتاتی وہ بے چاری گاؤں سے باپ کے ساتھ شہر آئی تھی اور پڑھائی کرنے کے لیے باپ کے ساتھ ہی یہاں رہتی تھی مگر باپ کا انتقال ہوتے ہی اسے واپس گاؤں جانا پڑ گیا گاؤں میں کوئی لڑکی کی پڑھائی کے حق میں نہیں تھا باپ نے خاندان کی مخالفت کے باوجود اسے پڑھانے کے لیے اسٹینڈ لیا تھا جب وہی نہ رہا تو وہ آگے کیسے پڑھتی۔" دادی کا لہجہ گلوگیر ہو گیا پارس دل ہی دل میں اس کی ذہانت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا بلکہ کسی حد تک مطمئن ہوتا دوبارہ آگے قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

"جب ساری بات اس نے کلیئر کر دی تو ریاض کی امی کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت کیوں نہیں۔" دادی کو جیسے مرچیں لگ گئیں۔

"انہیں مجھے بھی تو بتانا چاہیے تھا گاؤں کے رشتے دار لڑکی کو پڑھانے کے حق میں نہیں حالانکہ باپ کے مرنے پر کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اسے اپنے پاس رکھ لیتا اتنی دور شہر میں انجان لوگوں کے پاس بھیج دیا جب کوئی ذمہ داری اٹھانے کے حق میں نہیں تو اس کے معاملات میں بولنے کا انہیں کیا حق ہے جب خود ذمہ داری نہیں اٹھا رہے تو اسے اس قابل ہونے دیں کہ وہ اپنی ذمہ داری اٹھا سکے بے حسی تو جیسے فیشن بن گئی ہے لیکن ہمارا ضمیر ابھی اتنا مردہ نہیں ہوا ہے اگر مجھے پہلے کوئی بتا دیتا تو میں اسے آگے پڑھاتی بے چاری کا اتنا وقت برباد ہو گیا۔" دادی کا ملال کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ریاض کی امی کو بھی کچھ پتا نہیں ہو گا ان سے شکایت کرنا بے کار ہے گاؤں کے لوگ ایسی باتیں گھروں سے نکلنے نہیں دیتے اس کے رشتے دار ریاض کی امی کو بھلا کیوں بتاتے کہ ہم نے اس کی پڑھائی چھڑا

دی اور جہاں تک سوال وقت برباد ہونے کا ہے تو آپ کیوں دل جلا رہی ہیں اگر وہ پڑھنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہے تو کل ہی اس کا ایڈمیشن ہو سکتا ہے نہیں تو اگلے سال امتحان دے سکتی ہے۔" پارس انہیں کسی بھی طور ریاض کی والدہ سے ہم کلام ہونے نہیں دے سکتا تھا۔

"اب تو ایڈمیشن بند ہو گئے اس کا یہ سال تو برباد ہو گیا نا۔" ان کا دکھ کسی طور کم ہی نہیں ہو رہا تھا وہ ایسی ہی تھیں، بہت حساس اور بہت خیال کرنے والی۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے دادی آپ کس دنیا میں رہتی ہیں۔" پارس انہیں ہر حال میں ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا اور اس کی بات ایسی کچھ غلط بھی نہیں تھی خاص طور پر اپنے کالج میں تو وہ اس کا ایڈمیشن ایسے کرا سکتا تھا کہ رجسٹر میں اس کی پچھلی اٹینڈنس بھی لگ جاتیں۔

یہ ساری یقین دہانی کر کے پارس نے ان کا دھیان اتنا بٹا دیا تھا کہ ریاض کی والدہ سے بات کرنے کا ارادہ خود بخود ملتوی ہو گیا حالانکہ ممی نے جب ان کی بات سنی تو انہوں نے فوراً" اس فیصلے پر ناگواری کا اظہار کر دیا لیکن پارس دادی کو ان کے فیصلے سے باز رکھنے کے لیے ممی کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا جس طرح اس ایکسیڈنٹ کے بعد پارس کے معمول اور مزاج میں فرق آ گیا تھا اسی طرح اس کے والدین بھی اس کے لیے پہلے سے زیادہ حساس ہو گئے تھے اس لیے ڈیڈی نے بحث کیے بغیر فوراً" رضامندی دے دی۔

ان کا بھی یہی کہنا تھا کہ کسی اور کالج میں اتنی تاخیر سے ایڈمیشن ممکن نہیں جبکہ پارس کے کالج میں وہ اوپر سے لے کر نیچے تک سب کو جانتے تھے اور اپنے بیٹے کے منہ سے نکلی بات کے لیے پیسہ خرچ کرنا ان پر پہلے بھی فرض تھا اب تو ناگزیر ہو گیا تھا البتہ اس سارے طریقے کار پر عمل کرنے کی ذمہ داری انہوں نے پارس پر ڈال دی جس کے پیش نظر پارس نے اگلے دن صبح صبح دادی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا بقول دادی کے وہ صبح ان کے بے دار ہونے سے پہلے اٹھ جاتی تھی اور وہ اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔

اس کی توقع کے عین مطابق دروازہ ازل نے ہی کھولا اور بلا مبالغہ اس نے پورے ایک ماہ بعد ازل کو دیکھا تھا اس لیے پہلی نظر میں وہ اسے پہچانا ہی نہیں وہ اس پل مٹیالے سے رنگ کی بڑی سی چادر اوڑھے رہنے والی ازل لگ ہی نہیں رہی تھی یقیناً" دادی نے اسے نئے کپڑے بنوا دیے تھے وہ بھی کسی حد تک اپنی حیثیت کے مطابق، تبھی گہرے اور ہلکے نیلے رنگ کے حسین امتزاج کے سوٹ میں ایک شانے پر جارجٹ کا ڈوپٹہ اور دوسرے شانے پر کمر تک آتے کھلے بال ڈالے وہ شاید ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی ہاتھ میں پکڑا ہیر برش اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس نے بال سلجھاتے ہوئے بڑے آرام سے دروازہ کھول دیا تھا اتنی صبح صبح پارس کے دروازہ بجانے کی اسے قطعاً" امید نہیں تھی اور اس پر نظر پڑتے ہی اس نے جس طرح گھبرا کر بالوں کو لپیٹنے کے ساتھ ڈوپٹے کو دوسرے شانے اور سر پر پھیلایا تھا اس پر پارس کو اپنا اس طرح چلا آنا بہت نامناسب لگا تھا اسی لیے وہ بغیر کسی تمہید کے ایسے بولنے لگا جیسے بہت جلدی میں ہو۔

"کل رات دادی نے مجھے مارکیٹ میں آپ کی دوست کے مل جانے کے متعلق بتایا تھا وہ چاہتی ہیں آپ اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر دیں آپ مجھے اپنے ڈاکومینٹس دے دیں باقی ساری تفصیلات آپ کو دادی خود بتا دیں گی۔" اس کی حیرانی سے پھیلتی آنکھیں صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ پارس کی بات اور انداز دونوں ہی بڑے بے تکے تھے اس لیے پارس کو سنبھلتے ہوئے دوبارہ کہنا پڑا۔

"اصل میں دادی کو بہت افسوس ہے کہ آپ کا اتنا وقت ضائع ہو گیا وہ چاہتی ہیں کہ آپ کا فوراً" کسی کالج میں ایڈمیشن ہو جائے۔" اس کی بات پر ازل نے بیڈ پر سوئی دادی کو پلٹ کر ایک نظر دیکھا پھر کمرے سے باہر آتے ہوئے اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"میرے پاس میرے کوئی ڈاکومینٹس ہیں ہی

نہیں۔ میں فیکٹری کی طرف سے دیے گئے جس ہاسٹل میں رہ رہی تھی میرے سارے کاغذات وہیں رہ گئے۔"

اتنے دنوں میں پہلی بار پارس کو احساس ہوا کہ وہ اس کی ذات سے کس قدر بے خبر ہے اپنے گھر لا کر اسے ایک محفوظ چھت تو مہیا کر دی مگر اسے بالکل بھول بھی گیا کہ اس کے پاس اس کا گزشتہ سامان نہیں ہے وہ اپنی کوئی چیز لانا چاہتی ہے یا نہیں، فیکٹری کے مالک نے اس پر اتنا بڑا الزام لگایا اسے اتنے لوگوں کے سامنے پولیس کے حوالے کر دیا کیا وہ فیکٹری کا مالک اس قابل تھا کہ اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اس کے خلاف کوئی ایکشن تو لینا چاہیے تھا تاکہ دوبارہ ایسا کسی اور لڑکی کے ساتھ نہ ہو جو ازل کے ساتھ ہوا تھا پارس اپنی لاپرواہی پر بری طرح شرمندہ ہو گیا کہ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اسے خاموش دیکھ کر ازل خود ہی کہنے لگی۔

"آپ پریشان نہ ہوں میں دادی کو کسی طرح ٹال دوں گی۔" دادی کو گھر میں خانساماں اور ماسی بھی دادی ہی کہتے تھے شاید اسی لیے وہ بھی انہیں دادی کہنے لگی تھی اس کے نرمی سے کہنے پر پارس چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"دادی کو ٹالنے کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کی تمام چیزیں ہاسٹل سے واپس لینے کی کوشش کی جائے اور اس فیکٹری کے مالک کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ وہ دوبارہ کسی لڑکی کے ساتھ ایسا کرنے کی جرات نہ کر سکے۔" پارس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو وہ ایک دم ہراساں ہو گئی۔

"نہیں، نہیں آپ ایسا کچھ کرنے کا سوچیے گا بھی نہیں، اس طرح گھر میں سب کو پتا چل جائے گا کل مارکیٹ میں اپنی سینئر کو دیکھ کر بھی میں نے بڑی مشکل سے بات بنائی تھی ورنہ اگر دادی کو ذرا بھی شک ہو جاتا تو....."

"تو؟ تو کیا فرق پڑتا۔" اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر پارس نے بے اختیار اس کی بات کاٹ دی۔

"اتنا خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اگر گھر میں کسی کو پتا چل بھی جاتا ہے تو بھی صرف میں ان کے آگے جوابدہ ہوں کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا، آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں آپ نے تو وہی کیا جو میں نے آپ سے کرنے کو کہا۔" پارس کی بات پر اس کے چہرے پر پھیلا اضطراب سنجیدگی میں بدل گیا وہ کچھ دیر پارس کو دیکھتی رہی پھر بہت ٹھہر کر بولی۔

"جب آپ کو میری فیکٹری کے منیجر سے پتا چلا کہ میں جیل میں ہوں اور کن الزامات کی بنا پر ہوں تو آپ کے دل میں کیا خیال آیا تھا کیا واقعی میں نے چوری اور مالک کے ساتھ نازیبا حرکتیں کی ہوں گی۔" اس کے سوال پر پارس الجھ سا گیا اس نے تو یہی سوچا تھا کہ اگر وہ مجرم ہے۔ تب بھی اس کی مدد کرنی چاہیے مگر یہ بات اس کے سامنے دوہرانا بڑا عجیب لگ رہا تھا مگر وہ لڑکی واقعی بڑی سمجھ دار تھی تبھی اس کے کہے بغیر ہی اس کا جواب جان گئی۔

"آپ نے سوچا ہو گا کہ جس لڑکی کا باپ مر گیا ہو اور جسے پیسوں کی سخت ضرورت ہو اس لڑکی کے لیے ایسا قدم اٹھا لینا کوئی حیران کن بات نہیں کیونکہ غربت ایمان کو کھا جاتی ہے لیکن کیونکہ میرے والد نے آپ کی جان بچائی تھی اس لیے آپ بھی میری مدد کرنے کھڑے ہو گئے حالانکہ جو آپ نے میرے لیے کیا آپ اس کے پابند نہیں تھے مگر آپ نے سب اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا آپ کے والدین بھی یقیناً" آپ جیسے اچھے ہی ہوں گے مگر وہ آپ کی طرح ایک ایسی لڑکی کو گھر میں پناہ دینا ہرگز گوارا نہیں کریں گے جس کی ذات کے ساتھ ایسے قصے وابستہ ہوں، اگر وہ میرے کردار کی طرف سے مشکوک ہو گئے تو مجھ سے میری یہ آخری پناہ گاہ بھی چھن جائے گی آپ کے ڈیڈی کسی صفائی کا بھی موقع نہیں دیں گے اور مجھے گھر سے نکال دیں گے ویسے بھی ایسی کسی صورت حال میں میرے پاس صفائی میں کہنے کے لیے ہو گا ہی کیا۔"

اپنی آنکھوں میں پھیلتی نمی کو اس نے بڑے ضبط سے روکا تھا بے اختیار پارس کا دل چاہا اسے جھٹلا دے یا کوئی جھوٹی تسلی ہی دے دے مگر وہ ایسا کچھ نہ کر سکا وہ

واقعی ٹھیک کہہ رہی تھی ایسی مشکوک کردار لڑکی کو وہ کبھی گھر میں نہیں رکھیں گے حالانکہ دادی اس سے کافی متاثر تھیں اس کے عبادت گزار ہونے پر وہ خود اسے سراہتی تھیں انہیں خود بھی مذہب سے خاص لگاؤ تھا مگر پارس کی ممی اس مزاج کی نہیں تھیں اب ازل کے آجانے سے انہیں جیسے گھر میں کوئی اپنا ہم خیال وہم نظر مل گیا تھا جس کے ساتھ وہ گھنٹوں قرآن وسنت کی باتیں کر سکتی تھیں مگر اس سے متعلق ساری حقیقت آشکار ہوتے ہی اس کی ساری خوبیاں اس کے عیب بن جائیں گی اس کے مزاج کی نرمی کو ڈھونگ اور ڈرامہ کہہ کر مسترد کر دیا جائے گا پارس ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کے لیے بات بدلتے ہوئے بولا۔

"جو بھی ہو آپ کو اپنی تعلیم دوبارہ ضرور شروع کرنی چاہیے۔"

"اس کے لیے مجھے اپنی اسناد وغیرہ کی ضرورت پڑے گی بہتر یہی ہے کہ جیسا چل رہا ہے چلنے دیں۔" وہ شاید فیکٹری کے مالک کی طرف سے بھی خوفزدہ تھی تب ہی اس باب کو دوبارہ کھولنا نہیں چاہتی تھی اس سے پہلے کہ پارس اسے سمجھانے کی کوشش کرتا وہ بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"آج میں نے ماسی کو ذرا جلدی بلایا ہے کچن کی ذرا تفصیلی صفائی کرنی ہے وہ کسی بھی لمحے آتی ہوگی۔" اس کا لہجہ صاف کہہ رہا تھا کہ اب آپ جائیں۔

اس کے اچانک دروازہ کھول دینے کی وجہ سمجھ میں آنے پر پارس اس کے چہرے کے گرد احاطہ کیے ڈوپٹے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتا واپس پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

سارا دن کالج میں بھی اس کا ذہن اسی نکتے پر سوچتا رہا اب وہ صرف دادی کو ریاض کی والدہ سے بات کرنے سے باز رکھنے کے لیے ازل کی تعلیم کے متعلق نہیں سوچ رہا تھا بلکہ یہ سوچ کر بھی اس کی تعلیم مکمل کرنے کا خواہش مند تھا کہ اس جیسی ذہین لڑکی کی آگے پڑھنے میں مدد کرنی ہی چاہیے اور اس کام کے لیے وہ ازل کی خواہش کے مطابق فیکٹری کے مالک کو چونکائے بغیر اس کے کاغذات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"کیا بات ہے بہت پریشان لگ رہے ہو۔" اس کی کلاس فیلو مسکان نے لائبریری میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"مسکان میرا ایک کام کرو گی۔"

"کیا؟" اس نے رجسٹر کھولتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"وہ میں تمہیں راستے میں بتاؤں گا بند کرو یہ سب اور چلو میرے ساتھ۔" پارس نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی کتابوں کے ساتھ اس کا رجسٹر اور دیگر اشیا تیزی سے اٹھالیں وہ "ارے ارے" ہی کرتی رہ گئی اور پارس لائبریری سے باہر بھی نکل گیا۔

حسب خواہش حسب توقع وہ تھوڑی دیر میں ہی پارکنگ ایریا میں اس کی گاڑی ڈھونڈتی ہوئی اس تک پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ پارس نے مسکرا کر جلے پر نمک پاشی کا کام فوراً "انجام دینا ضروری سمجھا اور اس کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے اسے مزید سلگایا بھی۔

"تمہیں پڑھ کر کون سا کلاس میں ٹاپ کرنا ہے تم پاسنگ مارکس لے آؤ وہی بہت ہے ویسے بھی یہ کام تمہارے رجسٹر سے زیادہ ضروری ہے تمہیں ایک گرلز ہاسٹل میں جاکر ایک لڑکی کا سامان نکلوانا ہے۔" مسکان کے چہرے سے غصے کے تاثرات گدھے کے سر پر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے اب وہ پوری طرح متجسس نظر آرہی تھی۔

"کس لڑکی کا سامان نکلوانا ہے اور سامان میں ہے کیا؟"

"سامان کچھ زیادہ نہیں ہے میرے خیال سے تو چند کپڑے ہی ہوں گے اور لڑکی کون ہے اس کے بارے میں زیادہ کچھ میں بھی نہیں جانتا میری دادی کی جاننے والی ہے اور ان کی ہدایت پر ہی میں یہ سب کر رہا ہوں۔" پارس نے جھوٹ نہ بولتے ہوئے اور سچ نہ بتاتے

ئے گول مول سا جواب دیا ہر چند کہ مسکان نے ے بہت کریدنا چاہا مگر وہ بھی ٹالنے میں ماہر تھا۔

"زندگی میں پہلی بار بھروسہ کر کے کسی نے کوئی نگ کا کام دیا ہے بجائے دوسروں کی امیدوں پر پورا رنے کے تم کسی جاسوس کی طرح تشویش میں لگی ہو۔"

"ہاں کام دیا ہے تو کون سا احسان کیا ہے اپنے طلب کے وقت ہی یاد آئی ہے میری ورنہ سوال تو میرا کل بجا ہے آخر وہ لڑکی خود جاکر اپنا سامان کیوں نہیں لے لیتی اتنے پیسے برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" سکان نے ان نوٹوں کی طرف دیکھا جو پارس نے جیب سے نکال کر ڈیش بورڈ پر ڈالے تھے۔

"وہ تم کام کر کے لاؤ گی تو میں بتاؤں گا۔" پارس نے یکٹری کے ساتھ بنے ہاسٹل کے سامنے گاڑی روکتے وئے کہا وہ دیکھنا چاہتا تھا اندر جاکر اسے کیا کچھ پتا چلتا ہے۔

"پندرہ منٹ کے اندر اگر تم نے مجھے فون نہیں کیا میں اندر آجاؤں گا۔" پارس بولا۔

"گرلز ہاسٹل میں!" مسکان نے طنزیہ انداز میں سے دیکھا اور دپٹے لے کر اتر گئی۔

پندرہ منٹ گزرنے سے پہلے ہی وہ گیٹ سے نکلتی ظر آئی اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گرے کلر کا وٹ کیس تھا۔

"کیا ہوا اتنی جلدی آگئیں۔"

"عجیب تھرڈ کلاس سا ہاسٹل تھا یہ کسی کالج کا تو نہیں ہو سکتا اتنا لوراسٹینڈرڈ کا فرنیچر تھا اور ریسپشن پر کوئی تھا ہی نہیں ایک ماسی جھاڑو دے رہی تھی تمہارے کہے کے مطابق میں نے اس سے یہی کہا کہ کچھ عرصے پہلے میری ایک دوست یہاں آئی تھی اس کا کچھ ضروری سامان رہ گیا تھا وہ سامان واپس لینے کے لیے مجھے کمپلین لکھ کر کہاں دینی ہو گی مجھے یہ کام جلدی کرنا ہے اگر کچھ پیسے بھی دینے پڑیں تو بھی کوئی پرابلم نہیں۔ تب اس نے کہا یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور مجھے لے کر ایک اسٹور میں چلی گئی وہاں سامان کباڑ کی طرح بکھرا پڑا تھا تب میں نے اسے پیسے دے کر کہا یہاں ایک ازل نامی لڑکی رہتی تھی اس کا سامان کون سا ہے تب اس نے کہا وہ جو کچھ مہینے پہلے ہی یہاں سے گئی تھی اس کا تو سارا سامان یہیں رہ گیا تھا جس میں سے کچھ چیزیں وارڈن نے لے لیں کچھ لڑکیوں نے رکھ لیا بس یہ سوٹ کیس رہ گیا ہے۔

میں نے اسے اٹھا تو لیا مگر اس میں کپڑے یا زیور کچھ بھی نہیں ہے بس گھر کی کچھ چھوٹی موٹی چیزیں ہیں کچھ تصویریں ہیں کچھ دواؤں کی خالی شیشیاں کچھ کاغذات اور کتابیں مجھے لگتا ہے تم نے اتنے پیسے بلاوجہ ضائع کیے۔"

مسکان کا انداز بڑا چڑا ہوا تھا جانے وہ اس بیگ سے کس خزانے کے برآمد ہونے کی توقع کر رہی تھی پارس نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے کر ڈکی میں رکھ لیا اور اسے کوئی بھی تسلی بخش جواب دیے بغیر کالج کی طرف روانہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

ازل سے بات کرنے کے لیے اسے ایک بار پھر منہ اندھیرے اٹھنا پڑا تھا کیونکہ اس وقت گھر میں سب سو رہے ہوتے تھے وہ آرام سے اس سے بات کر سکتا تھا۔

دستک کے جواب میں ازل نے اپنے مخصوص حلیے کے ساتھ دروازہ کھولا تو پارس زیر لب مسکرا دیا مگر آج بھی اس نے بغیر تمہید باندھے سیدھے موضوع پر آتے ہوئے بات شروع کر دی۔

"ہاسٹل میں سے آپ کا سارا سامان چوری ہو گیا ہے بس یہ ایک سوٹ کیس مل سکا ہے میں نے اسے کھول کر نہیں دیکھا آپ چیک کر کے بتادیں اس میں آپ کے کاغذات ہیں یا نہیں۔" پارس نے بیگ اس کے سامنے کیا تو وہ جیسے ششدر رہ گئی اپنی کسی ذاتی چیز کو سامنے دیکھ کر وہ بھی اس قدر اچانک دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی وہ پارس سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ

وہ یہ بیگ کیسے لے کر آیا۔

اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے وہیں ماربل کے فرش پر دوزانو بیٹھ کر بیگ زمین پر لٹایا اور جلدی سے اس کی زپ کھولنے لگی اس کے ہاتھوں کی لغزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی سوٹ کیس کھولتے ہی وہ چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ بت بن گئی۔

مسکان کے کہے کے مطابق اندر کوئی خاص سامان نہیں تھا بلکہ سامان کی تعداد دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اس بیگ پر بھی ہاتھ صاف کیا گیا ہے اندر صرف گھر کی غیر ضروری چند چیزیں پڑی تھیں مگر ایک ایسے شخص کے لیے وہ چیزیں بھی غیر ضروری نہیں ہو سکتی تھیں جس کا گھر اس سے ہمیشہ کے لیے چھن گیا ہو۔

اس نے جس طرح کانپتے ہاتھوں سے دواؤں کی خالی شیشی کو اٹھا کر مٹھی میں جکڑ لیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ شیشیاں اس کے بابا کی تھیں۔

پارس خود بھی اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا بیگ میں ایک پرانی سے تصویر پڑی تھی ایک پانچ چھ سال کی ہنستی مسکراتی بچی ماں باپ کے ساتھ کھڑی کھلکھلا رہی تھی تصویر کسی تفریحی مقام پر لی گئی تھی اس تصویر پر نظر پڑتے ہی ازل نے وہ شیشی چھوڑ کر تصویر اٹھالی وہ اپنی انگلیاں اس تصویر پر ایسے پھیرنے لگی جیسے اس کاغذ کو چھو کر وہ اپنے ماں باپ کا لمس محسوس کرنا چاہتی ہو اس کی پلکوں پر ٹھہرے آنسو دیکھ کر پارس کی سمجھ میں نہ آیا اسے کیسے تسلی دے تبھی پارس کی نظر ایک خاکی لفافے پر پڑی تو اس کا ہاتھ بے اختیار لفافے کی طرف بڑھ گیا۔

اس میں سے برآمد ہونے والے میٹرک اور ایف ایس سی کے سرٹیفکیٹس اور دیگر کاغذات دیکھ کر پارس بے ساختہ اس کے احساسات کی پروا کیے بغیر کہنے لگا۔

"تھینک گاڈ یہ پیپرز چوری نہیں ہوئے ورنہ بورڈ سے ڈوپلی کیٹ منگوانے میں کتنا وقت برباد ہو جاتا۔"

ازل آنسو بھری آنکھوں سے اپنی اسناد وغیرہ دیکھنے لگی اس کے روہانسے چہرے پر ایک لمحے کے لیے چمک ابھر کر غائب ہو گئی جیسے ماضی کی کوئی خوب صورت یاد آگئی ہو وہ اسی کیفیت کے زیر اثر کہنے لگی۔

"میری میٹرک کی مارکس شیٹ دیکھ کر بابا بہت خوش ہوئے تھے میں نے انہیں زندگی میں پہلی بار اتنا خوش دیکھا تھا۔" وہ دوبارہ ہاتھ میں پکڑی تصویر کو دیکھنے لگی وہ یہاں موجود ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھی پارس اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا وہ غیر ارادی طور پر اس کی مارکس شیٹ دیکھنے لگا ہر سبجیکٹ میں اس کے شاندار نمبرز دیکھ کر پارس کو نئے سرے سے حیرانی ہو رہی تھی اس لڑکی کا وہ چھوٹا سا گھر اور تنگ سا ماحول دیکھ کر وہ اسے جس طرح جاہل اور محدود ذہنیت کی لڑکی سمجھ بیٹھا تھا وہ ایسی تھی نہیں، بلکہ اپنے حالات کے لحاظ سے کافی بہادر تھی اس وقت بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے کی بجائے وہ بدستور تصویر کو دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں کہنے لگی۔

"میرے بابا نے زندگی میں بہت سخت وقت دیکھا ہے میری ماں کی اچانک موت نے ان کی زندگی میں بڑی ابتری پھیلا دی تھی تب انہوں نے اپنی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز کر دی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی پارس خاموشی سے اسے سنے گیا۔

"وہ ایک آفس میں چپڑاسی کی جاب کرتے تھے شام کو پارٹ ٹائم جاب کے طور پر بازار چلے جاتے کبھی دوکانوں پر چائے سپلائی کرتے کبھی بازار سے اوزار بند اٹھا کر بیچنے کی کوشش کرتے ان کی زندگی کا سب سے اہم مشن مجھے تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا تھا کتنی محنت کی تھی انہوں نے میرے لیے تب ہی اتنے بیمار پڑ گئے وہ اپنے علاج پر ایک روپیہ خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے اور میرے جاب کرنے کے تو بالکل حق میں نہیں تھے ان کا خیال تھا اس طرح میری توجہ تعلیم سے ہٹ جائے گی لیکن اپنے آخر وقت میں وہ کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہے تب انہوں نے سخت مجبوری میں مجھے فیکٹری میں جاب کرنے کی اجازت دی تھی صرف اس شرط پر کہ میری پڑھائی متاثر نہیں ہو گی خواہ انہوں نے خود پر اتنا ظلم کیا پہلے ہی میری بات مان

تے تو انہیں تھوڑا آرام کرنے کا وقت مل جاتا بلاوجہ ی خاطر انہوں نے۔"

اس کی آواز رندھ گئی تو اسے چپ ہونا پڑا ورنہ شاید کے دل میں ایک غبار اٹھ رہا تھا پارس نے بات کے لیے آہستگی سے کہا۔

"ان کے چلے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی رہش بھی ادھوری رہ جائے ان کا ارمان تو اب بھی را ہونا چاہیے۔" وہ بے بسی سے اس کی شکل دیکھنے ی۔

"مگر پھر میں دادی کی دیکھ بھال کیسے کروں گی؟"

"خدانا خواستہ دادی اتنی بیمار نہیں ہیں کہ کسی کا ہر ت ان کے ساتھ ہونا ضروری ہو اور پھر انہوں نے ہی تو کہا ہے۔"

"مگر آپ کے پیرنٹس۔" وہ اب بھی مضطرب تھی

"وہ دادی کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرتے ان کا بھی دادی کی طرح بہت وسیع ہے مگر انہیں دادی کی ح اظہار کرنا نہیں آتا۔" پارس کی بات پر وہ ہونٹ نتے ہوئے جھجک کر بولی۔

"میں جانتی ہوں سب بہت اچھے ہیں مگر آپ کے بڑی تو شروع سے میرے گھر میں رہنے کے خلاف تھے اب اگر انہیں لگا کہ پڑھائی شروع کرنے سے میرا میان بٹ گیا ہے اور انہوں نے مجھے ملازمت سے ل دیا تو۔" اس کے خدشات سے پر لہجے پر پارس کی ان تک آکر رہ گیا۔

"تم یہاں کوئی ملازمہ نہیں ہو۔" مگر بروقت اس نے خود کو یہ کہنے سے روک لیا اگر جواب میں وہ یہ وال اٹھاتی کہ پھر اور کیا ہوں تو وہ کیا جواب دیتا دوسرے یہ کہ اس کی بات سن کر وہ کچھ شرمندہ بھی ہو گیا جب پہلے دن وہ گھر آئی تھی تب ڈیڈی نے بھی رس کی طرح اسے کوئی جاہل اور ان پڑھ لڑکی سمجھ کر س پر انگلش میں تبصرے کیے تھے جنہیں سننے کے بعد سے کتنا برا لگا ہو گا ممی نے بھی اسے بے خبر سمجھ کر ے اطمینان سے لٹھ مار انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اب وہ لے آیا ہے تو رکھ لیں نا کچھ دنوں میں اندازہ ہو جائے گا کیسے چال چلن کی ہے تب فیصلہ کر لیں گے۔" پارس نے بڑی مشکل سے بات بنائی۔

"ڈیڈی ایسے نہیں ہیں آپ بے فکر ہو کر کالج جانے کی تیاریاں کریں اور ان تمام چیزوں کو جلدی سے سمیٹ کر رکھ دیں فجر کی اذان ہو رہی ہے دادی اٹھنے والی ہوں گی۔" پارس نے کھڑے ہوتے ہوئے عجلت میں کہا تو وہ بھی سامان ایسے ہی چھوڑ کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں آپ کے احسانوں کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" وہ تقریباً پلٹ گیا تھا جب سماعتوں سے اس کا مشکور لہجہ ٹکرایا تو وہ پلٹے بغیر محض گردن موڑ کر اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھنے لگا۔

"ایک طریقہ ہے، میں نے آپ کو کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔" پارس نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو پہلے تو وہ سمجھی نہیں۔ جب سمجھی تو اس عجیب و غریب فرمائش پر حسب عادت اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں مگر اگلا لمحہ پارس کے لیے حیران کن تھا کیونکہ اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک جھینپی ہوئی مسکراہٹ ابھری تھی روتی آنکھوں کے ساتھ یہ مسکراہٹ جیسے بارش کے بعد کی دھوپ کا منظر پیش کر گئی تھی پارس بے اختیار اس منظر کو دیکھے گیا وہ بڑی مشکل سے اس پر سے نظریں ہٹا کر واپسی کے لیے پلٹا تھا۔

☼ ☼ ☼

ممی نے ازل کے پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا مگر جب اس کا ایڈمیشن پارس کے کالج میں ہو گیا تب وہ بھڑک اٹھیں اس کے ایڈمیشن کے لیے ڈیڈی نے خود بات کی تھی تب جا کر اتنی تاخیر کے باوجود اس کا ایڈمیشن ممکن ہوا تھا ایسے میں سب کچھ ہونے کے بعد ممی کے اعتراض پر ڈیڈی ان سے بھی زیادہ بھڑک اٹھے مگر ممی نے دبنے کی بجائے بڑے دوبدو جواب دیا تھا۔

"پورے شہر کے کالج چھوڑ کر اس کا داخلہ پارس

کے ساتھ کرانا ضروری تھا۔"

"وہ پارس کے ساتھ نہیں ہوگی وہ اس سے جونیئر ہے۔" ڈیڈی نے چڑ کر کہا۔

"بات تو ایک ہی ہے نا آپ کو مجھ سے ذکر کرنا چاہیے تھا۔" ممی نے بھی غصے سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' میں نے تم سے چھپ کر جلدی سے اسے پارس کے کالج میں داخلہ دلا دیا' امی نے تمہارے سامنے ہی تو ذکر کیا تھا ساری بات تمہارے سامنے ہوئی تھی اب مجھے کیا پتا کہ تمہارے لا تعلق بنے رہنے کی عادت کی وجہ سے تمہیں پتا ہی نہیں چلا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بہرحال اب کچھ نہیں ہو سکتا پہلے میں نے خود ایڈمنسٹریشن کے حفیظ صاحب سے بات کی اور اب ایڈمیشن ہونے کے بعد خود ہی چپ ہو کر بیٹھ جاؤں ڈیٹ از ناٹ پاسیبل۔"

ممی ڈیڈی کے اس جھگڑے کی پارس نے زیادہ پروا نہیں کی البتہ ممی کے حکم کے مطابق وہ ازل کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتا تھا حالانکہ ایک ہی گھر سے جاتے ہوئے اس طرح الگ الگ جانا اسے بہت عجیب لگتا تھا مگر اس معاملے میں اس نے ممی سے ذرا بھی بحث نہیں کی ویسے بھی اس کا کالج زیادہ دور نہیں تھا ازل بس سے آرام سے چلی جایا کرتی تھی پھر بقول ممی کے اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ بس سے آنے جانے کی عادی ہے اور اپنی عادت کو بدلنا نہیں چاہتی حالانکہ پارس کو علم تھا کہ اگر ممی زیادہ اصرار کرتیں تو وہ اتنی خود اعتماد نہیں تھی کہ اپنی خودداری کی خاطر اپنی بات پر اڑی رہتی وہ بھی ممی جیسی عورت کے سامنے' مگر ممی نے تو بات ہی ایسے کی ہوگی کہ اگر وہ بس میں نہیں بھی جا رہی ہوتی تو بھی جانے کا فیصلہ کر لیتی۔

جو بھی تھا اس کا تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا تھا البتہ پارس نے اپنے کالج میں کسی سے ازل کا ذکر نہیں کیا تھا اس کی نظر میں یہ بات اتنی اہم نہیں تھی کہ خاص طور پر بتائی جاتی مگر اسے نہیں پتا تھا جو بات بتائی نہ جائے وہ چھپانے کے زمرے میں آتی ہے اور بعض اوقات کسی چیز کا خاص طور سے ذکر کرنا اسے اتنا اہم نہیں بناتا جتنا اسے چھپانا اسے خصوصیت کا حامل کر دیتا ہے۔

پارس کی سالگرہ آئی تو اس کے کالج کا پورا گروپ کیک اور دیگر لوازمات لے کر سرپرائز پارٹی کے طور پر اس کے گھر پہنچ گیا۔

وہ کوئی بچہ تو تھا نہیں جو باقاعدہ برتھ ڈے مناتا مگر ان کا یہ سرپرائز اسے اچھا لگا تھا موسم خوشگوار ہونے کی وجہ سے وہ لان میں ہی پورا میوزک سسٹم اٹھا لائے تھے اور ابھی وہ کہیں باہر جانے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ پورچ میں گاڑی آ کر رکی تو سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے پارس کی دادی کو سبھی جانتے تھے انہیں کار سے اترتا دیکھ کر سب سے پہلے ریاض نے جہاں کھڑا تھا وہی سے آواز لگا کر انہیں سلام کیا تو سبھی سلام کرنے لگے۔

"دادی کہاں سے گھوم کر آ رہی ہیں۔" عکاشہ نے شوخی سے پوچھا۔

"ارے ملا کی دوڑ مسجد تک' ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے گئی تھی۔" دادی کے انداز پر عکاشہ کھلکھلا کر ہنسی مگر فوراً" ہی اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

گاڑی کے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ازل ہاتھ میں دوائیں سنبھالتی اتری تو جس کی نظر اس پر پڑی وہ اسے ہی دیکھتا رہ گیا وہ دادی کے قریب آئی تو سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کچھ ٹھٹک گئی۔

"یہ کون ہے دادی؟" عکاشہ نے سب کے سوال کو زبان دی۔

"ارے تم نہیں جانتے تمہارے کالج میں ہی تو پڑھتی ہے اس کا نام ازل ہے۔" دادی نے فوراً" کہا۔

"ہاں شکل دیکھی ہوئی تو لگ رہی تھی۔" مسکان فوراً" بولی۔

"مگر یہ آپ کی کون ہے؟" عکاشہ نے پھر پوچھا۔

"یہ میری بیٹی ہے۔" دادی کا محبت بھرا انداز ان سب کو پارس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"دادی چلیں یہ دوا آپ کو ہر دو گھنٹے کے فرق سے کھلانی ہے اور ابھی آخری خوراک کو ڈھائی گھنٹے ہو گئے ہیں۔" ازل کے کہنے پر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"کون تھی یہ؟" عکاشہ نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"دادی کی دیکھ بھال کرتی ہے۔" پارس نے سرسری انداز میں کہا۔

"مگر وہ تو اسے اپنی بیٹی کہہ رہی تھیں۔" عکاشہ کے لہجے پر غور کیے بغیر وہ اس کی بات پر ہنس دیا۔

"کیا تمہیں یہ میرے ڈیڈی کی بہن لگ رہی ہے۔"

"لیکن یہ ہمارے کالج میں پڑھتی ہے جس کی فیس تمہارے ڈیڈی ہی ادا کر سکتے ہیں۔" اس کا کلاس فیلو عادل بولا آخر ان کا کالج شہر کے مہنگے ترین کالج میں سے ایک تھا۔

"ہوں اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے دادی نے ہی ڈیڈی سے اس کے ایکسپنسس ادا کرنے کو کہا تھا۔" پارس کو یہ ساری تفصیل بتانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تو اسے اتنے مہنگے کالج میں پڑھانے کی کیا ضرورت تھی گلی گلی میں تو کالج کھلے ہیں' نہیں تو گورنمنٹ کالج میں پڑھ لیتی۔" عکاشہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیا پرابلم ہے تمہیں تو اس کی فیس نہیں دینی ہے نا۔" پارس اس انٹرویو سے اکتا کر بولا۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تم اسے جانتے ہو۔" اس کے ایک اور دوست سلیم نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم سب اس کی ذات میں اتنے انٹرسٹڈ ہو گے تو میں اس کا پورا بائیو ڈیٹا پہلے دن تمہارے ہاتھ میں رکھ دیتا۔" پارس چڑ ہی گیا۔

"کیوں کیا تمہیں ہمارا اس میں انٹرس لینا برا لگ رہا ہے۔" سلیم نے شوخی سے پوچھا تو سب ہنس پڑے اس کا ذو معنی لہجہ پارس کو کھلا تو تھا مگر وہ سلیم کی فطرت سے واقف تھا اگر اسے پتا چل جاتا کہ پارس چڑ گیا ہے تو وہ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتا اور بال کی کھال اتارنے میں تو سب ہی ایکسپرٹ تھے۔

"ہم مووی دیکھنے جا رہے تھے کسی کو یاد ہے یا نہیں' پارس نے ان سب پر نظر ڈالی۔

"اسے بھی ساتھ لے کر جاؤ گے۔" سلیم نے ایک بار پھر شرارت سے پوچھا اور پارس کی پیشانی پر بل پڑتے دیکھ کر معصوم سی شکل بنا کر کہنے لگا۔

"بھئی تمہاری دادی بھلے ہی اسے اپنی بیٹی کہیں مگر ہے تو وہ ہماری ہی ایج کی' کیا حرج ہے وہ بھی تھوڑا انجوائے کر لے گی تم روز اس کے ساتھ کالج بھی تو آتے ہو گے۔" سلیم کی بات پر پارس نے وضاحت دینا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ کیسے جاتی ہے بلکہ ریاض سے فلم کے متعلق پوچھنے لگا۔

"یہ تمہارے گھر میں کب سے رہ رہی ہے۔" عکاشہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تو پارس سانس باہر خارج کرتے ہوئے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھنے لگا جس پر وہ خود ہی کہنے لگی۔

"ایک تو ہمیں اس کے بارے میں کچھ بتایا نہیں اب ہمیں خود پتا چل گیا ہے تو بھی تم اس کے ذکر سے کترا رہے ہو۔" عکاشہ کے لہجے میں خفگی در آئی تھی پارس بھنا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریاض نے آنکھ سے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے کہنے لگا۔

"مووی شروع ہونے تک ہمارا سینما پہنچنا تبھی ممکن ہے جب ہم فوراً" گاڑی میں بیٹھ جائیں۔" ریاض کے اعلانیہ کہنے پر مسکان اور عادل وغیرہ جلدی سے اپنی پلیٹیں خالی کرنے لگے سب کو حرکت میں آتا دیکھ کر پارس نے جان بچ جانے پر سکون کا سانس لیا مگر عکاشہ کا رویہ سارا وقت عجیب سا رہا اور سب سے زیادہ حیرانی پارس کو اس وقت ہوئی جب وہ اگلے دن اپنے معمول کے مطابق شام کے وقت جم پہنچا تو کچھ دیر بعد عکاشہ بھی وہاں چلی آئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" پارس اسے دیکھتے ہی ٹریڈ مل سے اتر آیا۔

"میں نے بھی یہاں کی ممبر شپ لے لی ہے۔" بلیک اینڈ وائیٹ ٹریک سوٹ' بلیک جوگرز پہنے بالوں کی اونچی سی پونی باندھی وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔

"مگر یہ جم تو تمہارے گھر سے بہت دور ہے تم اپنے گھر کے قریب کوئی جم جوائن کیوں نہیں کر لیتیں۔" پارس نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا تھا، مگر وہاں اکیلے میں، میں بور ہو جاتی تھی تو سوچا تمہاری کمپنی میں ٹائم اچھا گزرے گا۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ورزش کے سے انداز میں پہلے دائیں جانب ترچھی ہوئی پھر بائیں جانب جھکنے لگی اس کے کان میں پڑی بڑی بڑی بلیک بالیاں اور پونی میں قید بال بھی اس کی جنبش کے ساتھ لہرانے لگے تھے۔

"اس وقت تو یہاں بہت رش ہوتا ہے تمہیں لیڈیز ٹائمنگ میں جوائن کرنا چاہیے تھا۔" پارس نے سولہ سال سے لے کر ساٹھ سال تک کے لوگوں سے بھرے مجمع پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"عورتوں کا ٹائم تو صبح میں ہوتا ہے اس وقت میں کالج میں ہوتی ہوں۔" عکاشہ شان بے نیازی سے کہتی اسی ٹریڈمل پر چڑھ گئی جس سے پارس اترا تھا۔

روزانہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک مشینوں کے ساتھ روکھے سوکھے انداز میں وقت گزارنے کے معمول سے ہٹ کر عکاشہ کی موجودگی میں اس کا وقت بظاہر اچھا گزرا تھا عکاشہ بھی اس دن کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہی تھی مگر اتنے خوشگوار ماحول کے باوجود اسے اندر سے مسلسل ایک ناگواری کا احساس ہوتا رہا تھا خاص طور پر جب ان کی برابر کی مشینوں پر لڑکوں کا ایک ٹولہ آدھمکا تو پارس نا صرف خود وقت سے پہلے کھڑا ہو گیا اور عکاشہ کو بھی زبردستی گھسیٹ لیا۔

"تم اگر اس جم میں آؤ گی تو میں یہاں نہیں آؤں گا۔"

اسے اس کی گاڑی کے پاس چھوڑتے ہوئے پارس نے حتمی انداز میں کہا۔

"کیوں کیا تم میری کمپنی میں بور ہوئے ہو۔" عکاشہ چونک کر بیٹھتے بیٹھتے رک گئی۔

"عکاشہ یہ جگہ تمہارے لیے بالکل بھی سوٹ ایبل نہیں ہے۔" پارس کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اسے احساس تھا عکاشہ وہیں کھڑی اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ کار ریورس کر کے پارکنگ سے نکال نہ لے گیا۔

☼ ☼ ☼

عکاشہ کی اس دن کی حرکت پارس کے بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر اس نے زیادہ گہرائی میں جا کر سوچنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی لیکن اس وقت اسے واقعی چونکنا پڑا تھا۔

جب کیفٹیریا کی طرف جاتے ہوئے اچانک اس کی نظر کوریڈور میں آمنے سامنے کھڑی عکاشہ اور ازل پر پڑی وہ اپنی جگہ جیسے ٹھٹک گیا عکاشہ عموماً" ہر ایک سے بات نہیں کرتی تھی اور ازل ان میں سے تھی جو بات کرنے میں کبھی پہل نہیں کرتے جبکہ اس وقت ان دونوں کے ہلتے ہونٹ دیکھ کر اسے لگا اسے ان کے قریب جانا چاہیے مگر جب سے ازل کالج میں آئی تھی وہ اس کے کبھی پاس بھی نہیں بھٹکا تھا ایک طرح سے اس نے بڑی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ کیمپس میں کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو ازل اتنی لاتعلق سی بن جاتی کہ پارس اسے مخاطب کرنے کا ارادہ بھی نہ کرتا ایسے حالات میں اس وقت اسے ان کے نزدیک جانا کچھ مناسب نہیں لگا اور پھر فوراً" ہی عکاشہ جانے کیا کہتے ہوئے مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی جبکہ ازل اپنی جگہ جمی رہی اس کے چہرے پر کچھ سوچتا تاثر صاف نمایاں تھا۔

گھر آ کر بھی پارس کا دھیان ان کے مابین ہونے والی گفتگو پر قیاس آرائیاں کرنے میں الجھا رہا آخر شام ہونے پر دادی سے اسے پتا چلا کہ ان کے بیچ کیا بات ہوئی تھی۔

ان کا کالج ہاکس بے جا رہا تھا اور عکاشہ نے دادی کو فون کر کے اصرار کیا تھا کہ ازل سے وہ کہہ کر دیکھ چکی ہے مگر وہ پکنک پر نہیں جا رہی لہٰذا اب آپ اسے تیار کریں۔

پارس تو سن کر حیران رہ گیا جبکہ دادی عکاشہ کی

تعریف کرتی نہیں تھک رہی تھیں۔

"کتنی محبت کی ہے عکاشہ، مجھے تو کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ ازل میرے ساتھ بازار اور ہسپتال جانے کے علاوہ کہیں نہیں جاتی آخر اسے بھی تو تفریح کی ضرورت ہے لیکن عکاشہ نے محسوس کی یہ بات۔ میں نے تو ازل سے کہہ دیا تمہیں ہر حال میں جانا ہے مگر وہ اکیلی ہے نا شاید اس لیے کہیں آنے جانے سے گھبراتی ہے میرے کہنے پر وہ مان تو گئی مگر اس کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔" ازل عکاشہ کے جانے کے بعد وہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہو گی اس کا اندازہ پارس کو اب ہوا تھا جب خود اس کے ذہن میں اسی قسم کے سوال ابھرنے لگے۔

"آخر اس مہربانی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

ہاکس بے پارس کے لیے کوئی نئی جگہ نہیں تھی مگر ٹھنڈی ہواؤں خوشگوار موسم اور تمام دوستوں کی موجودگی ایسے موقعوں کو ہمیشہ یادگار بنا دیتی تھی اس پر عادل اپنی نئی اسپورٹس بائیک وہاں لے آیا تو تمام لڑکے سمندر کو بھول کر اسی کے مشاہدے اور تجربے میں مصروف ہو گئے۔

ازل، دادی کے اصرار پر آ تو گئی تھی مگر بڑی سی چادر بچھا کر بیٹھے تمام اسٹوڈنٹس کے بیچ بیٹھی وہ تنہا ہی لگ رہی تھی اس کی اپنی کلاس کی جن چند لڑکیوں سے بات چیت تھی وہ زیادہ تر آئی نہیں تھیں اور جو آئی تھیں وہ ازل کو زیادہ لفٹ نہیں کراتی تھیں کیونکہ ازل کے پاس بات کرنے کے لیے نہ فیشن اور کپڑوں کی معلومات تھی نہ ان کے ساتھ مال اور پارٹیز میں اڑانے کے لیے پیسہ تھا بلکہ اس کے پاس تو موبائل تک نہیں تھا تو اس سے بھلا کون دوستی کرتا۔

"عادل تم اپنی بائیک یہاں کیوں لے آئے سچ بالکل مزا نہیں آ رہا ہم سب اسی میں بزی ہو گئے ہو۔" ان کے گروپ کا اشعر بائیک دو منٹ کا کہہ کر لے گیا تھا اور پچھلے پندرہ منٹ سے غائب تھا تب وہ سب مجبوراً" ان کے درمیان آ بیٹھے تھے جس پر مسکان نے فوراً" اعتراض کیا۔

"کیا بات کر رہی ہو شکر کرو عادل یہ زبردست چیز اٹھا لایا ورنہ یہاں دیکھنے اور کرنے کے لیے تھا ہی کیا۔" سلیم نے نخوت سے ارد گرد نظر ڈالی۔

"اتنی ہی بری جگہ تھی تو آئے کیوں تھے۔" مریم نے جل کر پوچھا۔

"سب جا رہے تھے تو گھر میں بیٹھ کر کیا کرتا کم از کم گھر میں دادا جی کو برداشت کرنے سے تو بہتر ہی ہے۔" سلیم کے انداز پر صرف چند لوگوں کو چھوڑ کر سب ہنس پڑے تھے۔

"تم اپنے دادا کے لیے کوئی اچھی سی نرس کیوں نہیں رکھ لیتے اچھا وقت گزر جائے گا ان کا بھی اور تمہارا بھی۔" عکاشہ کے اچانک کہنے پر پارس نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات کا پس منظر ڈھونڈنے لگا۔

"میرے دادا جی کبھی بیمار ہی نہیں پڑتے مجھے تو حسرت ہی ہے کہ کبھی وہ ہم بہن بھائیوں کے کمرے میں جھانکنے کی بجائے بستر پکڑ کر لیٹ جائیں۔" سلیم نے یاسیت بھرے انداز میں سینے پر ہاتھ رکھا اس کے ہر جملے پر سب کا ہنسنا جیسے بہت ضروری تھا البتہ پارس کی زبان کی نوک تک آتا جملہ ریاض نے بڑی سنجیدگی سے ادا کیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو سلیم، مذاق میں بھی کسی کو کوسنا نہیں چاہیے۔"

"کوسنا کیسا بھئی ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔" عکاشہ فوراً" بولی۔

"کچھ بزرگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ بالکل وبال جان لگتے ہیں اب ہر کوئی پارس کی دادی کی طرح سوئیٹ تھوڑی ہوتا ہے جو ہر ایک کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتیں گھر میں رہتے ہوئے بھی وہ کبھی اس گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کرتیں کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔" عکاشہ کہتی چلی گئی پارس کو اس کی بات کچھ زیادہ پسند نہیں آئی وہ فوراً" بولا۔

"میرے گھر میں ایسا کچھ ہو بھی نہیں رہا ہوتا جس

کی گہرائی میں جانا پڑے۔"

"مگر جن کی عادت ہوتی ہے وہ رائی کا پہاڑ بنا ہی لیتے ہیں کیوں ازل میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" عکاشہ نے اچانک بہت فاصلے پر بیٹھی ازل کو مخاطب کیا وہ اتنی دور بیٹھی تھی کہ اسے عکاشہ کی بات سنائی بھی نہیں دی تھی وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں عکاشہ کو دیکھنے لگی تو عکاشہ اسے ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے قدرے چیخ کر بولی۔

"ازل تم اتنے عرصے سے پارس کی دادی کی خدمت کر رہی ہو تم نے ان کے مزاج کو کیسا پایا۔" عکاشہ کی بات پر سبھی ازل کو دیکھنے لگے ایک سوائے پارس کے جس کی نظریں عکاشہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"پارس کی دادی کی خدمت تم کیوں کرتی ہو ازل' اس کی کلاس فیلو ازل نے تعجب سے پوچھا تو اس سے پہلے عکاشہ بول پڑی۔

"تمہیں نہیں پتا یہ پارس کے گھر میں ملازمہ ہے نا۔"

پتا نہیں ازل کو کیسا لگا تھا مگر پارس کو لگا اس کے اندر ایک زوردار بلاسٹ ہوا ہو وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے خود کو کسی شدید رد عمل کا مظاہرہ کرنے سے روکنے لگا جبکہ عکاشہ بڑی معصوم بنتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ازل تم نے اپنی کلاس میں کسی کو بتایا نہیں کہ تم پارس کے گھر کام کرتی ہو۔ بائی دا وے کتنے مہینے ہو گئے ہوں گے تمہیں یہ جاب کرتے ہوئے۔" اس کا سوال جیسے کسی نے سنا ہی نہیں تھا کیونکہ ازل کی کلاس کی لڑکیاں حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں ایک نے تو پوچھ بھی لیا۔

"تم اتنے بڑے کالج میں پڑھ کر ایسی معمولی سی جاب کیوں کرتی ہو تمہارے پپا کیا کرتے ہیں۔"

"اس کے پیرنٹس اس دنیا میں نہیں ہیں پارس کے فادر ہی اسے....."

"عکاشہ میرے ڈیڈی کیا کرتے ہیں کیا نہیں وہ تمہیں یہاں ڈسکس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

پارس نے نہایت سرد لہجے میں کہتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی مگر سب کے اندر تجسس تو سر اٹھا چکا تھا وہ سب بڑی حیرانی سے کبھی پارس' کبھی ازل اور کبھی عکاشہ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا عکاشہ سچ کہہ رہی ہے۔" ازل کی کلاس فیلو فضا نے تصدیق طلب انداز میں پارس کو دیکھا وہ سب الگ الگ کلاسز میں پڑھنے کے باوجود پچھلے تین چار سالوں سے ایک ہی کالج میں ہونے کی وجہ سے نا صرف ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے بلکہ کسی حد تک بے تکلف بھی تھے۔

"پارس کے فادر بڑے گریٹ ہیں ایک سرونٹ کو اسی کالج میں پڑھانا جس میں اپنے بیٹے کو پڑھا رہے ہوں اٹ از ناٹ آ جوک (یہ کوئی مذاق نہیں ہے)۔" سلیم نے پارس کو خاموش دیکھ کر فوراً" فضا کو جواب دینا ضروری سمجھا۔

پارس لب بھینچے عکاشہ کو دیکھتا رہا اس کے چہرے سے وہ کچھ اخذ نہیں کر پا رہا تھا ازل کے چہرے کی طرف دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی غصے اور شرمندگی نے بیک وقت اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے دل تو چاہ رہا تھا عکاشہ کی زبان کھینچ لے مگر ذہن کا کوئی ایک کونا اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا جانے کیوں اسے لگ رہا تھا وہ جتنا بولے گا بات اتنی ہی طول پکڑے گی اور ازل کو اتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اسے لگ رہا تھا جیسے عکاشہ یہ سب کسی مقصد کے تحت کر رہی ہو جیسے وہ اسے اکسا رہی ہو تبھی عکاشہ نے بناوٹی انداز میں چونکتے ہوئے کہا۔

"ارے میرا سوال تو درمیان میں ہی رہ گیا بتاؤ نا ازل اتنے دنوں سے تم پارس کی دادی کی دیکھ بھال کر رہی ہو ان ہی کے کمرے میں زمین پر گدا ڈال کر ٹوہ لیتے دیکھا ہے۔" سب کی نظریں ازل کے چہرے پر ایسے جم گئی تھیں جیسے اس سے دلچسپ سوال دنیا میں کبھی کسی نے کسی سے نہ پوچھا ہو۔

"نہیں۔" ازل نے دھیمے لہجے میں کہا تو عکاشہ فخریہ

بولی جیسے کوئی جنگ فتح کر لی ہو۔

"دیکھا میں نے کہا تھا سب ایک سے نہیں ہوتے کسی کا مزاج پتا کرنا ہو تو اس کے نوکر سے پوچھنا چاہیے جتنا صحیح وہ بتا سکتے ہیں کوئی نہیں بتا سکتا۔"

"اب چھوڑو بھی عکاشہ تم کیا بے کار کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔" ریاض نے انگلیوں سے بال سنوارتے ہوئے جھنجلا کر کہا۔

"وہ دیکھو اشعر بائیک واپس لے آیا۔" عادل نے انگلی اٹھا کر دور سے آتے اشعر کی طرف اشارہ کیا تو تقریباً" تمام لڑکے اٹھ کر روڈ کی طرف دوڑ پڑے۔

"چلو پارس۔" ریاض نے اٹھتے ہوئے کہا جو بدستور اپنی جگہ جما تھا اور اس کے چہرے پر پھیلے جامد تاثرات دیکھ کر ریاض اسے یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا تبھی عادل نے دور سے آواز لگا کر پوچھا۔

"پارس تم آ رہے ہو یا میں بائیک سلیم کو راؤنڈ پر لے جانے کے لیے دے دوں۔" عادل کے پوچھنے پر پارس نے خلاف توقع ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا تھا۔

"تم چلو گی عکاشہ۔" اس کے سنجیدگی سے پوچھنے پر عکاشہ چونک اٹھی۔

"تم مجھے سیر کراؤ گے وائے ناٹ چلو۔" عکاشہ کھل اٹھی پارس نے پہلے حیران بیٹھے ریاض پر ایک نظر ڈالی پھر ازل کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم لوگ بیٹھو میں ذرا عکاشہ کو "گھوما" دوں۔" پارس ان دونوں کا رد عمل دیکھے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور پھر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کی حیرانی بڑھتی گئی۔

عکاشہ بڑی خوشی خوشی بائیک پر پارس کے پیچھے بیٹھی تھی مگر جس طرح پارس نے پوری قوت سے کک مار کر بائیک کو اسٹارٹ کیا تھا اور زوردار جھٹکے سے اسے آگے بڑھایا تھا اس طوفانی انداز پر عکاشہ کے ساتھ ساتھ دوسری لڑکیوں کی بھی ہلکی سی چیخیں نکل گئی تھیں۔

عکاشہ کو لگا وہ لہرا کر ابھی گر جائے گی اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے پارس کو مضبوطی سے تھام لیا پھر بھی اس کا خوف کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا کیونکہ بائیک کی رفتار ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔

ریاض اور ازل ان سے اتنے فاصلے پر ہونے کے باوجود عکاشہ کی خوف سے بھری چیخیں با آسانی سن سکتے تھے بلکہ وہاں موجود سبھی لوگ کھانا پینا بھول کر اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے۔

بائیک پہلے ہی بجلی کی سی رفتار سے دوڑ رہی تھی کچھ آگے جا کر تو پارس نے بائیک کو ایک ٹائر پر کھڑا کر لیا۔

عکاشہ کے ساتھ ناظرین کی بھی دل دوز چیخیں بلند ہوئی تھیں ایک پل کے لیے تو ازل کا دل بھی جیسے بند ہو گیا تھا اسے لگا پیچھے بیٹھی عکاشہ ابھی پھسل کر گر جائے گی بے اختیار اس نے دعائیں پڑھنی شروع کر دی تھیں مگر ریاض پر نظر پڑتے ہی اسے کافی حیرانی ہوئی تھی وہ سڑک پر رواں دواں ٹریفک کی وجہ سے پریشان ضرور لگ رہا تھا مگر عکاشہ کی چیخوں کے ساتھ وقفے وقفے سے اس کے چہرے پر ابھرتی مسکراہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

دس منٹ تک سب کا خون اچھی طرح خشک کر دینے کے بعد جب پارس نے بائیک واپس اپنی جگہ پر لا کر روکی تو سبھی ان کے گرد جمع ہو گئے عکاشہ نے اترتے ہی بری طرح بگڑتے ہوئے اسے نان اسٹاپ ڈانٹنا شروع کر دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا تھا کیا' پاگل ہو گئے تھے تم ایسے بائیک چلاتے ہیں اگر ایکسیڈنٹ ہو جاتا اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو۔" عکاشہ کا پہلے ہی چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا تھا اس وقت بکھرے بالوں اور حواس باختہ تاثرات کے ساتھ غصے سے بھری عکاشہ کو دیکھ کر کئی چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی (آخر وہ بھی عکاشہ کے ہی دوست تھے اس سے مختلف کیسے ہوتے)

"کیا ہوا عکاشہ میں نے اتنی زبردست بائیک چلائی تم نے انجوائے نہیں کیا۔" پارس نے کمال مہارت سے اچنبھے کے ساتھ کہا۔

"واٹ انجوائے؟ آر یو میڈ اتنی بار میں نے تم سے کہا روکو روکو۔" عکاشہ کے تلوؤں میں لگی اور سر پر بجھی

"تم روکو روکو کہہ رہی تھیں۔ مجھے لگا تم کہہ رہی ہو گو گو۔ میں نے تمہارا جوش دیکھ کر اسپیڈ اور بڑھا دی۔"

پارس کے لہجے میں بلا کی معصومیت تھی ازل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کس پر یقین کرے اپنی آنکھوں پر یا اپنے کانوں پر جسے اتنے فاصلے سے بھی عکاشہ کے الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے۔

عکاشہ کا موڈ سخت خراب ہو گیا تھا وہ بکتی جھکتی اپنی گاڑی میں جا بیٹھی کئی خوشامدی لڑکے اسے منانے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے مگر وہ ایک پل کے لیے بھی رکے بغیر فوراً" وہاں سے چلی گئی اس کے جانے سے بہت سے اسٹوڈنٹس بور ہو گئے تھے انہوں نے جھنجلا کر پارس پر لعن طعن بھی بہت کی مگر پارس کی پیشانی پر ایک بل نہیں پڑا بلکہ بڑے ہی سرشار سے انداز میں وہ گردن جھٹک کر پیشانی پر آئے بال پیچھے کرتا رہا شام ہونے کے ساتھ ساتھ ہواؤں کے اٹکھیلیاں بھی بڑھ گئی تھیں۔

پارس نے جان بوجھ کر ریاض کی طرف دیکھنے سے گریز کیا بغیر دیکھے ہی وہ اس کے چہرے پر لکھی عبارت صاف پڑھ سکتا تھا مگر جب اس کی نظر ازل پر پڑی تب اسے احساس ہوا کہ وہ بھی ریاض کی طرح اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر آج اس کے چہرے پر صرف حیرانی نہیں تھی بلکہ ایک احساس پھیلا ہوا تھا جیسے پارس کے اس سارے رویے کی وجہ صرف ریاض ہی نہیں وہ بھی سمجھ رہی ہو اور اس کے چہرے پر پھیلا سکون ظاہر کر رہا تھا جیسے اس انتقامی کارروائی پر اسے کوئی خوشی نہ ہوئی ہو مگر یہ احساس بہت تقویت بخش ہو کہ کسی نے اسے چوٹ پہنچانے والے کو چوٹ پہنچانے کی کوشش کی۔ چاہے کوشش کا وہ طریقہ قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ اس کوشش سے بے عزتی کا احساس کم ہوا ہو یا نہ ہو مگر صرف یہ ایک کوشش ہی اپنے اندر کئی راحتیں سموئے ہوئے تھی۔

اگر ریاض نے پارس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے چونکا نہ دیا ہوتا تو نہ جانے کتنی دیر وہ خود فراموشی کے انداز میں ازل کے چہرے پر بکھرتے رنگ دیکھتا رہتا۔

پارس چونکتے ہوئے محض اپنا دھیان بٹانے کے لیے سلیم وغیرہ کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

پکنک پر پارس جان بوجھ کر ریاض کو نظر انداز کرتا رہا جیسے بغیر سنے بھی اسے پتا ہو کہ وہ اس سے کیا کہنے والا ہے مگر آخر کب تک، ریاض بھی اپنے نام کا ایک ہی ڈھیٹ تھا وہ رات کے کھانے کے بعد پارس کے گھر چلا آیا اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا پارس ذہنی طور پر اپنی پیشی کے لیے تیار ہو گیا ریاض بھی وقت ضائع کیے بغیر فوراً" موضوع پر آگیا۔

"یہ جو کچھ تم نے آج کیا اس کا مقصد کیا تھا؟"

"میں نے آج کیا کیا؟" پارس نے خوامخواہ انجان بننے کی ایک ناکام سی کوشش کی ریاض کچھ دیر خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ازل کو ہوٹل میں چھوڑ کر آنے کے بعد تم نے مجھے فون کر کے کہا تھا کہ میں نے صرف حالات سے مجبور ہو کر اس سے شادی کی ہے مگر میرا اس شادی کو نباہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں صرف اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

کیا مجھے بتانے کے بعد یہ سب تم نے ازل سے بھی کہا تھا یا وہ اپنے اور تمہارے رشتے کو دائمی سمجھ کر اس انتظار میں بیٹھی ہے کہ تم کب اس شادی کو ڈیکلیئر کرو گے۔"

"میں چاہتا تو یہی تھا کہ اسے سب بتا دوں مگر وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ یہ ساری گفتگو کی جاتی مگر جب میں نے اس سے بات کی تو مجھے اندازہ ہوا وہ بہت سمجھدار ہے اس نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ میں اپنے گھر میں اس

شادی کا تذکرہ نہ کروں بلکہ اسے کہیں جاب دلا دوں تو وہ خود ہی کسی دارالامان میں رہنے چلی جائے گی۔" پارس نے تفصیل سے کہا۔

"ایسا اس نے اس وقت کہہ دیا ہو گا مگر اب تمہارا جو رویہ ہے اسے دیکھ کر وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا بھی ہو سکتی ہے چاہے وہ کتنی بھی سمجھ دار ہو آخر ہے تو ایک لڑکی ہی تمہاری طرف سے اتنی عزت افزائی پر وہ اسے رشتے کو اٹوٹ سمجھنے کی غلطی بھی کر سکتی ہے اگر تمہیں اسے اپنانا ہی تھا تو پہلے دن گھر لاتے ہی سب کو بتا دیتے اسے اپنے ہی گھر میں نوکرانی بنا کر تم نے اس کے اور خود اپنے لیے مسائل کھڑے کر لیے ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو ریاض۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ کوئی نوکرانی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ ـــــ"

"پہلی بات تو ہے ہی یہ کہ وہ اس گھر میں نوکرانی ہی ہے۔" ریاض نے درمیان میں ہی اس کا جملہ قطع کر دیا۔

"تنخواہ پر کام کرنے والے ملازم ہی کہلاتے ہیں اگر یہ سچ تمہیں اس کی انسلٹ لگتا ہے تو تمہیں اسے یہ مقام دینا ہی نہیں چاہیے تھا اب اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سچ کا سامنا کرنے کی بجائے تم عکاشہ کو سچ بولنے کی پاداش میں سزا دینے کھڑے ہو گئے۔" پارس اس کی بات سن کر بھڑک اٹھا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے سچ بولنے کا۔ اگر کوئی تنخواہ دار ملازم بھی ہو تب بھی کسی کو حق نہیں کہ اس کے ساتھ ایسا ہتک آمیز رویہ روا رکھے اسے اتنے لوگوں کے بیچ نوکرانی، نوکرانی کہہ کر عکاشہ صرف اسے ذلیل کر رہی تھی۔ میں نے عکاشہ کو کوئی سزا نہیں دی کیونکہ وہ محض اتنی سی سزا کی مستحق نہیں تھی اس کا تو وہ حشر کرنا چاہیے تھا کہ زندگی بھر یاد رکھتی۔"

"میں مانتا ہوں اس کا رویہ بہت برا تھا مگر عکاشہ نے کیا کیا اس بحث میں پڑنے کی بجائے تم یہ بتاؤ کہ تم نے ابھی تک ازل کو طلاق کیوں نہیں دی۔" ریاض کے منہ سے نکلی بات کسی نشتر کی طرح پارس کو چبھی تھی اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر کوئی الفاظ نہ ملنے پر وہ صرف ریاض کو دیکھتا رہ گیا ریاض کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد خود ہی کہنے لگا۔

"پہلے دن تم اسے اس ارادے کے ساتھ گھر لائے تھے کہ اسے چھوڑ دو گے پھر اتنے مہینے گزرنے کے باوجود تم نے ابھی تک اپنے ارادے کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنایا۔" اسے بدستور خاموش دیکھ کر ریاض ٹھوس لہجے میں کہنے لگا۔

"کیوں تم اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو یار؟" پارس نے اس کی طرف سے رخ موڑتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا مگر اس سے پہلے کہ وہ ٹی وی آن کرتا ریاض نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اتنی سی بات کا اعتراف کرنے میں اتنی دقت کیوں ہو رہی ہے کیونکہ وہ تمہارے اسٹینڈرڈ کی نہیں ہے۔"

"ریاض پلیز۔" پارس نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم خود بتاؤ تم ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے اگر اپنانا نہیں ہے تو چھوڑ دو اور اگر چھوڑنا نہیں چاہتے تو فوراً" پیش قدمی کرو، تمہارے ممی ڈیڈی تم سے اتنی محبت کرتے ہیں انہیں ازل کو بہو بنانے پر اعتراض تو ہو گا مگر تمہاری خوشی کی خاطر وہ اس فیصلے کو قبول کر لیں گے لیکن پہلے تم خود تو اس سچائی کو قبول کرو۔"

"ازل واقعی بہت اچھی لڑکی ہے اسے چھوڑنا سراسر بے وقوفی ہو گی۔" پارس اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ریاض نے جیسے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا وہ بے بس ہوتے ہوئے بولا۔

"اچھی تو وہ ہے مگر میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا نہیں۔"

"تم اپنی سوچوں کو آزاد چھوڑ دو گے تو کچھ سوچو گے نا۔" ریاض بے ساختہ مسکرا دیا تو پارس بھی جیسے ہار مانتے ہوئے بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں نے کبھی خود کو اس کے بارے میں سوچنے ہی نہیں دیا حالانکہ وہ صرف

اچھی نہیں بہت اچھی ہے مگر اس کا تعلق جس ماحول اور علاقے سے تھا اس ماحول کی لڑکی کو میں نے اپنی شریک حیات بنانے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کسی لمبے چوڑے جہیز کا خواہش مند تھا میری کنفیوژن کی وجہ صرف یہ تھی کہ اتنی مختلف زندگی جینے والی لڑکی میں اور مجھ میں ذہنی مطابقت کیسے پیدا ہوگی اور پھر میں ممی ڈیڈی کو بھی ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا ظاہری بات ہے انہوں نے بھی میری طرح اپنے ذہن میں اپنی بہو کا خاکہ کچھ اور ہی بنا رکھا ہوگا۔" پارس سنجیدگی سے بولا

"اس خاکے میں ازل مکمل طور پر فٹ ہو سکتی ہے اگر تم اسے موقع دو تو۔ وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے اور پھر ذہنی مطابقت کا تعلق صرف ماحول سے نہیں ہوتا کچھ انسان کی اپنی فطرت بھی ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری اور عکاشہ کی بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہونی چاہیے تھی مگر ایسا نہیں ہے اس لیے ان بے کار باتوں کو چھوڑ کر تم صرف یہ دیکھو کہ ازل کے لیے اسٹینڈ لے سکتے ہو یا نہیں۔" ریاض کے پوچھنے پر پارس فوراً بولا۔

"اسٹینڈ لینا کون سا مشکل کام ہے ممی ڈیڈی میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں شادی تو میں کر ہی چکا ہوں وہ اتنے ضدی بھی نہیں ہیں کہ میرے اس اقدام پر مجھے گھر سے نکال دیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ میں انہیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا' انہیں ہرٹ کر کے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا اور ازل کو اپنانے کی صورت میں انہیں ٹھیس پہنچنا یقینی ہے۔" پارس کا لہجہ پژمردہ سا ہو گیا تھا

"ایک طریقہ ہے اگر تم اپنی اور اس کی شادی کے متعلق کچھ نہ بتاؤ اور ایسے ہی....."

"کیا بات کر رہے ہو یار' اس طرح تو ممی ڈیڈی بالکل بھی نہیں مانیں گے بلکہ انہیں لگے گا کہ ازل نے کسی گھٹیا پلاننگ کے ذریعے مجھے شیشے میں اتار لیا ہے حالانکہ گھٹیا حرکتیں تو دور کی بات ہے وہ تو کبھی بغیر سر ڈھکے میرے سامنے بھی نہیں آتی۔" پارس نے فوراً اس کا مشورہ رد کر دیا۔

"تو کیا بتاؤ گے انہیں کہ پولیس اسٹیشن میں نکاح ہوا تھا اور وہ چوری کے الزام میں لاک اپ میں بند تھی" ریاض کا سرد اور سنجیدہ لہجہ پارس کو لمحہ بھر کے لیے لاجواب کر گیا۔

"میرے خیال سے اس بات کو ابھی ایسے ہی رہنے دیتے ہیں۔" پارس کا انداز صاف پہلو تہی والا تھا۔

"پارس جو شخص بیک وقت کئی لوگوں کو خوش دیکھنا چاہتا ہو وہ خود سب سے زیادہ ناخوش رہتا ہے تم کسی کے لیے مسئلہ کھڑا نہیں کرنا چاہتے اس لیے اس معاملے کو ایسے ہی رہنے دینے کو کہہ رہے ہو حالانکہ یہ بات انہیں جتنی دیر سے پتا چلے گی مسائل اتنے ہی زیادہ ہوں گے خاص طور پر اگر یہ بات انہیں کسی اور کے ذریعے پتا چلی تو بات اور بھی گمبھیر ہو سکتی ہے۔" ریاض نے ناصحانہ انداز میں کہا مگر پہلی بار پارس الجھنے کی بجائے دل کھول کر مسکرا دیا۔

"یہ بات انہیں کسی اور کے ذریعے کیسے پتا چلے گی یہ بات صرف ہم تین لوگ جانتے ہیں تم' میں اور ازل اور مجھے تم دونوں پر اتنا ہی بھروسہ ہے جتنا خود پر۔"

☼ ☼ ☼

ریاض کے سامنے یہ اعتراف کر کے وہ جیسے اندر تک پر سکون ہو گیا تھا ورنہ اتنے دنوں سے اس کے اندر ایک جنگ چل رہی تھی حالانکہ وہ اب بھی کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا مگر اب وہ ازل کو اپنے احساسات سے آگاہ ضرور کرنا چاہتا تھا اور اس کا ردعمل جاننا چاہتا تھا کیسے ری ایکٹ کرے گی وہ کیا حسب عادت اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیل جائیں گی یا اس کے چہرے پر وہی مبہوت کر دینے والی مسکراہٹ ابھر آئے گی پارس سوچ کر خود ہی ہنس دیتا۔

اگلے دن کالج میں بھی وہ یہی سوچتا رہا کہ اسے ازل سے کیسے بات کرنی ہے ریاض نے دو تین بار اسے ٹوکا بھی کہ عکاشہ کالج نہیں آئے وہ ضرور ناراض ہو گی

اسے فون کر لو مگر پارس نے جواب دینا تو درکنار دھیان دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

کالج سے آفس پہنچ کر اسے وہاں اتنی دیر ہو گئی کہ اسے جم جانے کا بھی وقت نہیں ملا ٹوکیو کی ایک کمپنی ان کے ساتھ ڈیل کرنا چاہتی تھی اس سلسلے میں ایک پورا وفد ٹوکیو سے آیا تھا ان کے ساتھ میٹنگ کے بعد ڈیڈی گھر چلے گئے اور وہ ان کے ساتھ آفیشلی ڈنر پر جانے کے لیے مجبور ہو گیا۔

رات کو دیر سے واپسی ہونے پر صبح اس کی آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی دادی اس وقت تک اٹھ چکی ہوں گی لہٰذا ازل سے اگلے دن بات کرنے کا سوچ کر جب وہ کالج پہنچا تو پہلی بار عکاشہ کے لگاتار دو دن چھٹی کرنے پر ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ اسے فون کر لے مگر پھر اس دن کی گفتگو یاد آنے پر وہ سر جھٹک کر رہ گیا بلکہ کالج آ کر اسے ازل کی بھی غیر حاضری کا علم ہوا تو وہ کالج ختم ہونے پر آفس جانے کی بجائے سیدھا گھر چلا آیا' راستے میں اس نے ڈیڈی کو اطلاع کر دی تھی کیونکہ وہ اور ڈیڈی دوپہر کا کھانا گھر پر نہیں کھاتے تھے اس لیے ممی بھی اس وقت زیادہ تر گھر پر نہیں ہوتی تھیں ان کی سماجی مصروفیات اتنی زیادہ تھیں کہ وہ آئے دن گھر سے باہر ہی لنچ کرتی تھیں۔

اپنے معمول سے ہٹ کر جب وہ گھر میں داخل ہوا تو گھر کا ماحول بھی معمول سے مختلف پایا جب وہ سب گھر پر ہوتے ازل صرف دادی کے کمرے میں مقید رہتی لیکن اس وقت وہ نا صرف خانساماں کے ساتھ کچن میں مصروف تھی بلکہ باتوں کی آواز سے ظاہر تھا کہ وہ' دادی اور خانساماں کے ساتھ روزمرہ وقت نہیں گزار رہی ہو گی دادی کا اسے پتا تھا کہ وہ بوریت کے وقت کچن میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سنبھال لیتی تھیں اور کوئی سبزی وغیرہ کاٹ کر اپنا وقت گزارنے کی کوشش کرتیں مگر ازل کے آنے کے بعد وہاں باتوں کا بھی دور چلنے لگا تھا یہ پارس کے لیے بالکل نئی خبر تھی۔

وہ کپڑے بدلے بغیر خاموشی سے جا کر کچن کے دروازے میں کھڑا ہو گیا بھی اس کی جانب سے رخ موڑے کام میں مصروف تھے کسی کو بھی اس کی آمد کا احساس نہیں ہوا تھا خانساماں روٹی پکا رہا تھا ازل برتن دھو رہی تھی اور دادی مٹر چھیلتے ہوئے خاصی جھنجلائی ہوئی بھی لگ رہی تھیں۔

"چلو مان لیا انہیں تمہاری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن تم یہی سمجھ لو کہ مجھے ذلیل ہونے کا شوق ہے اس لیے ایک بار میں تمہارے خاندان والوں سے ملنے ضرور جاؤں گی چاہے وہ میرے منہ پر دروازہ ہی کیوں نہ بند کر دیں۔" ان کے انداز پر ازل ہنس پڑی تھی بڑی کھوکھلی سی ہنسی تھی اس کی جیسے زبردستی ہنسنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"دادی آپ تو برا مان گئیں میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔" وہ پارس کی جانب پشت کیے سنک میں برتن دھو رہی تھی اس لیے اس کے تاثرات پارس سے مخفی تھے مگر اس کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خوامخواہ کھلکھلانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"میرے خاندان والے آپ کی بات سمجھنے کی بجائے میری ذات پر اعتراض شروع کر دیں گے انہیں لگے گا شہر جا کر میں خود سر ہو گئی ہوں اپنے فیصلے خود کرنے لگی ہوں۔"

"تم بے کار میں پریشان ہو رہی ہو جہاں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر آتے ہی ہیں یہ تو ہمارا ظرف ہے کہ ہم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے انہیں مطلع کر رہے ہیں ورنہ جس طرح وہ تمہاری ذات سے لاتعلق بنے بیٹھے ہیں انہیں کوئی حق نہیں کسی قسم کی رائے دینے کا مگر خاندان میں ضد نہیں باندھی جاتی اگر آج ہم نے بغیر ان کی اجازت اور مشورے کے کوئی قدم اٹھا لیا تو کل تمہیں ہی مشکل ہو گی۔" دادی بالکل روایتی انداز میں بول رہی تھیں پارس سمجھتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا مسئلہ درپیش ہے دادی۔" پارس کی بات پر سب ہی چونک کر مڑے تھے پتا نہیں یہ پارس کا وہم تھا یا حقیقت مگر اسے لگا اس پر نظر پڑتے ہی ازل نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"ارے آج تم کیسے جلدی آگئے؟" دادی خوش ہوتے ہوئے بولیں تو وہ انہیں سلام کرتا کرسی گھسیٹ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"دل نہیں چاہ رہا تھا آفس جانے کا۔ تم کالج کیوں نہیں آئیں۔" پارس نے پہلی بار اسے سب کے سامنے مخاطب کیا اس کے جواب دینے سے پہلے ہی دادی کہنے لگیں۔

"کیسے جاتی وہ بے چاری ' میری ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ جو تھی اللہ کا شکر ہے کہ ابھی میرے ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں پھر بھی اس لڑکی نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا ہے میں نے بہت کہا میں چلی جاؤں گی مگر نہ جی مجال ہے جو کوئی میری سن لے۔" دادی نے خاصی برہمی سے کہا تو پارس بے ساختہ ہنس دیا۔

"یہ کس کس پر غصہ آرہا ہے آپ کو جو اس بے چاری پر نکل رہا ہے۔"

"تمہارا دوست ریاض آخر مجھے اپنی والدہ کا نمبر کیوں نہیں دیتا' دو دن پہلے جب وہ گھر آیا تھا میں نے تب بھی کہا کہ اپنے گھر کا نمبر دے دو لیکن پتا نہیں اسے ہر وقت کس بات کی جلدی رہتی ہے بس یہ کہا کہ جی دادی ابھی آکر دیتا ہوں اور ایسا غائب ہوا کہ وہ "ابھی" پھر کبھی نہیں آئی۔"

"تو اس سے نمبر کیوں مانگا آپ نے' مجھ سے لے لیتیں۔" پارس فوراً" بولا تو دادی کو غصہ ہی آگیا۔

"تم سے تو چھ ماہ سے مانگ رہی ہوں' دینے والے کو بھلے ہی کوئی شرم و حیا نہ ہو لیکن اتنی دفعہ کی ٹال مٹول کے بعد تو مانگنے والے کا ہی منہ نہیں پڑتا۔" وہ شاید ابھی مزید اس کی تعریفیں کرتیں کہ پارس نے پیالے میں پڑے مٹر اٹھانے چاہے تو انہوں نے پورا پیالہ جھپٹ لیا۔

"ہاتھ تو دھو لو۔" دادی نے اسے ناگواری سے دیکھا وہ ویسے ہی غصے میں تھیں پارس نے چپ چاپ ہاتھ دھو لینے میں ہی عافیت سمجھی اور سنک کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ کو کیا کام ہے ریاض کی امی سے' میں آپ کو ان کے گھر لے چلتا ہوں۔"

"ہیں واقعی۔" توقع کے عین مطابق ان کا غصہ ایک پل میں غائب ہو گیا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ جوش سے مٹر چھیلتے ہوئے کہنے لگیں۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں آج ہی چلتے ہیں۔" وہ تو جیسے انتظار میں تھیں۔

"آج۔" پارس نے قدرے حیرت سے کہا ازل اسے ہاتھ دھونے کی جگہ دیتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئی تو اس نے سوالیہ نظروں سے ازل کو دیکھتے ہوئے بظاہر دادی سے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"ازل کا بڑا اچھا رشتہ آیا ہے۔" دادی نے گویا دھماکا کر دیا وہ صابن ہاتھ میں پکڑے اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا جو سر جھکائے سلیب پر انگلی پھیرنے لگی تھی جبکہ دادی اپنے آپ میں مگن اس جوش و خروش کے ساتھ کہتی رہیں۔

"میں جہاں چیک اپ کے لیے جاتی ہوں وہاں عموماً" ایک آصفہ نامی نرس ہی میرے کام پر معمور ہوتی ہے بڑی اچھی لڑکی ہے ہمیشہ بہت باتیں کرتی ہے جب آج میں چیک اپ کے لیے گئی تو اس نے اپنے بھائی کے لیے ازل کا رشتہ مانگا ہے میں نے کہا اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے تو وہ کہنے لگی وہ پرائیوٹ تعلیم حاصل کر لے یا اگر سائنس چینج کرنا نہیں چاہتی تو ہم انتظار کر لیں گے اس کا بھائی ویسے بھی دبئی میں رہتا ہے۔

میرے خیال سے تو بس لڑکے کے بارے میں معلومات کرانے کے بعد فوراً" شادی کر دینی چاہیے پڑھائی بہت ضروری سہی مگر اس کے کوئی آگے پیچھے نہیں ہے کل کو اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تمہاری ماں اسے بلاوجہ گھر میں بھی نہیں رکھے گی پھر کہاں جائے گی یہ۔ تم کچھ بول کیوں نہیں رہے پارس۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔"

دادی کو اچانک اس کی خاموشی کا احساس ہوا تھا وہ تب سے نل کے نیچے ہاتھ کیے صابن پکڑے کھڑا تھا

ازل پھر بھی خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے پلٹ کر پیاز کاٹنے لگی دال کو بگھارنے کے لیے۔

"جی' جی دادی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" پارس نے چونکتے ہوئے تو وہ بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی اس کی حیرانی سے پھیلتی آنکھوں کو دیکھ کر پارس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"ازل کے لیے پڑھائی سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ شادی کر کے اپنا گھر بسا لے مگر لڑکا بہت دور ہے اگر یہاں ہوتا تو ایک بار ازل سے ملا تو سکتے تھے آخر اس کی بھی تو کوئی پسند ناپسند ہو گی اب ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ سیدھا قاضی صاحب کو بلا لیا جائے اور بغیر سوچے سمجھے سیدھا نکاح نامے پر دستخط کرا لیے جائیں۔" پارس ہاتھ دھو کر سلیب کے دوسری جانب عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا مگر وہ سر جھکائے خاموشی سے پیاز کاٹتی رہی جبکہ دادی تڑپ اٹھیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو اب ایسا بھی اندھیر نہیں کہ ہم بغیر کچھ معلوم کیے اسے اتنی دور بھیج دیں لڑکے کی معلومات پارس تم خود کراؤ گے لیکن یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں پہلے ازل کے گاؤں جا کر ان کے خاندان والوں سے تو بات کر لیں۔" دادی کا انداز ایک بار پھر جھنجلایا ہوا ہو گیا تھا۔

"کیا ضرورت ہے گاؤں میں بات کر کے مسائل کھڑے کرنے کی اگر انہوں نے منع کر دیا اور اپنے خاندان کا کوئی ان پڑھ اس کے پلے باندھ دیا تو۔" پارس نے پلٹ کر ایک نظر دادی کو دیکھا تو وہ بھی ہاتھ روک کر اسے ایسے دیکھنے لگیں جیسے یہ خیال انہیں پہلے نہ آیا ہو۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر ہم اس کے بغیر بتائے اس کا رشتہ تھوڑی طے کر سکتے ہیں کل کو ان لوگوں نے ہم پر کوئی الزام لگا دیا یا لڑکی کو غائب کر دینے کا مقدمہ دائر کر دیا تو۔ یہ تو شادی کر کے دبئی چلی جائے گی' دادی فکر مندی سے بولیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا دادی۔ یہاں بغیر شناختی کارڈ کے لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے چاہے اس کے سرپرست بھی موجود نہ ہوں اور یہ بھی کنفرم نہ ہو کہ لڑکی بالغ بھی ہے یا نہیں۔ یہ سارے قانونی داؤ پیچ ہم سنبھال لیں گے آپ صرف ازل کی مرضی معلوم کریں کہ یہ راضی ہے یا نہیں۔" پارس نے دوبارہ ازل کی طرف پلٹتے ہوئے اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کہا امریکن اسٹائل کے درمیان میں بنے سلیب پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے وہ جھک کر اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"ویسے یہ بھی کیا کہے گی اس نے لڑکے کو دیکھا ہی نہیں' مگر زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں میں مل کر ایسا آنکھوں دیکھا نقشہ کھینچوں گا کہ تمہیں لگے گا وہ تمہارے سامنے کھڑا ہے بائی دا وے کیسا ہونا چاہیے اسے؟ میرے جیسا چلے گا؟"

تیز دھار کی چھری پیاز کی بجائے اس کی انگلی پر چل گئی تھی۔

تکلیف کی شدت سے اس کے ہاتھ سے چھری گر گئی تھی مگر اس کے منہ سے ایک "سی" تک نہیں نکلی خانساماں فوراً" اس کی طرف لپکا۔

"ارے ارے بیٹی اتنا کہا کھاؤ' چھوڑ دو یہ سب میں کر لوں گا۔"

"ہاں ہاں ازل جاؤ جا کر جلدی سے پٹی باندھ لو۔" دادی بھی فوراً" بولیں تو وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے کچن سے نکل گئی۔ پارس صرف سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

دادی کو اس نے فی الحال اس رشتے کے بارے میں کسی کو بھی بتانے سے منع کر دیا اس نے یہی کہا تھا کہ ممی رشتے کا سنتے ہی اس کی شادی کے لیے راضی ہو جائیں گی جبکہ انہیں پہلے ہر طرح سے اطمینان کر لینا چاہیے اگر رشتہ ہر لحاظ سے موزوں ہوا تب ممی ڈیڈی سے ذکر کریں گے دادی مان تو گئیں مگر ازل کے گھر والوں کو لے کر وہ ابھی تک پریشان تھیں اور ان کی باتیں سن کر اسے لگ رہا تھا کہ اسے اب مزید وقت

ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ڈیڈی کو سب کچھ صاف صاف بتا دینا چاہیے جتنا وقت گزرتا جائے گا اس کے لیے سچ بتانا اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا مگر اس سے پہلے وہ ایک بار کھل کر ازل سے بات کرنا چاہتا تھا کیونکہ سچائی سامنے آنے پر وقتی طور پر اس کی پوزیشن بہت آکورڈ ہو جائے گی حالانکہ آئندہ کی طرف سے وہ بہت پر امید تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا مگر سب ٹھیک ہونے تک جو حالات ہوں گے کیا ازل وہ برداشت کر سکے گی۔

وہ ازل سے بات کرنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کے دروازے پر ابھرنے والی دستک نے اسے چونکا دیا وہ رات کے کھانے کے بعد واک کر کے اپنے کمرے میں آگیا تھا اور کالج کے کام سے فارغ ہو کر بس سونے ہی جا رہا تھا مگر دروازہ کھولنے پر اس کی نیند ہی اڑ گئی اس کے سامنے ازل کھڑی تھی بے اختیار اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"ازل تم یہاں۔" بالکل غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ بہت جھجکتے ہوئے بولی پارس اتنی رات گئے اسے اپنے کمرے میں بلانا نہیں چاہتا تھا لیکن اگر وہ خود سے آئی تھی تو واقعی کوئی ضروری بات ہو گی پارس کو مجبوراً ایک طرف ہٹتے ہوئے اسے اندر آنے کی جگہ دینی پڑی۔

"کیا بات ہے۔" اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے پارس نے ایسے پوچھا جیسے جو کہنا چاہتی ہو کہہ کر جلد سے جلد چلی جاؤ۔ وہ خود بھی ایسی ہی کسی کیفیت سے دوچار تھی اس لیے فوراً کہنے لگی۔

"میں دادی کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا چاہتی ہوں بس اس نکاح والی بات کو چھوڑ کر کیونکہ جو نکاح ٹوٹنے ہی والا ہے اس کے بارے میں بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن میں اور کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی۔" وہ بڑی مضطرب لگ رہی تھی۔

"لیکن کیوں تم نے ہی تو کہا تھا جیسے چل رہا ہے چلنے دیں کیا اب تمہیں یقین ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری بے گناہی کو سمجھ جائیں گی۔" پارس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں، یہ یقین تو مجھے اب بھی نہیں ہے مگر ان گزرے چند مہینوں میں مجھے یہ ضرور پتا چل گیا ہے کہ جھوٹ زیادہ دیر چل نہیں سکتا اور جو لوگ ایسی کوشش کرتے ہیں وہ اپنا ذہنی سکون کھو دیتے ہیں اسی لیے میں نے طے کیا ہے کہ میں دادی کی نرس آصفہ کو اپنے بارے میں سب بتا دوں گی بھلے ہی وہ سب جاننے کے بعد اپنے بھائی کا رشتہ نہ دیں لیکن میں اتنی ساری غلط بیانی کے ساتھ کوئی نیا رشتہ استوار کرنا نہیں چاہتی۔

جب میں انہیں بتاؤں گی کہ میرا گاؤں میں کہیں کوئی خاندان نہیں ہے تو وہ میری بابت دادی سے ضرور پوچھیں گی اگر دادی کو کسی اور کے ذریعے پتا چلا تو انہیں بہت تکلیف ہو گی اور وہ مجھ سے زیادہ بدگمان ہو جائیں گی انہوں نے مجھے بہت محبت دی ہے میں انہیں کوئی صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی انہوں نے اگر سب کچھ جاننے کے بعد مجھے دھتکار دیا تو میں کسی دارالامان میں چلی جاؤں گی مگر اب میں مزید کوئی جھوٹ نہیں بول سکتی وہ بھی ایسا جھوٹ جو کبھی بھی کھل سکتا ہو۔

دادی کے پاس ریاض بھائی کی امی کا نمبر نہیں ہے لیکن ان کی کہیں اتفاق سے ملاقات بھی تو ہو سکتی ہے آپ کو کیا لگتا ہے اگر آپ اور ریاض بھائی انہیں ملنے نہیں دیں گے تو وہ کبھی روبرو نہیں ہوں گے جس دن وہ دادی کو کہیں مل گئیں دادی سب سے پہلے ان سے میرے گاؤں کا پتا مانگیں گی میں انہیں اپنے گاؤں کے جھوٹے قصے سناتے سناتے تھک گئی ہوں۔"

وہ کہتی چلی گئی جس روانی سے وہ بول رہی تھی اسی تواتر سے اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں پارس مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ شرمندہ بھی ہو گیا۔

وہ اس عذاب سے آج اسی کی وجہ سے گزر رہی تھی یہ سارے جھوٹ اس نے پارس کے کہنے پر ہی

بولے تھے وہ ہر وقت دادی کے ساتھ رہتی تھی ایسے میں اسے ہر لمحہ کوئی نہ کوئی جھوٹ ایک جھوٹ کو نباہنے کے لیے بولنا پڑتا ہو گا وہ بھی دادی جیسی شفیق عورت سے۔

اس کا ضمیر اسے کتنی ملامت کرتا ہو گا اور وہ کس اذیت سے گزرتی ہو گی اس کا احساس پارس کو پہلی بار ہوا تھا ورنہ وہ تو یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ وہ یہاں بہت آرام سے ہے لیکن اگر ذہنی سکون میسر نہ ہو تو جسمانی آرام بھی ہیچ ہو جاتا ہے اس کے اتنے رات گئے یہاں آنے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت دیر بستر پر لیٹی ان ساری سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کر رہی ہو گی مگر جب کامیابی نہیں ہوئی تو پارس کے پاس چلی آئی اس وقت اس میں واقعی اتنی ہمت ہو گی کہ ہر ردعمل کا سامنا کر سکتی ہو گی کیونکہ اس وقت وہ ضمیر کی لن ترانیاں سن کر آ رہی تھی۔

"ازل پلیز چپ ہو جاؤ تم جیسا چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا تم ٹھیک کہہ رہی ہو، جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا مگر مجھے ڈر تھا کہ سچ بتانے کے بعد شاید میرے گھر میں تمہیں جگہ نہ مل سکے اور اگر مل بھی جاتی تب بھی اتنی عزت اور توقیر ہرگز نہ ہوتی لیکن اگر تم چاہتی ہو تو میں دادی کو بتا دیتا ہوں کہ تمہارا ریاض کے آبائی گاؤں سے کوئی تعلق نہیں۔ تم رفیق بابا کی بیٹی ہو اور تمہیں یہاں میں لے کر آیا تھا لیکن اب بھی میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تمہارے اریسٹ ہونے کے بارے میں کچھ بتایا جائے ورنہ وہ لوگ تمہیں بہو کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کریں گے۔" پارس کی بات پر وہ رونا دھونا بھول کر ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"بہو!" اس نے زیر لب دوہرایا اس کے لہجے میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"کیوں کیا تمہیں دبئی والا رشتہ زیادہ پسند آگیا ہے جو اتنی پریشان ہو گئی ہو۔"

پارس نے مسکراتے ہوئے پوچھا مگر اس کی حالت کے پیش نظر فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں تم سے اس بارے میں بات کرنے ہی والا تھا اچھا ہوا تم نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا میں اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمہیں پوری دنیا کے سامنے سماجی اور روایتی انداز میں اپنانا چاہتا ہوں کیا تمہیں میرا ساتھ منظور ہے۔"

"بالکل نہیں۔" ازل کے چہرے پر پھیلے بے یقینی کے تاثرات یک دم برہمی میں تبدیل ہوئے پارس کو اس قدر صاف انکار کی توقع نہیں تھی مگر وہ فوری طور پر کسی ردعمل کا مظاہرہ کرنے کی بجائے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور اس کی یہ خاموشی محسوس کرتے ہوئے ازل خود بھی متذبذب ہو گئی۔

"آپ..... آپ کے مجھ پر بہت احسان ہیں ایک احسان اور کر دیں پلیز میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں میں..... میں اپنا کوئی تماشا نہیں بنانا چاہتی اور اتنا تو آپ کو بھی یقین ہو گا جس دن آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اسی دن گھر میں بھونچال آجائے گا میں اب کسی امتحان سے گزرنا نہیں چاہتی آپ اس رشتے کو ختم کر دیں میں زیادہ دن آپ کے گھر میں رہنا بھی نہیں چاہتی دادی کو جہاں مناسب لگے گا وہ میری شادی کر دیں گی تو آپ کے والدین کو بھی مجھے اپنے گھر میں پناہ دینے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہو گا ورنہ وہ ساری عمر یہی سوچتے رہیں گے کہ ایک نیکی ان کے گلے پڑ گئی انہوں نے ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دیا تو وہ ان کے بیٹے پر ہی قابض ہو گئی میں ایسے طعنے اور حقارت سے بھری نظریں برداشت نہیں کر سکتی آپ پلیز مجھے اس بندھن سے آزاد کر دیں۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پارس لب بھینچے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا کتنی خوش نصیب تھی وہ دل دکھا تھا تو کم از کم آنسو تو بہا سکتی تھی وہ تو یہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج پارس کے پاس اسے تسلی دینے کے لیے الفاظ نہیں تھے حالانکہ وہ چاہتا تو اس کی بات مان کر ایک پل میں اس کے چہرے پر وہی معصوم سی مسکراہٹ بکھیر سکتا تھا مگر اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی دونوں ہی ایک دوسرے کی بات

ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اس نے تنے ہوئے اعصابوں کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"رات بہت ہو رہی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ صبح بات کریں گے۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ ازل کوئی بھی فیصلہ اس کے مجبور کرنے یا اس کے احسان تلے دبے ہونے کی وجہ سے کرے مگر اس کا دل ازل کی بات ماننے کے لیے بھی تیار نہیں تھا اس نے فی الحال بحث سمیٹنے کے لیے کہا تھا اور واقعی رات بہت ہو رہی تھی ازل آنسو پونچھتی اس کی طرف دیکھنے سے جان بوجھ کر گریز کرتی کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن کا سورج بہت بوجھل اور بے کیف صبح لے کر طلوع ہوا تھا پارس بڑی بے دلی سے تیار ہو کر کالج جا رہا تھا کہ ڈیڈی کی طبیعت کی خرابی کا سن کر ان کے کمرے میں چلا گیا وہ بیمار تو نہیں مگر بہت چڑچڑے ہو رہے تھے پارس نے انہیں آفس جانے کی بجائے گھر پر آرام کرنے کا مشورہ دیا تو وہ تڑخ کر بولے۔

"ہزار کام ہوتے ہیں مجھے آفس میں' آرام کرنے بیٹھ جاؤں گا تو بزنس کیسے چلے گا ایک ہفتے سے اسلام آباد جانا چاہ رہا ہوں پہلے سنگاپور جانا پڑ گیا پھر یہ ٹوکیو سے ٹیم چلی آئی آج تو ہر حال میں جانا ہے مجھے۔"

"ڈیڈی آپ آرام کریں میں اسلام آباد چلا جاؤں گا۔" پارس کے رسانیت سے کہنے پر وہ بری طرح تلخ ہو گئے۔

"نہیں' میں خود جاؤں گا تم پر مجھے بھروسہ نہیں ہے۔" ان کی بات پر ممی جھنجلانے لگیں۔

"خوامخواہ کی ضدیں کرنے کا شوق ہے آپ کو' پارس کے ساتھ آپ کے آفس کا اسٹاف بھی جائے گا اور پھر ہمارا بیٹا بہت سمجھدار ہے آپ کو بس عادت ہے سارا بوجھ اپنے سر پر رکھنے کا۔" ممی سے بحث سے بچنے کے لیے ڈیڈی نے بس جان چھڑانے والے انداز میں اسے اسلام آباد جانے کی اجازت دی تھی مگر ان کے تیور بدستور بگڑے ہی رہے پارس کالج جانے کی بجائے سیدھا آفس چلا گیا وہاں واقعی بہت کام تھا شام تک وہاں مصروف رہنے کے بعد وہ سیدھا ایئرپورٹ چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

اسلام آباد کا دو دن کا ٹور اس کے لیے خاصا خوشگوار ثابت ہوا تھا ایک تو وقتی طور پر اس کا ماحول بدل گیا تھا دوسرے اس نے اسٹاف ممبرز کی بات نہ مانتے ہوئے خود فیصلہ کر کے ایک طرح سے بہت بڑا رسک لیا تھا مگر اس کے اندازے کے مطابق اس کا بھرا گیا ٹینڈر زیادہ کامیاب رہا اور فوراً" منظور کر لیا گیا جس پر ڈیڈی نے خود فون کر کے اسے سراہا تھا اس کے گھر پہنچنے پر بھی وہ کافی دیر تک اس پر فخر کرتے رہے۔

"اچھا! ڈیڈی میں ذرا دادی سے بھی مل لوں۔" وہ اپنی اتنی تعریفوں پر مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔

"تمہاری دادی تمہاری پھوپھی کے گھر رہنے گئی ہیں ایک ہفتے سے پہلے نہیں آئیں گی۔" ممی کے اطلاع دینے پر بالکل بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"اور ازل؟ کیا وہ بھی ان کے ساتھ گئی ہے۔" ڈیڈی کے چائے کی طرف جاتے ہاتھ کو ٹھٹکتا دیکھ کر اسے اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تھا مگر ممی نے چونکے بغیر سرسری انداز میں کہا۔

"وہ اپنے گاؤں چھٹی پہ چلی گئی ہے نا اسی لیے تو تمہاری دادی گھبرا کر پھوپھی کے گھر رہنے چلی گئیں۔" پارس نے چونک کر کہا۔

"گاؤں!"

"ہاں تو اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے اتنے دنوں میں پہلی بار گئی ہے۔" ممی اس کی کیفیت سمجھے بغیر سمجھانے والے انداز میں بولیں پھر ڈیڈی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ویسے ای اس لڑکی سے کچھ زیادہ ہی اٹیچ ہو گئی ہیں کسی کا اتنا عادی ہونا ٹھیک نہیں ہے۔"

"لیکن وہ گاؤں کب گئی' کس کے ساتھ گئی' کیا کوئی

لینے آیا تھا اسے۔" پارس نے بمشکل اپنے لہجے کو نارمل رکھا ہوا تھا پھر بھی ڈیڈی کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

"بھئی مجھے نہیں پتا میں تو گھر پر نہیں تھی تمہاری دادی بھی کھانے کے بعد سو رہی تھیں تمہارے ڈیڈی گھر پر تھے اتنے دنوں میں پہلی بار اس کے گھر کا کوئی شخص اسے لینے آیا تھا تو یہ بھلا اسے کیسے روکتے۔ اس شخص کو بھی جانے کی جلدی تھی ازل دادی سے ملے بغیر ہی چلی گئی۔" ممی پلیٹ میں سے بسکٹ اٹھاتے ہوئے بولیں پارس الجھی ہوئی نظروں سے ڈیڈی کو دیکھنے لگا جن کے چہرے پر کچھ تھا مگر کیا' یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"ڈیڈی کون لینے آیا تھا؟" اب کی بار اس نے اپنی آواز اور لہجے پر قابو رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی اسی لیے اس کے انداز سے جھلکتا تفکر دیکھ کر ممی نے پہلی بار چونک کر اسے دیکھا تھا مگر اسے قطعاً" پروا نہیں تھی اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل بند ہو رہا ہو۔

"تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو اس کے خاندان کا ہی کوئی شخص تھا وہ یہاں سے اپنی مرضی سے گئی ہے۔" ڈیڈی نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا پارس کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

کمرے میں آتے ہی اس نے ریاض کو فون کیا تھا وہ بھی پارس کی طرح چونک اٹھا تھا اور بجائے پارس کو تسلی دینے کے اس نے پارس کو مزید پریشان کرتے ہوئے حقیقت پر مبنی امکانات گنوانے شروع کر دیے۔

"کہیں' اس فیکٹری کے مالک نے تو کوئی چال نہیں چل دی' ہو سکتا ہے اسے پولیس اسٹیشن سے ازل کا پتا مل گیا ہو یا وہ پولیس والے ہی کوئی موٹی سی رقم نکلوانے کے چکر میں اسے لے گئے ہوں ورنہ اس کا کوئی رشتے دار تمہارے گھر تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور ازل بغیر تمہیں بتائے اس کے ساتھ ایسے کیسے جا سکتی ہے۔"

پارس اور وہ دونوں اسی وقت اپنے اپنے گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور پولیس اسٹیشن پہنچ گئے وہاں اس بدتمیز انسپکٹر سے مل کر انہیں یقین ہو گیا کہ اس میں اس کا ہاتھ نہیں ہے ورنہ وہ انجان بننے کی اتنی اچھی اداکاری نہیں کر سکتا تھا۔ ریاض نے تو بہت چاہا کہ اس فیکٹری کے مالک کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر لی جائے یا ازل کے گمشدہ ہونے کی ہی رپورٹ درج کر دی جائے مگر پارس نہیں مانا اس طرح ازل کے لیے مسائل بھی کھڑے ہو سکتے تھے یا اگر وہ فیکٹری کے مالک کے پاس تھی تو وہ اسے غصہ دلانے کی حماقت کرنے کی بجائے فی الحال صرف مفاہمت کرنا چاہتا تھا بعد میں چاہے وہ اسے قتل کر دیتا اس لیے وہ دونوں وہاں سے نکل کر سیدھے فیکٹری پہنچے تھے مگر وہاں منیجر نے کوئی اور ہی کہانی سنا دی۔

فیکٹری کے مالک کو ایک ماہ پہلے ہی اس کے بھائی نے قتل کر دیا تھا اور فیکٹری بیچ کر خود ملک سے فرار ہو گیا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے طور پر وہ اس کے ہاسٹل بھی گیا مگر شام گہری ہو جانے پر وہاں کی وارڈن نے دو لڑکوں کو گیٹ کے اندر داخل بھی نہیں ہونے دیا شاید فیکٹری کے نئے مالک نے انتظام بہتر کر لیے تھے۔

ایک آخری کوشش کے طور پر وہ دونوں رفیق بابا کے گھر پہنچ گئے۔ دن کے مقابلے میں رات کے وقت وہ کچی آبادی اور بھی خستہ حال اور ہیبت ناک لگ رہی تھی وہ ان اندھیری گلیوں میں امید کی موہوم سی کرن لے کر داخل ضرور ہوئے تھے مگر واپسی میں ان گلیوں میں پھیلی ویرانی سے بھی زیادہ گہری تاریکی پارس کے اندر اتر چکی تھی ریاض کے سمجھانے بجھانے پر وہ گھر تو چلا آیا تھا مگر ریاض کے "صبح کچھ کرتے ہیں" کے کھوکھلے جملے اسے صبح کے اجالے کے منتظر بنانے میں ناکام رہے تھے۔

اس پر شدید مایوسی طاری تھی صرف ایک ہی امکان غالب تھا کہ ازل نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا مگر پارس کے رویے سے اسے محسوس ہوا وہ اس سے دست بردار ہونے کے لیے کسی طور راضی نہیں ہے تب وہ پارس کی غیر موجودگی میں چپکے سے یہ گھر

چھوڑ گئی۔ پتا نہیں اس نے واقعی اپنے کسی رشتے دار کو بلایا تھا یا ڈیڈی کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے سامنے کوئی ڈرامہ کیا تھا کچھ بھی تھا اس کا اس طرح چلے جانا پارس کو توڑ گیا تھا اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ ازل اس حد تک جا سکتی ہے تو وہ واقعی اسے آزاد کر دیتا اس طرح خود کو بے گھر کر کے ازل نے پارس کا سارا سکون درہم برہم کر دیا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جسے وہ اتنا ذہین سمجھتا تھا وہ اتنی بے وقوفی کا مظاہرہ کیسے کر گئی۔

"پارس کہاں تھے تم کتنی دیر سے تمہارے موبائل پر ٹرائی کر رہی ہوں ایک کال ریسیو نہیں کی تم نے۔" ممی اسے دیکھتے ہی برس پڑیں مگر اس کا تھکا تھکا چہرہ دیکھ کر وہ سارا غصہ بھول بھال کر فکر مندی سے پوچھنے لگیں۔

"پارس بیٹا کیا بات ہے؟" پارس نظریں اٹھا کر ڈیڈی کی طرف دیکھنے لگا جو نائٹ سوٹ میں ملبوس محض اس کے انتظار میں صبح کا اخبار دیکھنے بیٹھ گئے تھے پارس تھکے تھکے قدموں سے چلتا ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"ڈیڈی ازل کو جو شخص لینے آیا تھا آپ نے اس سے کچھ نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے ازل کو واپس کب چھوڑنے آئے گا۔"

"پارس تم ازل کو لے کر پریشان ہو تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" ممی اس کے منہ سے خلاف توقع بات سن کر ششدر رہ گئی تھیں وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھیں کہ ڈیڈی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا اور پارس کو بغور دیکھنے لگے۔

"جب ریاض نے اسے میرے سامنے کھڑا کیا تھا میں نے تب بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے۔ میں نے صرف ایک خدشہ ظاہر کیا تھا اور دیکھ لو آج میرا وہ خدشہ صحیح ثابت ہو گیا۔" ڈیڈی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو پارس ان کے سامنے زمین پر ایسے بیٹھ گیا جیسے اپنا سب کچھ ہار کر بالکل تہی دامن رہ گیا ہو وہ بہت آہستہ آواز میں بالکل سرگوشیانہ انداز میں کہنے لگا۔

"اسے ریاض نہیں لایا تھا ڈیڈی۔ اسے میں ریاض کے ذریعے لے کر آیا تھا۔" ممی بری طرح چونک کر کبھی پارس کو اور کبھی ڈیڈی کو دیکھنے لگیں جن کے چہرے پر حیرانی کے کوئی تاثرات نہیں تھے اس کے برعکس ان کے چہرے پر ایسی سختی پھیلی تھی جیسے اپنا غصہ بڑی مشکل سے ضبط کر رہے ہوں کیونکہ وہ اس کی پوری بات سننا چاہتے تھے۔

"میں اسے جانتا نہیں تھا۔ مجھے کچھ نہیں پتا تھا کہ وہ کون ہے کیسی ہے میں نے تو اس کی شکل بھی ٹھیک طرح سے نہیں دیکھی تھی میں صرف یہ جانتا تھا کہ وہ اس شخص کی بیٹی ہے جس نے میری مدد اس وقت کی تھی جب میں بالکل لاچار تھا اور شدت سے کسی کی مدد کا منتظر تھا تب ازل کے والد شفیق بابا نے میرے ایکسیڈنٹ کے بعد مجھے سڑک سے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا۔" ڈیڈی کے چہرے پر پھیلی کرختگی حیرانی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی جیسے انہیں اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا ہو۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں تین نفوس کی موجودگی میں بھی موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا اب تک صرف پارس کی مدھم آواز کمرے میں ابھر رہی تھی اس کے چپ ہونے کے بعد جیسے پوری کائنات خاموش ہو گئی تھی آخر پارس نے ہی جھکا سر اٹھا کر ڈیڈی کی طرف دیکھا جو کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔

"ڈیڈی۔" پارس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں میں نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے مگر میں نے یہ سب آپ کو چوٹ پہنچانے کی نیت سے نہیں کیا بلکہ میں نے اگر آپ سے کچھ چھپایا تو صرف اسی لیے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔" پارس کی بات پر پشت سے ممی کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔

"تو کیا اب ہمیں تکلیف نہیں پہنچی کیا اب یہ سب سن کر ہم بہت خوش ہو گئے ہیں۔" پارس ان کے

نے ہوئے لہجے پر بے چین ہو گیا مگر پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

"اگر ازل اس طرح غائب نہ ہوئی ہوتی تو میں شاید کبھی بھی آپ کو یہ اذیت نہیں دیتا۔ ڈیڈی مجھے لگتا ہے کچھ دن کے لیے نہیں گئی بلکہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ ساری حقیقت آپ لوگوں کو پتا چلے اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس سے آزاد کر دوں مگر میں اتنا خود غرض ہو گیا تھا کہ اسے کوئی تسلی بخش جواب ہی نہ دے سکا وہ میرے رویے سے خائف ہو کر یہاں سے چلی گئی ہے مگر وہ کہاں جا سکتی ہے اس کے خاندان والے اگر اتنے اچھے ہوتے کہ اس کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتے تو وہ آپ کے مرنے پر کسی ہاسٹل جانے کی بجائے ان ہی کے پاس جاتی اب پتا نہیں وہ کہاں ہو گی کس حال میں ہو گی۔

ڈیڈی میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں اگر وہ مجھے نہیں ملی تو آپ اپنے بیٹے کو بھی کھو دیں گے۔" پارس کا ٹوٹا بکھرا سا لہجہ انہیں تڑپا گیا تھا ڈیڈی مضطربانہ انداز میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے پھر کمرے کی کھڑکی کے سامنے رکتے ہوئے انہوں نے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھتے ہوئے دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔

"انسان کو کبھی گھر میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے سچ چاہے جتنا بھی کڑوا ہو اسے صرف دنیا والوں سے چھپانا چاہیے اپنے گھر والوں سے نہیں اگر تم نے اس سے نکاح کیا تھا تو یہ بات گھر آتے ہی بتا دینی چاہیے تھی بلکہ جب اس کے پیچھے پولیس اسٹیشن پہنچے تھے تب ہی مجھے فون کرنا چاہیے تھا اس کے باپ نے تمہاری جان بچائی تھی تو کیا ہم اس کی بیٹی کو ایسے ہی چھوڑ دیتے زمانے کی ٹھوکروں میں۔

تم نے یہ سب چھپا کر ٹھیک نہیں کیا گھر کی باتیں جب باہر کے لوگوں سے پتا چلتی ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے اور پھر وہ اپنی اصل صورت حال سے بہت مختلف انداز میں ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں مجھے جب عکاشہ نے ازل کے متعلق بتایا تو میرا خون کھول اٹھا تھا دل چاہا اس کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی گھر سے نکال باہر کروں۔"

"عکاشہ؟" پارس بری طرح چونکا۔

"عکاشہ نے آپ سے کیا کہا۔" ممی ابھی پارس کے انکشاف سے نہیں سنبھلی تھیں کہ ڈیڈی نے ایک اور شگوفہ چھوڑ دیا۔

"پارس کے اسلام آباد جانے سے ایک دن پہلے عکاشہ میرے آفس آئی تھی اس دن پارس آفس نہیں آیا تھا بلکہ کالج سے سیدھا گھر چلا گیا تھا ویسے وہ بھی کالج کے ٹائم پر ہی آئی تھی اس نے مجھے بتایا کہ ازل ایک جھوٹی اور دھوکے باز لڑکی ہے اس کا تعلق ریاض کے گاؤں سے نہیں ہے بلکہ وہ یہیں گارمنٹ فیکٹری میں کام کرتی تھی اور اسی فیکٹری کے ہاسٹل میں رہتی تھی اسے پیسہ کمانے کی ہوس تھی وہ جلد سے جلد رئیس ہو جانا چاہتی تھی اس کے لیے اس نے پہلے فیکٹری کے مالک کو رجھانے کی کوشش کی جب اس میں کامیاب نہ ہو سکی تب فیکٹری سے کیش چرا کر بھاگنے لگی اور رنگے ہاتھوں پکڑی گئی فیکٹری کے مالک نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا مگر وہ پولیس والوں کو بھی بہلا پھسلا کر جیل سے نکل گئی ان ہی پولیس والوں میں کوئی ریاض کے گاؤں کا بھی تھا اس نے ریاض سے رابطہ کر کے ازل کی مظلومیت کی داستان سنا دی تو وہ اسے گاؤں کی ایک سیدھی سادی لڑکی سمجھ کر آپ کے پاس لے آیا مگر اس نے یہاں آ کر بھی وہی حرکت کی جو فیکٹری میں کی تھی اب وہ پارس کے پیچھے لگ گئی ہے کالج میں بھی ہر وقت اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہے وہ اتنی چالاک ہے کہ پارس کو آرام سے بے وقوف بنا لے گی۔"

پارس ششدر رہ گیا تھا ان کی بات سن کر ممی بھی کچھ بولنے کے قابل نہیں تھیں اور انہیں خاموش دیکھ کر ڈیڈی سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہنے لگے۔

"اس نے مجھے ازل کی فیکٹری کا نام بتایا تھا کہ میں چاہوں تو جا کر پتا کر لوں اس کا اتنا اعتماد دیکھ کر میں اس کی بات پر یقین کرنے پر مجبور سا ہو گیا تھا ورنہ پوری

طرح اس کی بات میں صداقت کی مجھے امید نہیں تھی ازل اتنے مہینوں سے ہمارے گھر میں تھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک لڑکی کا کردار اتنا خراب ہو پھر بھی اتنے مہینوں تک وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کو دھوکا دے سکے دوسرے یہ کہ عکاشہ مجھے میرے اس سوال کا تسلی بخش جواب بھی نہیں دے سکی جب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ یہ سب کیسے جانتی ہے تو اس نے مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے پارس کی بہت فکر ہے اسے پارس کے آگے پیچھے پھرتا دیکھ کر میں نے اس کے بارے میں معلومات کرائی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے معلومات کرانے کے لیے کیا طریقہ کار اپنایا کہیں وہ یہ سب محض حسد کی بنا پر تو نہیں کہہ رہی کچھ بھی تھا ازل کے متعلق اتنا کچھ سننے کے بعد میں اسے اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا تھا عکاشہ کی بات میں سچائی ہو یا نہ ہو میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا مگر اس سے پہلے کہ میں کچھ دن سوچ بچار کرتا یا ریاض سے بات کر کے عکاشہ کی سچائی پرکھتا اسی رات میں نے تقریباً" ایک بجے کے قریب ازل کو تمہارے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔"

ڈیڈی کہتے کہتے رک گئے جیسے وہ وقت یاد کر کے اب بھی ان کا تنفر بڑھنے لگا ہو پارس تو اپنی جگہ سن ہی ہو گیا تھا اپنی اور ازل کی اتنی بدقسمتی کا اسے یقین نہیں آ رہا تھا ازل اتنے مہینوں میں پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھی وہ بھی دس یا پندرہ منٹ کے لیے اور اسی وقت ڈیڈی نے اسے دیکھ لیا کیا کہتا وہ اسے اتفاق یا تقدیر۔

"عکاشہ کی باتیں سن کر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی مگر مجھے کیا پتا تھا کمرے سے باہر چہل قدمی کرنے کی صورت میں مجھے ایسا منظر دیکھنے کو ملے گا کہ ہمیشہ کے لیے میری نیند حرام ہو جائے گی مجھے لگا تم اور ازل دونوں میرے اس اقدار اور روایت کے پاسدار گھر میں رہنے کے قابل نہیں ہو مگر اولاد واقعی انسان کو کمزور کر دیتی ہے میں تمہارے ساتھ کوئی سختی نہ کر سکا بلکہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ تم چاہے کتنا ہی گر جاؤ تمہاری بدنامی ہو اور لوگ تم پر انگلیاں اٹھائیں میں نے سوچ لیا تھا کہ تمہاری شادی فوراً" عکاشہ سے کر دوں گا وہ تمہیں سنبھال لے گی اس لیے جب تمہاری دادی کھانے کے بعد سو گئیں اور تمہاری ممی بھی گھر نہیں آئی تھیں میں نے ازل کو بلوایا اور اسے پندرہ منٹ کا وقت دیا کہ اس گھر سے جو سامان چاہو اٹھا لو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

پارس کو لگا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی ہو کمرے کی ہر چیز جیسے زوردار جھٹکوں کی زد میں آ گئی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا۔۔۔ ایک اکیلی لڑکی کو اس طرح۔۔۔ ایسے گھر سے نکال دیا۔" ممی سے بات کرنا مشکل ہو گیا تھا ڈیڈی کی اپنی آنکھیں ضبط کرتے کرتے سرخ ہو گئی تھیں۔

"تم گھر کی بات کر رہی ہو اسے پارس کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر میرا دل چاہا تھا اسے شوٹ کر دوں مجھے تو یہ بھی منظور نہیں تھا کہ اس سے بات ہی کر لیتا میرا حکم سن کر اس نے بڑی حیرانی سے اپنی غلطی پوچھی تھی تب میں نے خود پر جبر کر کے اسے صرف اتنا کہا تھا کہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تمہارے فیکٹری کے مالک کی طرح میں تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں تو ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ یہاں سے جو چیز لے جانا چاہو لے جاؤ مگر میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو۔"

میری بات سن کر اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا وہ کمرے میں گئی اور ایک کمرے کلر کا سوٹ کیس اٹھا کر بغیر کچھ لیے چلی گئی میرے خیال سے تو اس نے اپنے کپڑے بھی نہیں رکھے اس کا بیگ اتنا خالی اور ہلکا سا لگ رہا تھا بعد میں جب امی کو اس کے جانے کا پتا چلا تو وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنے سارے کپڑے اور جوتے چھوڑ گئی جو انہوں نے بنا کر دیے تھے۔"

ان باتوں پر ڈیڈی نے اب غور کیا تھا ورنہ اس وقت تو انہیں اس کی دیدہ دلیری پر تاؤ آ رہا تھا کہ کیسے دندناتے ہوئے اپنا بیگ لے گئی معافی کا ایک لفظ تک نہ کہا۔

پارس کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اب بھی ڈیڈی سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر پارس کو کچھ نہیں دے رہا تھا اسے بس دور کہیں کسی کی سسکیوں کی کھلی آواز آ رہی تھی۔

"ایک بار اگر وہ میرے کردار کی طرف سے مشکوک ہو گئے تو مجھ سے میری یہ آخری پناہ گاہ بھی چھن جائے گی آپ کے ڈیڈی مجھے فوراً" گھر سے نکال دیں گے۔"

اس کی آنسو بھری آنکھیں پارس کے ذہن کے پردے پر کسی جلتی بجھتی شمع کی طرح روشن ہوتیں اور غائب ہو جاتیں وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور ممی کے آوازیں دینے پر بھی رکے بغیر گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

ایک حادثے نے اسے زندگی کی قدر کرنا سکھا دی تھی وہ دوسروں کے ساتھ زیادہ نرمی اور انکساری کے ساتھ پیش آنے لگا تھا مگر دوسرے حادثے نے اس کا دنیا سے دل اچاٹ کر دیا تھا اس حادثے میں لگنے والے زخم تو کب کے بھر گئے تھے مگر اس حادثے کے گھاؤ گزرتے دن کے ساتھ پہلے سے اور گہرے ہو جاتے۔

وہ اگلے ہی دن عکاشہ سے ملنے گیا تھا اور اس کے ساتھ بڑے جارحانہ انداز میں پیش آیا تھا کہ وہ سہم کر رونے لگی تھی پارس اس کے آنسو دیکھ کر پگھلا تھا نہ اس کے خود غرضی اور حسد کے پیراہن میں لپٹے اقرار محبت سے مرعوب ہوا تھا مگر پارس نے اس کے ساتھ کوئی انتقامی کارروائی بھی نہیں کی کیونکہ جو نقصان وہ پہنچا چکی تھی کوئی بدلہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا تھا۔

جب پارس نے ہاکس بے پر عکاشہ کو بائیک پر وہ خطرناک سیر کرائی تو عکاشہ کو وقتی خوف کے علاوہ بعد میں مسلسل احساس توہین تڑپاتا رہا تھا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ پارس نے اس کے ساتھ ایسا سلوک محض ازل جیسی معمولی لڑکی کی وجہ سے کیا حالانکہ پارس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا مگر عکاشہ تو اسی دن ازل سے خائف ہو گئی تھی جس دن اس نے ازل کو پارس کے گھر پر دیکھا تھا اس کے فتور بھرے ذہن میں سب سے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ پارس آج کل زیادہ وقت گھر پر اس لڑکی کی وجہ سے گزارنے لگا ہے حالانکہ پارس کے روٹین میں یہ تبدیلی اس ایکسیڈنٹ کے بعد سے آئی تھی مگر وہ ازل کو ہی اس تبدیلی کا محرک سمجھ رہی تھی دراصل اسے یہ نہیں پتا تھا کہ ازل یہاں کب سے رہ رہی تھی۔

اس نے پارس کے زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کے طریقے سوچنا شروع کر دیے تاکہ پارس اس کے علاوہ کسی اور کی طرف راغب نہ ہو سکے اس کے لیے عکاشہ نے اس کا جم جوائن کر لیا مگر پارس نے پہلے ہی مقام پر اس کی دل شکنی کرتے ہوئے اسے وہاں آنے سے منع کر دیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تم آؤ گی تو میں نہیں آؤں گا۔

عکاشہ اندر تک سلگ اٹھی تھی اس نے محض اپنی انا کی تسکین کے لیے دادی سے بات کر کے ازل کو ہاکس بے بلایا تھا تاکہ اس کی ساری کلاس کے سامنے اسے اس کی اوقات یاد دلا سکے مگر جب پارس نے ازل کو بے عزت کرنے کے جواب میں تمام لوگوں کے سامنے اس کا تماشا بنا دیا تب وہ الجھن میں پڑ گئی کہ وہ واقعی پارس کے لیے اتنی اہم ہے یا یہ اس کی غلط فہمی ہے ہاسٹل سے گھر آ کر وہ یہی سوچ کر الجھ رہی تھی کہ مسکان کا فون آ گیا وہ بھی پارس کے عجیب و غریب رویے پر حیران تھی جب عکاشہ نے ازل سے وابستہ اپنے خدشوں کا اظہار کیا تب مسکان ایک دم جوش میں آ گئی تب اس نے بتایا کہ کس طرح پارس ایک دن اسے ایک گرلز ہاسٹل لے گیا تھا کسی ازل نامی لڑکی کا بیگ نکلوانے کے لیے۔ ضرور یہ وہی لڑکی ہو گی۔

عکاشہ پہلے ہی ازل کے متعلق دادی سے پوچھ چکی تھی انہوں نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ ریاض کے گاؤں سے آئی ہے۔ جب اس نے ازل سے متعلق دو متضاد باتیں سنی یعنی ہاسٹل میں بھی رہتی تھی اور گاؤں سے بھی ابھی آئی ہے تو وہ سچائی پتا کرنے اگلے ہی دن کالج

جانے کی بجائے ہاسٹل پہنچ گئی وہاں ماسی کے ذریعے اسے پتا چلا کہ وہ یہاں کی فیکٹری میں کام کرتی تھی مگر پھر اچانک غائب ہو گئی فیکٹری کی لڑکیوں کا کہنا تھا مالک نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

عکاشہ ہاسٹل میں رہائش پذیر فیکٹری کی لڑکیوں سے ملی تو ان سب نے یہی بتایا کہ وہ چوری کے الزام میں جیل تو گئی تھی مگر اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا کہ کوئی قانونی کارروائی ہوئی یا نہیں البتہ فیکٹری کے مالک نے فیکٹری میں مشہور کر دیا کہ وہ اتنی گری ہوئی لڑکی تھی کہ پولیس والوں کو "خوش" کر کے وہاں سے بھی نکل گئی۔

اس کے بعد وہ کہاں گئی یہ کسی کو پتا نہیں تھا اصل میں کسی نے پتا کرنے کی کوشش ہی نہیں کی ورنہ وہاں موجود ہر لڑکی نے مالک کی برائی کی تھی پھر بھی ازل کے متعلق جس نے جو سنا وہ آگے پھیلا دیا عکاشہ نے بھی پولیس اسٹیشن جا کر کچھ پتا کرنے کی بجائے لوگوں کی بتائی باتوں میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر ایک نئی کہانی پارس کے ڈیڈی کو سنا دی اور یہ یقین دہانی بھی کرا دی کہ دنیا میں ان کے بیٹے پارس کی وہ سب سے بڑی خیر خواہ ہے اسے پروا نہیں تھی کہ ڈیڈی ریاض سے اس کی سنائی کہانی کی تصدیق کر سکتے ہیں کیونکہ ان پولیس والوں میں کوئی ریاض کے گاؤں کا نہیں تھا مگر ازل سے وابستہ اتنی بڑی اور بھیانک سچائی کے سامنے اس کا یہ ایک چھوٹا سا جھوٹ قابل گرفت نہیں تھا پھر بھی اگر کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا تو وہ یہ کہہ کر صاف بچ جاتی کہ اس نے یہی سنا تھا اسی لیے اس نے ڈیڈی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے یہ سب کیسے پتا چلا وہ اپنی اتنی بھاگ دوڑ بھی آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی کہیں ڈیڈی اسے عکاشہ کی ہی کوئی چال نہ سمجھ لیں۔

مگر اس کا جھوٹ اس کی توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا تھا اور اس کی خواہش سے بھی بڑھ کر فوری نتیجہ سامنے آیا تھا ڈیڈی نے ازل کو فوراً" سے بیشتر گھر سے نکال دیا تھا۔

مگر اتنے کامیاب جھوٹ کے بعد بھی ناکامی نے ہی اس کا منہ چڑایا تھا کیونکہ بہت ساری حقیقتوں سے وہ واقف ہی نہیں تھی نہ اسے ازل کے والد کے متعلق پتا تھا نہ پارس اور ازل کے نکاح کا علم تھا اور نہ ہی ازل کے جانے کے بعد پارس کے اتنے شدید رد عمل کی توقع تھی اس نے یہ سب محض پارس کو صرف خود تک محدود رکھنے کے لیے کیا تھا مگر وہ اسے پانا تو درکنار اس کی دوستی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی تھی اسی لیے سب کچھ بتانے کے بعد اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا میں تمہاری زندگی میں کسی اور کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔" پارس کا دل چاہ رہا تھا اسے پیٹ کر رکھ دے مگر بڑی مشکل سے اس نے خود پر ضبط کیا تھا اور اس سے کچھ بھی کہے سنے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا اسے عکاشہ پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ وہ خود بھی اپنے غصے سے خوفزدہ ہو گیا تھا اس نے وقتی طور پر کالج جانا بھی چھوڑ دیا تھا کہ کالج میں عکاشہ کو دیکھ کر اس کا اشتعال اسے کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر اکسانے لگتا۔ اس کی حالت دیکھ کر سب سے زیادہ دکھ دادی کو ہوا تھا انہوں نے بڑی یاسیت سے کہا تھا۔

"کم از کم مجھے تو بتا دیا ہوتا۔" پارس صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا اس کی حالت دیکھ کر اس کے والدین اتنے نرم پڑ گئے تھے ورنہ اگر اس نے پہلے سب بتایا ہوتا تو وہ ازل کو دھتکار ہی دیتے اب تو وہ سامنے نہیں تھی اس لیے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا بلکہ ڈیڈی شرمندگی کے باعث خاموش ہو گئے تھے ایک لوئر کلاس لڑکی کو سہو بنانا یا نہ بنانا ایک الگ مسئلہ تھا مگر بہر حال ممی ڈیڈی اتنے بے حس نہیں تھے کہ ایک جوان لڑکی کو اس طرح دربدر کر دیتے اور بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیتے پر بھی ان کا دل نہ کانپتا خاص طور پر ایک ایسے شخص کی بیٹی کے لیے جس نے ان کی اولاد کو موت کے منہ سے نکالا تھا ڈیڈی تو جیسے اپنے آپ سے بھی آنکھ ملانے کے قابل نہیں رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک کے بعد ایک دن گزرتا گیا پارس نے تو جیسے

دنوں کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا اگر صرف اس کے چلے جانے کا دکھ ہوتا تو شاید پارس خود کو سنبھال بھی لیتا مگر یہاں تو اس کے دور ہونے کے ساتھ اس کے محفوظ ہونے کی بھی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ پتا نہیں وہ کس حال میں ہو گی؟ یہ سوال اسے کسی بھی خوشی کے موقع پر خوش نہیں ہونے دیتا تھا ممی ڈیڈی نے اب اسے سمجھانا چھوڑ دیا تھا شاید انہوں نے یہ سوچ کر صبر کر لیا تھا کہ وہ وقت کے ساتھ ہی سنبھلے گا۔

بظاہر واقعی سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا تھا اس کی وہی روٹین لائف شروع ہو گئی تھی مگر اس کی ذات میں اتر آنے والی پژمردگی اس سے چھپائے نہیں چھپتی تھی دادی اس کا دکھ بانٹنے کی بہت کوشش کرتی تھیں اصل میں وہ خود بھی ازل کے بہت قریب تھیں اس کے ساتھ ہوئی زیادتی پر انہیں بہت قلق تھا اکثر بے خیالی میں وہ پارس سے اس کی باتیں کرنے لگتیں حالانکہ اس طرح پارس کے زخم رسنے لگتے تھے مگر یہ وہ واحد موضوع تھا جس پر بات کرتے وقت اس کی آنکھوں میں پھیلی ویرانی میں کچھ کمی آ جاتی۔

"آج فجر میں آنکھ نہیں کھلی ازل کے آنے کے بعد مجھے خود سے الارم لگانے کی عادت ہی نہیں رہی وہی مجھے جگاتی تھی۔"

ایک دن غیر ارادی طور پر دادی کے منہ سے نکلا تو اگلے دن سے پارس نے خود ہی انہیں جگانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی حالانکہ اتنے منہ اندھیرے اٹھتے وقت اسے اپنی اور ازل کی وہ ملاقات یاد آ جاتی جب وہ اس سے بات کرنے آیا تھا اور ازل نے بے اختیار دروازہ کھول دیا تھا یہ سب یاد کر کے اس کی نیند ہی اڑ جاتی تو وہ دادی کے کمرے میں ہی بیٹھ جاتا اور انہیں نماز پڑھتا دیکھتا رہتا آخر ایک دن دادی نے کہہ ہی دیا۔

"جب مجھے نماز پڑھنے کے لیے جگاتے ہو تو خود بھی نماز پڑھ لیا کرو فرض سمجھ کر نہ سہی' صرف یہ سوچ کر ہی پڑھ لیا کرو کہ نماز پڑھنے سے دل کو سکون ملتا ہے۔"

ان کی بات پر وہ بے دلی سے نماز پڑھنے اٹھ گیا تھا اس نے صرف دادی کے لحاظ میں نماز پڑھی تھی جس پر خود دادی بھی حیران رہ گئی تھیں وہ اسے خوب دعائیں دیتے ہوئے اکثر ایسی ہی باتیں کرنے لگی تھیں۔

"تم جانتے ہو ازل میں اتنی قوت برداشت کیوں تھی کیونکہ وہ روزے بہت رکھتی تھی ہر تیسرے دن وہ روزے سے ہوتی تھی۔" دادی کی کہی بات اس کے دل میں کسک پیدا کر دیتی۔

"روزہ انسان کو ضبط کرنا سکھا دیتا ہے اب تمہیں دیکھو' کس چیز کی کمی ہے تمہیں پہلی بار کوئی ایسی ہستی تم سے دور ہوئی ہے جس سے تمہیں بہت محبت تھی اور تم ہر وقت اداسی کی تصویر بنے پھرتے ہو جبکہ ازل کو دیکھو اس نے کیا کچھ نہیں کھویا جن حالات میں تم اسے یہاں لائے تھے کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہر وقت روتی رہتی جبکہ وہ خود کو ہر وقت عبادت میں مصروف رکھتی تھی اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ تھا والدین' گھر بار' نوکری ہر چیز اس سے چھن گئی تھی پھر بھی اس کے چہرے اور باتوں میں کسی کے لیے حسد یا رشک نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک محسوس کی جانے والی نرمی ہوتی تھی وہ کبھی تمہاری طرح دنیا سے ناراض نظر نہیں آتی تھی۔"

دادی وقتاً" فوقتاً" کہی باتیں اس کے ذہن پر اثر چھوڑنے لگی تھیں رمضان شروع ہوئے تو زندگی میں پہلی بار اس نے محض کھانا پینا چھوڑ کر صرف فاقہ نہیں کیا تھا بلکہ پانچوں وقت کی نماز بھی ادا کی تھی ورنہ وہ روزہ رکھ کر سارا دن سوتا تھا اور افطار کے وقت اٹھ کر روزہ کھول کر دوستوں کے ساتھ سیر سپاٹے کرنے نکل جاتا ساری رات کھانے پینے اور گھومنے کے بعد وہ سحری کر کے گھر آتا اور آ کر تھک کر ایسا سوتا کہ افطاری کے وقت ہی اٹھتا نہ اسے بھوک پیاس کا احساس ہوتا نہ روزہ رکھ کر معمول کے کام کرنے کی مشقت کاٹنا چلتا۔

گزشتہ روزوں کے مقابلے میں اس بار شروع کے دو تین روزے اسے واقعی بہت مشکل لگے مگر وہ اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا تو آہستہ آہستہ جیسے مشکل آسان ہوتی چلی گئی اور پھر آخر کے روزوں میں تو اسے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ روزے سے ہے بھوک' پیاس سے

بے خبر وہ نا صرف کالج جاتا تھا بلکہ وہاں ڈھٹائی سے کھاتے پیتے اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر اسے ان پر ترس آتا تھا جو تھوڑی سی بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے معدوں میں جہنم کی آگ بھر رہے تھے وہ آگ جس کی تپش دنیاوی آگ سے ستر گنا زیادہ ہوگی۔

وہ یہ سب باتیں دادی کو آکر بتاتا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتیں۔

"تم تو بالکل ازل کی طرح بولنے لگے ہو۔" ان کی بات اسے دوبارہ اسی اذیت سے دوچار کر دیتی جسے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہونے کے باعث وہ محسوس نہیں کرپاتا تھا۔

آخری کی طاق راتوں میں اس نے کوشش کی کہ وہ بھی تھوڑی بہت عبادت کرلے مگر وہ تو دادی سے بھی پہلے تھک جاتا۔

"تمہیں عبادت کرنے کی عادت نہیں ہے نا اس لیے نیند آرہی ہے ورنہ رات بھر دوستوں کے ساتھ گھومتے ہوئے تمہیں کبھی نیند نہیں آتی تھی۔" دادی اسے آنکھیں ملتا دیکھ کر مسکرا دیتیں۔

انتیسویں شب کو تو وہ عشا کی نماز پڑھ کر آیا تو سیدھا دادی کے بستر پر آکر لیٹ گیا اسے یقین تھا دادی ضرور ٹوکیں گی کہ اگر ایک بار نیند حاوی ہوگئی تو پھر سحری میں ہی اٹھو گے آخری رات تو ہے عبادت کی کچھ تو استغفار پڑھ لو مگر دادی کسی کتاب پر جھکی تھیں انہوں نے نظر اٹھائے بغیر پوچھا۔

"جب تم ازل کو پولیس اسٹیشن لینے گئے تھے تب وہ لاک اپ میں کتنی دیر سے بند تھی۔" پارس آنکھیں کھول کر انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔

"وہ گھٹنے ہوئے ہوں گے۔" انہوں نے خود ہی اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جی، لیکن آپ کو کیسے پتا۔" پارس نے پوچھا۔

"یہاں آیت کریمہ لکھا دیکھ کر یاد آیا ایک بار ازل نے کہا تھا کہ ایک دفعہ وہ ایک اندھیری کوٹھری میں بند ہوگئی تھی جہاں سے نکلنے کی کوئی امید نہیں نظر آرہی تھی مگر تب اس نے یہی دعا پڑھی جو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں شدید تاریکی میں پڑھی تھی تب اللہ نے اچانک اسے وہاں سے مدد بھیجی جہاں سے اسے گمان بھی نہیں تھا۔ میں نے اس سے بہت پوچھا وہ کون سی جگہ تھی جہاں بقول اس کے اسے لگ رہا تھا کسی نے اسے جیتے جی قبر میں اتار دیا ہو مگر وہ بھی جانے کون سے خیال میں کہہ گئی تھی پھر تو میں پوچھتی رہی مگر اس نے کچھ نہ بتایا کہ وہ کون سی جگہ تھی اور یہ کب کی بات تھی بلکہ میرے زیادہ اصرار پر کہنے لگی۔ جس نے مجھے اس جہنم سے نکالا تھا اس نے مجھے بتانے سے منع کیا ہے اور میں اس کا بھروسہ نہیں توڑ سکتی بلکہ وہ دنیا کا وہ واحد شخص ہے جس کے کہنے پر میں نے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں اس وقت میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تمہاری بات کر رہی ہو گی۔" دادی کی نظریں کتاب پر تھیں مگر ان کی آنکھیں کئی ماہ پہلے کا کوئی منظر دیکھ رہی تھیں پارس کچھ دیر گم سم سا ان کی شکل دیکھتا رہا پھر بغیر کچھ کہے وضو کرنے کے لیے اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

عید کی نماز سے واپس آتے ہوئے وہ کافی خوش تھا ڈیڈی ہر سال کم از کم عید کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے مگر آج پہلی بار ممی بھی ان کے ساتھ گئی تھیں مسجد میں عورتوں کا الگ سے انتظام تھا یہ جاننے کے بعد دادی بھی ان کے ساتھ ہولیں پورے گھر کے ساتھ نماز پڑھ کر آنے کا مزا ہی کچھ اور تھا اور پھر اپنی ممی میں یہ تبدیلی بھی اسے بہت اچھی لگی تھی بلکہ نماز پر جانے سے پہلے ڈیڈی نے ممی سے صدقہ فطر کے بارے میں بھی پوچھا تھا جس پر ممی بڑی ذمہ داری سے بولی تھیں۔

"وہ میں نے دو دن پہلے ہی دے دیا تھا۔" پھر پارس کو دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"ایک غلطی بار بار نہیں دہرائی جاتی صدقہ فطر جان کا صدقہ ہوتا ہے اس کے ادا کرنے سے مصیبتیں اور بلائیں ٹلتی ہیں۔" پارس ان کی بات نہیں سمجھا تھا مگر ممی کے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آبدیدہ انداز میں

کہنے پر وہ چونک اٹھا۔

"پچھلے سال یہ عید کتنی بری گزری تھی اللہ میرے بچے کو ہر نظر بد سے محفوظ رکھے۔" ایک سال ہوگیا تھا اس کے ایکسیڈنٹ کو اسے انگریزی کلینڈر کی تاریخ بخوبی یاد تھی جس کے حساب سے ابھی بھی سال پورا ہونے میں دس دن باقی تھے مگر اسلامی تاریخ کے مطابق آج اس حادثے کو پورا ایک سال گزر گیا تھا جب وہ کتنی دیر سڑک پر بے بسی کے عالم میں پڑا رہا تھا آج بھی اس وقت کو یاد کر کے اس کے احساسات عجیب ہوگئے تھے اسی لیے مسجد سے گھر جا کر ممنوع اوقات ختم ہوتے ہی اس کا شکرانے پڑھنے کا ارادہ تھا اور مسجد اتنی دور تھی کہ گھر لوٹنے تک سورج پوری طرح طلوع ہو چکا تھا پارس گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلا تھا کہ ڈیڈی نے ٹوک دیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے بھئی عیدی تو لے لو۔" پارس بے اختیار مسکرا دیا ایک وقت تھا جب وہ عیدی ملنے کا انتظار کیا کرتا تھا مگر آج اس کی اپنی جیب میں اتنے پیسے تھے کہ اسے کسی رقم کی طلب نہیں تھی پھر عید کے پہلے دن ان کا سارا خاندان ہمیشہ ان کے گھر جمع ہوا کرتا تھا اس سے پہلے کہ وہ گیٹ ٹوگیدر شروع ہوتا وہ نوافل سے فارغ ہونا چاہتا تھا اسی لیے رکے بغیر بولا۔

"ڈیڈی ابھی آکر عیدی لوں گا۔"

"اب تم باہر تھوڑی آؤ گے خیر تمہاری عیدی اندر ہی موجود ہے۔" ڈیڈی نے بھی وہیں سے آواز لگائی تو وہ ان کی بات کا مطلب سمجھنے کے لیے صرف لمحہ بھر کو رکا تھا مگر پھر سر جھٹکتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اتنی تیزی سے آگے بڑھا کہ اسی کی طرح تیزی سے کچن سے نکلتے وجود سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا سنبھلنے کے بعد پارس نے اسے ڈانٹنے کے لیے منہ کھولا تھا۔ مگر اس پر نظر پڑتے ہی پارس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

سی گرین گلر کے نیٹ کے ستاروں بھرے سوٹ میں وہ دونوں ہاتھوں میں ہم رنگ چوڑیاں پہنے اور کانوں میں بڑے بڑے آویزے لٹکائے وہ شاید کچھ دیر پہلے ہی نہا کر نکلی تھی تبھی اس کے گھنے بال پشت پر الجھے الجھے سے پڑے تھے ہاتھ میں پکڑا شیر خورمہ کا پیالہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ نمازیوں کے آنے سے پہلے پہلے میز سیٹ کر دینا چاہتی تھی شاید اسی لیے اس نے بال سلجھانے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا۔

"راستہ چھوڑیں پلیز۔" ازل خود پر جمی اس کی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے آہستگی سے بولی تو پارس جیسے کسی گہری نیند سے جاگ اٹھا۔

"تم؟ تم یہاں کیسے۔ کہاں چلی گئی تھیں تم۔ کب آئیں۔ کہاں تھیں اتنے دنوں سے جانے سے پہلے مجھ سے ایک بار مل نہیں سکتی تھیں ڈیڈی نے کہا چلی جاؤ اور تم چلی گئیں پڑھائی بھی چھوڑ دی کم از کم کالج ہی آجاتیں ایک بار۔" پارس کو خود نہیں پتا تھا وہ کیا کیا کہے جا رہا ہے مگر جواب میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرتی دیکھ کر وہ یکدم چپ ہوگیا۔

"میں کیوں کالج آتی اگر کسی کو مجھ تک پہنچنا تھا تو مجھے خود ڈھونڈتا۔" پارس سر تا پا سلگ اٹھا تھا کتنا تڑپا تھا وہ اس کے لیے، کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا اسے اور وہ کہہ رہی تھی مجھ تک پہنچا تھا تو خود ڈھونڈتا۔

"ہاں میں تو چینی کی بانسری بجا رہا تھا نا تمہارے جانے کے بعد، مجھے کیا ضرورت تھی تمہیں ڈھونڈنے کی۔ ارے پاگلوں کی طرح تمہیں ہر اس جگہ تلاش کرنے گیا تھا جہاں تمہارے ملنے کے ذرا بھی امکان تھے تمہارے گھر سے لے کر اس فیکٹری، تمہارے ہاسٹل سے لے کر پولیس اسٹیشن تک، مگر تمہیں کیا احساس ہوگا تم تو شاید سسٹر آصفہ کے پاس چلی گئی تھیں ایک بس وہیں جانے کا خیال نہیں آیا تھا مجھے۔ ان کے دبئی میں مقیم بھائی تمہارے لیے جو بھی ہوں میرے نزدیک تو یاد رکھنے والی چیز نہیں تھے۔" پارس کے تپے ہوئے انداز کو وہ خاطر میں نہ لاتے ہوئے یاد دلانے والے انداز میں بولی۔

"ان کے پاس جا کر کیا کرتی آپ نے کون سا میرے کہنے پر مجھے آزاد کر دیا تھا ایک نکاح پر دوسرا نکاح تو نہیں کر سکتی تھی نا۔" اس کے اطمینان سے کہنے پر پارس کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کچا چبا جائے۔

"مجھے نہیں پتا تھا تم دوسرے نکاح کے لیے اتنی بے چین ہو ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟ کیا آزاد کر دیتے مجھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے پوچھ رہی تھی پارس کا غصہ جیسے ٹھنڈا ہوتا چلا گیا اس کی ذات سے چھلکتا یقین ایسے ہی نہیں تھا یقیناً" اس کی یہاں موجودگی کے پیچھے ممی ڈیڈی کا ہاتھ تھا بلکہ ڈیڈی کا تھوڑی دیر پہلے کا کہا جملہ اب سمجھ میں آیا تھا۔

"تمہیں ڈیڈی یہاں لے کر آئے ہیں۔" پارس کے سنجیدگی سے پوچھنے پر وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ڈیڈی اور ممی دونوں کل رات ہی مجھے لائے تھے آتے ہی ممی مجھے اپنے ساتھ بازار لے گئیں عید کی شاپنگ کے لیے' وہاں سے رات کو دو بجے گھر واپس آئے تو پتا چلا آپ اور دادی سو چکے ہیں۔" پارس خاموشی سے اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھتا رہا اچانک ہی اس کے لہجے میں زمانے بھر کی تھکن در آئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم بغیر بتائے۔ ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا۔ دادی سے تو کہا تھا کہ میرے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہو جبکہ تم تو میری جان لینے کے درپے ہو گئی تھیں۔" اس کی بات اور لہجے میں بسی بے چارگی پر ازل کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"ڈیڈی نے جس طرح مجھ سے بات کی تھی اسے سن کر میرا خودکشی کر لینے کا دل چاہ رہا تھا مگر میں نے اس حرام فعل سے خود کو کیسے باز رکھا یہ صرف میں جانتی ہوں میرے اندر ہمت نہیں رہی تھی کہ میں آپ کا یا آپ کے گھر والوں کا دوبارہ کبھی سامنا کر سکوں میں ہمیشہ کے لیے۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی شاید وہ یہ سب کہنا نہیں چاہتی تھی تبھی اپنی آواز کو دوبارہ ہشاش بشاش بناتے ہوئے کہنے لگی۔

"مگر میں آپ کو بتائے بغیر تو نہیں گئی تھی کتنی بار تو بتایا تھا میں کس دارالامان میں رہ لوں گی مگر آپ مجھے وہاں چیک کرنے گئے ہی نہیں اور ممی سے میں نے ایک بار بھی نہیں کہا تھا مگر وہ وہاں پہنچ گئیں۔ وہاں کی لڑکیوں کے لیے وہ کتنی چیزیں لائی تھیں میں انہیں دیکھتے ہی چھپ جانا چاہتی تھی مگر شاید کسی نے بہت دل سے دعائیں مانگی تھیں جو مجھے کہیں پناہ نہ ملی۔"

ازل کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے دکھ کو چھپانے کے لیے زبردستی ادھر ادھر کی باتیں کر کے خود کو مطمئن کرنا چاہ رہی ہو ورنہ یقیناً" اس کا وقت بہت کٹھن گزرا ہو گا مگر ممی نے ملتے ہی ساری بات کلیئر کر دی ہو گی اسی لیے وہ انہیں دوہرا کر شکایت بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور اتنی جلدی بھول بھی نہیں سکتی تھی دادی صحیح کہتی تھیں اس میں ضبط بہت تھا وہ حسد یا رشک کا شکار ہو کر دنیا سے کبھی ناراض نظر نہیں آتی تھی جب ڈیڈی نے اس پر انگلی اٹھائی تب اس نے انہیں کوئی صفائی دینے کی کوشش نہیں کی' یا دوہائی تک نہیں دی کہ میں کہاں جاؤں گی لیکن جب وہ خود اپنی غلطی تسلیم کر کے اسے لینے گئے تب اس نے عزت نفس کے نام پر خوامخواہ کی ضد نہیں باندھی۔

راضی بہ رضا ہوتے ہیں ارباب قناعت
وہ اپنا بھرم دست طلب سے نہیں کھوتے
دامن توکل یہ خوبی ہے کہ اس میں
پیوند تو ہو سکتے ہیں دھبے نہیں ہوتے

پارس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا جو مزید کہہ رہی تھی۔

"آپ خوامخواہ دارالامان کے ماحول سے اتنے خائف تھے میں نے کہا تھا نا سب ایک سے نہیں ہوتے ہاں کی وارڈن اتنی اچھی تھی کہ ممی کے کہنے پر بھی اس نے مجھے نہیں چھوڑا بلکہ جب ممی اور ڈیڈی مجھے لینے آئے تب بھی میری رضامندی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اجازت نامے پر سائن کیے تھے۔" ازل مسکراتے ہوئے بولی۔

"اگر ممی ڈیڈی کی جگہ میں آتا تو کیا تم تب بھی چلنے کے لیے راضی ہو جاتیں۔" پارس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا تو وہ ایک دم چپ ہو گئی اس کا جواب شاید نفی میں تھا مگر شاید وہ پارس کا دل بھی دکھانا نہیں چاہتی تھی اس لیے

بہت سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ اگر میں۔۔۔۔"

پارس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"تھوڑی دیر کے لیے بھول جاؤ کہ میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے سمجھ لو کہ تم اپنے ہر فیصلے میں پوری طرح سے آزاد ہو تو کیا پھر تم میرے ساتھ آتیں۔"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" وہ کچھ زچ ہو گئی تھی۔

"یہی کہ کیا تم مجھے مجبوری میں قبول کر رہی ہو۔" پارس نے صاف لفظوں میں کہا تو ازل کے چہرے سے ایسا لگا جیسے اس نے اپنی مسکراہٹ کو بڑی مشکل سے روکا ہو۔

"ممی تو کہہ رہی تھیں آپ میں بہت تبدیلیاں آگئی ہیں ہمیشہ سے مسلمان ہونے کے باوجود ایسا لگتا ہے جیسے آپ نے اب اسلام قبول کیا ہو۔ تو جب انسان اللہ سے سوال کرنا سیکھ جاتا ہے تو اسے انسانوں سے مانگنا نہیں پڑتا بلکہ حالات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ لوگ خود چل کر آتے ہیں انہیں دینے کے لیے تمہیری یہاں موجودگی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔" ازل کہتی چلی گئی۔

"میں تمہاری طرح سمجھ دار نہیں ہوں مجھ سے پلیز آسان لفظوں میں بات کیا کرو۔" پارس کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا تھا۔

"کوئی بات نہیں میرے ساتھ رہتے رہتے مشکل گفتگو بھی سمجھنے لگیں گے۔" ازل کہہ کر تیزی سے سائیڈ میں سے ہو کر نکل جانا چاہتی تھی پارس اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس سے پہلے کہ اسے روکتا ڈیڈی کی آواز پر وہ دونوں ہی اپنی جگہ رک گئے۔

"بھئی آخر شیر خورمہ کھانے کے لیے کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔" ڈیڈی کے ساتھ دادی اور ممی بھی اندر داخل ہو گئے تھے دادی کے چہرے سے پھوٹتی خوشی ظاہر کر رہی تھی کہ انہیں ابھی باہر ہی ڈیڈی نے اس کی آمد کے متعلق بتایا ہو گا ازل آگے بڑھ کر ان سے بات کرنا چاہتی تھی مگر ڈیڈی کا جملہ اسے بلش کر گیا تھا۔

"بہت انتظار کیا کہ تم دونوں گلے شکوے سمیٹ کر ہمیں اندر بلا لو گے۔ مگر نہیں بھئی آخر ہم خود ہی ڈھیٹ بن کر کباب میں ہڈی بننے چلے آئے۔" ڈیڈی کے خوش دلی سے کہنے پر ازل تیزی سے ڈائننگ روم میں غائب ہو گئی۔

"آپ ہی کو شوق ہو رہا تھا سرپرائز دینے کا ورنہ اگر پرسوں ہی بتا دیا ہوتا تو اب عید تک ان کے شکوے گلے کہہ سن کر ختم ہو گئے ہوتے۔" ممی نے مسکراتے ہوئے کہا تو پارس واقعی جھینپ گیا وہ تو اندر آکر انہیں بالکل ہی بھول گیا تھا تبھی ڈیڈی چلتے ہوئے اس کے عین سامنے آکھڑے ہوئے۔

"عید پسند آئی۔" ان کے مسکرا کر پوچھنے پر پارس کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر بے اختیار ان کے گلے لگ گیا۔

☆☆☆

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے
"بدر یا برس گئی اس پار"
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت گیٹ اپ
بہنوں کے لئے خوبصورت تحفہ
قیمت : /150 روپے
اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں
اک گھروندہ برف کا : /300 روپے
ساگر دریا بادل بوند : /300 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37۔ اردو بازار۔ کراچی

ساحرہ کاظمی

میری پہلی روزہ کشائی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ جس زمانے میں میں نے روزہ رکھا وہ شدید گرمیوں کا موسم تھا۔ مگر اس کے باوجود مجھے بھوک پیاس نے تنگ نہیں کیا اور میں سارا دن کھیل کود میں مگن رہی۔ نہ ہی کسی کو میری حفاظت کرنی پڑی کیونکہ مجھے روزے رکھنے کا شوق تھا اور میں گھر والوں کو دیکھتی تھی روزے رکھتے ہوئے اس لیے مجھے آئیڈیا تھا کہ روزہ کس طرح رکھا جاتا ہے میں یہ بھی دیکھتی تھی کہ روزہ رکھ کر گھر میں سب لوگ نمازیں بھی باقاعدگی سے پڑھتے ہیں تو میں نے بھی اس دن ساری نمازیں پڑھیں۔ افطاری میں امی نے بہت اہتمام کیا تھا کہ آج میری بیٹی کا پہلا روزہ ہے۔ بہت یادگار دن تھا اور بچپن کے تو سارے ہی دن بہت یادگار، بہت اسپیشل ہوتے ہیں۔

جگن

پہلا روزہ میں نے نو سال کی عمر میں رکھا اور یہ بتاؤں کہ پھر اس کے بعد میں نے ہر سال تقریباً" سارے ہی روزے رکھے ہیں۔ پہلے روزے کے لیے کوئی بہت اچھی یادگار میرے ذہن میں نہیں ہے بلکہ بری یادیں ہیں۔

اصل میں ہمارے گھر میں کوئی روزے نہیں رکھتا تھا یہ تو بس مجھے شوق ہوا اور میں نے رکھ لیا اور میرا روزہ رکھنا سب کو بہت عجیب لگا اور خوب ڈانٹ بھی پڑی کہ تم نے کیوں روزہ رکھا ہے اور سب آپس میں الجھ رہے تھے کہ اس کو کس نے کہا ہے روزہ رکھنے کے لیے۔ البتہ گھر میں میری نانی واحد شخصیت تھیں کہ جو میرے روزہ رکھنے پر خوش تھیں اور انہوں نے مجھے پانچ سو روپے انعام بھی دیے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری نانی اور میری امی میں جھگڑا بھی ہوا تھا کہ اس نے روزہ کیوں رکھا ہے۔ اس لیے روزہ ہمیشہ میرے لیے میری ذاتی خواہش ہی رہا اور میں نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے ہمیشہ روزہ رکھا۔ تو پہلے روزے پر گھر میں اتنا جھگڑا ہوا

کہ میرے لیے بھلا افطاری کا اہتمام کون کرتا اور ویسے بھی گھر والے روزہ نہیں رکھتے تھے۔

تو بچپن کی وہ ڈانٹ اور عدم توجہی کی وجہ سے میں اب کسی کو نہیں بتاتی کہ میرا روزہ ہے۔ بس خود ہی رکھتی ہوں اور خود ہی افطار بھی کر لیتی ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ صرف ہمارے ہی گھر میں نہیں بلکہ دیگر گھرانوں میں بھی روزے کو ہوا بنا لیتے ہیں جیسے زندگی میں کوئی بہت بڑا کرائسس آگیا ہے۔ حالانکہ روزہ رکھ کر بڑا سکون ملتا ہے۔

عثمان وڑائچ (پریزنٹر ایف ایم ۱۰۳ لاہور)

میں نو سال کا تھا جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا اور اس وقت میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری روزہ کشائی میں تمام اہم رشتے داروں کو بلایا گیا تھا اور اتفاق دیکھیں کہ جس دن میں نے روزہ رکھا اسی دن میری سالگرہ تھی (۸ نومبر میری سالگرہ کا دن ہے)

اگرچہ سردی کے دن تھے لیکن بھوک پیاس نے پھر بھی ستایا اور اس پہلے روزے کے بعد ہر سال باقاعدگی سے روزے رکھتا ہوں۔ خیر افطاری کا خوب اہتمام ہوا اور ماما نے میری پسند کی تقریباً" ساری ہی چیزیں پکائیں اور افطار میں میں نے بہت کچھ کھایا اور بہت انجوائے کیا۔ چونکہ سالگرہ اور پہلا روزہ ایک دن ہی celebrate ہوا اس لیے تحفے بھی بہت ملے اور آج تک ملتے ہیں اس وقت مجھے بیگ، ریموٹ کنٹرول کار اور نقلی موبائل فون بھی ملا تھا غرض یہ کہ بہت اچھے اور قیمتی تحفے ملے تھے۔

سبرین ہسبانی

پہلا روزہ میں نے چھ سال کی عمر میں رکھا تھا اور چھ سال کی عمر میں رکھا گیا روزہ مجھے اتنا زیادہ یاد نہیں ہے بس اتنا یاد ہے کہ گھر والے بہت خوش تھے اور میرا سب نے بہت خیال رکھا تھا اور شام کو افطاری میں میری پسند کی چیزیں ہی تھیں اور مجھے میری پسند کے تحفے بھی ملے تھے۔

اس یاد کے علاوہ وہ روزہ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے جب میں دس سال کی تھی تو گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے تو ہم بہن بھائیوں نے اپنے دوستوں جن میں لڑکیاں اور لڑکے سب ہی شامل تھے۔ پلان کیا روزہ رکھنے کا۔ ہم سب سحری میں اکٹھے ہوئے، ہم نے پراٹھے پکائے انڈے بنائے گھر میں ہی دودھ کی دہی بنائی، چائے بنائی سب نے مل کر خوب اہتمام کیا سحری کا اور خوب مزے لے لے کر چیزیں کھائیں۔ اس سحری کو تو میں کبھی بھول ہی نہیں سکتی۔ پھر سارا دن بھی بہت اچھا گزرا احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم نے روزہ رکھا ہے اتنا پیٹ بھر کر کھایا تھا ہم سب نے، پھر شام کو افطاری کا اہتمام بھی ہم سب نے مل کر کیا افطاری بنائی اور یہ بھی خیال نہیں کیا کہ ہم چھوٹے چھوٹے ہیں ہم سے کوئی مسئلہ نہ ہو جائے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور سب کچھ اچھا اچھا بن گیا اور پھر افطاری بھی بہت انجوائے کی۔

اظفر رحمٰن

پہلا روزہ میں نے تیرہ سال کی عمر میں رکھا اور اسی دن میں نے قرآن پاک کی تکمیل بھی کی تھی۔ تو اس لحاظ سے یہ دن میرے لیے بہت یادگار اور بہت اہم ہے۔

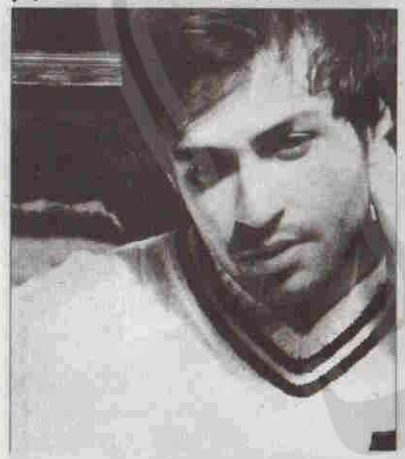

موسم گرمی کا تھا آدھا دن میں نے اسکول میں گزارا تھا اور آدھا دن گھر میں اور بہت اچھا اور آسان دن گزارا تھا۔

سحری میں میں نے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا تھا اس لیے میرا دن آسان گزرا تھا زیادہ کھانے سے پیٹ بھاری ہو جاتا ہے افطاری میں وہی کچھ تھا جو عام طور پر ہوتا ہے کوئی خاص اہتمام نہیں تھا نہ دوستوں اور نہ ہی رشتے داروں کو مدعو کیا گیا تھا اس لیے کسی سے کچھ تحفے وغیرہ بھی نہیں ملے تھے۔ لیکن مجھے پہلا روزہ رکھ کر یہ احساس ہوا تھا کہ جیسے میں نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہے۔ کیونکہ ایک ہی دن میں مجھے دو خوشیاں ملی تھیں ایک تو روزہ رکھنے کی اور دوسری قرآن پاک مکمل کرنے کی۔

شیز خان (پریزنٹر ایف ایم ۱۰۶ خان پور)

مجھے یاد ہے کہ میں نے چھ یا سات سال کی عمر میں پہلا روزہ رکھا تھا۔ گھر والے اس بات پر راضی نہیں تھے مجھے خود تو اچھی طرح یاد نہیں البتہ والدہ بتاتی تھیں کہ وہ روزہ میں نے بہت ضد کر کے رکھا تھا۔ ایک بات بتاتا چلوں پہلے ہماری رہائش سعودیہ میں تھی۔ وہاں والد صاحب کے دوست انکل نور بھی رہتے

تھے۔ تو وہ لوگ میری پہلی روزہ کشائی میں آئے تھے۔ بہت اچھی تقریب تھی۔ مگر مجھے جزئیات سے یاد نہیں۔

عاصم بشیر (پریزنٹر ایف ایم ۱۰۱ کراچی)

میں نے پہلا روزہ بہت ینگ ایج میں رکھ لیا تھا یعنی سات، آٹھ سال کی عمر میں۔ اگرچہ کہ گھر والوں نے منع کیا تھا مگر میں ضدی بہت ہوں لہٰذا روزہ رکھ لیا مگر بہت مشکل ہو گئی گرمی بہت تھی تقریب ہوتے ہوتے کافی بڑی ہو گئی اور لوگوں کی خاصی تعداد نے شرکت کی۔

خوشی کی اس تقریب میں ایک غم کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ اس تقریب میں میرے والد نے بھی شرکت کی تھی میری زندگی کی یہ واحد تقریب تھی جس میں والد صاحب نے شرکت کی تھی۔ اب سوچتا ہوں شاید میں نے اس لیے بھی جلدی روزہ رکھ لیا تھا کہ والد صاحب نے اس تقریب میں شرکت کرنی تھی اور شاید یہ میری والد صاحب کے ساتھ آخری خوشی تھی۔

☼ ☼

ماں جی

صدف جاوید قریشی

درمیانہ قد، گندمی رنگت، بھوری آنکھیں، ستواں ناک اور اس کی ناک پر ویسا ہی تل کا نشان جیسا کہ میری ناک پر ہے۔ جسم تھوڑا فربہی مائل، اپنے آپ میں الجھی ہوئیں، تھوڑی تھوڑی سلجھی ہوئیں یہ ہیں میری امی جان۔ حسن و خوبصورتی کا جو معیار اس دنیا نے اور اس جہاں کے شعراء نے مقرر کیا ہے اگر یہ اس پر پوری نہیں بھی اترتیں تو پھر بھی میرے نزدیک یہ دنیا کی "خوبصورت ترین خاتون" ہیں اور لفظ ماں بذات خود اتنا خوبصورت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے ساتھ "محبت" کا اظہار کرنا چاہا تو اس نے محبت کی پیمائش کے لیے "ماں" کے رشتے کو ہی پسند فرمایا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے" یعنی ماں کی محبت کو اللہ نے بھی تسلیم کیا۔

بات ہو رہی تھی میری امی کی تو یہ اپنی پانچ بہنوں اور دو بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ اس لیے سب سے زیادہ لاڈلی تھیں اور اب چونکہ ان کے سب بہن بھائی اپنے اپنے گھروں کے ہیں اس لیے ان کے وہ لاڈ اکثر مجھے اٹھانے پڑتے ہیں۔

اگر میں اپنی امی کو صرف چار فقروں میں بیان کروں تو وہ چار لفظ یا چار فقرے یہ ہوں گے کہ انتہائی محبت کرنے والی، ایثار کرنے والی، بہت ذمہ دار، اور اس کے ساتھ ساتھ بے حد معصوم۔

امی کے بارے میں کیا کہوں کہ اتنی باتیں ہیں کہ سرا ہاتھ نہیں آرہا۔ بحیثیت انسان وہ بہت سی خوبیوں کی مالک ہیں۔ میری تو وہ ماں ہیں مجھے تو ان کی ہر بات ہر ادا پیاری لگے گی لیکن اللہ گواہ ہے میں نے اپنے خاندان کے ہر شخص کی ان کے ساتھ محبت اور دلی وابستگی محسوس کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی محبت اور خدمت سے ہر شخص کے دل میں خود جگہ بنائی ہے۔

کسی بھی انسان اور پھر کسی بھی مسلمان کی زندگی میں دو چیزیں دین اور دنیا بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق العباد میں نے انہیں ہمیشہ پورے کرتے دیکھا ہے۔ یعنی ہر ایک کے کام آتی ہیں۔ جانی خدمت بھی کرتی ہیں اور مالی خدمت بھی کرتی ہیں۔ انتہائی فیاض اور انتہائی مہمان نواز، اور مہمان نوازی کے لیے تخصیص نہیں کہ امیر ہے یا غریب ہے لیکن کسی سے محبت زیادہ ہو وہ علیحدہ بات ہے۔

ہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق اب کچھ سالوں سے پورے کر رہی ہیں۔ یعنی نماز پابندی سے پڑھنی شروع کی ہے۔ میں نے بہت بچپن سے ایک بات محسوس کی ہے کہ امی موت سے بہت زیادہ ڈرتی ہیں۔ دن میں کتنی بار موت کا ذکر کرتی ہیں۔ دن میں کتنی بار موت کو یاد کرتی ہیں، اسی لیے وہ بہت سی برائیوں سے بچی رہتی ہیں۔

اگر امی کی پسند ناپسند کا ذکر کروں تو وہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے، ہر چیز انہیں پسند نہیں آتی۔ بہت کم اور بہت خاص چیزیں پسند آتی ہیں۔ اگر کھانے کی بات کی جائے تو کھانے میں چاول بہت پسند ہیں۔

حالانکہ انہیں یہ احساس بھی ہے کہ موٹاپے کے لیے چاول اچھی چیز نہیں ہے۔ لیکن کیا کریں کہ دل بڑا مجبور ہے۔

کھانے میں امی جی کو "ابلے ہوئے انڈے" بہت پسند ہیں۔ اور ایک انڈا دیکھ کر تو غصہ ہی آجاتا ہے اور وقفے وقفے سے دو تین انڈے کھا کر تجربہ کرتی رہتی ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ یعنی گزارا ہوتا ہے یا نہیں ادھر بھی غالب والا حال ہے یعنی آم میٹھے ہوں اور بہت ہوں، یعنی انڈے دیسی ہوں، ابلے ہوئے ہوں اور بہت ہوں۔

میرے خیال میں میری امی دنیا کی واحد خاتون ہیں

کو بازار جانا بہت برا لگتا ہے۔ اول تو کوشش کرتی کہ کوئی بھی چیز لا کر گھر ہی دے دے، وہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ لیکن بالفرض سال چھ مہینوں بعد مجبوری چلی جاتی ہیں تو اس ساتھی کی حالت قابل رحم ہوتی ہے جو ان کے ساتھ جانے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ اچانک بہت غصہ آجاتا ہے۔ بازار میں بھیڑ جو ہوتی ہے۔ کوئی چیز پسند نہیں آرہی ہوتی لوگ برے لگ رہے ہوتے ہیں۔ پھر بات کم نہیں کرا سکتیں اور یہ بھی خیال ستاتا ہے کہ ہمیں دکاندار پیسوں کے معاملے میں لوٹ ہی نہ لے کیونکہ سخی ہونے کے باوجود اگر ایک روپیہ بھی فضول خرچ ہو جائے تو دل بڑا خفا ہو جاتا ہے۔ امی کے بھی اپنے ہی مسائل ہیں۔

گھریلو خواتین کا واحد ذریعہ تفریح ٹیلی وژن ہے۔ ڈرامے کی شوقین تو نہیں ہیں لیکن ڈرامہ آرٹسٹ نیلام قاضی مرحوم بہت پسند تھا۔

اس کا ڈرامہ "ماروی" ان کا پسندیدہ ڈرامہ ہے۔

میری امی کے بہت چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں۔ جیسے امور خانہ داری میں خود کو بہت ماہر سمجھتی ہیں لیکن ابو جی کو شک ہے۔ کیونکہ ان کو چکن شاشلک پسند ہے اور جب وہ فرمائش کرتے ہیں تو یہ تپ جاتی ہیں پھر امی کو ابو جی کے دادا جی یاد آجاتے ہیں جو گاؤں میں "چکن شاشلک" کھا کر "بڑے" ہوئے تھے۔

ایک بہت مزے کی اور دلچسپ بات یہ کہ پچاس لوگوں کی دعوت کا انتظام اکیلے کر لیں گی۔ سب کچھ بھی لیں گی لیکن تقسیم نہیں کر سکتیں اور یہ فریضہ میری چچی جان اور پھپھو ادا کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ کھانا بانٹتے وقت عموماً "باورچی خانے سے فرار ہو جاتی ہیں۔

میں نے انہیں کبھی زیادہ کی ہوس کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کبھی کپڑے، زیور کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

میری امی کے بہت بڑے بڑے خواب نہیں ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں۔ چھوٹی چھوٹی تمنائیں۔ ہاں بس ایک ہی ارمان ہے زندگی کا، اور وہ کیا ہے؟ کہ ٹرین کا سفر ہو اور وہ بھی کراچی یا کوئٹہ تک جانا ہو کیونکہ اس سفر کے دوران رات آتی ہے اور وہ سارے سفر کے دوران چلغوزے کھاتی جائیں۔ اندازہ کریں دنیا کدھر جا رہی ہے اور میری معصوم ماں کراچی کے سفر تک چلغوزے کھانا چاہتی ہے اور وہ بھی ٹرین میں۔

بحیثیت انسان وہ بہت سی خوبیوں کی مالک ہیں۔ یعنی صاف گو، صاف دل، پرخلوص، بغیر کسی طمع یا لالچ کے ہر ایک کے کام آتی ہیں۔ لیکن واحد خامی جو مجھے اپنی امی میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آجاتا ہے۔ جلنے کڑھنے کا انہیں بہت شوق ہے اور خصوصاً "ہمارے والد صاحب سے روٹھ جائیں تو پھر یوں لگتا ہے کہ سارے زمانے سے روٹھ گئی ہیں۔

لیکن ایک بات ہے کسی کا دل نہیں دکھائیں، کسی کو خفا نہیں دیکھ سکتیں۔

لیکن ایک بات جو مجھے اپنی امی کی بالکل اچھی نہیں لگتی وہ یہ کہ بہت جلد مایوس ہو جاتی ہیں۔

اس وقت میرے اور میری امی کی سفارتی تعلقات بہت خراب ہو جاتے ہیں جب میں کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر نکلتی ہوں اور انہیں میری تیاری پسند نہیں آتی تو پھر ہم دونوں کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ ایک دن مجھے کہنے لگیں کہ "صدف لڑکیوں کو کتنا شوق ہوتا ہے سجنے سنورنے کا اور تمہیں سیدھی لپ اسٹک لگانی نہیں آتی۔" تب میں نے بہت تپ کر کہا کہ "جیسی خود ہیں ویسا مجھے بنا دیا ہے اب مجھے کیا کہتی ہیں" تو کہنے لگیں "کیوں میں اپنے زمانے میں آئی بینسل لگایا کرتی تھی" سبحان اللہ کتنا زیادہ فیشن کیا کرتی تھیں۔ امی کی ایسی باتوں پر بہت پیار آتا ہے۔

جہاں تک میری امی سے محبت کی بات ہے یا تعلق کی بات ہے میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ میری کمزوری ہیں میں ان کی خاطر ابو، فیصل، عادل اور ہر اس شخص سے لڑ پڑتی ہوں جو انہیں تنگ کرتا ہے یا ان کی ذرا سی بھی دل آزاری کا سبب بنتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ دنیا کی ہر ماں ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی میری ماں ہے کیونکہ مجھے اپنی ماں سے بہت محبت ہے۔

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

زکوٰۃ نہ دینے والے کا گناہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ جس کو مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایک گنجے سانپ کی شکل بن کر جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوں گے اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا' میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آل عمران کی یہ آیت پڑھی۔

"جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ اس میں بخیلی کرتے ہیں تو یہ بخیلی اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں' بلکہ ان کے حق میں بری ہے۔ جس کے لیے بخیلی کرتے تھے وہ قیامت کے دن عنقریب ان کے گلے کا طوق ہونے والا ہے۔"

(صحیح بخاری)

ثوبیہ غنی' کراچی

امیر المومنین کی عید

عید کے دن لوگ امیر المومنین کے گھر حاضر ہوئے تو کیا دیکھا کہ حضرت عمر فاروق دروازہ بند کر کے زار و قطار رو رہے ہیں۔

لوگوں نے حیران ہو کر عرض کی۔

"یا امیر المومنین! آج تو عید ہے۔ جو خوشی منانے کا دن ہے اور اس خوشی کے روز آپ کی آنکھوں میں آنسو؟"

آپ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے فرمایا۔

"اے لوگو! یہ عید کا دن ہے اور وعید کا دن بھی' آج جس کے نماز روزے قبول ہوئے۔ بلاشبہ اس کے لیے عید کا دن ہے۔ لیکن جس کے نماز روزے رد کر کے اس کے منہ پر مار دیے گئے۔ اس کے لیے وعید کا دن بھی اور میں اس ڈر سے رو رہا ہوں کہ کہیں میرے روزے قبول ہوئے یا کہ رد کر دیے گئے۔"

حرمت رداا کرم' ڈلوال

باتوں سے خوشبو آئے

☆ جہاں صداقت اور خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ ورنہ! تمہاری تنہائی' تمہاری بہترین ساتھی ہے۔

☆ لوگوں کی ضرورتوں کا تم سے وابستہ ہونا تم پر اللہ کی عنایت ہے۔

☆ جب گناہوں کے باوجود رب العزت کی نعمتیں مسلسل تمہیں ملتی رہیں تو ہوشیار ہو جانا کہ تمہارا حساب قریب اور سخت ترین ہے۔

☆ دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو اور رات کی تاریکی میں اسے تلاش کرو جو تمہیں رزق دیتا ہے۔

☆ اختیار طاقت اور دولت ملنے پر لوگ بدلتے نہیں بلکہ بے نقاب ہوتے ہیں۔"

☆ تمہارے نفس کی قیمت جنت ہے اور اسے جنت سے کم قیمت پہ نہ بیچنا۔

☆ روزانہ کچھ وقت اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر گزارا کرو۔ کیونکہ' کل قیامت کے روز یہ وقت تمہاری مغفرت کا ذریعہ بن جائے گا۔

انیقہ انا' چکوال

مہکتی کلیاں

☆ دنیا دریا ہے ایمان کشتی ہے عبادت ملاح اور آخرت کنارہ ہے۔

☆ جھگڑا بڑھنے سے پہلے اس سے الگ ہو جاؤ۔

☆ کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔

☆ چہرے نہیں رویے اجنبی ہوتے ہیں۔

☆ دولت بہترین خادم لیکن بدترین دشمن ہے۔

☆ زبان کو سوچنے سے پہلے دوڑنے نہ دو۔

☆ انسان کی آزمائش جتنی بڑی اور مشکل ہو گی انعام بھی اتنا بڑا ہو گا۔

نشا نورین۔ بوتالہ جھنڈا سنگھ

ہلال عید کی شب

تیرے صحن چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے گرد جھلملائیں
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

فوزیہ ثمرہٹ' گجرات

سن تو سہی

جب تو نہیں تو عیدیں کیسے منائیں ہم
اک بار آ کہ تجھ کو گلے سے لگائیں ہم
سنتے ہیں زندگی کا نہیں کوئی اعتبار
پھر اس کے بعد عید تلک مر نہ جائیں ہم

شازیہ عمر' گجرات

خطرہ

انگلستان کے شاہ ہنری ہشتم نے فرانس کے فرانس اول کے پاس اپنے ایک درباری کو قاصد بنا کر بھیجنا چاہا۔ درباری نے عرض کی۔

"حضور! فرانس کے مزاج سے واقف ہیں' جب یہ پیغام لے کر جاؤں گا تو وہ میرا سر قلم کر دے گا۔"

ہنری نے کہا۔ "ڈرو نہیں! اگر اس نے تمہیں قتل کیا تو ایک درجن فرانسیسیوں کے سر اڑا دوں گا۔"

درباری بولا۔ "حضور بجا فرمایا' لیکن ان درجنوں فرانسیسیوں میں سے کسی کا سر میری گردن میں نہیں لگے گا۔"

صابرہ یار محمد' کراچی

التجا

اپنی بیوی' اپنے بچے سے جدا میرے سجن
تم سمندر پار ہو دولت کمانے میں مگن
مار ڈالے گا ہمیں بے موت عطش! تیرا چلن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن "بچوں" کا بن

نسرین حنان' کراچی

پیکر شفقت

میں نے ہوش سنبھالا تو ایک ہی فرد کو گھر میں پایا۔ وہ میرے اور میں اس کے دل و نگاہ کا مرکز بن گیا۔ مجھ پر جوانی اور اس پر بڑھاپا آ گیا لیکن ہم گردش لیل و نہار سے بے نیاز ایک دوسرے کے سہارے زندگی کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ ہماری تیس سالہ رفاقت میں مفارقت کی دیوار پہلی بار اس وقت حائل ہوئی' جب میں اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں مشرقی پاکستان روانہ ہوا۔ جدائی کے چار برسوں میں خواہ وہ مشرقی پاکستان کے پر آشوب ماحول میں گزرے ہوں یا بھارت کے تنگ و تاریک بندی خانوں میں..... اس پیکر شفقت کا سایہ ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ چنانچہ جب کبھی میں یاس و حرماں کی ویرانیوں میں بھٹکنے لگا تو ایک مانوس آواز نے مجھے راہ سجھائی اور جب میں قید و بند کی تاریکیوں کو ہمہ گیر سمجھنے لگا تو ایک ٹھنڈی کرن نے مجھے روشنی مہیا کی۔

قید ہند سے رہا ہو کر واہگہ (لاہور) پہنچا تو استقبال کرنے والوں میں بہت لوگ تھے لیکن وہاں وہ آواز تھی نہ وہ کرن' جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں بھاگا بھاگا اس گاؤں میں پہنچا' جہاں برسوں پہلے ہماری رفاقت کا آغاز ہوا تھا لیکن وہاں بھی سنسان خاموشی اور مہیب

اداسی کے سوا کچھ نہ تھا۔
البتہ قریبی قبرستان میں ایک تازہ قبر کی مٹی سے سوندھی سوندھی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ یہ مامتا تھی، جو آج بھی میرا استقبال کرنے کو بے قرار تھی۔
(صدیق سالک کی کتاب "ہمہ یاراں دوزخ" سے اقتباس۔)

ثوبیہ غنی، کراچی

سنو.....!

عید کے روز خوشیاں منانے سے
فرصت ملے تو
یہ سوچنا ضرور کہ
بہت مصروف ہونے کے باوجود
تمہاری یاد کا لمحہ لمحہ
کسی کے ساتھ رہا ہے

رفعت، کراچی

اقوال زریں

☆ اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھو اور اپنے گناہوں کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔
☆ دولت نرم بستر تو خرید سکتی ہے لیکن میٹھی نیند نہیں۔
☆ خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دل کی دوا ہے۔
☆ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔
☆ تلوار کا زخم بدن پر لگتا ہے مگر بری بات کا زخم روح پر لگتا ہے۔
☆ موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی کہ زندگی۔
☆ بادلوں کی طرح رہو جو پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹوں پر بھی برستے ہیں۔
☆ کبھی انسان جسے چاہتا ہے اسے پاتا نہیں جسے پاتا ہے اسے چاہتا نہیں۔

عفت جبیں، فیصل آباد

نظم!

اگر تم آئینہ دیکھو
تو اپنے آپ سے نظریں چرا لینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو جب وہ آئینہ دیکھیں
آنکھیں چور لگتی ہیں

فوزیہ ثمرٹ، گجرات

باتیں یاد رکھنے کی

○ صرف چہرے ہی نہیں رویے بھی انسانی کیفیت کے غماز ہوتے ہیں۔
○ جو شخص کل بھی خوش رہنے کی تلاش میں ہوگا وہ اپنا آج بھی غمگین کر دے گا۔ جو آج ہے وہ حاصل عمر ہے۔ کل کس نے دیکھی ہے۔
○ خواہشیں اس تپتے ریگستان کی طرح ہوتی ہیں جس پر پاؤں رکھنے سے سوائے آبلوں کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔
○ دن بھر چاہے جس سے ملے مگر رات کو اپنے آپ سے ضرور ملے۔
○ اتنا پھیلو کہ سمٹنا مشکل نہ ہو، اتنا حاصل کرو کہ چھوڑتے وقت تکلیف نہ ہو۔

نوابزادی سولنگی، تحصیل مورو سندھ

لمبی عمر

ایک عورت حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی۔
"اے اللہ کے پیغمبر میرے بچے دو اڑھائی سو سال کے ہو کر وفات پا جاتے ہیں ان کی لمبی عمر کے لیے دعا فرمائیے۔" حضرت نوح علیہ السلام فرمانے لگے۔
"اے عورت اللہ کا شکر ادا کرو۔ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب عمریں ساٹھ سال ہوں گی۔" عورت کہنے لگی۔
"پھر تو وہ لوگ مکان بھی نہیں بنائیں گے۔"
حضرت نوح نے فرمایا۔
"ان کے مکان ہمارے مکانوں سے زیادہ پختہ اور عالیشان ہوں گے۔"

میمونہ امان، ڈی آئی خان

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

حنا رئیس، کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی غزل

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

دوستوں اُس چشم و لب کی کچھ کہو
جس کے بغیر گلستان کی رات رنگیں ہے نہ مے خانے کا نام

پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اُس بزم میں جانے کا نام

دل برہی ٹھہرا زبانِ خلق کھلوانے کا نام
اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام

اب کسی لیلیٰ کو بھی اقرارِ محبوبی نہیں
ان دنوں بدنام ہے ہر ایک دیوانے کا نام

محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے
رند کا، ساقی کا، مہ کا، خم کا، پیمانے کا نام

فیض ان کو ہے تقاضائے وفا ہم سے
جنہیں آشنا کے نام سے پیار ہے بیگانے کا نام

ثوبیہ غنی، کی ڈائری میں تحریر

جگر مرادآبادی کی غزل

نہیں جاتی کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، مانی نہیں جاتی

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے لیکن
مری سیرابیوں کی تشنہ سامانی نہیں جاتی

نہیں معلوم کس عالم میں حسنِ یار دیکھا تھا
کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی

جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر، مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

جگر وہ بھی سراپا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

رانی، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

چاند رات،

گئے برس کی عید کا دن کیسا اچھا تھا
چاند کو دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا تھا

فضا میں کیٹس کے لہجے کی نرماہٹ تھی
موسم اپنے رنگ میں فیض کا مصرعہ تھا

دُعا کے بے آواز، الوہی لمحوں میں
وہ لمحہ بھی کتنا دلکش لمحہ تھا

ہاتھ اُٹھا کر جب آنکھوں ہی آنکھوں میں
اُس نے مجھ کو اپنے رب سے مانگا تھا

ہوا! کچھ آج کی شب کا بھی احوال سُنا
کیا وہ اپنی چھت پر آج اکیلا تھا

یا کوئی میرے جیسی ساتھ تھی اور اس نے
چاند کو دیکھ کر اس کا چہرہ دیکھا تھا

حرمت ردا اکرم، کی ڈائری میں تحریر

منیر سیفی کی غزل

عید کے دن اور بھی مفلس قبیلے ہو گئے
موسم آیا کیکروں کے پھول پیلے ہو گئے

آنکھ کی دھرتی کا ٹکڑا کتنا شوراً لود تھا
آنسو کے ذائقے کڑوے کسیلے ہو گئے

تُو نے دیکھا ہی نہیں آہو کا بے پروا خرام
ہم نے دیکھا، دیکھ ہم ویران ٹیلے ہو گئے

اس نے بس اتنا کہا تھا، دن ڈوب جاتا ہے یہاں
ہم بڑے مغرب زدہ تھے بے دلیلے ہو گئے

اس کھلتے جسم کے رنگوں میں تھا رنگ بہار
شوق گل بوسی میں میرے ہونٹ نیلے ہو گئے

بجلیاں مجھ پہ گری تھیں بارشوں کے موسم میں
پھر دھنک پھیلی تو اس کے نین نشیلے ہو گئے

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس شاہ کی نظم

تم آؤ ہم بھی عید کریں،

حسرت ہے تمہاری دید کریں
تم آؤ ہم بھی عید کریں
کچھ دیر تو دل کو چین ملے
کچھ روز تو من کا پھول کھلے
کہتے ہیں عید کی آمد ہے
ہم لوگ بھی کچھ تائید کریں

تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
تم سے یہ ایک گزارش ہے
یہ اپنے دل کی خواہش ہے
اک بار ملو اک بار ملو
ہر بار یہی تاکید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
جب غم کے بادل چھائے تھے
اس وقت بھی تم نہ آئے تھے
اس بار بھی تم نہ آئے ہو
سب دشمن یہ تنقید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں
مانا کہ ہم دیوانے ہیں
سب باتوں سے انجانے ہیں
جب اپنے ہی بے گانے ہیں
کیا غیروں سے امید کریں
تم آؤ تو ہم بھی عید کریں

نغمانہ ڈھوبیا، کی ڈائری میں تحریر

ریحانہ روحی کی غزل

میں اپنی آنکھ میں جب اس کے خواب سوچتی ہوں
تو خوشبوؤں سے مہکتے گلاب سوچتی ہوں

یہ میری طاقت پرواز کا ہنر ہے کہ میں
حروف لکھتی ہوں لیکن کتاب سوچتی ہوں

وہ سب سوال جو میری سمجھ سے باہر ہیں
میں جاگ جاگ کے اُن کے جواب سوچتی ہوں

پلٹ کے دیکھتی ہوں جب رہ وفا کی طرف
تو عمر بھر کے دُکھوں کا حساب سوچتی ہوں

اگرچہ اب وہ مری دسترس میں ہے پھر بھی
میں اس کے بارے میں اب تک حجاب سوچتی ہوں

وہ یقین ہوں روحی کہ گھُپ اندھیرے میں
کرن کا وہم ہو تو آفتاب سوچتی ہوں

نغمانہ بٹ، کی ڈائری میں تحریر
فاخرہ بتول کی نظم

عیدِ اب کے برس بھی آئی ہے
وہی آسماں زمیں ہے وہی
ماہ و انجم اسی طرح روشن
کہکشاں اب بھی مسکراتی ہے
پھُول کلیاں مہک رہی ہیں یونہی
بعد مدت کے سارے پردیسی
اپنے گھروں کو لوٹ آئے ہیں
ہر طرف رنگ و بو کا میلہ ہے
اور تنہا میں اپنے کمرے میں

کب سے بیٹھی ہوں اور سوچتی ہوں
جانے کیا بات ہے کہ گھر میں میرے
جو گزشتہ برس تھی رونق اب
وہ کہیں بھی نظر نہیں آتی
ہے فضا میں عجیب سناٹا
ہاں فقط آپ کے جانے سے
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
رُت خوشی کی تو ہر طرف آئی
صرف چھوٹے سے میرے آنگن میں
عیدِ اب کے برس نہیں آئی

ماریہ قبطیہ، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی نظم

چلو کوئی ایسا نگر بسائیں
جہاں سب لوگ مل کر مسکرائیں
جہاں موسم خزاں سے اجنبی ہو
چراغوں سے ہوا کی دوستی ہو
ستم شب خوں نہ مارے حوصلوں پر
مسلط ہو زمیں خود زلزلوں پر
جہاں خوشبو رواں ہو شگفتگی میں

ہوا خود سے کھنک ناچے گلی میں
متاعِ شامِ غم ٹھہریں اُجالے
سمندر سیپیوں کو خود اُچھالے
جہاں تتلی، ہمالہ پر مکین ہو
کہ ذرہ، مہر و مہ کا ہم نشین ہو
جہاں اُلجھیں نہ آندھی سے شرارے
نہ خندہ زن ہوں جگنو پر ستارے
جہاں زنداں نہ زنجیریں نہ مقتل
سدا روشن رہے سانسوں کی مشعل
جہاں لہرائیں چہروں پر نقابیں
جہاں ٹوٹیں زخمیوں کی طنابیں
جہاں ہریالیاں جھلسیں نہ لہو سے
لہو ہولی نہ کھیلے خود لہو سے
جہاں گلنار ہوں چہرے دہک کر
کماں در کف نہ ہوں دشمن کے لشکر
جہاں چھلکیں ہر اک سو فاختائیں
سبھی رخسار خود سے تمتمائیں
فسردہ لب ترانے گنگنائیں
جہاں سب لوگ مل کر مسکرائیں

شگفتہ سلیمان

میرے شعر پسند ہیں

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات
کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں
ہوتی ہے صبح و شام مگر اس کے باوجود
ہے چاند تیری یاد کا جو ڈوبتا نہیں

نمرہ، اقرا ——— کراچی
یہ دُعا مانگتے ہیں ہم عید کے دن
باقی نہ رہے آپ کا کوئی غم عید کے دن
آپ کے آنگن میں اُترے ہر روز خوشیوں بھرا چاند
اور مہکتا رہے پھولوں سے چمن عید کے دن

نزہت جبیں ضیا ——— کراچی
تمام عمر کی وابستگی کی خواہش تھی
یہ کب کہا تھا مرا شہر چھوڑ جائے وہ
میرے بھی من کے در بچوں میں عید ہو جائے
میرے اُفق پہ اگر چاند بن کے آئے وہ

حمیرہ مہتاب ——— کراچی
جانے کیوں آپ کے رخسار دہک اُٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند

حرمت ردا اکرم ——— ڈلوال
وہ روایت خوب ہوئی مل کے دیکھیں چھت پہ چاند
رسم کی طرح لوگوں نے نبھائی ہے یہ عید
خوشیوں کے لمحات میں شامل رہا احساسِ غم
جلتی بجھتی روشنیوں سے سجائی ہے یہ عید

فرزانہ ——— کراچی
یادش بخیر ہم نے بھی دیکھے تھے باغ میں
پھولوں کے سلسلے کئی موسم گزر گئے
عیدیں تمہارے بعد بھی آتی رہیں مگر
کپڑے نہیں سیے، کئی موسم گزر گئے

انیقہ انا ——— چکوال
عید کی رات ہے برسات میری آنکھوں سے
لیجیے بس یہی سوغات میری آنکھوں سے
پھر نئے زخم کیے زیبِ تن عید کے دن
پوچھ لو کیسے کٹی رات میری آنکھوں سے

فاکہہ فردوس ——— بہاول پور
تیرے بغیر عید میں وہ رونقیں کہاں
بے کار سا ہے میرے لیے عید کا دن

مریم یوسف ——— کراچی
ہر دُکھ ہر غم کو بھُول جائیں ہم
تم جو آؤ تو عید منائیں ہم
سنبھال رکھے ہیں لفظوں کے موتی
دامنِ دل پھیلاؤ تو برسائیں ہم

شمع حسام ——— سلانوالی
نمی آنکھ کی نہ گئی عید کے روز بھی
اک تیری کمی نہ گئی عید کے روز بھی
لب مسکراتے رہے دل سسکتا رہا
روش اپنی یہ بدلی نہ گئی عید کے روز بھی

کرن شفیق ——— کراچی
عید ساون میں نہیں آئی لیکن
عید کے روز ساون ہم سے ملنے آتا ہے

نغمانہ بٹ ——— لاہور
جھوٹی مسکان کے پسِ پردہ
اشک چُپ چاپ ہے عید کے روز
منتِ شوق رائیگاں ہی گئی
جانے والے نہ رُکے عید کے روز

سمیرا عبدالغنی بٹ ——— دُرنجف لودھرے
عجیب پُر لطف منظر دکھتا رہتا ہوں بارش میں
بدن جلتا ہے اور میں بھیگتا رہتا ہوں بارش میں

مدیحہ ندا _____ کراچی

اپنے تیور تو سنبھالو کہ کوئی یہ نہ کہے
دل بدلتے ہیں تو چہرے بھی بدل جاتے ہیں

درخشاں بی _____ چوٹالہ

یہ دن یہ رات یہ ملنے مجھے اچھے سے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے سے لگتے ہیں
بہت دُور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تمہی تک فاصلے اچھے سے لگتے ہیں

ثمرین خورشید _____ خانیوال

منزل تو خوش نصیبوں میں تقسیم ہو گئی
کچھ خوش خیال لوگ ابھی تک سفر میں ہیں

نسرین خورشید _____ خانیوال

زمانے کے سوالوں کو میں ہنس کے ٹال دوں لیکن
نمی آنکھوں کی کہتی ہے مجھے تم یاد آتے ہو

تحریم _____ کراچی

میں آندھیوں کی مزاج آشنا رہی ہوں مگر
خود اپنے ہاتھ سے کیوں گھر کو منہدم کر لوں
میری گلی میں کوئی شہر یار آیا ہے
ملا ہے حکم کہ لہجے کو محترم کر لوں

صائمہ جبیں _____ کراچی

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اس کے گھر کا دروازہ ہوا
ریل کی سیٹی میں کیسے ہجر کی تمہید تھی
اُس کو رخصت کر کے گھر لوٹے تو اندازہ ہوا

اُمِ عمارہ _____ ڈوال

یوں غلط تو نہیں چہروں کا تاثر لیکن
لوگ ویسے بھی نہیں جیسے نظر آتے ہیں

انیلا شاہین _____ حجرہ شاہ مقیم

وہ خواب تھا بکھر گیا، خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا، یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر ایک دن اُداس دن، تمام شب اُداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے کہ جیسے کچھ بچا نہیں

سعدیہ سلیم _____ کراچی

جس گھروندے میں نظر آئے ذرا سی تیرگی
روشنی بن کے وہاں جاؤ پیامِ عید

نوشین اقبال _____ گاؤں بدر مرجان

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جُدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پر اتنا بھی نہ طاری کرتے

نازش ریحان _____ کراچی

خزاں کے پھول کی صورت بکھر گیا کوئی
تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی
اُسے گماں ہی نہ تھا جیسے میرے ہونے کا
میرے قریب سے یوں بے خبر گیا کوئی

عظمیٰ _____ کراچی

جانے اُس شخص کو کیسا یہ ہُنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو آنکھوں میں اُتر آتا ہے
میں اُسے اپنی دُعاؤں سے نکالوں کیسے
وہ میری سوچ کے ہر رستے پر نظر آتا ہے

نمل تاج _____ کراچی

رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پر یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رُک گیا فریاد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ امجد کسی کی یاد کا موسم

نازیہ ناز _____ تھوہا راجگان

کچھ لوگ لیا کرتے ہیں توپوں کی سلامی
پر دل میں جگہ اپنی بنایا نہیں کرتے
کچھ لوگ رہا کرتے ہیں آنکھوں سے بہت دُور
پر دل سے انہیں لوگ بھلایا نہیں کرتے

میمونہ امان _____ ڈی آئی خان

یہ بھی ممکن ہے کسی روز نہ پہچانوں اُسے
وہ جو ہر بار نیا بھیس بدل لیتا ہے
بارہا مجھ سے کہا تھا میرے یاروں نے وہی
عشق دریا ہے جو بچوں کو نگل لیتا ہے

کنول شاہین _____ جلال پور جٹاں

رشتۂ جاں تھا کبھی جس کا خیال
اس کی صورت بھی تو اب یاد نہیں
یاد ہے سیر چراغاں ناصر
دل کے بجھنے کا سبب یاد نہیں

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

میٹھی سویاں

اشیا :-

سویاں	120 گرام
چینی	چوتھائی کپ
بادام	چوتھائی کپ
کچے کاجو	چوتھائی کپ (توڑ کر پیس لیں)
چھوٹی الائچی	چار عدد
کشمش	دو کھانے کے چمچے
پسی ہوئی الائچی	آدھا چائے کا چمچہ
چار تفل پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
گھی یا پھیکا مکھن	چار کھانے کے چمچے
پانی	ڈیڑھ کپ

ترکیب :-

1 - سویوں کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔

2 - ایک کھانے کا چمچہ گھی یا مکھن ہلکی آنچ پر پگھلا لیں اور کشمش کو پھولنے تک فرائی کر لیں۔ پتیلی کو چولہے پر سے اتار لیں اور کشمش کو کسی پلیٹ میں نکال لیں۔

3 - پتیلی کو دوبارہ چولہے پر رکھ دیں اور اس میں تمام خشک میوے ڈال کر چمچہ چلاتے ہوئے اس وقت تک فرائی کریں جب تک خشک میوے ہلکے براؤن نہ ہو جائیں۔ انہیں بھی نکال کر کسی اور پلیٹ میں رکھ دیں۔

4 - پتیلی کو دوبارہ چولہے پر رکھ دیں اور اس میں بقیہ گھی یا مکھن ڈال دیں اور آنچ درمیانی کر دیں۔ ثابت الائچی ڈال کر تیس سیکنڈ تک فرائی کریں۔

5 - سویاں ڈال دیں اور خوب گولڈن ہونے تک بھونیں۔ چمچہ چلاتی رہیں۔

6 - پتیلی کو چولہے پر سے اتار لیں۔ اس میں کشمش، آدھی مقدار خشک میوہ، پسی ہوئی الائچی، پسی ہوئی جائفل ڈال کر تیزی سے چمچہ چلائیں۔

7 - پتیلی کو دوبارہ چولہے پر رکھ دیں اور پانی اور چینی ڈال دیں۔ اسے ابال آنے دیں اور پتیلی کا ڈھکنا ڈھانپ کر پانچ منٹ تک پکنے دیں۔

8 - ڈھکنا ہٹا دیں اور آنچ درمیانی کر کے سویوں کو دو سے تین منٹ تک یا خشک ہونے تک پکائیں۔

9 - پتیلی کو چولہے پر سے اتار لیں اور گرم یا سرد سرو کریں۔

10 - بقیہ خشک میووں سے گارنش کر لیں۔

بیکڈ سویاں

ضروری اشیا :-

سویاں	دو کپ
شکر	ایک کپ
کھویا	پاؤ
دودھ	ڈیڑھ لیٹر
گھی	دو کھانے کے چمچے
زردے کا رنگ	ایک چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
بادام، پستہ (کٹے ہوئے)	
چھوٹی الائچی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ

چاندی کے ورق سجاوٹ کے لیے

ترکیب :-

ایک پتیلی میں گھی گرم کر کے سویاں بھون لیں جب تک کہ وہ گولڈن رنگ کی ہو جائیں۔ اندازاً "دو" تین منٹ کے لیے۔ اب بھنی ہوئی سویاں کو اوون پروف ڈش میں نکال لیں۔ اب ایک علیحدہ برتن میں دودھ، شکر، الائچی، زردے کا رنگ اور کھویا مکس کر کے ہلکا گرم کر لیں۔ جب شکر گھل جائے تو اسے اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے اس میں دو عدد انڈے بھی پھینٹ کر مکس کر لیں اور اب اس ـــــ کو سویوں کے اوپر ڈال کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے اوون میں 250.c پر بیک کر لیں۔ بیس منٹ کے بعد جب دودھ خشک ہو جائے تو اوون سے نکال کر ٹھنڈا کر لیں اور بادام، پستہ اور چاندی کے ورق سے سجا کر عید کے پر مسرت موقع پر اپنے مہمانوں کو پیش کریں۔

کھوئے کی زعفرانی سویاں

ضروری اشیا :-

سویاں	ڈیڑھ پیکٹ
دودھ	ڈیڑھ کپ
چینی	حسب ضرورت
کھویا	آدھا پاؤ
زعفران (پسی ہوئی)	چٹکی بھر
سبز الائچی	چار عدد
گھی	ایک پاؤ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچہ
بادام، کشمش، کاجو، چلغوزے	پچیس گرام

ترکیب :-

گھی گرم کریں۔ سویوں کو توڑ لیں اور دھیمی آنچ پر گولڈن براؤن ہونے تک یا پانچ چھ منٹ تک بھون لیں۔ جس کے بعد اس میں ایک لیٹر بوائل کیا ہوا دودھ ڈالیں ساتھ ہی زردے کا رنگ ڈال کر سویوں کو پکائیں یہاں تک کہ دودھ خشک ہو جائے۔ ان سویوں کو علیحدہ رکھ دیں۔ بادام کا چھلکا اتار کر گرائنڈ کر لیں۔ ایک علیحدہ برتن میں ایک گلاس پانی ڈالیں اور اس میں شکر ڈال کر اچھی طرح پکائیں۔ جب شیرہ گاڑھا ہو جائے تو اس میں کھویا کریم گرائنڈ کیے ہوئے بادام، الائچی پاؤڈر اور زعفران ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں پھر اس میں سویوں کو شامل کر لیجیے قطرے کیوڑے کے ڈال کر مکس کر لیں۔ لیجیے مزے دار سویاں تیار ہو گئیں۔ انہیں آپ کٹے ہوئے بادام اور پستہ سے گارنش کر کے عید پر مہمانوں کو پیش کریں۔

سویوں کا زردہ

ضروری اشیا :-

سویاں	ایک پاؤ
گھی	ایک پاؤ
چینی	دو کپ
چھوٹی الائچی	آٹھ ناوس
لونگ	چار
پانی	دو کپ
بادام/پستہ	کٹے ہوئے
زعفران	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
زردہ کا رنگ، چاندی کا ورق	

ترکیب :-

چینی کو پانی میں ڈال کر اس وقت تک پکائیں جب تک چینی حل نہ ہو جائے۔ زردے کا رنگ ڈال کر ہلکا گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ گھی میں سویوں کو فرائی کریں۔ اس میں چھوٹی الائچی اور لونگ ڈال کر براؤن ہونے تک بھونیں۔ پھر اسے شیرے میں ڈال کر بادام اور پستہ بھی شامل کر دیں۔ دودھ میں زعفران کو حل کر کے وہ بھی اس میں شامل کر دیں اور اس وقت تک پکائیں جب تک سویاں گل نہ جائیں اور شیرہ خشک نہ ہو جائے۔ ایک خوبصورت سے پیالے میں نکال کر اس پر چاندی کا ورق سجا لیں۔

لذیذ شاہی شیر خورمہ

ضروری اشیا :-

سویاں	ایک پاؤ
دودھ	ایک کلو
چینی	آدھا کپ یا حسب ذائقہ
شہد	ڈیڑھ بڑا چمچہ
کھویا	ایک کپ
کریم یا بالائی	ایک کپ
چاندی کا ورق	ایک عدد
زعفران پسی ہوئی یا پیلا فوڈ کلر	تھوڑا سا
بادام کٹے ہوئے	آدھا کپ
پستہ کٹے ہوئے	آدھا کپ
اخروٹ کٹے ہوئے	آدھا کپ
کشمش اور ناریل پسا ہوا	دونوں آدھا آدھا کپ
سبز الائچی	چھ عدد
لونگ	چار عدد
کیوڑہ یا ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب :-

دیگچی میں گھی گرم کریں۔ اس میں سبز الائچی اور لونگ ڈال کر کڑکڑائیں۔ اس میں سویاں جو را کر کے ڈالیں اور بادامی رنگ کی تل لیں۔ دودھ کو الگ دیگچی میں ڈال کر ابال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب اس میں گھی سمیت سویاں ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر پکائیں اور چمچہ چلاتی رہیں۔

چینی اور شہد کو دو گلاس پانی میں الگ دیگچی میں پکا لیں۔ دس منٹ تیز آنچ میں ڈال دیں۔ اب اس شیرے کو سویوں میں ڈال دیں آنچ بہت ہلکی رکھیں۔ کریم یا بالائی کو زعفران یا پیلا فوڈ کلر میں ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اب اس میں کھویا ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اس کو سویوں میں ڈال کر ملا لیں۔ اخروٹ، پستہ، ناریل پسا ہوا ڈال کر پانچ منٹ دم پر پکائیں آخر میں کیوڑہ یا ونیلا ایسنس ڈال کر چولہا بند کر دیں۔ ڈش میں نکال کر ان پر چاندی کا ورق لگائیے بادام اور پستے کی ہوائیاں چھڑک دیں۔ عید کے دن شاہی شیر خورمہ تیار کریں اور مہمانوں سے داد وصول کریں۔

☼ ☼

سانحہ ارتحال

مشہور شاعر شارق بلیاوی ہماری ساتھی فاطمہ ثانی کے والد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

شارق بلیاوی ایک اچھے شاعر اور اچھے انسان تھے۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا بہت بڑی محرومی اور صدمہ ہے ہم فاطمہ ثانی کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

اس ماہ سائرہ عارف ناولٹ "کیسی لاگی یاری" کی نویں قسط ناگریز وجوہات کی بنا پر تحریر نہیں کر سکیں۔۔۔ لہٰذا قارئین ناولٹ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

حسن و صحت

ادارہ

جلد کی حفاظت اور اس کی نگہداشت کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی جلد کی پہچان کریں، اور پھر اس کے بعد جلد کی حفاظت کے لیے طریقے اپنائیں۔ اگر آپ اچھی جلد کی خواہش رکھتی ہیں تو اس کے لیے اس کی صفائی کی عادت اپنائیں۔ اس کے علاوہ آپ کی غذا، مناسب نیند اور ورزش بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی جلد ہمیشہ سدا بہار رہے تو پھر ذیل کے اصولوں کی پیروی ضرور کریں۔

☆ اپنی جلد کی پہچان کرنے کے بعد اس کی روزانہ صفائی متعلقہ مصنوعات سے کریں۔

☆ پچیس سال کی عمر کے بعد باقاعدگی سے ماہر آرائش حسن کو دکھائیں اور اپنی جلد کی قسم کو پہچان کر اس کے مطابق اس کی دیکھ بھال کریں۔

☆ دھوپ سے بچیں اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کریں۔

☆ روزانہ کم از کم آٹھ یا دس گلاس پانی ضرور پئیں

☆ ہفتے میں ایک بار فیس ماسک لگائیں اور باقاعدگی سے ورزش کریں۔

☆ روشن اور لچک دار جلد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اپنی جلد کو بیرونی نقصان دہ اثرات سے بچائیں اور صحت مند متناسب غذا کا استعمال کریں اس کے ساتھ ہی باقاعدہ جلد کی دیکھ بھال کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔

ہماری جلد : ۔ جلد ہمارے بدن کا سب سے بڑا عضو ہے اور چونکہ یہ ہر وقت بیرونی اثرات سے متاثر ہوتا رہتا ہے اس لیے نازک بھی بہت ہے۔ جلد ہمارے بدن کو بیرونی جراثیم کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہے، اور بدن کی نمی کے اخراج کو روکتی ہے اس لیے جلد کو صاف اور فعال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے ہمیں باقاعدگی کے ساتھ کلینزنگ کرنا، غذائیت فراہم کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اسے تر و تازہ رکھنا چاہیے۔ ہمارے ہاتھوں، چہرے اور گردن کی جلد سب سے پہلے بے توجہی اور بڑھاپے کے عمل سے متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی خصوصی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔

صحت مند اور جوانی سے بھرپور نظر آنے والی جلد کا راز متوازن غذا اور جلد کی باقاعدہ دیکھ بھال پر منحصر ہے۔ جلد مندرجہ ذیل اقسام کی ہوتی ہے! خشک، نارمل

کمبینیشن

چکنی

خشک جلد :

خشک جلد کے لیے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کے اوپر لکیریں اور جھریاں آسانی سے پڑ جاتی ہیں۔ خصوصاً" جاڑے کے دنوں میں جب جلد زیادہ خشک ہوتی ہے اس میں کھنچاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور خشکی کے چھلکے نمودار ہونے لگتے ہیں۔

مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کرنے سے آپ اپنی جلد کو خشکی سے پاک اور ملائم رکھ سکتی ہیں اس کے علاوہ وقت سے پہلے بوڑھی ہونے سے بھی جلد محفوظ رہے گی۔

☆ ہمیشہ اپنے چہرے کو ہلکے پانی سے دھوئیں جس میں صابن شامل نہ ہو، صابن کبھی استعمال نہ کریں کیونکہ وہ آپ کی جلد کی قدرتی چکنائی کو اور بھی کم کر دے گا۔

☆ دن کے وقت موئسچرائزر کا استعمال ضرور کریں، موئسچرائزر کا مساج کرتے وقت ہلکا ہاتھ استعمال کریں اور نیچے سے اوپر کی طرف دائرے کی مانند انگلیاں چلائیں۔ جلد کو نہ تو رگڑیں اور نہ ہی کھینچیں۔

رات کو سونے سے قبل کریم ضرور لگائیں۔ ایسی کریم کا استعمال کریں جس کے اندر الفاہائیڈروکس ایسڈ شامل ہو۔ یہ دودھ، پھل اور گنے سے کشید کیا جاتا ہے۔ یہ ایسڈ بہت نرمی سے چہرے کی بیرونی مردہ جلد کو اتار دیتا ہے اور نیچے سے نکلنے والی نئی اور ملائم جلد کو موئسچرائزر کرتا ہے۔

حسن کو نکھارنے اور اپنے چہرے اور جلد کی حفاظت کرنے کے لیے قدرت نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے لیکن ہم اپنی لاعلمی کی وجہ سے ان بے شمار قیمتی اجزا کو استعمال کرنے سے قاصر رہتے ہیں کہ کس چیز کی کیا افادیت ہے اور اسے کس طرح سے استعمال کرنا چاہیے ہمارے پاس پھل، کچھلی، سبزیاں، شہد، دہی، زیتون کا تیل وغیرہ بیش بہا خزانے کی صورت میں موجود ہے اگر یہ ہمارے روزمرہ استعمال میں رہے تو اس کا فائدہ ہمارے بالوں، جلد وغیرہ سے خود بخود ظاہر ہونے لگتا ہے، ہم آپ کو ان چیزوں سے تیار شدہ چند (اسپیشل) فیشل ماسک بتا رہے ہیں ان کے استعمال سے بے انتہا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آڑو یا تربوز کا ماسک

اجزا :۔ آدھی پیالی آڑو یا تربوز کا گودا لے کر کانٹے سے اچھی طرح سے میش کرلیں اب پورے چہرے پر یہ ماسک لگالیں اور لیٹ جائیں۔ پندرہ منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح سے دھولیں اس عمل سے چہرے کی تیزابیت ختم ہو جائے گی اور چہرہ فریش ہو جائے گا۔ اگر سردیوں کی وجہ سے آپ کی جلد بے انتہا خشک ہو گئی ہے تو یہ ماسک بہترین رہے گا۔

خشک جلد کے لیے ماسک

اجزا: دو عدد انڈے کی زردی اچھی طرح سے پھینٹ کر چہرے اور گردن پہ لگا لیجیے آنکھوں کو چھوڑ کر۔ بات بالکل مت کیجیے بیس منٹ بعد نیم گرم پانی سے منہ دھولیں اب جلد کو سوکھنے دیں، آپ کی اسکن چمکدار اور ٹائٹ ہو جائے گی ہفتے میں ایک دفعہ یہ ماسک اپلائی کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کی اسکن بے انتہا چکنی ہے تو یہ ماسک لگا کر آپ کی اسکن نارمل ہو جائے گی۔

چکنی جلد کے لیے ماسک

اجزا :۔ لیموں، سفوف خمیر، شوگر ایک ٹی اسپون۔ سفوف خمیر لے کر اس میں ایک ٹی اسپون شوگر ملالیں

اب انہیں آدھا کپ میں مکس کرلیں اور اسے کسی گرم جگہ پر رکھ دیں جب خمیر اٹھ جائے تو اس پر سے اوپر کی تہ ہٹالیں اور اس میں لیموں کے پانچ قطرے ملا کر مکس کرلیں اب چہرے پہ پندرہ منٹ لگا کے نیم گرم پانی سے منہ دھولیں۔

جواں دکھنے کے لیے ماسک

دو چمچے دہی کو لے کر پورے چہرے، گردن پہ لگالیں دس منٹ کے بعد نیم گرم پانی سے دھولیں اب کاٹن پیڈز کو ٹھنڈی Chamomile Tea میں ڈبو کر چہرے پہ لگائیں دس منٹ بعد دھولیں اب کسی بھی موئسچرائزر سے اچھی طرح سے مساج کریں اس سے چہرے کے کھلے مسامات بند ہو جاتے ہیں جھریاں بھی کم ہوتی ہیں۔

شبنمی جلد کے لیے ماسک

آپ خوبصورت شبنمی جلد کی خواہش مند ہیں تو یہ ماسک استعمال کریں آپ مایوس نہیں ہوں گی۔

اجزا :۔ گندم کا دلیہ، سن فلاور آئل، خمیر، انڈا، خمیر ایک چمچہ لے کر اس میں گندم کا دلیہ سن فلاور آئل میں ملالیں اب اس میں انڈا بھی مکس کرلیں پھر چہرے پہ لگالیں، پندرہ منٹ بعد دھولیں۔

☆ ☆

ریحانہ علی احمد

مسکراتی کرنیں

خوشخبری

ایک محفل موسیقی میں ایک نہایت بے سُرے اور بے کشش گلوکار نے تیسرا گانا شروع کیا۔

"میں بہت دور..... بہت دور چلا جاؤں گا۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ایک صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تو تمام رات یہیں گائے گا۔"

سیدہ نسبت زہرا، کہروڑپکا

لیڈی ڈاکٹر

استاد صاحب کلاس میں لڑکوں کو بتا رہے تھے کہ "انسان محنت کرلے تو جو چاہے بن سکتا ہے۔"

ایک لڑکا بولا۔

"مگر سر، میرے ابا جان کہتے ہیں کہ تم لاکھ کوشش کرلو مگر وہ نہیں بن سکتے جو بننا چاہتے ہو۔"

"تم کیا بننا چاہتے ہو۔" استاد نے پوچھا لڑکے نے جواب دیا۔

"لیڈی ڈاکٹر۔"

گڑیا شاہ، کہروڑپکا

شرط

دکاندار نے کوٹ کی تعریف کے پل باندھ دیے اور عورت کو کوٹ لینے پر مجبور کر دیا۔ جب عورت نے دیکھا کہ اب مجھے کوٹ لینا پڑے گا تو اس نے دکاندار سے کہا۔

"میں یہ کوٹ لے جاتی ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔" دکاندار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے۔" عورت بولی۔

"اگر یہ کوٹ میرے شوہر کو پسند نہ آئے اور وہ اسے واپس کرنے آئیں تو آپ لینے سے انکار کر دیں گے۔"

صبا ناز، لاہور

ناپ

ایک صاحب کو بھولنے کی عادت تھی وہ جوتوں کی دکان پر پہنچے اور دکاندار سے بولے۔

"مجھے زنانہ چپل چاہیے۔" دکاندار نے کہا۔

"نمبر بتائیے۔" وہ صاحب بولے۔

"نمبر تو میں بھول گیا۔"

"تو پھر ناپ دے دیجیے۔" دکاندار نے کہا۔

"ناپ ہاں یاد آیا میری قمیص کے پیچھے چپل کا نشان ہو گا اس سے ناپ لیجیے۔" ان صاحب نے پشت دکاندار کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

حنا، کراچی

کون

ایک دعوت میں ایک شاعرہ کی ملاقات ایک ایکٹریس سے ہوئی ایکٹریس نے کہا۔

"آپ کی غزلوں کا مجموعہ بہت اچھا تھا آپ کس سے لکھواتی ہیں؟" شاعرہ نے جواب دیا۔

"تعریف کا بہت شکریہ آپ کو کون پڑھ کر سناتا ہے۔"

نغمانہ بٹ، لاہور

چھٹکارا

شوہر نے اپنی زندگی کا بیمہ پچاس ہزار میں کرایا اور اس کی اطلاع بیوی کو دیتے ہوئے بولا۔

"چلو ایک فکر سے تو چھٹکارا ملا کہ میرے بعد تمہیں کون خرچ کے لیے پیسے دے گا۔"

"میری بھی ایک فکر دور ہو گئی۔" بیوی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہاری کون سی فکر دور ہو گئی؟"

"جب تم بیمار ہوتے تھے تو میری راتوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی اور میں ڈاکٹروں کے پاس چکر لگاتے لگاتے پاگل ہو جاتی تھی۔ اب کم از کم ڈاکٹروں کا خرچ تو بچے گا۔"

فوزیہ، گجرات

یہ ہے امریکہ

ایک امریکی باپ نے نہایت درد بھرے لہجے میں اپنے نوعمر سرکش بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرو میں اور تمہاری مما ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنمائی کرنے کے لیے نہ رہیں گے سوچو اگر آج میں مر جاؤں تو تم کہاں ہو گے۔"

بیٹے نے موسیقی کی دھن پر تھرکتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ مر جائیں تو فکر کرنے کی ضرورت مجھے نہیں آپ کو ہو گی۔ کیونکہ ذرا سوچیں کہ آپ کہاں ہوں گے۔"

نازیہ ثمرین، گجرات

وجہ

ایک صاحب جن کی تین بیویاں اور تقریباً "دو درجن بچے تھے" کے گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کا سماں بندھا رہتا تھا۔ ایک روز اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے گالیاں دے رہے تھے۔ محلے داروں نے گالیاں دینے کی وجہ پوچھی تو وہ صاحب بولے۔

"کوئی نابکار میرے گھر کے دروازے پر ایک نام لکھ گیا ہے۔"

"ایسا کیا نام لکھ گیا ہے جو آپ اتنے خفا ہو رہے ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

یہ سن کر ان صاحب نے دروازے کا پٹ سیدھا کر دیا جس پر لکھا تھا۔ "اسمبلی ہال۔"

انیقہ رانا، چکوال

مجبوری

ایک امریکی نے اپنے دوست سے پوچھا۔

"سنا ہے تمہاری بیوی نے گھریلو ڈیکوریشن میں ڈپلوما کیا ہے۔" دوست نے جواب دیا۔

"ہاں ٹھیک سنا ہے لیکن وہ اب مجھ سے طلاق لے رہی ہے۔" دوسرے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کیوں؟" پہلے دوست نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیونکہ میں گھر کے پردوں اور فرنیچر سے میچ نہیں کرتا۔"

ثمرین خورشید، خانیوال

ہنی مون

شادی کے بعد میاں بیوی ایک صحت افزا پہاڑی مقام پر ہنی مون پر گئے تو ہوٹل کے منیجر نے نام پوچھے بغیر اندراج کر لیا یہ دیکھ کر بیوی حیران رہ گئی اور کہنے لگی۔

"منیجر صاحب! آپ کو میرے شوہر کا نام کیسے معلوم ہے؟" منیجر بولا۔

"آپ کے شوہر ہر سال ہمارے ہوٹل میں ہنی مون منانے آتے ہیں۔"

نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

شگوفے

ایک صاحب اپنی بیوی کے بارے میں اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔

"شادی سے پہلے یہ تو مجھے معلوم تھا کہ اس کے باپ نے اسے اسکول کا منہ نہیں دیکھنے دیا۔ مگر مجھے یہ شادی کے بعد ہی پتہ چلا کہ اس کی ماں نے کبھی اسے باورچی خانے کا منہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔"

ثنا، کراچی

پرستار

ایک پادری گاؤں میں اتوار کی عبادت پر وعظ کر رہا تھا۔

"دنیا بہت بری ہو گئی ہے لوگ اتوار کا احترام بھول بیٹھے ہیں۔ آج اتوار کی صبح ہے میں یہاں کھڑا ہوں اور میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔ کہ اس وقت بچے کرکٹ کھیل رہے ہیں۔" اچانک پچھلی صف سے آواز آئی۔

"جناب جب آپ کرکٹ دیکھ ہی رہے ہیں۔ تو برائے مہربانی ذرا اسکور بھی بتا دیجیے۔"

میمونہ امان، ڈی آئی خان

افسوس

ماہر نفسیات "مبارک ہو آپ کا علاج ہو گیا اب آپ بالکل ٹھیک ہے۔"

دماغی مریض "کیا فائدہ ایسے علاج کا آپ کے پاس آنے سے پہلے میں امریکہ کا صدر تھا۔ لیکن اب عام آدمی ہوں۔"

روبینہ سید، مومن آباد، کراچی

اس سادگی پہ

مریض نے آکر ڈاکٹر صاحب سے شکایت کی۔

"آپ نے مجھے طاقت کی جو گولیاں دی تھیں وہ سب کی سب میں باقاعدگی سے کھا رہا ہوں۔ اس کے باوجود میں بہت کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"ہو سکتا ہے تمہاری خوراک ٹھیک نہ ہو آج کل کون کون سی غذا کھا رہے ہو۔" مریض حیران ہو کر بولا۔

"اچھا تو ان گولیوں کے علاوہ مجھے کھانا بھی کھانا تھا

سمیرا عبدالغنی بٹ، در نجف لودھرے

جھگڑا

پپو میاں نے گھر آکر امی سے کہا۔ "وہ جو اپنی گلی میں کریانے کی دکان والے حاجی صاحب ہیں نا..... ان کا آج ضرور اپنی بیگم سے جھگڑا ہوا ہو گا۔"

"کیوں؟ تم بھلا یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" پپو میاں کی امی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"انہوں نے ایک ہفتے سے اپنی دکان میں لکھ کر لگا رکھا ہے "لڑکے کی ضرورت ہے"..... اور آج حاجی صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔"

فرزانہ، کراچی

اصل سوال

رات کے وقت نشے میں لڑکھڑاتے ایک صاحب نے ایک راہ گیر کو روکا اور پوچھا۔ "حضور..... میں اس وقت کہاں ہوں؟"

"جناب..... آپ شارع فیصل پر نرسری کے قریب ہیں۔" راہ گیر نے بتایا۔

"ارے حضور..... تفصیلات کو چھوڑیے..... یہ بتائیے کہ یہ شہر کون سا ہے؟" ان صاحب نے جھومتے ہوئے پوچھا۔

شائلہ خالد، ٹھٹھہ

سعادت مند

آفس کے چپراسی کو باہر ادھر ادھر بیٹھ کر دفتر کی باتیں کرنے کی عادت تھی۔ باس نے سوچا کہ اسے ایک لیکچر دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بٹھا کر سمجھایا۔ "ادھر ادھر بیٹھ کر دفتر کی باتیں کرنا بہت بری عادت ہے۔ اگر تمہاری یہ عادت برقرار رہی تو تم کسی بھی دفتر میں زیادہ دن نہیں چل سکو گے۔ اپنے کام سے کام رکھا کرو اور جو بات تم سے نہیں کہی جا رہی، اس کے بارے میں یہ سمجھا کرو کہ جیسے وہ تم نے سنی ہی نہیں.....!"

باس کی سیکرٹری بھی اس وقت کمرے میں موجود تھی، باس نے سوچا کہ لگے ہاتھوں اسے بھی نصیحت کر دینی چاہیے۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔ "مس عالیہ! تم نے سنا، میں نے رشید سے کیا کہا؟"

"جی نہیں..... بالکل نہیں..... میں نے تو کچھ سنا ہی

نہیں....." عالیہ نے گھبرا کر جلدی سے کہا۔

تبسم قیوم، کراچی

بے چارگی

امراض قلب کے اسپتال کی ایمبولینس اسپتال کے قریب پہنچی تو ڈرائیور نے دیکھا کہ دو سرجن فٹ پاتھ پر سڑک کے کنارے کچھ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

"کیا آپ کا کچھ کھو گیا ہے۔" ڈرائیور نے تجسس سے پوچھا۔

"نہیں! ہم ایک انکم ٹیکس آفیسر کے تبدیل قلب آپریشن کر رہے ہیں..... اس کے سینے میں رکھنے کے لیے کوئی معقول سا پتھر نہیں مل رہا۔" سرجن نے جواب دیا۔

ثنا معین، کراچی

سوچنے کی بات

پروفیسر صاحب نے جھرجھری لیتے ہوئے اپنے ساتھی کو بتایا۔ "رات کو میں بال بال بچ گیا۔"

"کیا ہوا؟" ساتھی نے تشویش اور ہمدردی سے پوچھا۔

"رات سوتے میں اچانک میری آنکھ کھلی تو مجھے اندھیرے میں دروازے کے قریب سفید سا ایک سایہ ہلتا دکھائی دیا۔ میں نے جلدی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکالا اور اسے گولی مار دی۔ جب میں نے لائٹ جلائی تو پتہ چلا کہ وہ میری سفید شرٹ تھی، جو میں نے رات کو سوتے وقت بے خیالی میں دروازے پر لٹکا دی تھی۔" پروفیسر صاحب نے گویا اس وقت کے تصور سے ایک بار پھر جھرجھری لی۔

"لیکن اس میں یہ کہنے کی کیا بات ہے کہ تم بال بال بچ گئے؟" ساتھی نے گویا اعتراض کیا۔

"بھئی تم خود سوچو..... اگر میں بھی قمیص کے اندر ہوتا تو.....؟" پروفیسر صاحب بولے۔

ثمرین، لاہور

اشارہ

ایک آدمی دریا میں ڈوب رہا تھا..... اس نے مدد کے لیے ہاتھ ہلایا۔

دریا کے کنارے دو نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں، ان میں سے ایک نے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بتاؤ! کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کے اشارے کا جواب دوں یا پھر نظر انداز کر دوں؟"

رابعہ یاسین، راولپنڈی

بچپن کی بات

گھر کے بچے خالہ جان کے گرد جمع تھے اور وہ انہیں اپنے بچپن کے قصے سنا رہی تھیں۔ باتوں کے دوران انہوں نے کہا "جب میں چھوٹی تھی تو امی کہا کرتی تھیں کہ اگر میں لوگوں کو منہ چڑاؤں گی اور بری بری شکلیں بناؤں گی تو میری شکل بھی ویسی ہی ہو جائے گی۔"

تب ذرا بڑی عمر کا ایک بچہ غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "خالہ جان! پھر تو آپ یہ شکوہ نہیں کر سکتیں کہ کسی نے آپ کو خطرے سے خبردار نہیں کیا تھا۔"

فائزہ، اسلام آباد

نقص

انگلش کے لیکچرار نے طالب علموں کو بتایا۔

"انگریزی کا نہایت ممتاز اور مشہور شاعر ملٹن نابینا تھا۔"

دوسرے روز لیکچرار صاحب نے جاننا چاہا کہ ان کے اسٹوڈنٹس نے یہ بات یاد رکھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ انہوں نے پوچھا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ملٹن کی شخصیت میں کیا نقصان تھا؟"

"یہی کہ وہ شاعر تھا۔" ایک طالب علم نے فوراً جواب دیا۔

ثوبیہ، کراچی

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

خط دیکھیے پہلے

قندیل ضیاء ـــــ کمالیہ

س : املی کا نام سنتے ہی ہمارے منہ میں پانی آجاتا ہے۔ مگر پانی کے نل پر کچھ اثر نہیں ہوتا کیوں؟

ج : پھر نلکے کے پانی کی ضرورت رہی کہاں۔

عبیرہ ارم ـــــ راولپنڈی

س : "اینٹ سے اینٹ مل کر تو مکان بنتا ہے اور اگر دل سے دل ملے تو کیا بنے گا؟"

ج : "پنڈی کا معلوم نہیں ویسے تو گھر ہی بنتا ہے۔"

رخشندہ ملک ـــــ سوہاوہ

س : "سنا تھا کہ آپ کو گوبھی کا پھول حد سے زیادہ پسند ہے، اس لیے عید پر آپ کے گھر بھجوایا تھا کیا مل گیا ہے؟"

ج : "نہیں ملا تو نہیں البتہ آپ کی طرف سے اپنے ماموں کو بھجوا دیا اور پندرہ یوم چھپا رہا ان سے۔"

س : "اگر انہوں نے عید پر ہیروں کا سیٹ مانگا تھا تو دے دیتے، اس میں حرج ہی کیا تھا۔ خوامخواہ ان کو ناراض کر دیا نا؟"

ج : "ہیرے کو ہیروں کا سیٹ دینا ہے تو زیادتی ہیرے سے۔"

عمرانہ بتول ـــــ کبیر والا

س : "کوئی ایسا جملہ جو آپ آج تک نہ کہہ سکے ہوں، باوجود کوشش کے؟"

ج : "بات یہ ہے کہ جملے تو بہت سے ہیں لیکن ویسے انکار نہیں کر سکتا اور لوگ اسے منافقت کہتے ہیں۔"

ام کلثوم ـــــ لاہور

س : "نین جی! بچت اور قومی بچت میں کیا فرق ہے"

ج : "بچت آپ کی اپنی اور باقی سرکاری۔"

ارم ناہید ـــــ کراچی

س : "نین جی! ترقی کے لیے زینہ استعمال کرنا چاہیے یا لفٹ؟"

ج : "لفٹ، لیکن پھر بھی میرٹ پر ترقی کرتا ہے انسان!"

مسز شمع اعجاز ـــــ میرپور خاص

س : "بھیا! شعر کا جواب شعر میں دیں۔"

جل جاؤ کڑی دھوپ میں خاموشی سے
مگر کسی سے سایہ دیوار نہ مانگو

ج : "شاعر کہتا ہے کسی کا احسان مانگنا اچھا نہیں ہوتا۔"

روبینہ سراج ـــــ کراچی

س : "اگر ہم کسی کو بھلانا چاہیں اور وہ لاکھ تدبیروں کے باوجود نہ بھول پائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟"

ج : "ایسے موقع پر اللہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ صبر آہی جاتا ہے۔"

نگینہ شاہین ـــــ پشاور

س : "بھائی! لوگ محبت چہروں کو دیکھ کر کیوں کرتے ہیں اخلاق و کردار کو کیوں بھلا دیتے ہیں؟"

ج : "سچ بات ہے۔ مجھے آپ سے مکمل اتفاق ہے یہ بھول مجھ سے بھی ہوئی تھی۔"

صائمہ اطہر ـــــ کراچی

س : "آپ اپنی شادی کا کارڈ بھجوائیں گے یا اخبار میں اشتہار دیں گے، کیونکہ تقریباً" آپ کی تمام منہ بولی بہنیں جو بھی ـــــ آنے کی خواہش مند ہیں۔ کیا کریں گے؟"

ج : "ہینڈ بل چھپوا کر اخبار میں رکھوا کر بٹوا دوں گا۔"

نویدہ رفیق بھٹی ـــــ اسلام آباد

س : "ذوقی بھیا! ذرا جواب دیں بلکہ مشورہ دے دیں۔

میری ذات کے چاروں جانب تنہائی کا اک جنگل ہے
تھوڑے دیوانے ہم بھی ہیں کچھ کچھ وہ بھی پاگل ہے۔"

ج : "بھائی میں کیا کروں یہ آپ لوگوں کا عین ذاتی معاملہ ہے۔"

نسیم ناز سومرو ـــــ حیدر آباد

س : "ذوالقرنین بھائی، ایک راز کی بات کہوں یہ جو آپ کی مونچھیں ہیں نا۔ انہیں کبھی منڈوائیے گا مت! نہیں تو یہ اتنے جو لڑکیوں کے خط آتے ہیں، سب کے سب آنا بند ہو جائیں گے پتا ہے آج کل کی لڑکیاں کلین شیو پسند نہیں کرتیں اور ویسے بھی ایک بھائی کی فکر بہن کو نہیں ہوگی تو کس کو ہوگی؟"

ج : "رہنے دو ایسا مشورہ۔ شادی میں رکاوٹ ہی مونچھیں ہیں۔"

شبنم جمیل ـــــ شاہکوٹ

س : "نیناں رے نیناں تم ہی برے اور برا نہ کوئی سن لیجیے، نین بھائی مہندی حسن آپ سے کیا کہہ رہے ہیں؟"

ج : "کم از کم بڑے خان صاحب مجھ سے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔"

مہر النسا ـــــ ٹنڈو آدم

س : "زندگی میں بے شمار تلخیاں ہیں۔ لیکن پھر بھی انسان جینے کی آرزو رکھتا ہے کیوں؟"

ج : "کیا مطلب ہے آپ کا، مر جائے انسان؟ عجیب بات کرتی ہیں آپ۔"

سیما اختر ـــــ کوئٹہ

س : "آخر یہ کوئٹہ والے آپ کی محفل سے دور کیوں رہتے ہیں؟"

ج : "کون کہتا ہے، وہاں تو میرا بھتیجا عطا شاد رہتا ہے پھر دوری کیسی۔"

س : "بڑے خود غرض ہیں آپ، ہم کراچی آئے اور آپ نے اپنے گھر آنے کی دعوت تک نہ دی۔ آخر کیوں؟"

ج : "آپ نے رابطہ ہی نہیں کیا ورنہ ہم بڑے میزبان قسم کے ہیں پردیسیوں کی وجہ سے۔"

عذرا قریشی ـــــ دریا خان

س : "آج ذرا یہ تو بتائیں آپ کی زندگی کی سب سے اہم عید کون سی تھی؟"

ج : "کوئی زبردستی ہے، نہیں بتاؤں گا۔"

☼ ☼

مدیرہ

نامے میرے نام

فوزیہ ثمرہٹ..... گجرات

ستمبر کا کرن ہمیشہ کی طرح اپنی کرنیں بکھیرتا سترہ تاریخ کو ملا جو کہ بہت لیٹ ملا۔ ٹائٹل اچھا تھا انٹرویوز میں مجھے عاصم علی سے ملاقات اچھی نہیں لگی۔ "پیا کا گھر پیارا" شب آغا کا نام ہی منفرد لگا اور کچھ نہیں۔ "ماں جی" بے شک اچھا سلسلہ ہے مگر اب یکسانیت کا شکار لگتا نظر آرہا ہے میں تو کہتی ہوں۔ دو کا پہاڑا ہم قارئین کے لیے شروع کردیں تو اس کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

ویسے انٹرویوز میں اگر آپ ماہ رمضان میں جنید جمشید یا پھر ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کا انٹرویو کرتے تو زیادہ اچھا تھا۔ مکمل ناول "دھند کے بعد" نایاب جیلانی کی عمدہ تحریر تھی۔ گل مینا کی احسان فراموشی پہ دل کھول کے غصہ آیا۔ جس نے حسد کی آگ میں پشینہ کا گھر جلا دیا۔ مگر کہتے ہے نا جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے کیا ملا گل مینا کو ساری زندگی دوست کی دوستی سے بے وفائی کر کے کیا فائدہ اس لالچ کا جس کا انجام دوزخ کی آگ ہو۔

افسانوں میں بیسٹ نزہت جبیں کا "سلسلے چاہتوں کے" تھا ثمرانہ جو اپنی ساس سے سلوک کرتی رہیں۔ پڑھ پڑھ کو دل جلتا رہا۔ آخر میں اماں جی کی کوئی نیکی ہی تھی جو ثمرانہ جیسی سرکش سدھر گئی۔ ورنہ تو اپنے اعمال بڑھاپے میں ہی لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ "کیسی لاگی یاری" سائرہ جی اب تو نوری کا پردہ فاش کر ہی دیں تو بہتر ہے۔ ورنہ تو ہر قسط پڑھ کر یہی محسوس ہوتا تھا۔ کہانی ایک جگہ تھم گئی ہے۔ اس کا ٹیمپو کچھ بڑھائیے۔ ہمیں بھی لگے سائرہ جی کی تحریر پڑھ رہے ہیں "بانو اور بینا" لکھا تو رخسانہ صاحبہ نے سچ ہی ہے۔

لبنیٰ طاہر کا "مکافات عمل" بھی اچھا تھا۔ مگر زیبی کا اتنا طویل صبر کچھ ہضم نہیں ہوا اور احسن کا اپنی بیوی کو اس بات کا پابند کرنا کہ وہ میری بہنوں کے تمام برے سلوک پر اپنے لب سی لے۔ ہمیں یہ انداز کچھ خاص نہیں بھائے۔ ٹھیک ہے مکافات عمل بھی کوئی چیز ہے۔

ناولٹ میں "تیری یاد شاخ گلاب" زبردست تحریر تھی۔ کہانی اچھی تو تھی ہی۔ مگر اس بار رائٹر صاحبہ نے نام بھی بہت یونیک رکھے ہیں اینڈ تو مجھے ویسے بھی انسپائر کرتے ہیں۔ کاش ہمیں بھی کوئی دادی یا نانی میسر ہو جاتی تو زونیہ کی طرح ہمیں بھی ایسا ڈیشنگ پرسنالٹی والا ہیرو ملا جاتا۔

تقریباً" ستمبر کا کرن تمام کا تمام اے ون تھا۔ مستقل سلسلوں میں سبھی نے کافی بہتر انتخاب بھیجے۔ "رستے میں برسات ملی" میں اچھے طریقے سے سبھی نے اپنی یادوں کو شیئر کیا۔ لطیفے میں نشا نورین ہمیں ہنسانے میں کامیاب ہوئیں۔ شاعری بھی اس بار خاصی جاندار تھی۔

نامے میرے نام سب ہی بہت عمدہ انداز میں اپنی فیلنگز کا اظہار کرتی ہیں مسز نگہت کا تبصرہ پڑھ ہمیشہ یہی محسوس ہوتا ہے مجھے حقیقت میں بھی ایسی ہی دھیمے مزاج کی خاتون ہوں گی۔ میز نگہت آپ کی تحریر کا انتظار رہتا ہے۔ کنول شاہین آپ کی تعریف کا شکریہ۔

کرن اسٹاف، قارئین اور مصنفین کو عید سعید کی ڈھیروں ڈھیر مبارک کرن ہمیشہ خوشیوں کے افق پر جگمگاتا رہے کرن سے وابستہ تمام کی تمام ہستیاں خوش و خرم رہیں۔ اپنے ملک کو دشمن عناصر سے بچائے رکھے ہم سب پاکستانیوں کی ہی کوشش اور خواہش ہونی چاہیے۔

ماریہ اورنگزیب..... ایبٹ آباد

گزشتہ نو سال سے کرن شعاع اور خواتین کی خاموش قاری ہوں۔ تینوں بہت معیاری پرچے ہیں۔ پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اس ماہ کرن کا نیا شمارہ تیرہ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل بہت منفرد اور اچھا لگا۔ حمد اور نعت پڑھنے کے بعد "دو کا پہاڑا" میں فیصل علی خان سے ملاقات کی۔ آمنہ ریاض کا "بساط دل" پڑھا۔ آمنہ جی بہت اچھے طریقے سے ناول کو آگے بڑھا

رہی ہیں۔ بساط دل پڑھنے کے بعد سائرہ عارف کے پاس جا پہنچی۔ اس ناول میں سائرہ جی نے نوری کو اپنے خاندان سے بالکل الگ دکھایا اور سب سے بڑھ کر نوری کا باپ انور۔ اب تو اس بے چارے پہ ترس آتا ہے۔ پلیز سائرہ اس کو مزید محتاج نہ کرنا اور نوری کے ساتھ بھی کچھ برا نہ کرنا۔ "خواب، خواہش اور زندگی"..... یہ بھی ایک اچھی تحریر ہے۔ اس کو پڑھ پڑھ کر میں بھی خولہ کمال کی آواز کے سحر میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ مگر خزیمہ کے ساتھ بہت برا ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ آخر میں خزیمہ کی شادی خولہ کے ساتھ ہو گی۔ مکمل ناول بھی دونوں اچھے لگے۔ خاص کر نبیلہ عزیز نے بہت اچھا لکھا۔ انہوں نے تو قلم کا حق ادا کر دیا۔ مدیحہ تبسم کی ہنستی مسکراتی تحریر بھی بہت اچھی لگی۔

افسانوں میں قانتہ رابعہ بازی لے گئیں۔ باقی کے افسانے بھی اچھے لگے۔ مستقل سلسلوں میں مجھے "مسکراتی کرنیں" سب سے زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ نامے میرے نام میں سب بہنوں کے تبصرے بہت اچھے تھے۔

کیا ایک خط کے لفافے میں ایک سے زیادہ تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ یعنی کہ ایک ہی لفافے میں "مسکراتی کرنیں، نہلے پہ دہلا" اور "کرن کرن خوشبو" کے لیے انتخاب بھجوا سکتے ہیں۔ آخر میں کرن کے لیے ڈھیروں نیک خواہشات اور دعائیں۔

جواب۔ ماریہ پیاری! کرن کی بزم میں خوش آمدید۔ آپ ایک ہی لفافے میں دوسرے سلسلوں کے لیے تحریریں الگ الگ صفحات پر لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔

نشا نورین..... بوتالہ جھنڈا سنگھ

اس ماہ کا کرن جیسے ہی ملا جلدی سے اپنا نام تلاش کیا پھر اپنا نام چمکتا ہوا دیکھ کر ڈھیر ساری خوشی ہوئی پہلے تو کرن والوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کرو کم ہے جس طرح میری غلطیوں کو نظر انداز کر کے میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں پیاری آپی شکریہ کے لفاظ مجھے نہیں مل رہے۔

"ہائے وہ بدگماں میرا" نام دیکھ کر ہی پتہ چل گیا تھا اندر کیا ہو گا ویسے نبیلہ آپ کی تحریروں کی میں دیوانی ہو چکی ہوں بس اسی طرح اچھے سے اچھا لکھتی رہنا سائرہ آپی کا ناولٹ "کیسی لگی یاری" اپنی رفتار کے مطابق اے ون جا رہا ہے لیکن پلیز اتنا لمبا نہ کرنا مدیحہ تبسم نے "تیری یاد شاخ گلاب" کو پیش کیا واقعی گلاب گلاب ہی تھا اس دفعہ آمنہ آپی نے "بساط دل" کو کافی لمبا لکھا جس کی وجہ سے سارے گلے ختم ہو گئے بس آپی اختتام اچھا کرنا۔ افسانے بھی اپنی اپنی جگہ اچھے تھے انٹرویوز بس گزارا ہی تھے۔

صفیہ زیب..... نواں شہر ایبٹ آباد

دلکش ٹائٹل سے سجا کرن اس دفعہ بارہ تاریخ کو مل گیا تھا۔ حمد و نعت پڑھنے کے بعد فوراً" "نامے میرے نام" کھولا۔ حسب روایت میرا نام کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر یہ سوچ کر کبھی تو میری باری بھی آئے گی۔ خود کو تسلی دی اس کے بعد "بساط دل" پڑھا عانیہ کی فیملی کا ذکر بالکل بھی نہیں تھا۔ بہرحال ناول اچھا تھا۔ "کیسی لاگی یاری" میں مولوی صاحب کی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ مکمل ناول میں نبیلہ عزیز نے بہت زبردست لکھا۔ نبیلہ جی کیپ اٹ اپ۔

"دھند کے بعد" بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ مدیحہ تبسم نے اپنے نام کی طرح ہنستی مسکراتی تحریر لکھی۔ مدیحہ تبسم کی تحریر پڑھ کر دل شاد ہو گیا۔ افسانے بھی اچھے تھے۔ مستقل سلسلے بھی سارے اچھے رہے "کرن کرن خوشبو" میں ارم حیدر کا انتخاب زبردست تھا۔ آپی اگر آپ کو کوئی مشورہ دوں..... تو آپ ہر مہینے قارئین سے کوئی بھی سروے کیا کریں اور کیا "کرن کا دسترخوان" میں ہم بھی لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

اور آپی کرن کا سالانہ خریدار بننے کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟ آخر میں کرن کے لیے ڈھیروں دعائیں اور کرن دن رات اپنی کرنیں بکھیرتا رہے۔ (آمین)

جواب۔ پیاری صفیہ سالانہ خریدار بننے کے لیے ۵۰۰ روپے کا منی آڈر ہمارے پتے پر روانہ کر دیں ان شاءاللہ آپ کو پرچے مل جایا کریں گے۔

مسز نگہت غفار..... کراچی

اس ماہ یعنی ستمبر کا رسالہ کل ہاکر نے لا کر دیا مغرب کی نماز پڑھ کر لیٹی ہی تھی کہ تین رسالے پہنچ گئے "نامے میرے نام" میں پہلا خط میرا تھا "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں قطعہ بھی تھا شکریہ۔ جو ملے جتنا ملے اسی پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

ٹائٹل اچھا لگا "اداریہ" پڑھا اور دل کی تمام ترگہرائیوں کے ساتھ (آمین) کہا حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ کو آنکھوں کے راستے روح میں اترتا محسوس کیا۔

عاصم علی کی باتیں بہت اچھی لگیں عاصم نے اپنے ڈرامے پر جو تبصرہ کیا بہت عمدہ تھا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے "دو کا پہاڑہ" بھی دلچسپ تھا۔ "پیا کا گھر پیارا لگے" اللہ کرے سچ مچ صرف پیارا لگے نہیں بلکہ حقیقت میں پیارا ہو جن کو مل گیا ہے انہیں بہت مبارک ہو اور جو منتظر ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جلد سے جلد دلا دے۔

"ماں جی" پڑھا اور لبنیٰ کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے ارادے اور کوشش میں سرخ رو ہو سکیں "رستے میں برسات ملی" عنوان کی طرح خوب صورت تحریر تھی۔ جیتی رہو ریحانہ علی۔

کہانیاں تقریباً" سب ہی اچھی تھیں۔ لبنیٰ طاہر "مکافات عمل" واقعی بالکل سچ کہا ہے ہر عمل کا رد عمل لازمی ہوتا ہے اچھے کا اچھا اور برے کا برا..... میں نے اس عنوان سے ایک کہانی لکھی ہے جو سچی ہے آخری مراحل میں ہے۔ "نبیلہ عزیز" کا ناول بھی دلچسپ تھا۔

رخسانہ نگار کی کہانی پڑھ کر میں سوچنے لگی کہ واقعی کبھی ایک چھوٹی سی غلطی کتنی پشیمانی کا سبب بنتی ہے۔ قسط وار کہانیوں کا انتظار ہے۔

"کرن کرن خوشبو" میں مہکتی کرنیں اچھی لگیں۔

"یادوں کے دریچے" میں مشعل کی تحریر، اعتبار ساجد کی نظم کنول فرہاد کی ڈائری کا انتخاب اچھے لگے۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" تمام قطعات اور اشعار پسند آئے "مسکراتی کرنیں" سب کی تحریریں میٹھی میٹھی مسکراہٹوں کے ساتھ بھلی لگیں۔

"نہلے پہ دہلا" ہمیشہ کی طرح دلچسپ اور پرمذاق تھا۔

"نامے میرے نام" میں تمام خطوط پر خلوص اور محبت بھرے ہوتے ہیں اور ان خطوط کے جواب حوصلہ منداور اپنائیت سے پر ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تبصرہ اختتام کو پہنچا حسب سابقہ ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے حصار میں آپ سب کو دیکھنے کی خواہش لے کر رخصت ہونا چاہتی ہوں اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر۔

زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ حاضر محفل ہوں گی۔

انیقہ بانا..... چکوال

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی اور اللہ کے مبارک ماہ رمضان کی خوب خوب برکتیں سمیٹ رہی ہوں گی۔

کرن کتاب بہت پسند آئی، بلکہ اکثر ڈسٹرب میں مالٹے کا ذکر تھا تو سردیاں بے تحاشا یاد آئیں، یہ گرمیاں تو کم بخت جانے کا نام نہیں لے رہیں۔ بہرحال فی الحال باہر موسم بہت زبردست ہو رہا ہے۔ خوب بادل گرج رہے ہیں اور میں کرن پر تبصرہ کرنے بیٹھی ہوں۔

"بساط دل" ناول چل تو بہت اچھا رہا ہے، مگر رفتار بہت آہستہ ہے گویا کوئی شخص قریب المرگ ہو اور بمشکل چند بچی کھچی سانسیں پوری کر رہا ہو۔ شکر ہے عانیہ صاحبہ منظر عام پر آئیں۔ سچ کہتی ہوں کہ تیمور کے جانے کے بعد ناول میں بہت بڑا خلا آ گیا ہے۔ باقی فی الحال سارے کردار بہت ست ہوئے پڑے ہیں، متان سمیت..... اس قسط میں ایک جملے نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔

"اس نے ہمیشہ لفظوں سے مات کھائی تھی وہ آج بھی مات کھا گئی تھی۔" رابعہ رزاق کا ناول پڑھتے ہوئے میں جی بھر کر بور ہوئی۔ اب تبصرہ کیا کروں مکمل ناول دونوں بہت اچھے سہی مگر..... مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ محبت ہر جگہ کہاں سے ٹپک پڑتی ہے۔ اگرچہ محسن نقوی نے کہا ہے۔

"چلو چھوڑو! محبت شغل ہے....."

یہ کیا بات ہوئی بھلا..... اچھے بھلے باشعور انسان اس کی وجہ سے سدھ بدھ کھو بیٹھتے ہیں۔ اب یہی دیکھ لیں، ربیعہ کو محبت بھی ہوئی تو ایک نمبر کے (ایڈی سے) اگرچہ وہ وہاں اپنی جان بچانے کو چھپی ہوئی تھی، اچھا یہ بھی مان لیا کہ "ساتھ ساتھ رہیں تو محبت ہو ہی جاتی ہے۔" اگرچہ میں اس سے متفق نہیں اور چلیں اگر محبت ہو بھی گئی تو کیا ملنا ضروری تھا، وہی ایڈی، ذکاء اللہ بن گیا اور کزن بھی واہ کیا سارا ناول ہی اتفاقات سے بھرا پڑا تھا میری زندگی میں بھی کبھی ایسا اتفاق ہو کاش اور پھر ربیعہ کی خالہ نے اسے اپنے بیٹے کے لیے پسند کرنے کی جو دلیل بتائی وہ بھی کافی بودی سی لگی سوری نبیلہ جی! اس بار جانے کیوں آپ کا ناول مجھے کچھ خاص پسند نہ آیا۔

نایاب جیلانی کا ناول ہمیں اس وجہ سے کچھ معقول لگا کہ یہاں اتفاقات نہیں تھے۔ شاہ نواز اور رحاب دونوں کے کردار بہت پسند آئے۔ شاہ نواز کے غصے کو تو رحاب کی خود اعتمادی نے متاثر کیا۔ سارا ناول "ڈائیلاگز" اور بہترین پلاٹ سمیت ناول اچھا تھا۔

مدیحہ تبسم کا ناولٹ تمام تر خامیوں (جو گرچہ کم ہی تھیں)

سمیت قبول کیا کہ چلو اتنی خشک کہانیاں پڑھ پڑھ کر کچھ تو ہنسنے کا سامان پیدا ہوا۔ مدیحہ نے زونیہ کی طرف سے لکھتے ہوئے خود کلامی کا سا انداز اپنایا کیا خوب ہوتا جو آریز کے لیے بھی یہی انداز اپناتیں، بہرحال ہلکا پھلکا سا ناولٹ اچھا لگا۔

سائرہ عارف کا ناولٹ شہر تمنا، کی طرح سے چل رہا ہے شروع میں تیز گام اور پھر..... بالآخر مصطفیٰ صاحب کی اصلیت واضح ہو ہی گئی، اور نوری پر بھی ماحول کچھ کچھ رنگ دکھلانے لگا ہے ایسا نہ ہو وہ محترمہ تھوکر کھا کر شبنم کے راستے پر چل نکلیں۔

افسانے سبھی اچھے رہے۔ خصوصاً" رخسانہ نگار اور قانتہ رابعہ کا نام لینے کی تو ضرورت ہی نہیں وہ دونوں تو بیسٹ ہیں لیجیے مختصر سا تبصرہ ختم ہوا۔ اور مستقل سلسلے آن پہنچے، اچھے رہے، پلیز آپی اشعار زیادہ دیا کریں اور لطائف نئے، ہر بار پرانے "نامے میرے نام" میں اپنی کمی شدت سے محسوس ہوئی یقیناً" اگلی بار یہ کمی محسوس نہیں ہو گی۔ ویسے اپنے ناولٹ کی کمی تو میں ہر بار محسوس کرتی ہوں۔ بتلایئے نا آپی کب پوری ہو گی وہ کمی اور کب آئے گی میری باری۔

ایک سوال دے دیا ہے، جواب ضرور دیجیے گا میری طرف سے آپ سب کو عید مبارک۔

حرمت ردا اکرم..... ڈلوال

ستمبر کے کرن نے جوں ہی اپنے رخ روشن کا دیدار کروایا۔ دل بے قرار کو گوناگوں سکون محسوس ہوا۔ ماڈل جو کہ ہلکی سی مسکراہٹ سے استقبال کر رہی تھی۔ خاصی اچھی لگی مگر اس کو "پھر کبھی" کا کہہ کے فوراً" فہرست کی جانب دوڑے۔ سب سے پہلے مدیحہ تبسم کا ناولٹ پڑھا۔ ہماری رائٹرز نے زندگی کے تمام شعبوں سے ہیروئن پیدا کر لی ہیں۔ سو ایک ایئر ہوسٹس بطور ایک ہیروئن خاصی اچھی لگی۔ بہت اچھا لکھا مدیحہ نے بہت اچھے مدیحہ جی کیپ اٹ اپ۔

اس کے بعد نظر انتخاب نبیلہ عزیز کی تحریر کی طرف ٹھہرا۔ خلاف توقع اس دفعہ نبیلہ جی کی کہانی میں تھوڑا سا جھول محسوس ہوا۔ مثلاً" آج کل کی جدید ٹیکنالوجی کے زمانے میں جب ہزاروں میل دور بیٹھا شخص بھی دوسرے شخص سے مخاطب ہو سکتا ہے۔ تو اس دور میں مسٹر عبداللہ کا ذکاء اللہ اور اس کی والدہ کی تلاش نہ کرنا..... کیا معنی رکھتا ہے اگر آپ کے خیال میں وہ احساس محرومی کا شکار تھا تو تب بھی اسے ان لوگوں سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے تھا تاکہ وہ احساس جرم کا شکار تو نہ ہوتا۔

اس کے بعد نایاب جی کا دریچہ دھونی رما کے بیٹھے نایاب جی کی ہیروئن تو خاصی بولڈ واقع ہوئیں۔ ورنہ شمالی علاقہ جات کی سیر کو اور وہ بھی اکیلے، واقعی ایک بولڈ قدم ہے۔ اور اس پہ مستزاد کہ ہیرو سے کھلم کھلا اظہار محبت.....

مگر گل مینا ٹائپ کی عورتوں کے ساتھ تو بالکل ہی کچھ ہونا چاہیے تھا۔ قسط وار ناول "کیسی لاگی یاری" میں شبنم کی مکاری بہت بری لگی۔ اور نوری نے جس طرح اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا نا۔ اگر اس طرح کے تھپڑ ہمارے معاشرے کے تمام ان رستے زخموں کے منہ پر دے مارے جو کہ اب تک ناسور بن چکے ہیں۔ تو ہمارا معاشرہ ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہو جائے اور پلیز سائرہ جی! کسی کو تو نوری کا رہنے دیں۔ مصطفیٰ جس کو عزت و تکریم کا نمونہ سمجھ بیٹھے تھے۔ نہایت برا نکلا۔ پلیز نوری کے ساتھ کچھ اچھا ہی کیجیے گا۔ افسانوں میں "قانتہ رابعہ" کا افسانہ جذبہ ایمانی کو اور بڑھانے کا موجب بنا۔ ساون نمبر کے بقیہ حصے میں تمام بہنوں کے ہی جواب مزے کے تھے۔ مستقل سلسلوں میں بھی تمام انتخاب اچھا تھا۔ آغا شیراز کی کیوٹ سی بیگم اور فیصل کے جواب بھی نہایت اچھے تھے۔

عقیلہ ناصر..... خانیوال

خط تو لکھتی رہی ہوں کرن میں لیکن اب آپ شائع نہیں کرتیں آخر کیوں! پرانے خط لکھنے والوں کے ساتھ ایسے تو نہیں ہونا چاہیے حالانکہ میری شادی ہو گئی اور پھر بھی مصروفیت سے ٹائم نکال کر خط لکھوں اور جب آپ شائع نہ کریں تو پھر افسوس ہوتا ہے۔

سلسلے وار کہانیوں کے علاوہ جو اس ماہ کی مجھے بہترین تحریر لگی وہ تھی "تیری یاد شاخ گلاب" مدیحہ تبسم نے بہت اچھا لکھا ایسی ہی کہانیاں تو پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

"شہر تمنا" کے بعد اب "کیسی لاگی یاری" بھی بہت زبردست جا رہا ہے۔ یقیناً" نوری کی قسمت اچھی ہی ہو گی۔ پلیز سائرہ عارف جی اگر آپ نے نوری کے والدین کے بارے میں کچھ بتانا ہے تو جلدی سے بتائیں ناں اب اور کتنا انتظار۔ "خواب، خواہش اور زندگی" بہت اچھی جا رہی ہے۔

"بساط دل" میں عانیہ کے بارے میں بہت کم لکھا دل

بے قرار ہے کہ آخر عانیہ کا انجام تو پتہ چلے جو یقیناً "اچھا تو نہیں ہوگا۔

قانتہ رابعہ آپ کی تحریر کا میں ہر ماہ بے چینی سے انتظار کرتی ہوں بہت بہت اچھا لکھتی ہیں۔

"رستے میں برسات ملی" بہت اچھا سروے ہے اور جوابات بھی قارئین نے زبردست دیے مجھے ویسے سوال نمبر چار اچھا لگا جس کی وجہ سے مزے مزے کے پکوانوں کی تراکیب پتہ چلی۔ مکمل ناول دونوں اچھے تھے۔ مستقل سلسلے سب پسند آئے۔

آغا شیراز کی مسز کا نام عجیب سا لگا۔ کرن کا دسترخوان بہت پسند آیا۔ میکرونی کے بعد اب پاستا کے حوالے سے بھی ترکیبیں شائع کریں۔

نواب زادی سولنگی..... تحصیل مورو سندھ

سب سے پہلے تو کرن کے تمام اسٹاف، رائٹرز اور قارئین کو میری طرف سے عید کی خوشیاں اپنے ہر رنگ اور دلکشی کے ساتھ مبارک ہوں۔

اس مرتبہ کرن کے وصال محبت کے لیے زیادہ رونا نہیں پڑا! ماڈل کا فیس لک اچھا لگا کیونکہ زیادہ میک اپ نہیں تھا "اداریہ" کو دل کی گہرائیوں سے پڑھا پھر اپنے رب پاک کی حمد اور اس کے محبوب نبیؐ کی نعت کو عقیدت سے پڑھ کر دل سے لگایا۔

"انٹرویوز" دونوں ہی سو سو تھے البتہ "پپا کے گھر" کی "شب آغا" کی مدبرانہ اور نصیحت بھریں باتیں پسند آئیں کاش ہمارے معاشرے کی ہر لڑکی اچھی مثبت سوچ کی حامل ہو تو گھروں سے نفرت اور جھگڑے ختم ہو جائیں سب سے پہلے نایاب جیلانی کے مکمل ناول کو سلام کیا مگر موصول ہونے والا احساس اتنا سحر انگیز ہرگز نہ تھا کہانی میں ہر جگہ "لانگ جمپ" والی کیفیت تھی۔

اس کے بعد موسٹ فیورٹ رائٹر نبیلہ عزیز کے پاس اپنا درد دل لے کر گئے تو شکر ہے کہ انہوں نے کچھ تو ہماری مرض کی تشخیص کی! بلاشبہ وہ ایک بہترین رائٹر ہیں جو کہ سمجھتی ہیں کہ قارئین کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟

میں "نبیلہ عزیز" کو کرن کے ذریعے کہنا چاہوں گی کہ ان کی تحریریں لاجواب ہوتی ہیں اور ان کا ناولٹ بہت اچھا لگا۔

"سائرہ عارف" سے یہ کہنا ہے کہ ہم "نوری" کے کردار، اس کے ماحول، سوچ اور خواہشوں کو آٹھ اقساط میں اچھی طرح جان چکے ہیں اس لیے پلیز اب نیمبو تیز کریں تاکہ کہانی اپنے اصل رخ کی طرف آجائے

سلسلے وار ناولز میں ابھی تک پہلے والا حال ہے نہ تو کہانی آگے بڑھتی ہے اور نہ کوئی اہم پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے جو کہ کسی بھی کہانی کے لیے جادو اور کشش والا کام کرے!

افسانے سب بیسٹ تھے پر سوچ کے حامل ذہن کو بے دار کرنے والے افسانے پسند آئے اچھا پیغام ملا ہمارے دل کو، سب کی کاوشیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں "ماں جی" کے لیے سب کا قلم پر زور محبت کا دریا لگتا ہے جس میں بہت شدت اور روانی ہوتی ہے۔

"مجھے یہ شعر پسند" ہے میں کراچی کی مہتاب بلوچ کے شعر نے دل کے زخموں کو خون آلود کر دیا دریچے میں دیکھا تو سب کی یادیں نظر آئیں شاعری میں سوائے اس ناچیز کے جس کو آپ نے صرف "نام میرے نام" تک محدود کر رکھا ہے۔

"کرن کرن خوشبو" میں ہر طرف خوشبو ملی کیونکہ سب کا انتخاب بہترین تھا۔ "رستے میں برسات ملی" میں سب قاری بہنوں نے اچھا لکھا! "نامے میرے نام" میں بھی ہر رائے اچھی اور دل چسپ تھی۔

کرن کے عید نمبر رسالے کا ابھی سے انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔

سمیرا عبدالغنی بٹ..... در نجف لودھرے

سب سے پہلے کرن کے اسٹاف اور تمام قارئین بہنوں کو رمضان المبارک بہت بہت مبارک ہو کرن اس دفعہ چودہ تاریخ کو ملا ٹائٹل اچھا تھا اداریہ پڑھنے کے بعد حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد مستقل ناولز پڑھے اور جناب ہماری موسٹ فیورٹ رائٹر سائرہ عارف نے "کیسی لاگی یاری" کو اتنا دلچسپ بنا دیا ہے کہ پورے ماہ بے چینی لگی رہتی ہے۔ نبیلہ عزیز نایاب جیلانی نے دلچسپ ناولز لکھے اور جناب مدیحہ تبسم کو "تیری یاد شاخ گلاب" زبردست تحریر پیش کرنے پہ مبارک، افسانوں میں لبنیٰ طاہر، غزالہ عزیز کے افسانے پسند آئے۔ لبنیٰ رانا کے قلم سے ماں جی نے اچھا تاثر چھوڑا انٹرویو بھی لاجواب تھے اور کرن کتاب "رمضان کیسے گزاریں" تو تھی ہی لاجواب۔

☼ ☼